بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (بقرة)

ترجمہ: اور قائم کرو نمازوں کو اور ادا کرو زکوٰۃ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔



رفیق البرکات لأهل الزكوة

زکوٰۃ کے مسائل

تالیف

مفتی محمد رفیق الحسنی

ناشر

جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم

گلستانِ جوہر، بلاک ۱۵، کراچی

رفیق البرکات لأهل الزكوة

زکوٰۃ کے مسائل

تالیف

مفتی محمد رفیق الحسنی

مفتی محمد رفیق الحسنی کی مطبوعات

رفیق الفقهاء

رفیق المدينة المنورة

رفیق العروسين

رفیق الحرمين

رفیق الزوجين

رفیق الحرم المكى

رفیق العلماء

رفیق الحرم المدنى

رفیق القراء

رفیق المناسك

رفیق الصائمين

رفیق الفائزين

رفیق المعتكفين

رفیق الحاجات

رفیق المذنبين

البشرىٰ المسعود

رفیق المرحومين

رفیق المسبحين

رفیق الغافلين

رفیق المهدين

رفیق الليل والنهار

حج و عمره قدم به قدم

رفیق الناسكين

رفیق الخطباء

رفیق البركات

عقيدة الرفيق

جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم

گلستانِ جوہر، بلاک ۱۵، کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ (بقرہ:۴۳)

ترجمہ: اور قائم کرو نمازوں کو اور ادا کرو زکوٰۃ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

جس میں مندرجہ ذیل اہم مسائل ذکر کیے گئے ہیں:			
فضائل	زکوٰۃ	عشر	خمس
جی پی فنڈ	پراویڈنٹ فنڈ	دارالاسلام	دارالحرب
ربا	قمار	ضعیف حرمتِ نظر اور حرمتِ وطی کا حکم	
جمعہ وعیدین	فضا اور ہوا کی فروخت	حرام جانوروں سے انتفاع	
ملکِ تام کا مفہوم	دَینِ ضعیف کا مفہوم	قبضہ کا مفہوم	

تالیف

مفتی محمد رفیق الحسنی

مہتمم جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم، گلستانِ جوہر، بلاک ۱۵، کراچی

ای میل: mrafiqhasni@hotmail.com، ویب سائٹ: www.muftirafiq.com

ناشر : جامعہ اسلامیہ مدینہ العلوم، گلستانِ جوہر،

نام کتاب : رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

تالیف : مفتی محمد رفیق حسنی (0321/0300-9244269)

ترتیب و پروف ریڈنگ : محمد اویس رفیق حسنی

پروف ریڈنگ میں معاون : محمد عمیر رفیق، شہلا رفیق

سنِ اشاعت : 2014ء

تعداد : 500

صفحات : 656

قیمت : روپے

کمپوزنگ : این ڈی لاکھو (0346-2576532)

ناشر : جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم گلستانِ جوہر، کراچی۔

کتاب ملنے کے پتے:

- جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم ،گلستانِ جوہر، کراچی۔ فون: 34619190
- جامع مسجد مبارک سی ویو، ڈیفنس، کراچی۔ فون: 35842591
- ضیاء القرآن پبلی کیشنز، انفال سینٹر، اردو بازار، کراچی۔ فون: 32212011
- ضیاء القرآن، لاہور۔
- مکتبہ غوثیہ، پرانی سبزی منڈی، یونیورسٹی روڈ، کراچی۔ فون: 34926110
- Sohail Rafique: 33 South Lea Road, Manchster, UK. Ph. 0044-161-9152916

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

- Dr. Aamir: House No. 181, Styal Road, Post Code SK-83-TX, Cheadle Cheshire Manchster, UK. Ph. 0044-161-4988255

رفیق البرکات لاہل الزکٰوۃ

K

مَـوْلَایَ صَـلِّ وَسَـلِّمْ دَائِمًـا اَبَـدًا

عَلٰی حَبِیْبِـکَ خَـیْرِ الْخَلْـقِ کُلِّهِـمِ

فَـاِنَّ مِنْ جُـوْدِکَ الـدُّنْیَا وَضَرَّتَهَـا

وَمِنْ عُلُومِـکَ عِلْـمَ اللَّـوْحِ وَالْقَلَـمِ

فہرست

باب دوم: زکوٰۃ کے مسائل

رفیق البرکات لاہل الزکٰوۃ

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

باب سوم: العشر والخراج

باب چہارم: الخمس

باب پنجم: المصارف

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

باب ششم: دارالحرب کے مسائل

انتساب

۱۔ اس کتاب ''رفیق البرکات لاھل الزکوٰۃ'' کو حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہِ اقدس میں پیش کرتا ہوں، جنہوں نے سرورِ دوعالم ﷺ کے وصال کے بعد منکرینِ زکوٰۃ کے ساتھ جہاد فرما کر نظامِ زکوٰۃ کو نافذ اور جاری رکھا۔

۲۔ اور حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے امام اہلسنت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں کی بارگاہ میں پیش کرتا ہوں، جنہوں نے جی پی فنڈ اور پراویڈنٹ فنڈ کو دَین قوی قرار دیا اور اس فنڈ پر ملک تام کی بنیاد پر کروڑوں فقراء کی رعایت کرتے ہوئے اربوں کھربوں کی کرنسی پر زکوٰۃ فرض ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مزارانور پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

خاک پائے اہلِ ایمان

محمد رفیق حسنی عفی عنہ

جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم

گلستانِ جوہر، بلاک ۱۵، کراچی۔

مورخہ: ۲۲ جنوری ۲۰۱۴ء

پیش لفظ

• ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء میں قابل احترام فاضل اور مشہور عالم مفتی منیب الرحمٰن زیدہ مجدہ نے زکوٰۃ کے مسائل پر کتاب کا مسودہ بھیجا تاکہ اس میں درج شدہ مسائل پر مشورہ دے سکوں۔ میں نے مسودہ دیکھنے کے لیے لے لیا مگر اسے کما حقہ دیکھنے کے لیے کتبِ فقہ کا مطالعہ نہ کر سکا تھا اور حضرت کو کتاب شائع کرانے میں جلدی تھی۔ انہوں نے مسودہ واپس لے لیا۔ میں نے عرض کیا زکوٰۃ کے مسائل پر عبور نہ ہونے اور اس موضوع پر کتبِ فقہ کا مطالعہ نہ ہونے کی وجہ سے میں کتاب میں درج شدہ مسائل کے متعلق مشورہ دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ چنانچہ انہوں نے کتاب شائع کر دی اور ایک نسخہ مجھے بھی ارسال فرمایا۔ جب میں نے ان کی مطبوعہ کتاب پڑھی، ارادہ کیا کہ اب کتبِ فقہ خصوصاً ردالمحتار سے کتاب الزکوٰۃ کا مطالعہ کر کے حضرت کی کتاب میں درج مسائل کو شرحِ صدر کے ساتھ سمجھنا چاہیے۔

جی پی فنڈ پر زکوٰۃ نہ ہونے کے قائلین کا ذکر:

• مطالعہ کرنے کے بعد حضرت کے چند استخراجی مسائل میں مجھے اطمینان حاصل نہ ہو سکا۔ ان مسائل میں ایک مسئلہ پراویڈنٹ فنڈ اور جی پی فنڈ کا مسئلہ بھی تھا۔ حضرت مفتی صاحب اور علمائے دیوبند کا اس امر پر تو اتفاق ہے کہ جی پی فنڈ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ مگر علمائے دیوبند اس کو دَینِ ضعیف قرار دے کر زکوٰۃ کے عدم وجوب کا قول کرتے ہیں جبکہ حضرت مفتی صاحب اس میں ملکِ ناقص ہونے کو زکوٰۃ کے عدم وجوب کا سبب مانتے ہیں۔ جبکہ امام اہلسنت مولانا الشاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ جی پی فنڈ پر زکوٰۃ کے واجب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ میں نے امام اہلسنت کے فتویٰ کو صواب سمجھا اور امام اہلسنت کے موقف پر وارد شبہات کا

جواب بھی دیا۔ لِلّٰہِ الْحَمْدُ

دار الحرب کے مسئلہ میں علامہ سعیدی صاحب سے اختلاف:

• زکوٰۃ اور خمس کے مسائل میں حربی کفار اور دار الحرب کا ذکر بھی آتا ہے۔ اس مسئلہ میں علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ نے امام اہلسنت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی صراحۃً مخالفت کی تھی اور یورپی ممالک کو حکماً اسلامی ملک قرار دیا تھا۔ جبکہ امام اہلسنت نے فتاویٰ رضویہ کے باب الجمعۃ میں بصراحت یورپی ممالک کا نام لے کر انہیں دار الحرب قرار دیا تھا۔ چونکہ یورپی ممالک میں امام اہلسنت سے جمعہ کی نماز کی صحت اور وجوب کے متعلق سوال کیا گیا تھا۔ آپ نے اپنے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق سوال کا جواب تحریر کیا تھا۔ جس کی تفصیل آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

دار الحرب میں جمعہ اور عیدین جائز ہیں:

ہم نے زیرِ نظر کتاب کے آخر میں جوازِ جمعہ کا قول اختیار کرنے کو بیان کر دیا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ دنیا میں صرف دو دار ہیں: دار الاسلام اور دار الحرب اور بس۔ تیسرا دار دار الکفر اور حکمی دار الاسلام کا تصور صحیح نہیں ہے جیسا کہ علامہ سعیدی صاحب نے اپنے کتب میں بیان فرمایا ہے۔ آخر میں اپنے بیٹے محمد اویس رفیق اور محمد عمیر رفیق کے ساتھ اپنی بیٹی شہلا رفیق کے لیے دعا گو ہوں، جنہوں نے میری اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں حصہ لیا۔

• اس مسئلہ میں حتی الوسع تحقیق کرنے کے بعد مجھے امام اہلسنت کا موقف صواب اور صحیح نظر آیا۔ میں نے اس کی توضیح زیرِ نظر کتاب میں اپنے مقام پر ذکر کر دی ہے۔ دلائل کی بنیاد پر علمی اختلاف جائز بلکہ مستحسن ہوتا ہے تاہم کسی آدمی کو غلطی اور خطا کے امکان کی نفی کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے علامہ سعیدی صاحب اور بزرگ علماء سے پیشگی معذرت کرتا ہوں، امید ہے قبول فرمائیں گے اور محسوس

نہیں کریں گے۔ آخر انہوں نے بھی اپنی تصنیفات میں اعلیٰ حضرت اور جمہور فقہاء کی سکران کی طلاق اور اعتکاف کی حالت میں جمعہ کا غسل اور یکطرفہ ڈگری میں طلاق کے نفاذ کے مسائل میں مخالفت کی ہے۔

"اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ وَ مَا تَوۡفِیۡقِیۡۤ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَ اِلَیۡہِ اُنِیۡبُ" (ہود:۸۸)

ترجمہ: "میرا ارادہ نہیں مگر اصلاح کا جتنی استطاعت رکھتا ہوں اور مجھے توفیق نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔"

- اگرچہ زکوٰۃ کے مسائل پر کتاب لکھنے کا سبب یہ تھا کہ جی پی فنڈ کے مسئلہ کو واضح کیا جائے مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے زکوٰۃ کے مسائل پر مکمل کتاب لکھ ڈالی اور اس کا نام "رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ" رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور میرے اور میرے اساتذہ اور رفقاء اور اہل خانہ اور اولاد کی آخرت کے لیے باعثِ نجات بنائے۔ آمین

خاک پائے اہلِ ایمان
محمد رفیق حسنی عفی عنہ
جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم
گلستانِ جوہر، بلاک ۱۵، کراچی۔

مورخہ: ۲۲ فروری ۲۰۱۴ء

اہم مسائل کا اجمالی تذکرہ

زیرِ نظر کتاب میں بعض اہم مسائل کا اجمالی ذکر:

۱۔ **قبضہ کا مفہوم:** مال پر اصالۃً یا وکالۃً، حالاً یا مآلاً تصرف کی قدرت حاصل ہو۔ اس کے تصرف میں کوئی چیز مانع اور رکاوٹ نہ ہو۔

۲۔ **ملکِ تام:** مال مالک کے ملک میں ہو اور حالاً یا مآلاً اس میں تصرف کی قدرت ہو۔

۳۔ **ملک ناقص:** مال مالک کے ملک میں ہو مگر اس پر حالاً یا مآلاً تصرف کی قدرت نہ ہو جیسے رہن یا مال ضمار میں ہوتا ہے۔

۴۔ **دین قوی:** تجارتی مال کے بدل کا دین اور تجارتی مال کے کرایہ کا دین اور مزدور اور ملازم کی محنت اور عمل کی اجرت کا دین اور قرض کا دین قوی ہوتا ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

۵۔ ہبہ، وصیت، وراثت کا دین، مہر کا دین، بلا ارادہ قتل کی دیت کا دین اور بالارادہ قتل میں صلح کا دین ضعیف ہوتا ہے۔ ان دیون میں ملک ناقص ہوتا ہے لہٰذا ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

۶۔ **رہن:** مالِ مرہون پر مالک کو اصالۃً یا وکالۃً تصرف کی قدرت نہیں ہوتی اس لیے رہن میں ملک ناقص ہوتا ہے اور رہن پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

۷۔ **مال ضمار:** مال ضمار وہ مال مملوک ہے جس کی واپسی کی امید نہ ہو جیسے سمندر میں گرنے والا مال، اس پر ملک ناقص ہوتا ہے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

۸۔ **ملازم کی اجرت جی پی فنڈ / پراویڈنٹ فنڈ رہن نہیں ہے۔** جی پی فنڈ اور پراویڈنٹ فنڈ میں کمپنی ملازم کی مدیون ہوتی ہے اور مدیون صاحبِ دین کی جانب سے تصرفات کا ماذون اور وکیل ہوتا ہے۔ وکیل کے تصرفات مؤکل کے تصرفات ہوتے ہیں اس لیے اس فنڈ پر ملک تام ہوتا ہے اور زکوٰۃ واجب ہوتی ہے کیونکہ ملک ناقص میں تصرف کی قدرت نہ اصالۃً ہوتی ہے اور نہ وکالۃً۔

۹۔ ملازم کی اجرت، جی پی فنڈ اور پراویڈنٹ فنڈ مالِ ضمار نہیں ہوتا کیونکہ مالِ ضمار کی واپسی کی امید نہیں ہوتی اور اس میں بھی ملک ناقص ہوتا ہے اور جی پی اور پراویڈنٹ فنڈ کی واپسی یقینی ہوتی ہے اس میں ملک کامل ہوتا ہے اور زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

۱۰۔ ملک ناقص صرف رہن اور مال ضمار اور دین ضعیف میں ہوتا ہے۔

۱۱۔ جی پی فنڈ اور پراویڈنٹ فنڈ دینِ قوی ہوتا ہے، ضعیف نہیں ہوتا کیونکہ محنت اور اعمال مؤجرۃ کا دین مالِ تجارت کے دین کی طرح دین قوی ہوتا ہے اور مالک کا اس پر ملک کامل ہوتا ہے لہٰذا اس فنڈ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۱۲۔ دینِ میعادی یا غیر میعادی دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ دین پر مالک کا ملک تام ہوتا ہے۔ مدیون صاحبِ دین کے اذن سے تصرف کا وکیل ہوتا ہے اور دین کی واپسی یقینی ہوتی ہے چونکہ دین پر وکالۃً مالک کو تصرف کی قدرت حاصل ہوتی ہے اور دین کی واپسی یقینی ہوتی ہے۔ دین رہن اور مالِ ضمار نہیں ہوتا۔

۱۳۔ **دنیا میں صرف دو دار ہیں:** دارالحرب اور دارالاسلام۔ تیسری دار دارالکفر اور حکماً اسلامی دار کا تصور صحیح نہیں ہے۔

۱۴۔ یورپی ممالک اور امریکہ اور روس وغیرہا جہاں کبھی اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی وہ ممالک دارالحرب ہیں اگرچہ ان میں لاکھوں مسلمان آباد ہیں اور مساجد اور مدارس قائم ہیں۔

۱۵۔ دارالحرب میں جمعہ اور عیدین کی نمازیں واجب اور ان کی ادا صحیح ہے۔ بعض احناف اور امام شافعی کا یہی قول مفتی بہ ہے۔

۱۶۔ دارالحرب میں سودی لین دین شرعاً غیر سودی ہوتا ہے۔ حربی کافروں کی رضا سے ان کا مال خواہ اسے سود کا نام دیا جائے یا جوا کا یا بیع فاسد کا مسلمانوں کے لیے جائز اور حلال ہے۔

۱۷۔ حربی کفار کی حکومت یا حربی کفار کے افراد سے اضافہ کی شرط کے ساتھ قرض لینا اور دینا جائز ہے۔ دونوں صورتوں میں اضافہ سود نہیں ہوگا۔ کافر سے لیا گیا قرض مال معصوم نہیں اور مال معصوم پر مشروط اضافہ سود ہوتا ہے۔ لہٰذا حربی کفار سے مسلمانوں کا اضافہ کی شرط کے ساتھ قرض لینا جائز ہے اگر کافر مسلمانوں سے اضافہ کی شرط کے ساتھ قرض لیں یہ اضافہ بھی سود نہیں کیونکہ اضافہ مال مباح سے دیا گیا ہے، مالِ معصوم سے نہیں دیا گیا۔

۱۸۔ دارالحرب میں حربی کافروں کا مال دھوکہ اور فریب سے لینا ممنوع اور محظور ہے لیکن یہ حکم ان مسلمانوں کے لیے ہے جو وہاں قانونی طور پر مقیم ہیں یا تاجر مستأمن ہیں اور وہ مسلمان جو غیر قانونی (illegal) ہیں، ان کے لیے ہر صورت کافر حربی کا مال مباح ہے کیونکہ ان کا غیر اسلامی حکومت کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں لہٰذا ان کا عمل غدر اور فریب نہیں کہلائے گا۔

۱۹۔ کافرہ حربیہ خواتین کے ساتھ مسلمانوں کی ہمبستری اور جنسی عمل حرام ہے کیونکہ زوجیت کا عمل ملک نکاح یا ملک یمین کی وجہ سے جائز ہوتا ہے اور حربی کافرہ عورتیں مسلمانوں کے ملک میں نہیں ہوتیں الا یہ کہ دارالاسلام میں لانے پر بطور مالِ غنیمت یا فئے ان کا ملک حاصل ہو جائے اور کافرہ حربیہ عورت اہلِ کتاب سے ہو اور مشرکہ نہ ہو۔

۲۱۔ دارالحرب میں حربی کفار کا مال مسلمانوں کے لیے غصب کرنا یا چوری کرنا جائز نہیں ہے، انہیں واپس کر دیا جائے اور اگر واپس نہیں ہو سکتا تو صدقہ کر دیا جائے۔ غصب اور سرقہ سے حربی کفار کا مال جو کہ مباح اور معصوم ہوتا ہے غاصب اور سارق کے ملک میں آجاتا ہے مگر غدر اور دھوکہ کی وجہ سے اس میں کراہت آجاتی ہے۔ لہٰذا واپس کر دیا جائے یا صدقہ کر دیا جائے۔

۲۲۔ حربی کافروں کا مال مباح اور غیر معصوم ہوتا ہے اس کے سرقہ میں قطع ید

نہیں ہے۔ حربی کا مال تلف کرنے میں ضمان اور تاوان نہیں۔ اسی طرح حربی مباح الدم ہوتا ہے اس کے قتل میں قصاص نہیں اور حربیہ کے ساتھ زنا میں حد نہیں لیکن غدر اور خلافِ معاہدہ ہونے کا گناہ ہوگا چونکہ دارالحرب میں شریعت نافذ نہیں اس لیے شرعی حدود اور قصاص ساقط ہوں گے۔

۲۳۔ مسلمانوں کے لیے دارالحرب میں خنزیر اور شراب اور میتۃ کی خرید و فروخت جائز نہیں۔ مسلمان کہیں بھی ہو اسے اسلامی احکام پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔ اور اگر کسی مسلمان کو بغیر خرید یا اجرت خنزیر اور شراب اور میتۃ حاصل ہو وہ مذکورہ اشیاء حربی کافر کو دے کر ان کا معاوضہ حاصل کرلے تو معاوضہ جائز ہے۔

۲۴۔ دارالاسلام یا اسلامی ریاست یا شہر وہ ملک یا شہر ہے جس ملک یا شہر پر اسلامی حکومت ہو یا پہلے اسلامی حکومت تھی پھر کافروں کی حکومت قائم ہوگئی مگر کافر حکومت نے اسلامی شعائر پر پابندی نہیں لگائی۔ اس ملک میں مسلمانوں کو عیدین اور جمعہ کی نمازیں پڑھنے سے نہیں روکا اور مدارس اور مساجد کی تعمیر کرنے کی اجازت ہے، وہ ملک دارالاسلام ہے جیسے پاکستان اور ہندوستان اور ہندوستان کے شہر دارالاسلام ہیں۔

۲۵۔ اسلامی ریاست میں مباح الانتفاع حرام جانوروں کا کاروبار اور تجارت جائز ہے اور اس کاروبار سے حاصل آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہے۔

۲۶۔ حرام جانوروں میں عموماً اکل اور شرب کی حرمت مراد ہوتی ہے۔ انتفاع کی حرمت مراد نہیں ہوتی مگر خنزیر سے انتفاع بھی حرام ہے۔

۲۷۔ پگڑی کی بیع اور شراء اور حقوقِ متاکدہ اور فضا اور خلا کی بیع اور شراء اور غیر مادی اشیاء گیس اور بجلی اور منافع کی بیع اور شراء جائز ہے اور ان کی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہے۔

۲۸۔ منصب اور عہدہ چھوڑنے کا معاوضہ لینا جائز ہے۔

۲۹۔ حربی کافر کا مال اس کی رضا سے حاصل ہو اور غدر نہ ہو، دونوں اسلامی اور غیر اسلامی ریاستوں میں بیوع فاسدہ اور عقود ربوی سے حاصل کرنا جائز ہے کیونکہ عقود رضا کی علامت ہوتے ہیں۔

۳۰۔ حربی کافر کی دوکانوں اور ہوٹلوں میں مسلمانوں کا حربی کافروں کو خمر یا خنزیر کا سالن اٹھا کر ان کے ٹیبل پر رکھنا اور اس کی اجرت حاصل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ کفار کے لیے خمر اور خنزیر کا استعمال معصیت نہیں۔ کفار ایمان کے ساتھ مکلف ہیں اور فروعات کے ساتھ مکلف نہیں لہٰذا مسلمانوں کا کفار کے اسٹوروں اور ہوٹلوں میں اجرت پر عمل کرنا معصیت پر تعاون نہیں ہے نیز امام ابو حنیفہ کے نزدیک شراب کی بوتلیں یا کریٹ اٹھانے میں معصیت نہیں ہے اس کی اجرت جائز ہے۔

یہ سب مسائل اور دیگر مسائل در مختار اور ردالمحتار اور دیگر کتب سے ماخوذ ہیں۔

خاک پائے اہلِ ایمان

محمد رفیق حسنی عفی عنہ

جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم

گلستانِ جوہر، بلاک ۱۵، کراچی۔

مورخہ: ۲۳ اپریل ۲۰۱۴ء

باب اول

زکٰوۃ اور صدقات کے فضائل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

زکٰوۃ اور صدقات کے فضائل

• صدقات کے دو قسم ہیں: صدقاتِ واجبہ اور نفلی صدقات۔ پھر صدقاتِ واجبہ کی متعدد اقسام ہیں۔ سب سے اہم زکٰوۃ ہے، دوم صدقۃ الفطر، سوم نذرِ شرعی اور چہارم قتل اور روزہ اور ظہار اور یمین کے کفارات اور پنجم فدیہ صوم و صلٰوۃ، جن کے احکام میری کتابوں "رفیق الصائمین" اور "رفیق الزوجین" وغیرہا میں موجود ہیں، اگر ضرورت ہو تو ان کتابوں میں دیکھ لیں۔ زیرِ نظر کتاب "رفیق البرکات لاہل الزکٰوۃ" میں زکٰوۃ کے مسائل کا ذکر ہے اور بالتبع صدقات نفلی کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے مگر ابتداء میں قرآن مجید اور احادیث سے زکٰوۃ اور صدقاتِ نفلی کے فضائل درج کیے گئے ہیں تاکہ قارئین کو فضائل پڑھ کر زکٰوۃ اور صدقات ادا کرنے کی رغبت ہو اور علماء ان آیات اور احادیث سے لوگوں کو ترغیب دلائیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

"مَنۡ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیۡ اَرۡبَعِیۡنَ حَدِیۡثًا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِیۡهًا" (مرقاۃ، ص:۲۳۸۶، ج۴)

ترجمہ: "جس شخص نے میری امت کے لیے چالیس حدیثیں یاد کیں اللہ تعالیٰ اس کو فقیہ اٹھائے گا۔"

آیات مبارکہ:

1. وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ۝۴۳ (بقرہ:۴۳)

ترجمہ: اور قائم کرو نمازوں کو اور ادا کرو زکٰوۃ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو (یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھو)۔

2. خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَکِّیۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَیۡهِمۡ ؕ

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۳﴾ (توبہ:۱۰۳)

ترجمہ: (یارسول اللہ) آپ لوگوں کے اموال سے صدقات لے کر ان لوگوں کو پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں اور ان کے لئے دعا کریں۔ بے شک آپ کی دعا ان کے لئے سکون اور راحت ہوگی اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

3. اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِیْنَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ (معارج:۲۵-۲۲)

ترجمہ: بیشک انسان کو جلد باز پیدا کیا گیا، جب اس کو ضرر پہنچتا ہے وہ بے صبرا ہو جاتا ہے اور جب اسے مال ملتا ہے وہ بخیل ہو جاتا ہے مگر نماز پڑھنے والے جو نماز پڑھنے کو ہمیشہ جاری رکھتے ہیں اور ان کے مالوں میں سائل اور محتاج غیر سائل کے لیے معین حق ہے (وہ بخیل نہیں ہیں)۔ (بعض مفسرین نے حق سے مراد زکوٰۃ بیان کی ہے۔)

4. وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۴﴾ یَّوْمَ یُحْمٰى عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ (توبہ:۳۵-۳۴)

ترجمہ: اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع رکھتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے۔ پس ان کو دردناک عذاب کی خبر دو جس دن سونا اور چاندی جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا۔ پس گرم سونے اور چاندی کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا۔ (انہیں کہا جائے گا) یہ وہ (سونا اور چاندی) ہے جس کو تم نے جمع کئے رکھا تھا (زکوٰۃ نہیں دی تھی)۔

5. یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا

لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ﴿۲۶۷﴾ (بقرہ:۲۶۷)

اے ایمان والو! محنت سے حاصل کردہ پاکیزہ مالوں سے خرچ کرو اور ان اموال اور فصلوں سے جو ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں اور ان مالوں سے ردّی اموال کا قصد نہ کرو، وہ جو تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہو اور تم خود اس ردّی مال کو نہیں لیتے مگر یہ کہ تم اس میں اغماز اور چشم پوشی کرو۔ اور تمہیں معلوم ہو بے شک اللہ تعالیٰ غنی حمید ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں زکوٰۃ اور عشر اپنے اچھے مال سے دینے کا حکم ہے، ردی مال جس کو صاحبِ مال خود استعمال کرنے سے اجتناب کرتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔

6. وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (سورہ مائدہ:۵)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (مائدہ:۵)

ترجمہ: اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور ظلم پر تعاون نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

- ان آیاتِ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنا ہلاکت اور تباہی اور عذابِ شدید کا باعث ہوتا ہے۔

7. مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (سورہ بقرہ:۲۴۵)

ترجمہ: کون ہے وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرضہ دے پس اللہ تعالیٰ اس کے لیے قرض کو ان گنت گنا بڑھادے اور اللہ تعالیٰ ہی رزق تنگ کرتا ہے اور رزق بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

● حضرت زید بن اسلم بیان کرتے ہیں، جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت ابوالدحداحؓ نے عرض کیا، فداک ابی وامی یارسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض طلب کرتا ہے حالانکہ وہ قرض سے غنی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے قرض کی وجہ سے تمہیں جنت میں داخل فرمائے۔ حضرت ابوالدحداح نے عرض کیا، اگر میں اپنے رب کو قرض دوں تو کیا آپ میرے لیے اور میرے ساتھ دحداحۃ اور دحداحۃ کے بچوں کے لیے جنت کی ضمانت دیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں۔ حضرت ابوالدحداح نے عرض کیا، آپ اپنا ہاتھ مبارک میرے ہاتھ میں دیں۔ آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا۔ حضرت ابوالدحداحؓ نے عرض کیا، میرے دو باغ ہیں ایک عالیہ اور ایک سافلہ میں اور اللہ تعالیٰ کی قسم ان کے علاوہ کسی دوسرے باغ کا میں مالک نہیں ہوں۔ بے شک میں نے دونوں باغ اللہ تعالیٰ کے لیے قرض کر دیا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایک باغ اللہ تعالیٰ کے لیے کر دو اور دوسرے کو اپنے اور اپنے عیال کی کفالت کے لیے چھوڑ دو۔ ابوالدحداح نے عرض کیا، پس میں آپ کو گواہ بناتا ہوں یارسول اللہ! میں ان دو باغوں میں سے جو بہتر باغ ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ کرتا ہوں اور وہ باغ وہ ہے جس میں کھجوروں کے چھ سو درخت موجود ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آپ کو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے جنت عطا فرمائے گا۔ اس کے بعد ابوالدحداح اپنی بیوی ام الدحداح کے پاس آیا، وہ بچوں کے ساتھ باغ میں کھجوروں کے درختوں کے نیچے گھوم رہی تھی۔ حضرت ابوالدحداح نے خوشی سے چند اشعار پڑھے، جس میں ام الدحداح کو جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باغ

کے سلسلہ میں ہونے والے معاملہ کی اطلاع دی۔ حضرت ام الدحداح نے جواب میں عرض کیا "قَدْ رَبِحَ بَيْعُكَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيمَا اشْتَرَيْتَ" (اللہ تعالیٰ تیری بیع نفع بخش بنائے اور اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے جو تو نے خرید کی ہے۔) پھر ام الدحداح نے بھی خوشی سے اشعار پڑھے۔ اس کے بعد ام الدحداح بچوں کے پاس آئی اور ان کے منہ سے اور برتنوں اور تھیلوں سے کھجوریں نکلوا دیں اور بچوں کو دوسرے باغ میں لے گئیں۔

اس پر سرورِ دوعالم ﷺ نے فرمایا:

"كَمْ عَذْقٍ رَدَاحٍ وَدَارٍ فَيَاحٍ لِاَبِي الدَّحْدَاحِ"

ترجمہ: ابوالدحداح کے لیے (جنت میں) کتنی اچھی کھجوریں اور اچھے وسیع گھر ہوں گے۔

قرض کا ثواب صدقہ سے زیادہ ہوتا ہے:

● حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب معراج کی رات مجھے سیر کرائی گئی، میں نے جنت کے دروازہ پر دیکھا، لکھا تھا:

"اَلصَّدَقَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا وَالْقَرْضُ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ"

ترجمہ: "صدقہ کا اجر دس گنا زیادہ ملے گا اور قرض کا اٹھارہ گنا۔"

● آپ ﷺ فرماتے ہیں، جبریل علیہ السلام سے میں نے پوچھا "مَا بَالُ الْقَرْضِ اَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ؟" کیا وجہ ہے کہ قرض صدقہ سے افضل ہے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا، صدقہ کے لیے سائل سوال کرتا ہے جبکہ اس کے پاس کچھ موجود ہوتا ہے مگر قرض طلب کرنے والا قرض طلب نہیں کرتا مگر حاجت کی وجہ سے۔ (قرطبی، ص: ۲۴۰، سورۃ بقرہ)

8. "مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ

وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔" (سورہ بقرہ:۲۶۱)

ترجمہ: ان لوگوں کی مثال جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں (ان کاشتکاروں کی ہے جو زمین میں) ایک دانہ کاشت کرتے ہیں، وہ دانہ سات بالیں (سٹے) اگاتا ہے، ہر سٹہ میں ایک سو دانے ہوتے ہیں اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت علم والا ہے۔"

• اللہ تعالیٰ نے صدقہ کرنے والوں کے صدقہ کا اجر بڑھانے کی ایک مثال بیان فرمائی جو کہ صدقہ کرنے والے خود مشاہدہ کرتے ہیں تا کہ صدقہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے کرم اور سخا پر یقین حاصل ہو اور وہ کامل یقین کے ساتھ خرچ کریں۔

• حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی جناب رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: "رَبِّ زِدْ اُمَّتِیْ" (اے میرے رب میری امت کو زیادہ اجر عطا فرما)۔ اللہ تعالیٰ نے "مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ" آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان گنت گنا اجر اور ثواب عطا فرمائے گا، سرورِ دوعالم ﷺ نے پھر دعا فرمائی "رَبِّ زِدْ اُمَّتِیْ" (اے میرے رب میری امت کو اس سے بھی زیادہ عطا فرما)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ" (بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب دیا جائے گا)۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

(قرطبی، ص:۳۰۲)

• بعض علماء نے بیان کیا، یہ آیت حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں نازل ہوئی۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر سرورِ دوعالم ﷺ کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے چار ہزار دینار دیئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! میرے پاس آٹھ ہزار دینار تھے، چار ہزار اپنے لیے رکھے ہیں اور چار آپ کو پیش کر دیئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار دینار اور تین سو اونٹ پالان اور ضروری

سامان کے ساتھ ہدیہ کیا اور عرض کیا، یارسول اللہ! جس آدمی کے پاس اونٹ نہیں ہوگا میں اس کو اونٹ اور نفقہ دوں گا۔ (قرطبی)

9. "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ۔" (سورہ آل عمران:۹۲)

ترجمہ: تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچوگے حتی کہ تم خرچ کرو ان چیزوں سے جن کے ساتھ تم محبت کرتے ہو اور تم جو چیز خرچ کرو، بے شک وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

• حضرت انسؓ سے مروی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت ابو طلحہ نے عرض کیا، بے شک ہمارا ربّ ہم سے اموال کا سوال فرما رہا ہے، یارسول اللہ! آپ کو میں گواہ بناتا ہوں۔ میں نے اپنی زمین اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دے دی۔ (مؤطا شریف میں ہے زمین سے مراد بیر حاء کا باغ ہے جو حضرت ابو طلحہ کے اموال سے یہ انہیں بہت زیادہ محبوب تھا۔ یہ باغ مسجد کے سامنے تھا اور جناب رسول اللہ ﷺ اس میں تشریف لے جاتے تھے اور اس میں بیر حاء سے پانی تناول فرماتے تھے۔ نہایت میٹھا پانی تھا۔) آپ ﷺ نے فرمایا، ابو طلحہ یہ باغ اپنے رشتہ داروں حسان بن ثابت اور ابی ابن کعب کو دے دو۔ چنانچہ حضرت ابو طلحہ نے وہ باغ ان کو دے دیا۔

• حضرت زید بن حارثہ کو سبل گھوڑا بہت پیارا تھا۔ حضرت زید نے عرض کیا، اے اللہ! تو جانتا ہے مجھے اپنے اموال میں اس گھوڑے سے کوئی چیز زیادہ محبوب نہیں ہے۔ اور عرض کیا یارسول اللہ! یہ گھوڑا اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ ہے۔ سرورِ دوعالم ﷺ نے وہ گھوڑا اسامہ بن زید کو دے دیا۔ چونکہ حضرت اسامہ حضرت زید کا بیٹا تھا، حضرت زید نے سمجھا شاید یہ صدقہ قبول نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ قَدْ قَبِلَھَا مِنْكَ"

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے یہ صدقہ تم سے قبول کر لیا ہے۔

• حضرت عبداللہ ابن عمر کو اپنے غلام حضرت نافع بہت پیارے تھے۔ آپ نے حضرت نافع کو آزاد کر دیا۔ حضرت عبداللہ ابن جعفر نے ایک ہزار دینار آپ ﷺ کو ہدیہ پیش کیا۔ حضرت عمر بن خطاب نے مدائن کسریٰ کے اسیروں سے حاصل خوبصورت کنیز آزاد کر دی۔ حضرت امام سفیان ثوری بیان کرتے ہیں، حضرت ربیع ابن خشعم کی بیوی ہر سائل کو حلوہ کھلاتی تھیں اور فرماتی تھیں، ربیع کو حلوہ پسند تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز بہت زیادہ میٹھی چیزیں خرید کر صدقہ کر دیتے تھے اور فرماتے تھے مجھے یہی چیزیں بہت پسند ہیں۔ سب لوگ اسی آیت پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ (قرطبی)

احادیث شریفہ:

1. عَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا اُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فِيْ حَجَّةِ الْوِدَاعِ فَقَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ صَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَ صُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَ اَدُّوْا زَكٰوةَ اَمْوَالِكُمْ وَ اَطِيْعُوْا اِذَا اُمِرْتُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ اُمَامَةَ مُنْذُ كَمْ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ سَمِعْتُهٗ وَ اَنَا ابْنُ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً۔ (رواہ الترمذی بحوالہ فتح القدیر، کتاب الزکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت سلیم ابن عامر سے روایت کی گئی ہے، انہوں نے کہا، میں نے ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ آپ ﷺ حجۃ الوداع میں خطبہ دے رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی پانچ نمازیں پڑھو اور اپنے مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے امیروں کی اطاعت کرو جب تمہیں امر کیا جائے تو تم

اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔ سلیم نے کہا، میں نے ابی امامہ سے عرض کیا، آپ نے یہ حدیث جناب رسول اللہ ﷺ سے کب سنی تھی۔ آپ نے فرمایا، میں نے یہ حدیث اس وقت سنی تھی جب میں تیس سال کا تھا۔

2. عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ كُلُّ مَالٍ اُدِّيَتِ الزَّكٰوةُ مِنْهُ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ وَ اِنْ كَانَ تَحْتَ سَبْعِ اَرْضِيْنَ وَ كُلُّ مَالٍ لَمْ تُؤَدَّ الزَّكٰوةُ مِنْهُ فَهُوَ كَنْزٌ وَ اِنْ كَانَ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ۔ (بدائع الصنائع)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ سے روایت ہے، انہوں نے کہا، ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے، وہ کنز نہیں ہے اگرچہ وہ مال سات زمینوں کے نیچے ہو اور ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی جاتی پس وہ کنز ہے اگرچہ وہ زمین کے اوپر ہو۔

• قرآن مجید کی سورہ توبہ کی آیت "اَلَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ" میں سونے اور چاندی کے کنز کی مذمت کی گئی ہے، جس سے صحابہ کرام گھبرا گئے تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید سونا اور چاندی اپنے ملک میں رکھنا اور عورتوں کا استعمال کرنا مطلقاً ناجائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام سے فرمایا، میں جناب رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کی وضاحت کا سوال کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور صحابہ کرام کی پریشانی کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کنز وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ نہ دی جائے۔ اگر مطلقاً سونا اور چاندی اپنے ملک میں رکھنا جائز نہ ہوتا تو میراث کا حکم کیوں ہوتا۔ حضرت عمرؓ نے خوش ہو کر بلند آواز کے ساتھ کہا، اللہ اکبر۔ اور واپس آکر صحابہ کرام کی پریشانی دور فرما دی۔ لہٰذا زکوٰۃ ادا ہونے کے بعد مال کنز نہیں رہتا اگرچہ کروڑوں کا مال ہو۔ (مشکوٰۃ شریف)

زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعیدات:

۱۷۷۳/۳: عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ قَالَ مَا مِنْ

صَاحِبِ ذَهَبٍ وَّلَا فِضَّةٍ وَلَا يُؤَدِّيْ حَقَّهَا اِلَّا جُعِلَتْ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَفَائِحُ ثُمَّ اُحْمِيَ عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهٗ وَ جَبْهَتُهٗ وَ ظَهْرُهٗ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ فَيَرٰى سَبِيْلَهٗ اِمَّا اِلَى الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَى النَّارِ وَ مَا مِنْ صَاحِبِ بَقَرٍ وَّلَا غَنَمٍ لَا يُؤَدِّيْ حَقَّهَا اِلَّا اُتِيَ بِهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَتَطَؤُهٗ بِاَظْلَافِهَا وَ تَنْطَحُهٗ بِقُرُوْنِهَا۔ (الحدیث)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کوئی صاحبِ سونا اور چاندی نہیں جس نے ان سے حق ادا نہیں کیا مگر اس کے لئے قیامت کے دن سونے اور چاندی کی پلیٹیں بنائی جائیں گی پھر انہیں جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر ان کے ساتھ اس کے پہلو اور پیشانی اور پیٹھ اس دن داغی جائے گی جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا۔ پس وہ شخص اپنا راستہ دیکھے گا جنت یا جہنم کی طرف اور کوئی صاحبِ بقر اور غنم (گائے اور چھوٹے جانور) جس نے ان کا حق ادا نہیں کیا ہوگا مگر وہ جانور قیامت کے دن لائے جائیں گے جو ان کو اپنے قدموں سے روندیں گے اور اپنے سینگوں سے اسے ضربیں لگائیں گے۔

۱۷۷۴/۴: عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَنْ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ مَالُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِلَهْزِمَتَيْهِ يَعْنِيْ شِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا وَ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتٰهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔

(العمران: ۱۸۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا پھر اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، اس کے لئے اس کا مال قیامت کے دن گنجا زہریلا اژدھا بنا دیا جائے گا، اس کے لئے دو (۲) زبیب (سیاہ نقطے) ہوں گے، اس آدمی کے گلے میں طوق بنا دیا جائے گا پھر وہ سانپ اس آدمی کو اپنے دونوں جبڑوں میں پکڑے گا اور کہے گا، میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی، اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس مال میں جو انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا، وہ ان کے لئے بہتر ہے بلکہ وہ ان کے لئے شر اور برا ہے۔ عنقریب قیامت کے دن انہیں اس مال کے ساتھ، جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا، وہ مال ان کے گلے میں طوق بنایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہے آسمانوں اور زمینوں کی وراثت اور اللہ تعالیٰ، جو تم عمل کرتے ہو، ان کے ساتھ باخبر ہے۔

۱۷۷۵/۵: عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ يَّكُوْنُ لَهٗ اِبِلٌ اَوْ بَقَرٌ اَوْ غَنَمٌ لَا يُؤَدِّيْ حَقَّهَا اِلَّا اُتِيَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْظَمَ مَا تَكُوْنُ وَ اَسْمَنَهٗ تَطَؤُهٗ بِاَخْفَافِهَا وَ تَنْطَحُهٗ بِقُرُوْنِهَا كُلَّمَا جَازَتْ اُخْرَاهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ اُوْلَاهَا حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ۔ (مشکوٰۃ۔ متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے، بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کوئی آدمی نہیں جس کے لئے جانوروں سے اونٹ یا گائے بیل اور بھینس یا بھیڑ بکری دنبہ اس کے ملک میں ہوں، وہ ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا مگر قیامت کے دن ان جانوروں کو لایا جائے گا پہلے سے بہت بڑے اور موٹے ہوں گے، اپنے پیروں کے نیچے اس کو روندیں گے اور سینگھوں سے اسے ماریں گے۔ جب آخری جانور گزر جائے گا، پہلا واپس لایا جائے گا۔ یہ روندنا اس وقت تک جاری رہے گا جب تک لوگوں کے درمیان فیصلہ ہوگا۔

۱۷۸۱/۶: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ

الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ كَبُرَ ذَالِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ عُمَرُ اَنَا اُفَرِّجُ عَنْكُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اَنَّهٗ كَبُرَ عَلٰى اَصْحَابِكَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكٰوةَ اِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ اَمْوَالِكُمْ وَ اِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيْثَ (وَ ذَكَرَ كَلِمَةً) لِتَكُوْنَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ فَقَالَ فَكَبَّرَ عُمَرُ ثُمَّ قَالَ لَهٗ اَلَا اُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ اَلْمَرْءَةُ الصَّالِحَةُ اِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَاِذَا اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَاِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ۔ (مشکوٰۃ رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے، جب آیت ''وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ...الخ'' نازل ہوئی تو مسلمانوں میں اس پر عمل کرنا نہایت دشوار سمجھا جانے لگا پھر حضرت عمرؓ نے کہا، میں تمہاری پریشانی دور کرتا ہوں۔ دربارِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، اے اللہ تعالیٰ کے نبی! بے شک یہ آیت آپ کے اصحاب کے لیے پریشان کرنے والی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ فرض نہیں کی مگر اس لیے کہ باقی رہنے والے مال کو پاک کرے اور وراثت فرض فرمائی (ایک کلمہ کا ذکر کیا) تاکہ وہ مال تمہارے بعد والوں کے لیے ہو جائے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اللہ اکبر کہا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کیا تجھے آدمی کے خزانوں میں سے اچھے خزانے کی خبر نہ دوں؟ آدمی کے لیے نیک بیوی جب شوہر اسے دیکھے وہ اس کو مسرت بخشے اور جب اسے حکم کرے وہ اس کی اطاعت کرے اور جب اس سے شوہر غائب ہو تو اس کی حفاظت کرے (یعنی مال اور عزت کی حفاظت کرے) وہ بیوی سب خزانوں سے اچھا خزانہ ہے۔

۷/۱۷۹۳: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا خَالَطَتِ الزَّكٰوةُ مَالًا قَطُّ اِلَّا اَهْلَكَتْهُ۔

(رواہ الشافعی والبخاری فی تاریخہ)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا،

آپ ﷺ نے فرمایا: ہرگز مال میں زکوٰۃ مخلوط نہیں ہوتی مگر زکوٰۃ اس مال کو ہلاک کر دیتی ہے۔

۸/۱۸۰۹: عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ امْرَءَتَيْنِ اَتَتَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ اَيْدِيْهِمَا سَوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ۔ فَقَالَ لَهُمَا تُؤَدِّيَانِ زَكٰوةً قَالَتَا لَا۔ فَقَالَ لَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُحِبَّانِ اَنْ يُّسَوِّرَكُمَا اللّٰهُ بِسِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ؟ قَالَتَا: لَا۔ قَالَ فَاَدِّيَا زَكٰوتَهٗ۔

(رواہ الترمذی)

ترجمہ: عمرو ابن شعیب نے اپنے باپ پھر انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا کہ بے شک دو عورتیں جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور ان کے ہاتھوں میں سونے کے کڑے تھے۔ انہیں آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تم نے ان کی زکوٰۃ ادا کی ہے؟ دونوں نے عرض کیا، نہیں۔ ان کو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کیا تم پسند کرتی ہو کہ تمہیں جہنم کی آگ سے گرم کیے ہوئے کڑے اللہ تعالیٰ پہنائے؟ انہوں نے عرض کیا، نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کڑوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔

● معلوم ہوا خواتین اگر مالدار ہوں، سونے یا چاندی کے زیورات کی مالک ہوں ان پر بھی زکوٰۃ واجب ہے بشرطیکہ نصاب موجود ہو۔

ایسے لوگوں کا ذکر جن کے لئے صدقہ حلال نہیں:

۹/۱۸۲۱: عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرَةٍ فِي الطَّرِيْقِ فَقَالَ لَوْ لَا اَنِّيْ اَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَاَكَلْتُهَا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ راستہ میں گرے ہوئے کھجور کے دانہ سے جناب رسول اللہ ﷺ گزرے تو آپ نے فرمایا، اگر مجھے اس کھجور کے دانہ کے صدقہ میں ہونے کا خوف نہ ہوتا تو اس کو اٹھا کر کھا لیتا۔

● اس حدیث سے آپ ﷺ نے اپنی امت کو دو درس دیئے ایک یہ کہ رزق

کی ادنیٰ چیز کو بھی حقیر نہ سمجھو اور دوم یہ کہ کسی مال کے حرام ہونے میں شک ہو تو اس سے اجتناب کرو۔

۱۰/۱۸۲۱: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِیْ فِیْهِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ کَخْ کَخْ لِیَطْرِحَهَا ثُمَّ قَالَ اَمَا شَعَرْتَ اِنَّا لَا نَأْکُلُ الصَّدَقَةَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں حضرت حسن ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صدقہ کی کھجوروں سے ایک دانا اٹھا کر منہ میں ڈالا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کخ کخ تا کہ حضرت حسن کھجور کا دانا پھینک دیں پھر فرمایا، کیا تو نہیں جانتا کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے۔

• اس حدیث سے معلوم ہوا سادات کے لیے زکوٰۃ لینا حرام ہے۔

۱۱/۱۸۲۳: عَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ابْنِ رَبِیْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِیَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَ اِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّ لَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: عبد المطلب ابن ربیعہ بیان کرتے ہیں، سرورِ دوعالم ﷺ نے فرمایا، یہ صدقات لوگوں کی میل کچیل ہوتی ہے اور بے شک صدقات محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لئے حلال نہیں ہیں۔

• آل محمد ﷺ سے کیا مراد ہے؟ کتاب کے باب المصارف میں ذکر کیا جائے گا۔

۱۲/۱۸۲۵: عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا کَانَ فِیْ بَرِیْرَةَ ثَلٰثُ سُنَنٍ اِحْدَی السُّنَنِ اِنَّهَا عُتِقَتْ فَخُیِّرَتْ فِیْ زَوْجِهَا وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ وَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ وَالْبُرْمَةُ تَفُوْرُ بِلَحْمٍ فَقُرِّبَ اِلَیْهِ خُبْزٌ وَ اُدْمٌ مِنْ اُدْمِ الْبَیْتِ فَقَالَ اَلَمْ اَرَ بُرْمَةً فِیْهَا لَحْمٌ قَالُوْا بَلٰی وَ لٰکِنْ ذَالِكَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهٖ عَلٰی بَرِیْرَةَ وَ اَنْتَ لَا

تَأْکُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ هُوَ عَلَیْهَا صَدَقَةٌ وَّ لَنَا هَدِیَّةٌ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا، حضرت بریرۃ کی وجہ سے تین احکام کا علم ہوا، ان احکام سے ایک یہ کہ وہ آزاد کی گئیں اور انہیں شوہر سے الگ ہونے کا اختیار دیا گیا اور (دوم) امام الانبیاء جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یعنی آزاد کردہ کنیز کی ولاء (وراثت) اس آدمی کے لئے ہوتی ہے جو اس کو آزاد کرتا ہے۔ (سوم) اور سرورِ دوعالم ﷺ گھر میں تشریف لائے اور برتن میں گوشت پک رہا تھا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روٹی اور گھر کا سالن پیش کیا گیا جو عام گھروں میں ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا میں ایسا برتن نہیں دیکھ رہا جس میں گوشت پک رہا ہے؟ گھر والوں نے عرض کیا، کیوں نہیں لیکن یہ گوشت بریرۃ پر صدقہ کیا گیا ہے اور آپ صدقہ نہیں کھاتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ گوشت بریرہ پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

ہدیہ اور صدقہ میں فرق:

• اس حدیث سے علماء کرام نے متعدد مسائل کا استخراج کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ تبدیل ملک سے شی کا حکم بدل جاتا ہے۔ صدقہ کا گوشت جب تک مالک کے ملک میں تھا وہ صدقہ تھا اور سرورِ دوعالم کے لئے اس کا کھانا جائز نہیں تھا اور جب سیدہ بریرہ کے ملک میں آ گیا، وہ گوشت صدقہ نہیں رہا، حکم بدل گیا۔ اب وہی گوشت حضرت بریرہؓ کی طرف سے سرور دوعالم ﷺ کے لئے ہدیہ ہو گا اور آپ کا تناول فرمانا جائز ہو گا۔

• مدارس عربیہ میں عموماً صدقات اور زکوٰۃ کا مال صرف کیا جاتا ہے اور مدرسہ میں مقیم زیر تعلیم بالغ عاقل طلباء اور طالبات جو زکوٰۃ کے مستحق ہوتے ہیں، ان کی اجازت سے مدرسہ کا ناظم مدرسین اور ملازمین کو تنخواہیں دیتا ہے اور اسی فنڈ سے خود ناظم حسب ضرورت اپنے اخراجات وصول کرتا ہے۔ اور اسی فنڈ سے مدرسہ

میں آنے والے مہمانوں سادات و غیر سادات اور فقراء اور اغنیاء کی تواضع کرتا ہے۔ یہ اسی ضابطہ کے تحت جائز ہے کہ جب تک زکوٰۃ اور صدقات کا مال مالک کے ملک میں تھا، وہ زکوٰۃ اور صدقہ تھا، جب مدرسہ کی انتظامیہ کے ذریعے مستحق بالغ عاقل طلباء اور طالبات کے ملک میں آگیا تو اس مال کا حکم بدل گیا۔ ان طلباء و طالبات کی اجازت سے انتظامیہ کے جملہ تصرفات جائز ہوگئے۔

- بعض لوگ تملیکِ مستحق کا حیلہ کرتے ہیں۔ کسی ایک فقیر طالب کو زکوٰۃ کا مال دے کر واپس لے لیتے ہیں مگر اس حدیث سے معلوم ہوا حیلہ کی ضرورت نہیں ہوتی، عرف کی وجہ سے زکوٰۃ اور زکوٰۃ کا مال مستحقین کے ملک میں داخل ہو جاتا ہے اور طلباء کے امور کا انچارج اور وکیل ان کی اجازت سے اس مال میں تصرف کرسکتا ہے۔ تفصیل زکوٰۃ کے مسائل میں ملاحظہ فرمائیں۔
- لاکھوں کروڑوں صلوٰۃ وسلام ہوں سرورِ دوعالم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر، ان کے قول مبارک "هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَّ لَنَا هَدِيَّةٌ" نے ہزاروں مشکلات آسان فرمادیں۔

۱۳/۱۸۲۶: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَ يُثِيْبُ عَلَيْهَا۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ بیان فرماتی ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدلہ (ہدیہ یا دعا عطا) فرماتے تھے۔

- آپ ﷺ اپنے صحابی حضرت زاہرؓ جیسے دیہاتی آدمی کو بھی واپس گھر جانے کے وقت کوئی نہ کوئی ہدیہ دیا کرتے تھے اور حضرت زاہرؓ بھی اپنے گاؤں سے اپنی استطاعت کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضری کے وقت ہدیہ پیش کرتا تھا۔ یہی سنت ہے۔ آجکل نام نہاد پیرانِ طریقت اور اساتذہ صرف ہدیہ لینے کے حریص ہوتے ہیں، ہدیہ دینے کا نام نہیں لیتے۔

۱۴/۱۸۳۶: عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ شَرِبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَبَنًا فَاَعْجَبَهُ فَسَأَلَ الَّذِيْ سَقَاهُ مِنْ أَيْنَ هٰذَا اللَّبَنُ؟ فَاَخْبَرَهُ اَنَّهُ وَرَدَ عَلٰى مَاءٍ قَدْ سَمَّاهُ فَاِذَا نَعَمٌ مِنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ وَ هُمْ يَسْقُوْنَ فَحَلَبُوْا مِنْ اَلْبَانِهَا فَجَعَلْتُهُ فِيْ سِقَائِيْ فَهُوَ هٰذَا فَاَدْخَلَ عُمَرُ يَدَهُ فَاسْتَقَاءَ۔ (رواہ مالک)

ترجمہ: حضرت زید بن اسلم نے بیان کیا، حضرت عمر بن خطابؓ نے دودھ پیا، انہیں اچھا لگا۔ آپ نے اس آدمی سے پوچھا جس نے آپ کو دودھ پلایا تھا، یہ دودھ کہاں سے لائے ہو؟ اس نے خبر دی، وہ ایک پانی کے گھاٹ پر پہنچا، وہاں صدقہ کے اونٹوں سے اونٹ موجود تھے، وہ پانی پی رہے تھے۔ وہاں لوگوں نے ان سے دودھ نکالا، میں نے وہ دودھ اپنے برتن میں ڈالا۔ پس یہ دودھ وہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی انگلی حلق میں ڈالی اور الٹی کردی۔

- صدقہ کے اونٹوں سے مراد زکوٰۃ کے اونٹ ہیں اور زکوٰۃ کے اونٹوں کا دودھ براہِ راست غنی استعمال نہیں کرسکتا، اس لیے حضرت عمرؓ نے اس دودھ کو اپنے پیٹ سے نکال دیا۔ اگر فقراء کی جانب سے ہدیہ کیا جاتا تو آپ پی لیتے جیسا کہ آپ بیت المال سے ضرورت کے مطابق ماکولات اور مشروبات استعمال فرماتے تھے اور ان کے لئے یہ جائز تھا۔

جن لوگوں کو سوال کرنا حرام ہے، ان کا ذکر:

۱۵/۱۸۳۷: عَنْ قُبَيْصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ قَالَ تَحَمَّلْتُ حَمَّالَةً فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَسْأَلُهُ فِيْهَا قَالَ اَقِمْ حَتّٰى تَأْتِيَنَا الصَّدَقَةُ فَنَأْمُرُ لَكَ بِهَا ثُمَّ قَالَ يَا قُبَيْصَةُ اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَحِلُّ اِلَّا لِاَحَدِ ثَلٰثَةٍ رَجُلٌ تَحَمَّلَ حَمَّالَةً فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَهَا ثُمَّ يُمْسِكُ وَ رَجُلٌ اَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اِجْتَاحَتْ مَالَهُ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَ قِوَامًا اَوْ قَالَ سَدَادًا عَنْ عَيْشٍ وَ رَجُلٌ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتّٰى يَقُوْلَ ثَلٰثَةٌ مِنْ ذَوِى الْحِجَا مِنْ قَوْمِهٖ لَقَدْ

اَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةَ حَتّٰى يُصِيْبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ اَوْ سَدَادًا مِنْ عَيْشٍ فَمَا سِوَاهُنَّ عَنِ الْمَسْئَلَةِ يَا قُبَيْصَةُ سُحْتٌ يَأْكُلُ صَاحِبُهَا سُحْتًا۔(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت قبیصہ ابن مخارق بیان کرتے ہیں کہ میں نے (فریقین کی صلح کرانے کے لئے) قرض اٹھا کر ان کی دیت یا تاوان ادا کیا پھر جناب رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تاکہ آپ سے قرض واپس کرنے کے لئے سوال کروں۔ آپ نے فرمایا، ٹھہر جاؤ حتی کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آئے۔ پس ہم اس سے تمہارے لیے حکم کریں۔ پھر فرمایا، اے قبیصہ! بے شک سوال جائز نہیں مگر تین میں سے ایک آدمی کے لئے، ایک وہ آدمی جو حمالہ (محاربین کی صلح کے لئے قرض اٹھائے) اس کے لیے سوال جائز ہے حتی کہ اس کو وہ قرض ادا کردے پھر رک جائے۔ اور دوسرا وہ آدمی جس کے مال کو آفت سماوی نے ہلاک کر دیا ہے، اس کے لئے سوال جائز ہے حتی کہ اس کی ضروریاتِ زندگی کے لئے مناسب مال اس کو حاصل ہو جائے۔ تیسرا وہ آدمی جس کو فاقہ پہنچے حتی کہ تین ذوی الرائے آدمی اس کی قوم سے گواہی دیں کہ اسے فاقہ پہنچا ہے، اس کے لئے سوال جائز ہے حتی کہ ضروریاتِ زندگی کے لئے کفایت ہو جائے۔ اس کے سوا سوالات اے قبیصہ حرام ہیں، سوالات کرنے والا حرام کھاتا ہے۔

۱۸۳۸/۱۵: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ اَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَاِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ اَوْ لِيَسْتَكْثِرْ۔(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص لوگوں سے ان کے اموال کا سوال کرتا ہے تاکہ اس کا اپنا مال کثیر اور زیادہ ہو جائے، بے شک وہ آگ کے انگارے کا سوال کرتا ہے، کم سوال کرے یا زیادہ۔

۱۸۳۹/۱۶: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ سَلَّمَ مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتّٰى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِيْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ۔(متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، انسان ہمیشہ لوگوں سے سوال کرتا رہے، قیامت کے دن جب آئے گا اس کے چہرہ پر گوشت کا چھوٹے سے چھوٹا ٹکڑا بھی نہیں ہوگا۔

۱۸۴۳/۱۷: عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَ سَلَّمَ قَالَ وَ هُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَ هُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْئَلَةِ الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى وَالْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلٰى هِيَ السَّائِلَةُ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر نے روایت کیا، بے شک رسول اللہ ﷺ نے منبر پر تشریف رکھتے ہوئے فرمایا، جبکہ آپ صدقات اور سوال کرنے سے پرہیز اور عفت کا بیان فرما رہے تھے کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہوتا ہے اور نیچے والا ہاتھ سوال کرنے والا ہوتا ہے۔

غنی شاکر اور فقیر صابر کا ذکر:

- اس حدیث کے تحت حضرت ملا علی قاریؒ نے صوفیاء اور علماء کے درمیان بحث کردہ ایک مسئلہ ذکر فرمایا کہ حضرت ابوالنجیب سہروردی فرماتے ہیں، ان الفاظ سے کہ اوپر کا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے، معلوم ہوا غنی شاکر فقیر صابر سے افضل ہوتا ہے کیونکہ غنی نے مال کا ایک حصہ اپنے ملک سے نکال کر فقر کا راستہ اختیار کیا ہے اور فقیر نے وہ مال لے کر غنٰی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ جب اوپر والا ہاتھ بہتر ہے تو فقر اختیار کرنے کی وجہ سے بہتر ہے۔ پھر حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، خواجہ عبیداللہ احرار سمرقندی سے جب پوچھا گیا، غنی شاکر افضل ہے یا

فقیر صابر؟ تو آپ نے فرمایا، فقیر شاکر افضل ہے۔ چنانچہ غالباً ایک سمرقندی بزرگ نے بخاری بزرگ سے پوچھا کہ بخارا کے صوفیوں کا کیا حال ہے؟ بخارا کے بزرگ نے جواب دیا، بخارا کے صوفی ماشاء اللہ جب انہیں نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں اور جب انہیں مل جائے تو شکر کرتے ہیں۔ سمرقندی بزرگ نے کہا، یہ کام تو سمرقند کے کتے بھی کرتے ہیں۔ ہمارے سمرقند کے صوفی کچھ نہ ملے تو صبر کرتے ہیں اور کچھ مل جائے تو ایثار کرتے ہیں۔ یعنی دوسروں کو دے دیتے ہیں۔ یہ حالت نہایت اعلیٰ صفت ہے۔ بہر صورت مال خرچ کرنے والا ہاتھ مانگنے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہا)

۱۸/۱۸۴۷: عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَ لَهٗ مَا يُغْنِيْهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ مَسْئَلَتُهٗ فِيْ وَجْهِهٖ خُمُوْشٌ اَوْ كُدُوْحٌ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا يُغْنِيْهِ قَالَ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا اَوْ قِيْمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص لوگوں سے سوال کرتا ہے حالانکہ اس کے پاس اتنا مال ہے جس کی وجہ سے وہ غنی ہے، وہ آدمی قیامت کے دن آئے گا اس کے چہرے میں خراشیں اور زخم ہوں گے۔ عرض کیا گیا، یارسول اللہ غنی بنانے والی چیز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، پچاس درہم یا پچاس درہم کی قیمت سونے سے۔

مال کے تین نصابوں کا ذکر:

• قارئین کو معلوم ہونا چاہیے مال کے تین نصاب ہوتے ہیں، ایک نصاب زکوٰۃ کے لئے اور ایک نصاب زکوٰۃ کا مصرف نہ ہونے اور قربانی اور فطرہ کے کے واجب ہونے کا ہے اور ایک نصاب سوال حرام ہو جانے کا ہے۔ گویا غنی کے تین قسم ہیں۔ تفصیل مسائل میں ذکر کی جائے گی مگر قربانی اور فطرہ اور زکوٰۃ کا مصرف نہ

ہونے کا نصاب دو سو درہم چاندی یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت ہے جو کہ حاجت اصلیہ سے زائد ہو خواہ اس مالیت کا سونا ہو یا کوئی دوسری چیز۔ اور سوال حرام ہونے کا نصاب تقریباً سوا تیرہ تولہ چاندی کی مالیت ہے جو پچاس درہم چاندی یا سونے میں اس کی قیمت بنتی ہے۔ اگرچہ ایسا غنی زکوٰۃ کا مصرف ہوتا ہے اور اس پر فطرہ اور قربانی واجب نہیں ہوتی مگر اسے کھانے پینے کی اشیاء کا سوال کرنا منع ہے۔ اور زکوٰۃ کے نصاب کی تفصیل زیر نظر کتاب کے مسائل میں موجود ہے۔

۱۹/۱۸۵۳: عَنِ ابْنِ الْفَرَاسِيِّ اَنَّ الْفَرَاسِيَّ قَالَ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ اَسْأَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ لَا وَ اِنْ كُنْتَ لَابُدَّ فَسَلِ الصَّالِحِيْنَ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: ابن الفراسی سے مروی ہے بے شک فراسی نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے عرض کیا، کیا وہ لوگوں سے سوال کر سکتے ہیں یارسول اللہ! پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نہیں۔ اور اگر تیرے لئے سوال کرنا ضروری ہو تو صالحین سے سوال کرو۔

• شاید اس میں حکمت یہ ہو کہ صالحین کے پاس حلال مال ہوتا ہے اور صالحین سائل کو شرمندہ نہیں کرتے اور اتنا دیتے ہیں جس سے سائل کی حاجت پوری ہو جاتی ہے اور ان کے مال میں برکت ہوتی ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

۲۰/۱۸۵۵: عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ يَوْمَ عَرَفَةَ رَجُلًا يَّسْأَلُ النَّاسَ فَقَالَ أَ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ وَ فِيْ هٰذَا الْمَكَانِ تَسْأَلُ مِنْ غَيْرِ اللّٰهِ فَخَفَقَهٗ بِالدِّرَّةِ۔ (رواہ رزین)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے، انہوں نے عرفہ کے دن سنا کہ ایک آدمی لوگوں سے سوال کر رہا ہے۔ آپ نے اس کو فرمایا، کیا اس دن میں اور اس مکان عرفات میں تو اللہ تعالیٰ کے غیر سے سوال کر رہا ہے۔ آپ نے اس سائل کو درۃ سے ضربیں لگائیں۔

• چونکہ سائل حقیقی حاجت مند نہیں تھا، لوگوں کی کثرت اور دن اور مکان عرفات کی حرمت کی وجہ سے لوگوں کی شفقت اور رحمت سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا تھا، اس لئے حضرت علیؓ نے اسے بطور تعزیر ضربیں لگائیں اور اسے سبق دیا کہ اس دن اور اس مکان میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ ورنہ عرفہ کے دن اور عرفات میں صدقہ کرنے کا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے بشرطیکہ آدمی مستحق ہو۔

۱۸۵۷/۲۱: عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَنْ یَّکْفُلُ لِیْ اَنْ لَّا یَسْأَلَ النَّاسَ شَیْئًا فَاَتَکَفَّلُ لَہٗ بِالْجَنَّۃِ فَقَالَ ثَوْبَانُ اَنَا فَکَانَ لَا یَسْأَلُ اَحَدًا شَیْئًا۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کون ہے جو مجھے ضمانت دے کہ وہ لوگوں سے کسی شے کا سوال نہیں کرے گا، میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ ثوبان نے عرض کیا، میں سوال نہیں کروں گا۔ پھر حضرت ثوبان کسی سے کسی شے کا سوال نہیں کرتے تھے۔

۱۸۶۰/۲۲: عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَا مِنْ یَوْمٍ یُصْبِحُ الْعِبَادُ فِیْہِ اِلَّا مَلَکَانِ یَنْزِلَانِ فَیَقُوْلُ اَحَدُھُمَا اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَیَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُمْسِکًا تَلَفًا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کسی دن کی صبح نہیں جس میں آدمی صبح کرتے ہیں مگر دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک دعا کرتا ہے، اے اللہ خرچ کرنے والے کو خرچ شدہ مال کا اچھا بدل عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے، اے اللہ بخیل کے مال کو تلف فرما۔

رزق دینے کے وعدوں پر یقین نہیں:

۱۸۶۱/۲۳: عَنْ اَسْمَاءَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

اَنْفِقِیْ وَلَا تُحْصِیْ فَیُحْصِیَ اللّٰہُ عَلَیْکِ وَلَا تُوْعِیْ فَیُوْعِیَ اللّٰہُ عَلَیْکِ اِرْضَخِیْ مَا اسْتَطَعْتِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت اسماء بیان کرتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، خرچ کر اور گنتی نہ کر ورنہ اللہ تعالیٰ تیرے لئے گنتی کرے گا اور اسٹور نہ کر پس اللہ تیرے اوپر مال روک دے گا اور اپنی طاقت کے مطابق خرچ کر۔

• قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہٗ وَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ۔" (سبا: ۳۹)

ترجمہ: جو چیز تم خرچ کرتے ہو پس اللہ تعالیٰ اس کا متبادل عطا فرماتا ہے اور وہ رزق دینے والوں سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

• حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے ارشادات پر یقین نہیں ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کل آپ کا کھانا میرے پاس ہوگا، ہمیں یقین ہوتا ہے کہ کل وہاں کھانا ہوگا۔ ہم اپنے گھر کھانے کا انتظام نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد:

"وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّھَا وَمُسْتَوْدَعَھَا کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ" (ہود:۶)

زمین کا کوئی جانور نہیں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر جانور کے استقرار کی جگہ اور جہاں وہ ہے، اس کو وہ جانتا ہے اور ہر چیز کتاب مبین میں موجود ہے۔

مگر ہمیں کامل یقین نہیں ہوتا، ہم خرچ کرتے ہوئے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ پھر ہمیں کہاں سے مال حاصل ہوگا۔

۱۸۶۴/۲۴: عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ مَثَلُ الْبَخِیْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ کَمَثَلِ رَجُلَیْنِ عَلَیْھِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِیْدٍ

قَدِ اضْطَرَّتْ اَیْدِیَھُمَا اِلٰی ثُدَیِّھِمَا وَ تَرَاقِیْھِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ کُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَۃٍ اِنْبَسَطَتْ عَنْهُ وَ جَعَلَ الْبَخِیْلُ کُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَۃٍ قَلُصَتْ وَ اَخَذَتْ کُلُّ حَلْقَۃٍ بِمَکَانِهَا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: ابوہریرہؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بخیل اور صدقہ کرنے والے کی مثال ان دو مردوں کی ہے جن پر لوہے کی زرہیں قمیصیں اس طرح چڑھی ہوئی ہیں کہ ان زرہوں نے ان کے ہاتھوں کو ان کے سینوں اور پسلیوں تک ان کو جکڑا ہوا ہے۔ پس سخی جب صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے زرہ اس سے کھل جاتی ہے اور بخیل جب صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے زرہ سکڑ جاتی ہے اور اس کے حلقے اپنی جگہ لے لیتے ہیں۔

۱۸۶۹/۲۵: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ سَلَّمَ اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللهِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَ لَجَاهِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ۔ (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سخی آدمی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے قریب ہوتا ہے، جنت کے قریب ہوتا ہے، لوگوں کے قریب ہوتا ہے اور جہنم سے دور ہوتا ہے اور بخیل اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوتا ہے، جنت سے دور ہوتا ہے، لوگوں سے دور ہوتا ہے، جہنم کے قریب ہوتا ہے اور یقیناً جاہل (غیر عابد) سخی اللہ تعالیٰ کو بخیل عابد سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

۱۸۷۰/۲۶: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ سَلَّمَ لَاَنْ یَّتَصَدَّقَ الْمَرْءُ فِیْ حَیَاتِهٖ بِدِرْهَمٍ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِمِأَۃٍ عِنْدَ مَوْتِهٖ۔ (رواہ ابوداود)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ کہ

آدمی اپنی حیات میں ایک درہم صدقہ کرے اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ موت کے قریب ایک سو درہم کا صدقہ کرے۔

۱۸۷۳/۲۷: عَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ سَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ خِبٌّ وَّ لَا بَخِیْلٌ وَّ لَا مَنَّانٌ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو بکر الصدیقؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دھوکہ باز مفسد اور بخیل اور صدقات کا احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔

● یعنی اگر ایمان پر ان کی موت ہوگئی، ان کا جنت میں دخول اول نہیں ہوگا، تاخیر سے ہوگا۔ ہوسکتا ہے ان بداعمال کی وجہ سے ایمان سلب ہوجائے تو ان لوگوں کا جنت میں مطلقاً دخول نہیں ہوگا۔

صدقہ فطر کی فضیلت:

۱۸۱۸/۲۸: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ سَلَّمَ زَکٰوۃَ الْفِطْرِ طُهْرَ الصِّیَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاکِیْنَ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے صدقہ فطر واجب فرمایا تاکہ روزے لغویات اور فحش گفتگو کے گناہ سے پاک ہوجائیں اور مساکین کے طعام کے لئے۔

نفلی صدقہ کی فضیلت:

۱۸۸۸/۲۹: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَ سَلَّمَ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَۃٍ مِنْ کَسْبٍ طَیِّبٍ وَ لَا یَقْبَلُ اللهُ اِلَّا الطَّیِّبَ فَاِنَّ اللهَ یَتَقَبَّلُهَا بِیَمِیْنِهٖ ثُمَّ یُرَبِّیْهَا لِصَاحِبِهَا کَمَا یُرَبِّیْ اَحَدُکُمْ فَلُوَّہٗ حَتّٰی تَکُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس آدمی نے ایک کھجور کے دانہ کے برابر حلال اور طیب مال سے صدقہ کیا اور اللہ تعالیٰ طیب مال ہی قبول فرماتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اس صدقہ کو اپنے مبارک دائیں ہاتھ سے قبول فرماتا ہے پھر اس صدقہ کو صدقہ کرنے والے کے لئے بڑھاتا ہے جیسا کہ تمہارا ایک گھوڑی کے بچے کو بڑھاتا ہے حتیٰ کہ کھجور کے دانہ کے مساوی صدقہ پہاڑ کی مثل ہو جائے گا۔

صدقہ کرنے کی عجیب حکایت:

● اس حدیث کے متعلق حضرت ملا علی قاری نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ سند العارفین حضرت علی متقی نے بیان فرمایا کہ ایک صالح آدمی اپنے کسب سے حاصل مال کے تین حصے کرتا تھا، ایک حصہ صدقہ کر دیتا اور ایک حصہ خود استعمال کرتا اور ایک حصہ سے تجارت کرتا۔ ان کے پاس ایک غنی آدمی حاضر ہوا، اس نے عرض کیا حضرت میں نے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا ہے، آپ مجھے صدقہ کا مصرف اور مستحق بتائیں۔ آپ نے فرمایا، پہلے حلال مال حاصل کرو پھر اس کا صدقہ کرو۔ وہ مال مستحق کو ہی ملے گا۔ جب غنی آدمی نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا، یہاں سے نکلو، جس آدمی پر آپ کا دل نرم ہو جائے، اس کو مال دے دینا۔ غنی آدمی وہاں سے نکلا تو راستہ میں ایک بوڑھے نابینا فقیر کو دیکھا۔ غنی نے اس کو مال دے دیا۔ پھر غنی کسی دوسرے دن وہاں سے گزرا، نابینا فقیر اپنے ساتھ بیٹھنے والوں کو بتا رہا تھا کہ گذشتہ روز ایک آدمی نے مجھے اتنے درہم دیئے۔ میں نے آج رات گانے والی مغنیہ کے ساتھ شراب پی کر گزاری۔ غنی آدمی اپنے شیخ کے پاس حاضر ہوا اور پورا واقعہ سنایا۔ شیخ نے اپنے دراہم سے ایک درہم اس غنی کو دیا اور فرمایا جو شخص آپ کو پہلے پہلے نظر آئے اس کو یہ درہم دے دینا۔ غنی آدمی وہاں سے نکلا تو ایک سفید پوش سنجیدہ آدمی کو دیکھا۔ ایسا لگتا تھا کہ یہ شخص ضرورت مند نہیں ہے مگر شیخ کے حکم کی وجہ سے وہ درہم اس کو دے دیا۔ وہ شخص جاتے ہوئے واپس لوٹا اور غیر آباد مکان میں داخل ہوا اور دوسری طرف سے نکل کر گھر میں داخل ہو گیا۔ غنی اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ غنی نے دیکھا کہ خالی مکان میں ایک مردہ کبوتر پڑا ہوا ہے۔ غنی آدمی نے اس سفید پوش آدمی سے قسم دے کر پوچھا کہ اصل واقعہ کیا ہے۔ اس نے کہا، میرے چھوٹے بچے کئی روز سے فاقہ سے تھے، میں نے مردہ کبوتر اٹھایا تاکہ بچوں کو کھلاؤں مگر آپ نے ایک درہم دیا تو میں نے وہ مردہ کبوتر واپس پھینک دیا اور اس درہم سے کھانا بنا کر بچوں کو کھلاؤں گا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ حلال مال قبول فرماتا ہے اور مستحق کو حلال مال ہی ملتا ہے۔ غنی کا پیسہ حرام تھا نابینا غیر مستحق کو ملا اور شیخ کا پیسہ حلال تھا سفید پوش صحیح مستحق کو ملا۔

۱۸۸۶/۳۰: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ اَلسَّخَاءُ شَجَرَةٌ فِی الْجَنَّةِ فَمَنْ کَانَ سَخِیًّا اَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْهَا فَلَمْ یَتْرُکْهُ الْغُصْنُ حَتّٰی یُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَالشُّحُ شَجَرَةٌ فِی النَّارِ فَمَنْ کَانَ شَحِیْحًا اَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْهَا فَلَمْ یَتْرُکْهُ الْغُصْنُ حَتّٰی یُدْخِلَهُ النَّارَ۔ (رواہما البیھقی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سخاوت جنت میں ایک درخت ہے پس جو شخص سخاوت کرنے والا ہوا، اس نے اس درخت کی ایک ٹہنی کو پکڑ لیا پھر ٹہنی اس کو نہیں چھوڑے گی حتیٰ کہ اس کو جنت میں داخل کرے گی اور بخل جہنم میں ایک درخت ہے، جو شخص بخیل ہوا، اس نے اس درخت کی ٹہنی کو پکڑا پھر وہ ٹہنی اسے نہیں چھوڑے گی حتیٰ کہ اس کو جہنم میں داخل کرے گی۔

۱۸۸۷/۳۱: عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ بَادِرُوْا بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ الْبَلَاءَ لَا یَتَخَطَّاهَا۔ (رواہ رزین)

ترجمہ: حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، صدقہ میں

جلدی کرو، بے شک بلائیں اور مصیبتیں صدقہ سے تجاوز نہیں کر سکتیں۔

۱۸۸۹/۳۲: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَ مَا زَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَ مَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللهُ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، صدقہ مال کو کم نہیں کرتا اور معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے کے لئے زیادہ نہیں کرتا مگر عزت کو اور کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کے لئے کسی کی تواضع نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ تواضع کرنے والے کو بلند فرماتا ہے۔

۱۸۹۰/۳۳: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ مَنْ اَنْفَقَ زَوْجَيْنِ مِنْ شَیْءٍ مِنَ الْاَشْيَاءِ فِیْ سَبِيْلِ اللهِ دُعِیَ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَ لِلْجَنَّةِ اَبْوَابٌ فَمَنْ كَانَ اَهْلُ الصَّلٰوةِ فَدُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّلٰوةِ وَ مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجِهَادِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ وَ مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ وَ مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصِّيَامِ دُعِیَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ مَا عَلٰى مَنْ دُعِیَ مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ مِنْ ضَرُوْرَةٍ فَهَلْ يُدْعٰى اَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ كُلِّهَا قَالَ نَعَمْ وَ اَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے اشیاء میں سے کسی چیز کے دوعدد اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کئے اسے جنت کے سب دروازوں سے بلایا جائے گا اور جنت کے متعدد دروازے ہیں۔ پس جو شخص اہلِ صلوٰۃ سے ہوگا، اسے باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا اور جو شخص اہلِ جہاد سے ہوگا، اسے باب الجہاد سے بلایا جائے گا اور جو شخص اہلِ صدقہ سے ہوگا، اسے باب الصدقۃ سے بلایا جائے گا اور جو شخص اہلِ صیام سے ہوگا، اسے باب الریان سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، اس آدمی کو احتیاج اور ضرورت نہیں

ہے جس کو جنت کے کسی ایک باب سے بلایا جائے (کیونکہ مقصود تو دخول ہے)۔ پھر عرض کیا، کوئی ایسا شخص بھی ہے جس کو سب دروازوں سے بلایا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں، میں امید کرتا ہوں کہ تم ان لوگوں سے ہوگے جن کو سب دروازوں سے بلایا جائے گا۔

- ہمارے دھوراجی والے میمن بھائی حاجی محمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ہمارے والد صاحب ہمیں فرمایا کرتے تھے، اگر ایک روپے کا صدقہ کرنا ہو، دو اٹھنیاں کرا کے صدقہ کیا کرو کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان ذی شان ہے، جو شخص کسی چیز کا جوڑا خرچ کرے گا اسے جنت کے آٹھوں دروازوں سے بلایا جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یہ بات بہت بہتر ہے۔

۱۸۹۱/۳۴: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ صَائِمًا؟ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا۔ قَالَ فَمَنْ تَبِعَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ جَنَازَةً؟ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا۔ قَالَ فَمَنْ اَطْعَمَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مِسْكِيْنًا؟ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا۔ قَالَ فَمَنْ عَادَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مَرِيْضًا؟ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنَا۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ مَا اجْتَمَعْنَ فِیْ امْرِیءٍ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے کس نے آج روزے کے ساتھ صبح کی ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، میں نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے آج کس نے جنازہ کی نماز پڑھی اور اس کے پیچھے چلا؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، میں نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے کس نے آج کسی مسکین کو کھانا کھلایا؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، میں نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے کس نے آج کسی مریض کی عیادت کی ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، میں نے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ

چار امور نہیں جمع ہوں گے کسی آدمی میں مگر وہ جنت میں داخل ہوگا۔

۱۸۹۴/۳۵: عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ لَا تُحَقِّرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقٰی اَخَاكَ بِوَجْہٍ طَلِیْقٍ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اچھے اعمال سے کسی عمل کو حقیر اور چھوٹا نہ سمجھو اگرچہ اپنے مسلمان بھائی سے خوشی کے چہرہ کے ساتھ ملاقات کرنا ہو۔

۱۸۹۵/۳۶: عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَۃٌ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ قَالَ فَلْیَعْمَلْ بِیَدَیْہِ فَیَنْفَعُ نَفْسَہٗ وَ یَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ اَوْ لَمْ یَفْعَلْ قَالَ فَیُعِیْنُ ذَا الْحَاجَۃِ الْمَلْھُوْفِ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلْہُ قَالَ فَیَأْمُرُ بِالْخَیْرِ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلْ قَالَ فَیُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّہٗ صَدَقَۃٌ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، اگر صدقہ کے لئے مال نہ پائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ مسلمان اپنے ہاتھوں سے کام کرے، اپنی ذات کو نفع پہنچائے اور صدقہ کرے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، اگر کوئی شخص یہ نہ کرسکے یا خود نہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ صاحبِ حاجت پریشان غمزدہ کی اعانت کرے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، اگر کوئی شخص ایسا نہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ شخص خیر کا امر کرے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، اگر کوئی شخص ایسا نہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، پس وہ شخص اپنے نفس کو شر سے روکے، بے شک یہ بھی صدقہ ہے۔

۱۸۹۷/۳۷: عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ خُلِقَ کُلُّ اِنْسَانٍ بَنِیْ اٰدَمَ عَلٰی سِتِّیْنَ وَ ثَلٰثِ مِأَۃِ مَفْصَلٍ فَمَنْ کَبَّرَ اللّٰہَ

وَ حَمِدَ اللّٰہَ وَ ھَلَّلَ اللّٰہَ وَ سَبَّحَ اللّٰہَ وَ اسْتَغْفَرَ اللّٰہَ وَ عَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ شَوْکَۃً اَوْ عَظْمًا اَوْ اَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ نَھٰی عَنْ مُنْکَرٍ عَدَدَ تِلْكَ السِّتِّیْنَ وَالثَّلٰثِ مِأَۃٍ فَاِنَّہٗ یَمْشِیْ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَہٗ عَنِ النَّارِ۔
(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہر انسان بنی آدم کو تین سو ساٹھ مفاصل اور جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے، جس شخص نے اللہ اکبر اور الحمد للہ اور لا الٰہ الا اللہ اور سبحان اللہ اور استغفر اللہ کہا اور لوگوں کے راستہ سے پتھر یا کانٹے ہاڈی کو دور کیا یا نیکی کا امر کیا یا برائی سے منع کیا، تین سو ساٹھ عدد کے برابر بے شک وہ شخص اس دن زمین پر ایسا چلنے والا ہوگا جس نے اپنے نفس کو جہنم کی آگ سے دور کر دیا ہے۔

● میں بیان کرتا رہتا ہوں، یہ سعادت پانچ وقت کی نماز پڑھنے والے کو حاصل ہوتی ہے کیونکہ ہر مسلمان پانچ وقت کی پانچوں نمازوں میں روزانہ چالیس رکعت فرضوں اور سنن مؤکدہ اور نوافل کے ادا کرتا ہے۔ صبح کی چار رکعت اور ظہر کی بارہ رکعت اور عصر کی چار رکعت اور مغرب کی سات رکعت اور عشاء کی تیرہ رکعتیں نمازی ادا کرتا ہے۔ ٹوٹل چالیس رکعتیں پڑھنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے، ان میں دو سو بائیس (۲۲۲) مرتبہ اللہ اکبر اور پندرہ (۱۵) مرتبہ ثناء اور پندرہ (۱۵) مرتبہ اعوذ باللہ .... الخ اور چالیس (۴۰) مرتبہ بسم اللہ .... الخ اور چالیس (۴۰) مرتبہ سورہ فاتحہ اور چونتیس (۳۴) رکعتوں میں کم از کم تین آیت ہر رکعت میں، کل آیات ایک سو دو (۱۰۲) پڑھی جاتی ہیں اور چالیس (۴۰) مرتبہ ربنا و لک الحمد اور چالیس (۴۰) مرتبہ سمع اللہ لمن حمدہ اور چالیس (۴۰) رکعتوں کے چالیس رکوع اور اسی (۸۰) سجدوں میں کم از کم تین تین مرتبہ سبحان ربی العظیم اور اور سبحان ربی الاعلیٰ کی کل تسبیحات تین سو ساٹھ (۳۶۰) مرتبہ پڑھی

جاتی ہیں اور اکیس (۲۱) مرتبہ التحیات للہ ....الخ اور اکیس (۲۱) مرتبہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سلام اکیس (۲۱) مرتبہ السلام علینا پوری امت پر سلام اور اکیس (۲۱) مرتبہ کلمہ شہادت اور پندرہ (۱۵) مرتبہ درودِ ابراہیمی اور پندرہ (۱۵) مرتبہ دعا اور تیس (۳۰) مرتبہ سب مسلمانوں پر سلام کیا جاتا ہے۔

- حسب ارشاد مبارک تین سو ساٹھ مفاصل کی تعداد کے مطابق تو صرف تین سو ساٹھ مرتبہ تسبیحات نماز میں حاصل ہو جاتی ہیں اور باقی کلام اضافی ہے۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ پانچوں نمازیں ادا کرنے والا آدمی ان شاء اللہ جہنم سے دور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ اکبر اور ثنائیں اور تسمیہ اور تعوذ اور سورۃ فاتحہ اور تلاوت اور تسبیح اور تحمید اور التحیات اور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سلام اور درودِ ابراہیمی اور دعا اور سلام کا ثواب ان شاء اللہ روزانہ اتنی تعداد میں حاصل ہوگا کہ حسنات کا وزن سیئات سے کئی گنا زیادہ ہو جائے گا۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیان فرمایا کہ ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ اور دس مرتبہ الحمدللہ اور دس مرتبہ اللہ اکبر پڑھیں تو کل ایک سو پچاس تسبیحات ہو جائیں گی اور سوتے وقت تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ اور تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمدللہ اور چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر پڑھیں تو روزانہ کل دو سو پچاس مرتبہ ہو جائیں گے۔ ہر تسبیح اور تحمید اور تکبیر پر دس نیکیوں کا اجر ملے گا۔ اڑھائی سو میں دس کو ضرب دیں 250x10=2500 نیکیوں کا اجر ملے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، میرا کون سا امتی روزانہ دو ہزار پانچ سو گناہ کرے گا۔

۱۹۰۲/۳۸: عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ غُفِرَ لِامْرَءَۃٍ مُوْمِسَۃٍ مَرَّتْ بِکَلْبٍ عَلٰی رَأْسِ رَکِیٍّ یَلْھَثُ کَادَ یَقْتُلُہُ الْعَطْشُ فَنَزَعَتْ خُفَّھَا فَاَوْثَقَتْہُ بِخِمَارِھَا فَنَزَعَتْ لَہٗ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَھَا بِذَالِکَ قِیْلَ اِنَّ لَنَا فِی الْبَھَائِمِ اَجْرًا قَالَ فِیْ کُلِّ ذَاتِ کَبْدٍ رَطْبَۃٍ اَجْرًا۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ایک ایسی زانیہ عورت کی مغفرت کر دی گئی جو ایک کنویں پر پیاسے کتے سے گزری، جس کی پیاس سے زبان لٹک رہی تھی۔ قریب تھا کہ اس کتے کو پیاس قتل کر دیتی۔ اس خاتون نے اپنا جوتا اتارا، اس کو اپنے دوپٹے سے باندھ کر کنویں سے اس کے لیے پانی نکالا۔ اس عمل کی وجہ سے اس عورت کی مغفرت کر دی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا گیا، کیا ہمارے لئے جانوروں میں اجر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ہر زندہ جگر والی ذات میں اجر ہے۔

۱۹۰۳/۳۹: عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ عُذِّبَتِ امْرَأَۃٌ فِیْ ھِرَّۃٍ اَمْسَکَتْھَا حَتّٰی مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تَکُنْ تُطْعِمُھَا وَ لَا تُرْسِلُھَا فَتَأْکُلُ مِنْ خُشَاشِ الْاَرْضِ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا، جس نے اس بلی کو باندھ رکھا حتیٰ کہ بھوک سے مر گئی، نہ اسے کھانا کھلایا اور نہ اسے رہا کیا تاکہ وہ زمین کے حشرات (کیڑے مکوڑے) کھائے۔

۱۹۰۴/۴۰: عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ لَقَدْ رَأَیْتُ رَجُلًا یَتَقَلَّبُ فِی الْجَنَّۃِ فِیْ شَجَرَۃٍ قَطَعَھَا مِنْ ظَھْرِ الطَّرِیْقِ کَانَتْ تُؤْذِی النَّاسَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، میں نے ایک آدمی کو جنت میں گھومتے دیکھا، ایک درخت کی وجہ سے، جس کو اس نے راستہ کے وسط سے کاٹ کر راستہ کو صاف کیا تھا، جو گزرنے والے لوگوں کو ایذاء پہنچاتا تھا۔

۱۹۰۷/۴۱: عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ سَلَامٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ

آلِهٖ وَ سَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهٗ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ اَوَّلُ مَا قَالَ يَاَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَ صِلُوا الْاَرْحَامَ وَ صَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت ہے کہ جب مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ تشریف لائے، میں حاضر ہوا۔ جب میں نے آپ ﷺ کا چہرہ انور دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ چہرہ جھوٹا چہرہ نہیں۔ پس پہلا کلام جو آپ نے فرمایا، اے لوگو! سلام پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرو اور رات کو اس وقت نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

۱۹۰۹/۴۲: عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَ تُذْهِبُ مِيْتَةَ السُّوْءِ۔(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بے شک صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور غصہ کو بجھا دیتا ہے اور بری موت کو دور کر دیتا ہے یعنی صدقہ کرنے والے کی موت ایمان پر ہو گی۔

۱۹۱۱/۴۳: عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ تَبَسُّمُكَ فِيْ اَخِيْكَ صَدَقَةٌ وَ اَمْرُكَ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَ نَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَ اِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِيْ اَرْضِ الضَّلَالِ صَدَقَةٌ وَ نَصْرُكَ الرَّجُلَ الرَّدِّيْءَ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ وَ اِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَ وَالْعَظْمَ فِي الطَّرِيْقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَ اِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ دَلْوِ اَخِيْكَ لَكَ صَدَقَةٌ۔(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تیرا اپنے مسلمان بھائی کے چہرہ میں تبسم صدقہ ہے اور امر بالمعروف صدقہ ہے اور تیرا

گناہوں سے منع کرنا صدقہ ہے اور جنگل میں کسی آدمی کو راستہ دکھانا تیرے لئے صدقہ ہے۔ اور تیرا کمزور نظر والے آدمی کی مدد کرنا تیرے لئے صدقہ ہے اور تیرا راستہ سے پتھر اور کانٹے اور ہڈی دور کرنا تیرے لئے صدقہ ہے اور تیرا اپنے برتن سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈالنا تیرے لئے صدقہ ہے۔

۱۹۱۸/۴۴: حضرت ابی جری جابر ابن سلیم ذکر فرماتے ہیں، میں مدینہ منورہ حاضر ہوا، سلام کے بعد میں نے عرض کیا، ''اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ؟'' کیا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا:

اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ الَّذِيْ اِنْ اَصَابَكَ ضُرٌّ فَدَعَوْتُهٗ كَشَفَهٗ عَنْكَ وَ اِنْ اَصَابَكَ عَامُ سَنَةٍ فَدَعَوْتُهٗ اَنْبَتَهَا لَكَ وَ اِذَا كُنْتَ بِاَرْضٍ قَفْرٍ اَوْ فَلَاةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعَوْتُهٗ رَدَّهَا عَلَيْكَ. قُلْتُ اِعْهَدْ اِلَيَّ. قَالَ لَا تَسُبَّنَّ اَحَدًا قَالَ فَمَا سَبَبْتُهٗ بَعْدَهٗ حُرًّا وَ لَا عَبْدًا وَ لَا بَعِيْرًا وَ لَا شَاةً قَالَ وَ لَا تُحَقِّرَنَّ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَ اَنْ تُكَلِّمَ اَخَاكَ وَ اَنْتَ مُنْبَسِطٌ اِلَيْهِ وَجْهُكَ اِنَّ ذَالِكَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ۔(رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اگر تجھے ضرر پہنچے، میں اس کے لئے دعا کروں تو اللہ تعالیٰ ضرر کو دور فرما دے گا اور اگر تجھے قحط اور خشک سالی گھیر لے، اس کے لئے دعا کروں تو اللہ سبزہ اور فصلیں اگا دے گا اور اگر تو بیابان زمین یا میدان میں ہو اور تیری اونٹنی گم ہو جائے، پس میں دعا کروں تو اللہ تعالیٰ تیرے لئے واپس کر دے گا۔ میں نے عرض کیا، آپ مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کسی کو گالی نہ دینا۔ ابو جری کہتا ہے، اس کے بعد میں نے کسی کو گالی نہیں دی، نہ حر کو اور نہ عبد کو اور نہ اونٹ کو اور نہ بکری کو اور آپ ﷺ نے فرمایا، تو کسی نیکی اور معروف کو حقیر نہ سمجھنا۔ پھر فرمایا، اگر تو اپنے بھائی کے ساتھ بات کرے اور خوشی

کے چہرہ کے ساتھ، یہ بھی نیکی سے ہے....الخ

۱۹۲۰/۴۵: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَ سَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ کَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا اِلَّا کَانَ فِیْ حِفْظٍ مِنَ اللّٰہِ مَا دَامَ عَلَیْہِ مِنْہُ خِرْقَۃٌ۔(رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا، کوئی ایسا مسلمان نہیں جس نے کسی دوسرے مسلمان کو کپڑے پہنائے مگر وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حفظ میں ہوگا جب تک اس پر اس کپڑے کا ٹکڑا بھی رہے گا۔

۱۹۲۱/۴۶: عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ یَرْفَعُہٗ قَالَ ثَلٰثَۃٌ یُحِبُّہُمُ اللّٰہُ: رَجُلٌ قَامَ مِنَ اللَّیْلِ یَتْلُوْا کِتَابَ اللّٰہِ وَ رَجُلٌ یَتَصَدَّقُ بِصَدَقَۃٍ بِیَمِیْنِہٖ یُخْفِیْہَا (اُرَاہُ) قَالَ مِنْ شِمَالِہٖ وَ رَجُلٌ کَانَ فِیْ سَرِیَّۃٍ فَانْہَزَمَ اَصْحَابُہٗ فَاسْتَقْبَلَ الْعَدُوَّ۔(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مرفوع روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، تین آدمیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے: ایک وہ آدمی جو رات کے قیام یعنی تہجد میں اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتا اور تلاوت کرتا اور دوسرا وہ آدمی جو دائیں ہاتھ سے صدقہ بائیں ہاتھ سے چھپا کر کرتا ہے اور تیسرا آدمی جو جہاد کے قافلہ میں روانہ ہوا، اس کے ساتھی شکست کھا گئے اور وہ دشمن کے آگے قائم رہا۔

۱۹۲۲/۴۷: عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ ثَلٰثَۃٌ یُحِبُّہُمُ اللّٰہُ وَ ثَلٰثَۃٌ یُبْغِضُہُمُ اللّٰہُ فَاَمَّا الَّذِیْنَ یُحِبُّہُمُ اللّٰہُ فَرَجُلٌ اَتٰی قَوْمًا فَسَاَلَہُمْ بِاللّٰہِ وَلَمْ یَسْئَلْہُمْ بِقَرَابَۃٍ بَیْنَہٗ وَ بَیْنَہُمْ فَمَنَعُوْہُ فَتَخَلَّفَ رَجُلٌ بِاَعْیَانِہِمْ فَاَعْطَاہُ سِرًّا لَا یَعْلَمُ بِعَطِیَّتِہٖ اِلَّا اللّٰہُ وَالَّذِیْ اَعْطَاہُ وَ قَوْمٌ سَارُوْا لَیْلَتَہُمْ حَتّٰی اِذَا کَانَ النَّوْمُ اَحَبَّ اِلَیْہِمْ مِمَّا یُعْدَلُ بِہٖ فَوَضَعُوْا

رُؤُسَہُمْ فَقَامَ یَتَمَلَّقُنِیْ وَ یَتْلُوْا آیَاتِیْ وَ رَجُلٌ کَانَ فِیْ سَرِیَّۃٍ فَلَقَی الْعَدُوَّ فَہَزَمَہَا فَاَقْبَلَ بِصَدْرِہٖ حَتّٰی یُقْتَلَ اَوْ یُفْتَحَ لَہٗ وَالثَّلَاثَۃُ الَّذِیْنَ یُبْغِضُہُمُ اللّٰہُ اَلشَّیْخُ الزَّانِیْ وَالْفَقِیْرُ الْمُخْتَالُ وَالْغَنِیُّ الظَّلُوْمُ۔(رواہ الترمذی والنسائی)

ترجمہ: حضرت ابوذر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور تین آدمیوں کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔ وہ تین جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے، ایک آدمی ایک قوم کے پاس آیا، اس نے اللہ تعالیٰ کے واسطے سے ان سے سوال کیا، اس نے قوم کے ساتھ رشتہ داری کی وجہ سے سوال نہیں کیا، قوم نے کچھ دینے سے منع کر دیا۔ قوم کے افراد میں سے ایک آدمی قافلے سے پیچھے ہو گیا، سائل کو چھپا کر دے دیا۔ اس کے عطیہ کو نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ اور وہ آدمی جس کو اس نے عطیہ دیا اور دوسرا آدمی یہ کہ ایک قوم رات کو چلتی رہی حتی کہ جب نیند انہیں محبوب ہوئی ہر اس چیز سے جس کے برابری کی جائے، قوم کے افراد سو گئے۔ ان میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا، مجھے خوش کرنے کے لیے التجا کرتا رہا اور میری کتاب کی آیات پڑھتا رہا اور تیسرا آدمی جو جہادی قافلہ میں تھا پھر دشمن سے قتال ہو گیا۔ قوم ہزیمت کھا گئی مگر وہ شخص آگے بڑھا حتی کہ قتل کیا گیا یا اسے فتح حاصل ہوئی۔ اور وہ تین آدمی جن کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے، وہ شیخ زانی اور متکبر فقیر اور غنی ظالم ہیں۔

۱۹۲۳/۴۸: عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَ سَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ الْاَرْضَ جَعَلَتْ تَمِیْدُ فَخَلَقَ الْجِبَالَ فَقَالَ بِہَا عَلَیْہَا فَاسْتَقَرَّتْ فَعَجِبَتِ الْمَلَائِکَۃُ مِنْ شِدَّۃِ الْجِبَالِ فَقَالُوْا یَا رَبِّ ہَلْ مِنْ خَلْقِکَ شَیْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْجِبَالِ قَالَ نَعَمْ، اَلْحَدِیْدُ۔ فَقَالُوْا یَا رَبِّ ہَلْ مِنْ خَلْقِکَ شَیْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْحَدِیْدِ قَالَ نَعَمْ، اَلنَّارُ۔ فَقَالُوْا یَا رَبِّ ہَلْ مِنْ خَلْقِکَ شَیْءٌ اَشَدُّ مِنَ النَّارِ۔ قَالَ نَعَمْ، اَلْمَاءُ۔ فَقَالُوْا ہَلْ مِنْ خَلْقِکَ شَیْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْمَاءِ

قَالَ نَعَمْ، اَلرِّیْحُ۔ فَقَالُوْا یَا رَبِّ ھَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَیْءٌ اَشَدُّ مِنَ الرِّیْحِ قَالَ نَعَمْ، اِبْنُ آدَمَ تَصَدَّقَ صَدَقَةً بِیَمِیْنِهٖ یُخْفِیْھَا عَنْ شِمَالِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا، زمین جھولنے لگی پھر اللہ تعالیٰ نے زمین پر پہاڑ پیدا فرمائے۔ پس پہاڑوں کے ساتھ زمین کو استقرار کا اشارہ فرمایا، زمین نے قرار پکڑ لیا۔ فرشتوں نے پہاڑوں کی شدت سے تعجب کیا اور عرض کیا، اے ہمارے رب! کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے کوئی چیز زیادہ سخت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہاں، لوہا۔ پھر فرشتوں نے عرض کیا، اے ہمارے رب! تیری مخلوق میں لوہے سے زیادہ کوئی چیز سخت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہاں آگ۔ پھر فرشتوں نے عرض کیا، اے ہمارے رب! تیری مخلوق میں آگ سے زیادہ کوئی چیز سخت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہاں پانی۔ پھر فرشتوں نے عرض کیا، اے ہمارے رب تیری مخلوق میں پانی سے زیادہ کوئی چیز اشد ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہاں ہوا۔ پھر فرشتوں نے عرض کیا، اے ہمارے رب! تیری مخلوق میں ہوا سے زیادہ سخت کوئی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہاں وہ انسان جو دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتے ہوئے اسے بائیں ہاتھ سے چھپاتا ہے۔

● انسانی طبیعت عموماً شہرت کا تقاضا کرتی ہے، ہر شخص چاہتا ہے صدقہ کا اعلان ہو تاکہ لوگوں کو علم ہو جائے فلاں آدمی نہایت سخی ہے مگر ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا، جو آدمی اپنی طبعی خواہش کو شریعت کے تابع کر دیتا ہے، وہ آدمی پہاڑوں اور لوہے اور آگ اور پانی اور ہوا سے زیادہ طاقتور ہے کیونکہ یہ پانچوں عناصر اپنی طبیعت کے مطابق کام کرتے ہیں مگر صدقہ چھپانے والا طبیعت پر غالب آجاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی آدمی زکوٰۃ ادا کرتے وقت اعلان کرے کہ میں زکوٰۃ دے رہا ہوں تو یہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کی نیت ترغیب دینے کی ہو، ریا کی نہ ہو۔

۱۹۲۶/۴۹: عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ مَنْ وَسَّعَ عَلٰی عَیَالِهٖ فِی النَّفَقَةِ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَسَّعَ اللهُ عَلَیْهِ سَائِرَ سَنَتِهٖ قَالَ سُفْیَانُ اِنَّا قَدْ جَرَّبْنَاهُ وَ وَجَدْنَاهُ کَذَالِكَ۔ (رواہ رزین)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے اپنے اہل و عیال پر عاشوراء محرم کے دن نفقہ میں توسیع کی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے سارے سال کے دوران اس کے رزق میں وسعت عطا فرمائے گا۔ حضرت سفیان ثوری نے کہا، ہم نے اس کا تجربہ کیا ہے، ہم نے اس کو اسی طرح پایا۔

۱۹۲۹/۵۰: حضرت ابوہریرہؓ اور حکیم بن خدام بیان کرتے ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خَیْرُ الصَّدَقَةِ مَا کَانَ عَنْ ظَھْرِ غِنًی وَ ابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو غنی آدمی کی جانب سے ہو اور تم ان لوگوں سے ابتداء کرو جو تمہاری کفالت میں داخل ہیں اور تمہارے عیال ہیں۔

۱۹۳۱/۵۱: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ وَ دِیْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ فِیْ رَقَبَةٍ وَ دِیْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰی مِسْکِیْنٍ وَ دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰی اَھْلِكَ اَعْظَمُ اَجْرًا اَلَّذِیْ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰی اَھْلِكَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: یہ کہ ایک دینار تو نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کیا اور ایک دینار تو نے غلام آزاد کرنے میں صدقہ کیا اور ایک دینار تو نے مسکین پر صدقہ کیا اور ایک دینار تو نے اپنے اہل اور عیال پر خرچ کیا، وہ دینار اجر میں بہت بڑا ہے جو تو نے اپنے اہل پر خرچ کیا۔

● معلوم ہوا اہل و عیال پر خرچ کرنے کا ثواب دوسری مدات میں خرچ کرنے

سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ اہل وعیال کا نفقہ آدمی پر فرض ہوتا ہے اور فرض کا ثواب نفلی صدقہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ نیز اہل وعیال پر صدقہ اور صلہ رحمی دو چیزوں کا ثواب ملتا ہے، دوسری مدات میں صرف صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔

۱۹۳۸/۵۲: حضرت ابوہریرہؓ نے عرض کیا، یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَیُّ الصَّدَقَۃِ اَفْضَلُ؟ قَالَ جُھْدُ الْمُقِلِّ وَ ابْدَءْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔(رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: کہ کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، قلیل المال والے آدمی کی مشقت سے حاصل مال کا صدقہ افضل ہوتا ہے اور ابتداء اپنے عیال سے کر۔

• چونکہ ثواب کی مدار اخلاص پر ہوتی ہے اور صدقہ کرنے میں غنی کی نسبت سے اخلاص فقیر میں زیادہ ہوتا ہے کہ خود محتاج ہے اور مشقت سے مال حاصل کرتا ہے لیکن دوسرے آدمی کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہے اس لئے غنی کے صدقہ سے فقیر صابر کا صدقہ کرنے کا ثواب زیادہ ہے۔

۱۹۳۹/۵۳: حضرت سلیمان بن عامر نے بیان کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اَلصَّدَقَۃُ عَلَی الْمِسْکِیْنِ صَدَقَۃٌ وَ ھِیَ عَلٰی ذِی الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَۃٌ وَ صِلَۃٌ۔(رواہ احمد)

ترجمہ: یہ کہ مسلمانوں پر صدقہ صرف صدقہ ہے اور رشتہ داروں پر صدقہ دو امر ہیں: ایک صدقہ اور دوسرا صلہ رحمی۔

۱۹۴۳/۵۴: حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا، مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللّٰہِ فَاَعِیْذُوْہُ وَ مَنْ سَأَلَ بِاللّٰہِ فَاَعْطُوْہُ وَ مَنْ دَعَاکُمْ فَاَجِیْبُوْہُ وَ مَنْ صَنَعَ اِلَیْکُمْ مَعْرُوْفًا فَکَافِئُوْہُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَا تُکَافِئُوْہُ فَادْعُوْا لَہٗ حَتّٰی تَرَوْا اَنْ قَدْ کَافَأْتُمُوْہُ۔(رواہ احمد)

ترجمہ: کہ جو شخص تم سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ امان اور پناہ طلب کرے، اس کو پناہ دو اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے طفیل سوال کرے اس کو عطا کرو اور جو شخص تمہاری دعوت کرے اس کی دعوت قبول کرو اور جو شخص تمہارے ساتھ نیکی کرے، اس کو اس کا بدلہ دو اگر بدلہ نہ پاؤ تو ان کے لئے دعا کرو حتی کہ تم سمجھو کہ تم نے بدلہ دینے کا حق ادا کر دیا ہے۔

• آجکل اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ ﷺ کا واسطہ دینا ہر گداگر کی عادت ہو گئی ہے چونکہ عادی سائل حقیقی محتاج نہیں ہوتے، اس لئے ان کا سوال کرنا حرام ہوتا ہے اور پھر حرام حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ ﷺ کا نام استعمال کرتے ہیں اور واسطہ دیتے ہیں تو یہ لوگ عطا کے مستحق نہیں ہیں لٰہذا ان کی مدد نہ کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ البتہ صحیح حاجت مند اگر سوال کرے، اس کی مدد کرنا ثواب ہے۔ وہ اگر اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کرے تو اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی ضرور مدد کرنی چاہیے۔

۱۹۴۷/۵۵: عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْءَۃُ مِنْ طَعَامِ بَیْتِھَا غَیْرَ مُسْفِرَۃٍ کَانَ اَجْرُھَا بِمَا اَنْفَقَتْ وَ لِزَوْجِھَا اَجْرُہٗ بِمَا کَسَبَ وَ لِلْخَازِنِ مِثْلُ ذَالِکَ لَا یَنْقُصُ بَعْضُھُمْ اَجْرَ بَعْضٍ شَیْئًا۔(متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب بیوی اپنے گھر کے طعام سے بغیر اسراف کے خرچ کرتی ہے، اس کو اجر ملے گا، جو اس نے خرچ کیا اور اس کے شوہر کے لئے اس کا اجر ہو گا جو اس نے مال کسب کیا اور خازن کے لئے اس کی مثل اجر ہو گا۔ ان کا بعض بعض کے اجر سے کوئی چیز کم نہیں کرے گا، سب کو برابر ملے گا۔

۴۹۹۶/۵۶: عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ مَنْ

قَضٰی لِاَحَدٍ مِنْ اُمَّتِیْ حَاجَۃً یُرِیْدُ اَنْ یَسُرَّہٗ بِھَا فَقَدْ سَرَّنِیْ وَ مَنْ سَرَّنِیْ فَقَدْ سَرَّ اللّٰہَ وَ مَنْ سَرَّ اللّٰہَ اَدْخَلَہُ الْجَنَّۃَ۔(مشکوٰۃ)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے میری امت کے کسی ایک آدمی کی حاجت پوری کی اس کا ارادہ ہے کہ اسے خوش کرے حاجت پوری کرنے کی وجہ سے۔ پس بے شک اس نے مجھے خوش کیا اور جس شخص نے مجھے خوش کیا بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا۔

۴۹۹۷/۵۷: عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ مَنْ اَغَاثَ مَلْھُوْفًا کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ ثَلٰثًا وَ سَبْعِیْنَ مَغْفِرَۃً وَاحِدَۃٌ فِیْھَا صَلَاحُ اَمْرِہٖ کُلِّہٖ وَ ثِنْتَانِ وَ سَبْعُوْنَ لَہٗ دَرَجَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔(مشکوٰۃ بحوالہ شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت انس بیان کرتے ہیں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے نہایت محتاج کی فریاد پوری کی اس کے لیے اللہ تعالیٰ تہتر (۷۳) مغفرتیں لکھ دیتا ہے۔ اس میں ایک مغفرت اس کے سارے کاموں کی اصلاح ہوتی ہے اور بہتر (۷۲) اس کے لیے قیامت کے دن درجات ہوں گے۔

۵۰۰۱/۵۸: عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَجُلًا شَکَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَسْوَۃَ قَلْبِہٖ فَقَالَ اِمْسَحْ رَأْسَ الْیَتِیْمِ وَ اَطْعِمِ الْمِسْکِیْنَ۔ (مشکوٰۃ بحوالہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کو اپنے دل کی قساوۃ کی شکایت کی۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا، تم یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ۔

۵۰۰۲/۵۹: عَنْ سُرَاقَۃَ ابْنِ مَالِکٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ اَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی اَفْضَلِ الصَّدَقَۃِ؟ اِبْنَتُکَ مَرْدُوْدَۃٌ اِلَیْکَ لَیْسَ لَھَا کَاسِبٌ غَیْرُکَ۔(رواہ ابن ماجہ)

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

ترجمہ: حضرت سراقہ ابن مالک نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کیا میں تمہیں افضل صدقہ کی رہنمائی نہ کروں؟ تیری بیٹی جو تیرے پاس واپس آگئی ہے، اس کے لیے تیرے سوا کوئی کمانے والا نہیں ہے۔

● بیٹی اور بہن اور ان کی اولادوں کا ایک ہی حکم ہوتا ہے۔ اگر بیٹی کو طلاق ہو جائے یا اس کا شوہر فوت ہو جائے، اس کے لیے کوئی کمانے والا نہ ہو، وہ ماں باپ کے گھر واپس آجاتی ہے اور والدین کو بوجھ محسوس ہوتی ہے مگر ہمارے پیارے نبی ﷺ کا حکم ہے کہ مطلقہ یا بیوہ بیٹی پر صدقہ سب صدقات سے افضل ہے۔ بیٹی کو بوجھ نہیں سمجھنا چاہیے۔

۴۹۷۵/۶۰: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ مَنْ آوٰی یَتِیْمًا اِلٰی طَعَامِہٖ وَ شَرَابِہٖ اَوْجَبَ اللّٰہُ لَہُ الْجَنَّۃَ الْبَتَّۃَ اِلَّا اَنْ یَعْمَلَ ذَنْبًا لَا یُغْفَرُ وَ مَنْ عَالَ ثَلٰثَ بَنَاتٍ اَوْ مِثْلَھُنَّ مِنَ الْاَخَوَاتِ فَاَدَّبَھُنَّ وَ رَحِمَھُنَّ حَتّٰی یُغْنِیَھُنَّ اللّٰہُ اَوْجَبَ لَہُ الْجَنَّۃَ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ اثْنَتَیْنِ؟ قَالَ اَوِ اثْنَتَیْنِ حَتّٰی لَوْ قَالُوْا اَوْ وَاحِدَۃً؟ فَقَالَ وَاحِدَۃً وَ مَنْ اَذْھَبَ اللّٰہُ بِکَرِیْمَتَیْہِ وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ مَا کَرِیْمَتَاہُ؟ قَالَ عَیْنَاہُ۔(رواہ فی شرح السنۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس شخص نے کسی یتیم (بچے یا بچی) کو اپنے طعام اور مشروب میں شریک کیا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے یقیناً جنت واجب کر دے گا مگر یہ کہ وہ ایسا عمل کرے جس کی مغفرت نہیں ہو سکتی (یعنی کفر) اور جس شخص نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں کی کفالت کی، انہیں تعلیم اور تربیت دی (یا دلوائی) اور ان پر شفقت کرتا رہا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان بیٹیوں اور بہنوں کو غنی کر دیا (ان کی شادیاں ہو گئیں) اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت واجب کرے گا۔ پس ایک آدمی

نے عرض کیا، اور دو بیٹیاں یا بہنیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اور دو بھی۔ حتیٰ کہ اگر صحابہ کرام کہتے ایک تو ضرور آپ ﷺ فرماتے ایک بھی۔ اور فرمایا جس شخص کی کریمتین کو اللہ تعالیٰ نے ختم کردیا اس کے لیے جنت واجب ہے۔ عرض کیا گیا، یارسول اللہ! کریمتین کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، کریمتا سے مراد اس کی آنکھیں ہیں۔

- فضائل میں ساٹھ احادیث کا ذکر کیا گیا تاکہ قارئین علماء اور عوام اس پر عمل کریں اور تبلیغ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے بچوں کو ان احادیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔
- عام طور پر بیٹیوں اور بہنوں کو بوجھ سمجھا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ نے بیٹیوں اور بہنوں کو جنت میں دخول کے اسباب سے ایک سبب بیان کرکے لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ انہیں بوجھ نہ سمجھیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے بیٹیاں عطا فرمائیں اور انہوں نے ان کی خدمت اور پیار کرکے اپنے لیے جنت کی بکنگ کرالی ہے۔

خاک پائے اہلِ ایمان
محمد رفیق حسنی عفی عنہ
جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم
گلستانِ جوہر، بلاک ۱۵، کراچی۔

مورخہ: ۲۲ جنوری ۲۰۱۴ء

بابِ دوم

زکوٰۃ کے مسائل

زکوٰۃ کے مسائل

زکوٰۃ کی فرضیت اور تاریخ کا ذکر:

● زکوٰۃ قطعی فرض ہے اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے اور زکوٰۃ کا نا دہندہ فاسق ہے۔ (ہدایہ، کتب فقہ)

● قرآن مجید میں زکوٰۃ کا بتیس آیات میں نماز کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔(ردالمختار)

● افضیلت میں زکوٰۃ نماز سے دوسرے نمبر پر ہے۔ علماء فقہ نے فرمایا عبادات میں سب سے افضل عبادت نماز ہے پھر زکوٰۃ پھر روزہ پھر حج پھر عمرہ اور جہاد اور اعتکاف ہے۔(ردالمحتار، ص: ۱۷۰، مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ)

● رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے سن دو ہجری میں زکوٰۃ فرض کی گئی۔ (در مختار ص: ۱۷۰/۳)

● اجناس اور پھلوں اور پھولوں کی زکوٰۃ کا نام عشر ہے اور عشر بھی زکوٰۃ کی طرح فرض ہے گویا سونے اور چاندی اور مالِ تجارت اور جانوروں میں فقراء کے لئے حق واجب کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے اور اجناس اور پھلوں اور پھولوں میں حق واجب کو عشر کہا جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام پر زکوٰۃ فرض نہیں تھی:

● انبیاء عظام علیہم الصلاۃ والسلام پر فطرہ اور زکوٰۃ واجب نہیں تھے اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کیونکہ لوگوں کے اموال میں زکوٰۃ کا مقدار میل کچیل ہوتا ہے اور اس مقدار کو نکال کر باقی مال کو پاک کر دیا جاتا ہے اور بالواسطہ زکوٰۃ دہندہ بھی پاک ہو جاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے اموال میل سے پاک ہوتے ہیں ان کے اموال کو پاک کر کے انبیاء علیہم السلام کو بالواسطہ پاک کرنے کا تصور نہیں ہو سکتا۔ (ص: ۱۷۰/۳ ردالمحتار)

● اور آیت کریمہ:

"وَاَوۡصَانِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا" (سورۃ مریم۔آیت:۳۱)

ترجمہ: "(حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے) مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت فرمائی ہے جب تک میں زندہ رہوں گا۔"

میں زکوٰۃ سے نفس کی زکوٰۃ اور طہارت مراد ہے کہ وہ احوال جو انبیاء علیہم السلام کی شان کے مناسب نہیں ان سے نفس کو دور رکھنے کی وصیت کی گئی یا اس سے زکوٰۃ کی تبلیغ مراد ہے مال کی زکوٰۃ مراد نہیں۔ (ص: ۱۷۰/۳، ردالمحتار)

● **زکوٰۃ کا لغوی معنی:** طہارۃ اور نماء(بڑھنا اور زیادہ ہونا) ہے۔

● **زکوٰۃ کا شرعی معنی:** زکوٰۃ کی نیت سے مال کا وہ جزء اور مقدار جس کی تعیین شارع علیہ السلام نے فرمائی ہے وہ زکوٰۃ ہے اور اس مقدار کا ہاشمی اور اس کے غلام کے علاوہ کسی مسلم فقیر کو اس طرح مالک بنا دینا کہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کی منفعت کا اس مال کے ساتھ کسی طرح تعلق نہ ہو، زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔

زکوٰۃ کے لغوی اور شرعی معنی میں مناسبت:

● زکوٰۃ میں ادا کیا گیا مال زکوٰۃ ادا کرنے والے کو گناہوں اور صفت بخل اور مال کے بخل سے نکال دیتا ہے یہی وجہ ہے ادا کردہ رقم مال کی میل کچیل ہوتی ہے جو آل الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جائز نہیں ہے اگرچہ فقیر ہوں اور ادا کردہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کے مال کو بڑھا دیتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں "یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ" (البقرہ۔آیت:۲۷۶) اللہ تعالیٰ صدقات کو بڑھا دیتا ہے۔ اور فرمایا "خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمۡ وَتُزَکِّیۡہِمۡ بِہَا" (توبہ:۱۰۲) لوگوں کے اموال سے صدقہ اور زکوٰۃ لے کر ان لوگوں کو زکوٰۃ کی وجہ سے پاک کرو اور ان کے مال کو بڑھاؤ۔ علامہ شامی "تُزَکِّیۡہِمۡ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں (تُنۡمِیۡہِمۡ

بِالْخَلْفِ) ان کے مال کو مزید مال سے بڑھاؤ۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

"وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ" (سبا:۳۹)

ترجمہ: اور جو چیز تم نے خرچ کی ہے اللہ تعالیٰ اس کا خلف اور بدل عطا فرمائے گا اور رزق دینے والوں سے وہ بہتر ہے۔

- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "لَا یَنْقُصُ مَالٌ مِّنْ صَدَقَةٍ"

ترجمہ: "صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا۔" (مسند امام احمد ص:۱/۱۹۳)

- معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے شرعی معنی میں طہارۃ اور زیادتی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ (ملخص: ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ)

- افسوس ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین پر کامل یقین نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ فرماتے ہیں، زکوٰۃ دینے سے مال بڑھتا ہے اور مال کم نہیں ہوتا۔ جب مال دینے والا مالک اور قادر مطلق خود فرماتا ہے کہ زکوٰۃ سے مال بڑھتا ہے اور اس کا رسول ﷺ فرماتا ہے زکوٰۃ ادا کرنے سے مال کم نہیں ہوتا تو ہمیں اس پر یقین کیوں نہیں آتا؟ اور ہم کیوں سمجھتے ہیں زکوٰۃ اصل مال کو کھا جاتی ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

تملیک اور اباحت میں فرق:

- زکوٰۃ اور فدیہ اور نذر کی وجہ سے واجب مال میں مستحق آدمی کو مال کا مالک بنانا شرط ہے، جس کی تعبیر تملیک کے لفظ سے کی جاتی ہے۔
- تملیک کا مفہوم یہ ہے کہ مستحق آدمی کو زکوٰۃ کے مال کا مالک بنادیا جائے جس طرح کوئی شخص مال خرید کر مال کا مالک ہو جاتا ہے اسے خرید کردہ مال میں جملہ تصرفات کا حق حاصل ہوتا ہے، خواہ وہ اس مال کا صدقہ کرے یا فروخت کرے، خود استعمال کرے، کسی کو اس پر اعتراض نہیں ہوتا۔ اسی طرح زکوٰۃ دینے والا مستحق آدمی کو یا اس کے وکیل کو زکوٰۃ کا مالک بنادے، خواہ وہ مستحق

اس مال کو اپنے اوپر خرچ کرے یا کسی دوسرے کو ہدیہ کردے یا فروخت کردے۔ یعنی زکوٰۃ دہندہ کی طرف سے مال کے عین اور اس میں تصرف کا مستحق آدمی کو مالک بنادیا جائے، یہ تملیک ہے اور اباحت یہ ہے کہ آدمی کو مال کے عین اور ذات کا مالک نہ بنایا جائے صرف اس میں تصرف اور نفع اٹھانے کی اجازت دی جائے اس مال کو نہ مستحق فروخت کرسکے نہ اپنے قبضہ میں لیکر کسی دوسرے کو دے سکے، صرف وہ خود نفع اٹھاسکے۔ اباحت کی مثال عاریت کے ساتھ دی جاسکتی ہے کہ عاریۃ دی گئی چیز سے مستعیر نفع تو اٹھاسکتا ہے لیکن اس کا مالک نہیں ہوتا، تاکہ اسے بیع وشراء کے حقوق بھی حاصل ہوں اور تملیک کی مثال بیع کے ساتھ دی جاسکتی ہے کہ مال فروخت کرنے والا بیع کے ذریعہ خریدار کو خرید کردہ مال کا مالک بنادیتا ہے۔ خریدار اس مال کے عین اور تصرف دونوں کا مالک ہو جاتا ہے۔ (ردالمحتار، درمختار کتاب الزکاۃ)

- فائدہ: زکوٰۃ کی تعریف میں تملیکِ مستحق کا ذکر کیا گیا ہے۔ تملیکِ مستحق زکوٰۃ کی ادا میں رکن ہے، لہٰذا جہاں تملیکِ مستحق ممکن نہ ہوئی وہاں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ جہاں تملیک تو ممکن ہو مگر تملیک نہ ہو بلکہ اباحت ہو پھر بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ مثلاً مساجد کی تعمیر اور مدارس کی عمارتیں اور مسافر خانے اور ہسپتالوں کی عمارتیں اور روڈ اور پل اور قبریں اور مکان وغیرہا میں تملیک متصور نہیں ہوسکتی کیونکہ مذکورہ اشیاء کا کوئی آدمی مالک نہیں ہوتا، لہٰذا مذکورہ مدات میں زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ کیونکہ قرآن مجید میں زکوٰۃ کے مصارف کے لئے "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ" (الآیۃ) آیت میں فقراء پر لام تملیک کا ہے۔ جیسے "اَلْمَالُ لِزَیْدٍ" میں لام تملیک کا ہے۔ چونکہ مذکورہ رفاہی امور میں تملیک متصور نہیں ہوسکتی، لہٰذا زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوگی۔ (ملخص ردالمحتار)

• اور اباحت میں مالک کی طرف سے تملیک نہیں ہوتی اگرچہ تملیک ہو سکتی ہے۔ صرف نفع اٹھانے کی اجازت ہوتی ہے۔ اباحت ماکولات اور مشروبات کی ہو یا کرنسی وغیرہ کی اباحت ہو، مالک فقراء پر شرط لگاتا ہے کہ بقدر ضرورت استعمال کر لیں اور ضرورت سے زائد واپس کر دیں۔ اگر کسی نے فقراء کو کھانا کھلایا یا سبیل لگا کر پانی پلایا یہ اباحت ہے، اباحت میں مالک کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ فقراء حسب ضرورت طعام کھالیں اور مشروب پی لیں مگر انہیں اس طعام کو گھر لے جانے یا فروخت کرنے یا ہدیہ کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ یہ اباحت ہے لہٰذا اگر زکوٰۃ کی رقم سے فقراء کو بطور اباحت کھانا کھلایا گیا یا پانی پلایا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی کیونکہ تملیک نہیں ہے جو کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے رکن ہے۔

• بالفرض کسی آدمی نے فقراء کو زکوٰۃ کی رقم سے کھانا یا مشروب مالکانہ حقوق کے ساتھ دے دیے کہ فقراء چاہیں تو کھائیں اور چاہیں تو فروخت کریں، ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اسی طرح راشن آٹا وغیرہ تملیکاً دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (کتب فقہ)

• **مسئلہ:** آج کل بعض مذہبی اور سیاسی تنظیمیں بڑے بڑے شہروں میں لوگوں کو کھانا کھلانے کا انتظام کرتی ہیں اور بعض کروڑوں اور اربوں پتی لوگ بھی لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ مثلاً حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمہ اللہ تعالیٰ کی مزار انور پر ایک سرمایہ دار کی طرف سے صبح و شام لوگوں اور مسافروں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اسی طرح کراچی میں بعض رفاہی تنظیمیں لوگوں کو صبح و شام کھانا کھلاتی ہیں۔ بعض پاکستانی سرمایہ دار مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں عمرہ اور حج کرنے والوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور بعض سرمایہ داروں کی جانب سے رمضان المبارک میں سفرہ نام سے دستر خوانوں پر ماکولات اور مشروبات سے لوگوں کی تواضع کی جاتی ہے۔ کھانا کھلانا خصوصاً فقراء کو بہت بڑی

عبادت ہے مگر زکوٰۃ کی رقم سے کھانا کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی۔ کیونکہ ایک تو لوگوں میں فقیر اور غیر فقیر اور مسلم اور کافر اور ہاشمی اور غیر ہاشمی کی تمیز نہیں ہوتی، سب کھاتے ہیں۔ دوم تملیک نہیں ہوتی، کسی آدمی کو یہ اجازت نہیں ہوتی کہ کھانا پیک کر کے گھر لے جائے یا وہ اسے فروخت کر دے۔

• اسی طرح سالانہ اربوں روپے خرچ کئے جاتے ہیں یہ صدقہ نفلی تو ہو سکتا ہے مگر زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی۔ لہٰذا سرمایہ داروں اور رفاہی تنظیموں کو زکوٰۃ سے چندہ دینے والوں کو دوبارہ زکوٰۃ دینا ہو گی ورنہ آخرۃ میں مواخذہ ہو گا۔

• دراصل بعض تنظیمیں یا ادارے لوگوں کے جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں چونکہ کھانا کھانے والوں کی ٹی وی وغیرہ پر تصویریں دکھائی جاتی ہیں، عام آدمی نہایت متاثر ہوتا ہے کہ دیکھو فلاں تنظیم کی طرف سے فقراء اور غرباء کو کھانا کھلایا جا رہا ہے۔ وہ جذبات میں آکر کروڑوں کی زکوٰۃ اور صدقات ان اداروں کو دے آتے ہیں ان تنظیموں کو کروڑوں بلکہ اربوں کے فنڈ مل جاتے ہیں۔ زکوٰۃ دینے والوں کو تنظیمات چلانے والے اصل مسئلہ بیان نہیں کرتے اور دھوکہ دیتے ہیں۔ ان حالات میں اگر زکوٰۃ کی رقم سے چندہ دینے والوں کو علم ہے کہ ہماری زکوٰۃ کی رقم صحیح مصرف میں خرچ نہیں ہوتی تو زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ان کی گردنوں پر دین ہے، جب تک دوبارہ ادا نہ کریں۔ اور اگر چندہ دینے والوں کو یقین ہے کہ ہماری زکوٰۃ صحیح مصارف میں شرائطِ تملیک کے ساتھ خرچ کی جاتی ہے مگر چندہ کرنے والی تنظیموں کے سربراہان زکوٰۃ تملیک کے ساتھ صحیح مستحقین میں خرچ نہیں کرتے تو زکوٰۃ ان تنظیموں کے کرتا دھرتاؤں کی گردنوں پر دین ہے۔

• بعض سرمایہ دار زکوٰۃ کے مستحق اپنے نوکر یا دوسرے فقیر کو زکوٰۃ کی رقم سے عمرہ یا حج کراتے ہیں۔ ان کی زکوٰۃ تب ادا ہو گی کہ مطلوبہ رقم کا فقیر کو مالک

بنادیا جائے۔ بالفرض وہ آدمی عمرہ یا حج پر نہ جائے بلکہ اس رقم سے اپنی بیٹی کا جہیز خریدے یا مکان خریدے توزکوٰۃ دہندہ اعتراض نہ کرے اور رقم کی واپسی کا مطالبہ نہ کرے۔ اگر سرمایہ دار یہ شرط لگائے کہ اگر عمرہ یا حج نہ کیا تو رقم واپس کرنا ہوگی یا جو رقم بچ جائے گی، وہ واپس کرنا ہوگی تو یہ اباحت ہے، تملیک نہیں۔ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ (ردالمحتار)

• زکوٰۃ کی تعریف میں مستحق کے لفظ کے ذکر سے معلوم ہوا کہ غیر مستحق یعنی غنی اور ہاشمی اور کافر اور غنی کی نابالغ اولاد کو دی گئی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ کیونکہ غنی اور ہاشمی اور کافر اور غنی آدمی کی اولاد، جو ابھی بالغ نہیں ہوئی، زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں۔

• زکوٰۃ کی تعریف میں ذکر کردہ تملیکِ مستحق کے لفظ سے اشارہ فرمایا کہ تملیک مستحق زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے رکن ہے اور مستحق یا اس کے وکیل کا زکوٰۃ پر قبضہ شرط ہے، بلکہ قبضہ زکوٰۃ کے مفہوم کی جزء ہے کیونکہ تبرعات میں قبضہ کے بغیر دوسرا آدمی تبرعات کا مالک نہیں بنتا اور زکوٰۃ بھی من وجہ تبرعات میں سے ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے فقیر کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک صرف الفاظ میں بنایا اور مال پر قبضہ نہیں دیا توزکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔(ردالمحتار)

• فقراء کی جانب سے زکوٰۃ جمع کرنے والے عامل اور زکوٰۃ لینے کے سفیر اور مدارس اور تنظیموں کے ناظم یا ان کی جانب سے مقرر مجاز نائبین فقراء اور طلباء کی جانب سے عرفاً اور دلالۃً وکیل ہوتے ہیں، بشرطیکہ فقراء معیّن اور محدود اور معلوم ہوں، ناظمین اور سفراء کا قبضہ فقراء کا قبضہ ہوتا ہے، لہٰذا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

غیر عاقل بچوں کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

• اگر غیر عاقل بچہ غنی نہیں اور اس کا والد بھی غنی نہیں یا اس کا والد فوت ہو چکا

ہے اور وہ یتیم اور فقیر ہے، اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، بشرطیکہ اس کی جانب سے زکوٰۃ کا قبضہ اس غیر عاقل بچے کا ولی اقرب یا ابعد کرے۔ کیونکہ غیر عاقل بچے کا مال پر قبضہ شرعاً قبضہ نہیں ہوتا، قبضہ تب قبضہ کہلاتا ہے کہ قابض کو قبضہ کرنے کا فہم بھی ہو اور غیر عاقل کو فہم نہیں ہوتا یا پھر غیر عاقل بچوں کو بالفعل کھانا کھلادیا جائے یا کپڑے پہنا دیے جائیں توزکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور یہی حکم پاگل فقیر کا ہے۔(ردالمحتار ص:۱۷)

• یتیم بچوں کے اسکولوں اور مدارس کے ناظمین کو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یتیم یا معذور بچے، جو غنی نہ ہوں، ان بچوں کے ملک میں بطور وراثت اتنا مال نہ ہو جس کی وجہ سے وہ بچے غنی ہوں اور وہ ہاشمی بچے نہ ہوں اور غیر مسلم والدین کے بچے نہ ہوں ورنہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ ناظمین اگر یہ حیلہ کرتے ہوں کہ ہم فقیر اور غیر ہاشمی اور مسلم بچوں کے وکیل کی حیثیت سے زکوٰۃ وصول کرتے ہیں اور پھر ان مستحق بچوں کی جانب سے غیر مستحق بچوں پر خرچ کرتے ہیں، تو یہ حیلہ ناجائز ہے۔ کیونکہ غیر بالغ بچوں کے لئے لی گئی زکوٰۃ صرف مستحق اور فقراء نابالغ بچوں پر خرچ ہو سکتی ہے۔ غیر بالغ بچے دیے گئے مال کے مالک تو بن سکتے ہیں مگر کسی کو مالک نہیں بنا سکتے۔ اگر بچے اپنے ملک میں موجود مال کے لئے اپنے متولی کو اجازت بھی دیں کہ یہ زکوٰۃ کا مال دوسروں پر خرچ کیا جائے تو بھی جائز نہیں ہوتا۔ غیر بالغ بچہ اپنے مال کا دوسرے آدمی کو بطور ہدیہ بلا معاوضہ مالک بنائے بھی تو دوسرا آدمی مالک نہیں بن سکتا۔ اور اس بچے کا متولی بھی اس کا مجاز نہیں ہے، بلکہ نابالغ بچے کا باپ بھی نابالغ بچے کا مال بلا معاوضہ نہیں لے سکتا۔ بالفرض یتیم بچے کے لئے زکوٰۃ دی گئی تو وہ زکوٰۃ اسی پر خرچ کرنا ہوگی اور فقیر کے نابالغ بچے کو زکوٰۃ دی گئی تو اس زکوٰۃ میں اس کا باپ بھی اپنے اوپر خرچ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا نابالغ یتیموں اور معذور

احناف کے نزدیک مال کی تعریف:

"المال ما یتمول ویدخر للحاجۃ" (ردالمحتار)

مال وہ چیز ہے جس میں تمول ہو اور اسے حاجت کے لئے سٹور اور ذخیرہ کیا جاسکے۔

• مال کی تعریف سے معلوم ہوا منفعت مال نہیں ہے اور زکٰوۃ میں مال کا چالیسواں حصہ معیّن دینا فرض ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے فقیر کو اپنا مکان رہائش کے لئے زکٰوۃ کی مد میں دیا تو زکٰوۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ رہائش مال نہیں ہے بلکہ منفعت ہے۔ (درمختار)

• بالفرض مکان کا ماہانہ کرایہ دس ہزار طے ہوا زکٰوۃ ادا کرنے والا کرایہ دار سے کرایہ نہیں لیتا اور زکٰوۃ کی نیت کرلیتا ہے تو زکٰوۃ ادا نہیں ہوگی۔ کیونکہ زکٰوۃ مال معیّن سے مال کے چالیسویں حصہ ادا کرنے اور فقیر کو اس کا مالک بنانے سے ادا ہوتی ہے اور منفعت مال نہیں ہے۔ اسی طرح دَین ساقط کرنے سے بھی زکٰوۃ ادا نہیں ہوتی اور کرایہ وصول کرنے سے پہلے کرایہ دَین ہوتا ہے اور دَین ایک وصف ہے جس کی وجوب بالذمہ سے تعبیر کی جاتی ہے اور مال عین ہے وصف نہیں ہے، اس لئے دین سے ابراء اور دین کے اسقاط سے زکٰوۃ ادا نہیں ہوگی۔ کیونکہ زکٰوۃ مال کی تملیک اور قبضہ دے دینے سے ادا ہوتی ہے، جب دین مال نہیں تو اس کی تملیک بھی ممکن نہیں۔ لہٰذا منفعت کے حصول اور دَین ساقط کرنے سے زکٰوۃ ادا نہیں ہوگی۔ (درمختار)

• **نوٹ:** مال کی مذکورہ تعریف احناف کے نزدیک ہے، جس کی وجہ سے منفعت مال نہیں بنتی۔ دوسرے بعض ائمہ کے نزدیک منفعت بھی مال ہے جیسا کہ آخر میں ذکر کیا جائے گا۔ (محمد رفیق حسنی)

زکٰوۃ اور فطرہ میں فرق:

• زکٰوۃ کے وجوب کا تعلق مخصوص اموال کے ساتھ ہوتا ہے آدمی کے ساتھ

بچوں کی آڑ میں بھوکے اور حریص ناظمین کو لوگوں کی زکٰوۃ ضائع نہیں کرنا چاہیے اور یتیم اور معذور بچوں کی وجہ سے لوگوں کے جذبات سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ (عام کتب فقہ) (محمد رفیق حسنی)

• اگر کسی آدمی کی کفالت میں یتیم بچہ پرورش پا رہا ہے اور اس یتیم کا نفقہ قاضی کے فیصلے سے اس شخص پر واجب ہے، اس شخص نے اس بچے کا نفقہ واجبہ اپنی زکٰوۃ سے ادا کیا تو زکٰوۃ ادا نہیں ہوگی۔ کیونکہ نفقہ کی نیت سے زکٰوۃ ادا نہیں ہوتی اور اگر نفقہ واجب نہیں تھا اور کفیل نے زکٰوۃ کی نیت سے یتیم کو کپڑے پہنائے اور کھانا پکا کر اس کے قبضہ میں دے دیا تو زکٰوۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ تملیک سے زکٰوۃ ادا ہو جاتی ہے۔ جب کفیل زکٰوۃ سے یتیم کی کفالت کرتا ہے تو اس پر نفقہ واجب نہیں آئے گا کیونکہ رشتہ داروں کا نفقہ بقدر حاجت، بوقت حاجت واجب ہوتا ہے اور اب حاجت نہیں ہے، زکٰوۃ سے کفالت ہو رہی ہے۔

• زیر کفالت مستحقین کو زکٰوۃ کا مالک بنا دینے سے کفیل کی زکٰوۃ ادا ہو جاتی ہے۔ مثلاً کپڑے سلا کر پہنا دینے سے تملیک مکمل ہو جاتی ہے اور کھانا کھلانے میں کھانا مستحق کے ہاتھ میں دے دینے سے تملیک ہو جاتی ہے۔ لہٰذا زکٰوۃ ادا ہو جاتی ہے۔ (ردالمحتار: ص:۱۷۷)

زکٰوۃ کی مقدار:

• زکٰوۃ کی تعریف میں مال کا چالیسواں حصہ یا چالیسویں حصہ کے قائم مقام جانوروں کی زکٰوۃ میں ایک جانور ادا کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

• زکٰوۃ میں کامل نصاب اور دیگر شرائط کے بعد مالک پر مال کا چالیسواں حصہ مستحقین کو ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے، (درمختار) اور جانوروں میں نصاب کے کمال کے بعد ایک جانور ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

نہیں ہوتا اور فطرہ کا تعلق آدمی کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے اور فطرہ آدمی کے ذمہ واجب ہوتا ہے، کسی بھی مال سے ادا کیا جاسکتا ہے یعنی زکٰوۃ آدمی پر اس کے مخصوص مال میں واجب ہوتی ہے اور فطرہ آدمی پر اس کے ذمہ مطلقاً واجب ہوتا ہے، کسی مخصوص مال میں واجب نہیں ہوتا۔ (کتب فقہ)

زکٰوۃ کی تعریف میں لفظ تعیین الشارع کے ذکر کا فائدہ:

• زکٰوۃ کے اموال سے (ربع العشر) (چالیسواں حصہ) نصابی حولی مال (جس کی شارع علیہ السلام نے تعیین فرمائی) کی تملیکِ فقیر سے زکٰوۃ ادا ہو جاتی ہے۔ تعیین شارع کے لفظ سے صدقاتِ نفلی اور فطرہ کو زکٰوۃ کی تعریف سے خارج کر دیا گیا۔ کیونکہ نفلی صدقات میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے تعیین نہیں ہے، آدمی اپنی مرضی سے جو چاہے ادا کرے اور فطرہ میں اگرچہ گندم سے آدھا صاع (دو کلو ایک سو پچاس گرام) اور جو اور کھجور اور زبیب سے ایک صاع (چار کلو تین سو گرام) کا مقدار مقدر کیا گیا ہے مگر اموال میں سے کسی ایک مال کے حصہ سے تعیین نہیں ہے کیونکہ فطرہ آدمی کے ذمہ واجب ہے، کسی خاص مال میں واجب نہیں اس لئے اگر مال ہلاک ہو جائے تو فطرہ ساقط نہیں ہوتا مگر ہلاک شدہ مال کی زکٰوۃ ساقط ہو جاتی ہے۔ یعنی تعیین الشارع اور تقدیر الشارع میں فرق ہے۔ چونکہ احناف کے نزدیک مال عین اور ذات کو کہتے ہیں اس لئے تفریعات میں جو چیز مال ہو گی اس کے ادا کرنے سے زکٰوۃ ادا ہو گی اور جو چیز مال نہیں ہو گی، اس غیر مال سے زکٰوۃ ادا کرنے سے زکٰوۃ ادا نہیں ہو گی۔

• ان شاء اللہ عنقریب ذکر کیا جائے گا کہ احناف کے نزدیک اجارہ کے ابواب میں منفعت کا حکم بھی مال کا ہوتا ہے، اس لئے اجرت پر دیے گئے عبد اور اجرت پر دی گئی دار سے منافع اٹھانے کے معاوضہ میں مال واجب ہوتا ہے اور اگر اجرت مال معین سونے یا چاندی یا کرنسی میں طے ہو تو وہ مال معین واجب ہوتا

ہے اور مالِ تجارت اور سونے اور چاندی اور کرنسی کا دین دینِ قوی ہوتا ہے۔ دیگر آئمہ ثلثہ کے نزدیک مال عین اور منفعت دونوں کا نام ہے، لہٰذا ان کے نزدیک تفریعات کا حکم بدل جائے گا۔ چونکہ مال کی تعریف میں آئمہ کا اختلاف ہے اس لئے یہ اجتہادی مسئلہ ہے۔ قرآن و حدیث میں صراحۃً کے ساتھ مال کی تعریف کا ذکر نہیں ہے کہ مال کس چیز کا نام ہے، عین کا یا منفعت کا یا دونوں کا۔ (محمد رفیق حسنی)

• واجب فی الذمہ کی تقدیر اور اندازہ کرنا فطرہ کے مفہوم میں معتبر ہے مگر زکٰوۃ کی طرح مال میں سے ایک حصہ کی تعیین اس کے مفہوم میں معتبر نہیں ہے، گویا فطرہ دین کی طرح ایک وصف ہے۔ (ردالمحتار)

زکٰوۃ کی تعریف میں لفظ مسلم، فقیر، غیر ہاشمی کے الفاظ کے ذکر کا فائدہ:

• ان الفاظ سے زکٰوۃ کے مصارف کا ذکر کیا گیا ہے جن کی تفصیل باب المصرف میں ذکر کی جائے گی، مسلم کے لفظ سے اشارہ ہے کہ کافر خواہ ذمی ہو یا حربی مستأمن ہو یا غیر مستأمن، کو زکٰوۃ دینے سے زکٰوۃ ادا نہیں ہو گی اور فقیر کے لفظ سے اشارہ ہے کہ غنی کو زکٰوۃ دینے سے زکٰوۃ ادا نہیں ہو گی اور ہاشمی کے لفظ سے اشارہ ہے کہ سید بلکہ ہاشمی اور ان کے آزاد شدہ غلام کو زکٰوۃ دینے سے زکٰوۃ ادا نہیں ہو گی۔

• باب المصرف میں ذکر کیا جائے گا کہ غنی اور ذمی کافر اور ہاشمی اور اصول اور فروع کو زکٰوۃ دینے سے زکٰوۃ اس وقت ادا نہیں ہوتی جب دینے والے کو علم ہو کہ زکٰوۃ لینے والا زکٰوۃ کا مستحق نہیں ہے، اگر اسے علم نہیں تھا اور تحری اور کوشش کے بعد کسی آدمی کو زکٰوۃ کا مستحق سمجھ کر زکٰوۃ دے دی، بعد میں معلوم ہوا، شخص موصوف زکٰوۃ دہندہ کا بیٹا تھا یا باپ تھا یا غنی تھا یا ہاشمی تھا یا کافر ذمی تھا تو زکٰوۃ ادا ہو گئی کیونکہ زکٰوۃ دہندہ نے اپنی طاقت کے مطابق تحری اور کوشش

کی تھی اور وہ اتنا ہی مکلف ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ (درمختار۔ص:۱۷۶)

● اگر غیر مستحق آدمی مستحقین کی جماعت میں بیٹھا ہوا ہے اور زکوٰۃ دہندہ نے اسے مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دی اور پھر معلوم ہوا وہ شخص مستحق نہیں تھا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی کیونکہ فقراء میں بیٹھنا تحری کے قائم مقام ہے۔(ردالمحتار، باب المصرف)

● اگر کسی شخص نے بغیر تحری اور کوشش غیر مستحق کو زکوٰۃ دے دی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شخص مستحق نہیں تھا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اسے دوبارہ زکوٰۃ دینا ہوگی۔(باب المصرف)

زکوٰۃ کی تعریف میں "مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه" کا فائدہ:

● زکوٰۃ کی تعریف میں ذکر کیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کی منفعت کا زکوٰۃ کے مال سے کسی وجہ سے تعلق نہ رہے، ان الفاظ سے اشارہ ہے کہ زکوٰۃ دہندہ زکوٰۃ اپنے اصول اور فروع میں سے کسی کو نہیں دے سکتا۔

● اصول سے مراد باپ اور ماں کی طرف سے رشتہ دار دادا، دادی، نانا، نانی اوپر تک اگرچہ فقیر اور محتاج اور بیمار ہوں ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور فروع سے مراد نسبی اولاد بیٹے، بیٹیوں کے بیٹے اسی طرح نیچے بیٹیاں اور بیٹوں کی اولاد نیچے تک، اگرچہ محتاج ہوں ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، درمختار میں ہے:

"وَلَا اِلٰی مَنْ بَیْنَهُمَا وِلَادٌ اَوْ بَیْنَهُمَا زَوْجِیَّةٌ وَ لَوْ مُبَانَةً"

(ص:۳/۲۹۴)

زکوٰۃ ان کو دینا جائز نہیں جہاں دینے والا اور لینے والے کے درمیان ولادت کی نسبت ہو یا زوجیت کا علاقہ ہو اگرچہ بیوی طلاق بائن کی عدت میں ہو۔ (شامی)

● معلوم ہوا رضاع اور صہریت اور سسرالیت کی وجہ سے قریبی رشتہ داروں کو

زکوٰۃ دینا جائز ہے، لہٰذا اپنی بیوی کی ماں اور باپ (ساس اور سُسر) کو زکوٰۃ دینا جائز ہے حالانکہ بیوی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح رضاعی ماں اور رضائی اولاد کو زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے، صرف نسبی اصول اور فروع کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

● اصول اور فروع کو اور شوہر کا اپنی بیوی کو اور بیوی کا اپنے شوہر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ مذکورہ افراد کو زکوٰۃ دینے سے بالواسطہ زکوٰۃ دینے والے کو نفع پہنچتا ہے، اس لئے ان افراد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

● صدقات نفلیہ کا حکم یہ نہیں ہے مذکورہ افراد کو نفلی صدقات دینا جائز ہے صرف زکوٰۃ اور فدیہ اور فطرہ اور کفارہ کا مال دینا جائز نہیں ہے۔

غنی کی بیوی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے:

● غنی شخص کی فقیرہ بیوی یا غنیہ بیوی کے فقیر شوہر اور ہاشمی کی غیر ہاشمی بیوی یا ہاشمی بیوی کے غیر ہاشمی شوہر کو دوسرا شخص زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ اسی طرح کتابیہ بیوی کے فقیر اور مسلمان شوہر کو زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے۔ (ردالمحتار)

بہو اور داماد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے:

● آدمی اپنی بہو (بیٹے کی بیوی) جو آدمی کی اولاد سے نہ ہو اور اپنے داماد کو اور آدمی اپنے باپ کی بیوی، جو اس کی ماں نہ ہو، اگر یہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں تو ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کیونکہ زکوٰۃ صرف اصول اور فروع کو دینا جائز نہیں ہے اور بہو اور داماد اور باپ کی بیوی ضروری نہیں کہ اصول اور فروع سے ہوں۔

● آدمی اپنی مستحق بہنوں اور بھائیوں اور ان کی اولادوں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ اسی طرح چچوں اور پھوپھیوں اور ماموں اور خالاؤں اور ان کی اولادوں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

● آدمی اپنی ساس اور سسر اور ان کی اولادوں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

● آدمی رضاعی ماں اور رضاعی باپ اور رضاعی اولاد اور رضائی بہنوں کو زکوٰۃ

دے سکتا ہے کیونکہ صرف نسبی اصول اور فروع کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

زکوٰۃ کی مقدار ادا کرتے وقت یا جدا کرتے وقت نیت کا حکم:

● زکوٰۃ کی تعریف میں کے لفظ اللہ کے ذکر سے اشارہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادا میں نیت بالاجماع شرط ہے کیونکہ زکوٰۃ عبادت مقصودہ ہے اور مقصودی عبادت میں نیت شرط ہوتی ہے، بغیر نیت ادا کی گئی رقم زکوٰۃ نہیں ہو گی۔(ص:۱۷۳)

زکوٰۃ کے فرض ہونے کی شرائط:

● عاقل ہونا، بالغ ہونا، مسلمان ہونا، آزاد ہونا اور وجوب کا علم ہونا زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لئے شرطیں ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:

مجنون اور نابالغ بچوں پر زکوٰۃ کا حکم:

● مال دار پر زکوٰۃ فرض ہونے کی پانچ شرطیں ہیں، کہ آدمی عاقل ہو اور بالغ ہو لہٰذا مجنون اور نابالغ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہو گی اگرچہ وہ کروڑوں پتی ہوں کیونکہ مجنون اور نابالغ مکلف نہیں ہیں۔ اگر غیر بالغ غنی صاحب نصاب بچہ بالغ ہو گیا تو سال کی ابتدا بالغ ہونے کے دن سے شمار کی جائے گی اور اسے سال مکمل ہونے پر زکوٰۃ دینا فرض ہو گا۔(ردالمحتار) اور اگر مجنون عقل مند ہو گیا تو اس کے سال کی ابتدا افاقہ کے دن سے ہو گی۔

● معتوہ یعنی کم عقل (نیم پاگل) آدمی کے احکام مجنون اور نابالغ بچے کی طرح ہوں گے۔ جب تک اس کی کم عقل اور پاگل ہونے کی کیفیت ہو گی، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی کیونکہ زکوٰۃ عبادۃ محضۃ ہے اور معتوہ مجنون اور صبی کی طرح غیر مکلف ہوتا ہے، معتوہ سے مراد مغلوب العقل اور مجنون سے مراد فاقد العقل ہوتا ہے۔

● مگر غنی مجنون اور غنی نابالغ بچے پر عشر اور صدقۃ الفطر واجب ہو گا کیونکہ عشر

اور صدقہ الفطر عبادت محضہ نہیں عشر میں زمین اور صدقۃ الفطر میں ذات کی مؤنہ اور اجرت کا معنی پایا جاتا ہے۔ (ردالمحتار)

● غنی نابالغ بچے اور مجنون پر حقوق العباد، نفقات اور جنایات کا معاوضہ بھی واجب ہوتا ہے۔

تیسری شرط اسلام ہے:

● غیر مسلم خواہ اصلی کافر ہو یا مرتد ہو، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی کیونکہ کافر اسلام کے فروعات کے ساتھ مکلف نہیں ہیں۔ اگر مرتد مسلمان ہو جائے تو کفر کے دنوں کی زکوٰۃ اور نمازیں اور روزے اس پر واجب نہیں ہوں گے اور اگر آدمی پر زکوٰۃ واجب تھی، مرتد ہو گیا تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی کیونکہ اسلام جس طرح وجوب کے لئے شرط ہے، اسی طرح وجوب کی بقاء کے لئے بھی شرط ہے۔

● معلوم ہوا قادیانی اور غالی گستاخان صحابہ اور گستاخان انبیاء عظام اور ان کی غیر مسلم اولادوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، خواہ مرتدوں کی اولادوں کو بھی مرتد کہا جائے، جس طرح امام اہلسنت اعلیٰ حضرتؒ کا فتویٰ ہے یا انہیں اصلی کافر کہا جائے جس طرح بعض علماء کا فتویٰ ہے اور آغاخانی اور بوہری اور اسماعیلی شیعہ بھی اسلام سے خارج ہیں۔

● بعض اسلامی تنظیمیں اور افراد قادیانیوں اور آغاخانیوں کے متعلق نرم گوشہ رکھتے ہیں اور انہیں یا ان کے رفاہی اداروں میں زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں، ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی کیونکہ خود قادیانی اور آغاخانی زکوٰۃ کا مصرف نہیں اور زکوٰۃ صحیح مصرف میں بھی خرچ نہیں کرتے۔

چوتھی شرط حریۃ اور آزاد ہونا:

● عبد پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی کیونکہ عبد خود مملوک ہوتا ہے، اس کے ملک

میں کچھ نہیں ہوتا اور اگر عبد مکاتب ہو، تب بھی اس کا اپنے مال پر ملک تام نہیں ہوتا ۔کیونکہ جب تک بدل کتابت کا ایک درہم بھی باقی ہے وہ عبد ہے۔ دوم مکاتب کے مال پر مولی کا قبضہ نہیں اور مکاتب مال کا مالک نہیں۔ سوم مکاتب کے مال میں مولی اور مکاتب دونوں کا ملک متردد ہے یقینی نہیں ہے، ہو سکتا ہے مولی کو ملے اور ہو سکتا ہے مولی کو نہ ملے۔ لہٰذا مکاتب کے مال کی زکوٰۃ نہ مولی پر واجب ہے اور نہ مکاتب پر واجب ہے۔ اور عبد ماٗذون پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، عبد ماٗذون کے کسب یا اجرۃ سے حاصل مال مولی کا ہوتا ہے، عبد اس کا مالک نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب عبد کے حاصل کردہ مال پر مولی کا قبضہ ہو گا، اس مال پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ مولی پر واجب ہو گی۔ شامی میں ہے:

"قَوْلُهُ وَلَا فِيْ كَسَبِ مَاذُوْنٍ اَيْ لَا عَلَيْهِ وَلَا عَلٰى سَيِّدِهٖ مَادَامَ فِيْ يَدِهٖ اَمَّا اِذَا اَخَذَهُ السَّيِّدُ فَاِنَّهٗ يُزَكِّيْهِ لِمَامَضٰى مِنَ السِّنِيْنَ عَلَى الصَّحِيْحِ"

ترجمہ: مصنف کا قول (ولا فی کسب ماذون) یعنی زکوٰۃ کا وجوب نہ عبد ماذون پر ہے اور نہ اس کے سید پر جب تک وہ مال عبد کے ہاتھ میں ہو گا لیکن جب وہ مال سید لے لے گا پس بے شک وہ اس مال کی زکوٰۃ دے گا، گذشتہ سالوں کی صحیح روایت پر۔

پانچویں شرط زکوٰۃ کے فرض ہونے کا علم ہے:

• اگر مسلمان دارالحرب (غیر اسلامی ریاست) میں رہتا ہے اور اسے زکوٰۃ کے فرض ہونے کا علم نہیں ہو سکا، اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ دارالحرب میں رہنے والے مسلمانوں پر شرعی احکام تب واجب ہوتے ہیں جب انہیں علم ہو، لہٰذا ان پر علم سے پہلے گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی اور علم کے بعد اگرچہ وہ دارالحرب میں رہیں، ان پر زکوٰۃ فرض ہو گی۔ موجودہ دور میں برطانیہ

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

اور امریکہ اور یورپی ممالک اور دیگر غیر مسلم ممالک جنہیں علماء نے دارالحرب قرار دیا ہے، ان میں رہنے والے مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض ہے۔ آج سائنسی دور میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرونک میڈیا کے ذریعہ دنیا کے تمام ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو شرعی احکام کا علم حاصل ہوتا ہے، الا یہ کہ کوئی حربی کافر مسلمان ہو جائے اور اسے زکوٰۃ کی فرضیت کا علم نہ ہو سکے تو ایسا ہو سکتا ہے، بالفرض نو مسلم کافر نے دارالحرب میں اسلام لانے کے بعد کئی سال رہائش رکھی پھر اسے علم ہوا یا وہ دارالاسلام آگیا اس پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہو گی۔ (ملخص از ردالمحتار)

• اگر کوئی مسلمان دارالاسلام (اسلامی ریاست) میں رہتا ہے مگر اسے زکوٰۃ کے فرض ہونے کا علم نہیں ہو سکا، اس پر زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ دارالاسلام میں رہنے والے مسلمان کا علم نہ ہونے کا عذر قبول نہیں ہے۔ دارالاسلام میں احکام شرعیہ کا علم حاصل کرنا آسان تر ہوتا ہے، علم نہ ہونے کے باوجود اسے سابقہ سالوں کی زکوٰۃ بھی دینا واجب ہو گی۔ چنانچہ اپنے جاننے والے ایک ٹیلر ماسٹر سے میں نے پوچھا کہ آپ کے قول کے مطابق آپ کے ملک میں ایک سو تولہ کے قریب سونا کے زیورات ہیں، آپ زکوٰۃ نکالتے رہتے ہیں۔ وہ کہنے لگے مجھے تو معلوم نہیں کہ ہم پر زکوٰۃ واجب ہے۔ ہم نے بتایا کہ آپ پر سابقہ سالوں کی بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ معلوم نہیں اس نے ادا کی یا نہ؟

زکوٰۃ کے نفس الوجوب اور وجوب الاداء میں فرق:

• زکوٰۃ کے وجوب میں دو امر ہوتے ہیں، نفس الوجوب اور وجوب الاداء۔ پہلے نفس الوجوب کی شرائط کا ذکر کیا گیا، اب وجوب الاداء کے اسباب کا ذکر ہو گا۔

• کیونکہ زکوٰۃ کے مسائل سمجھنے کے لئے درج ذیل امور کا جاننا ضروری ہے: (۱) زکوٰۃ کے فرض ہونے کے ظاہری اسباب (۲) زکوٰۃ کی ادا فرض ہونے کا ظاہری

سبب (۳)زکوٰۃ ادا ہونے کی شرائط(۴) ادا صحیح ہونے کی شرائط۔

زکوٰۃ کے فرض ہونے کے ظاہری اسباب:

• پہلا سبب یہ کہ آدمی اموالِ زکاتیہ میں سے کسی مال کے نصاب کا مالک ہو، اگر مال نصاب سے کم ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اموال کے نصاب کی تفصیل آئندہ ذکر کی جائے گی۔

• زکوٰۃ کے فرض ہونے کا دوسرا سبب یہ کہ وہ نصاب حولی ہو یعنی وہ مال کم از کم بارہ ماہ قمری (مکمل سال) ایک آدمی کے ملک میں رہا ہو۔

• تیسرا سبب یہ کہ صاحبِ مال کا نصاب پر ملک تام اور کامل ہو، ملک ناقص نہ ہو۔

• چوتھا سبب یہ کہ وہ نصاب ایسے دَین سے فارغ ہو جس دین کا آدمیوں کی طرف سے مطالبہ ہو سکتا ہو۔

• پانچواں سبب یہ کہ وہ مال حاجاتِ اصلیہ میں سے نہ ہو۔

• چھٹا سبب یہ کہ وہ مال نامی ہو، خواہ اس میں نماء حقیقی ہو یا تقدیری۔

زکوٰۃ کی ادا فرض ہونے کا سبب حقیقی:

• زکوٰۃ کی ادا فرض ہونے کا سببِ حقیقی صرف ایک ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے کہ زکوٰۃ ادا کرو۔(قرآن)

زکوٰۃ کے اموال میں زکوٰۃ کی ادا کے فرض ہونے کی شرائط:

• اوّل یہ کہ مال پر آدمی کے ملک کا مکمل سال (بارہ ماہ قمری) گذر چکا ہو۔

• دوم مال میں ثمنیت ہو یعنی اس مال میں اشیاء خرید کرنے کی صلاحیت ہو، جس طرح سونا اور چاندی کے دینار اور درہم یعنی سکے یا خود سونا اور چاندی اور آج کل کاغذات کی کرنسی میں بھی ثمنیت ہے۔

• سوم حیوانات میں اسامت موجود ہو یعنی جانور حکومت کی چراگاہوں میں بغیر

اجرت گھاس کھاتے ہوں۔

• چہارم مال میں تجارت کی نیت ہو۔ گویا زکوٰۃ کی ادا فرض ہونے کی چار شرطیں ہیں۔

زکوٰۃ کی ادا صحیح واقع ہونے کی شرائط:

• اول زکوٰۃ کا مال ادا کرتے وقت زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت ہو۔

• دوم یا واجب الاداز کوٰۃ کا مقدار دوسرے مال سے جدا کرتے وقت زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت ہو۔

• سوم یا پورے نصاب کا صدقہ کر دیا جائے۔

• ان تین شرائط میں سے کوئی ایک شرط پائے جانے سے زکوٰۃ کی ادا صحیح واقع ہوگی، اگر کوئی شرط نہ پائی گئی تو ادا واقع نہیں ہوگی۔

ذکر شدہ امور کی تفصیل:

• زکوٰۃ کے فرض ہونے کے ظاہری اسباب سے پہلا سبب یہ ہے کہ اموال زکوٰۃ میں سے مال کا نصاب کامل ہو۔

اموالِ زکاتیہ تین ہیں:

• قارئین کو معلوم ہوا اصل میں زکوٰۃ کے مال یعنی اموال زکاتیہ تین ہیں۔ ان اموال پر ہی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

(۱)نقدین(سونا اور چاندی) (۲) تجارتی مال (۳) حیواناتِ سائمہ

ہر ملک کی کرنسی اور نوٹ بھی عرف میں زکوٰۃ کے اموال سے ہیں مگر سونا یا چاندی کا بدل ہونے کی وجہ سے کرنسی کو اموال زکاتیہ کا چوتھا قسم شمار نہیں کیا جاتا۔

• یہ اموال زکوٰۃ زمین کی پیداوار فصل اور پھلوں اور پھولوں کی زکوٰۃ یعنی عشر کے علاوہ ہیں کیونکہ زمین کی پیداوار اور فصلوں میں کوئی نصاب نہیں ہوتا اور نہ

حولانِ حول شرط ہوتا ہے۔ان شاءاللہ عشر کے باب میں اس کا ذکر کیا جائے گا۔

• مذکورہ تینوں قسم کے اموال کو اموالِ زکاتیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان اموال کے علاوہ کوئی مال چاہے لاکھوں کروڑوں کا ہو، اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ مثلاً استعمال کے لئے ہیرے جواہرات اور گھڑیاں وغیرہا اگر تجارت کے لئے نہ ہوں ان پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔اگرچہ لاکھوں کی قیمت رکھتے ہوں۔

سونے کا نصاب:

• سونے کا نصاب بیس مثقال ہے۔ متقدمین علماء کی تحقیق کے مطابق بیس مثقال کا وزن ساڑھے سات تولہ بنتا ہے۔ آج کل اوزان کے مروج گراموں کے لحاظ سے ستاسی اشاریہ اڑتالیس (87.48 گرام) سونے کا نصاب بنتا ہے۔ لہٰذا سونے کا کامل نصاب جس پر زکوٰۃ واجب ہے، 87.48 گرام ہے۔اگر اس وزن سے ایک گرام بھی سونا کم ہو تو سونے کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

• سونے سے مراد ہر قسم کا سونا ہے خواہ زیور کی صورت میں ہو یا سادہ ہو، خواہ استعمال کے لئے ہو یا تجارت کے لئے، کرنسی کی صورت میں دینار ہوں یا غیر دینار، سب صورتوں میں زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لئے اس وزن کا ہونا ضروری ہے اور اسی وزن کے حساب سے سونے کا چالیسواں حصہ ادا کرنا فرض ہے۔ مثلاً 87.48 کا چالیسواں حصہ دو اشاریہ ایک سو ستاسی 2.187 گرام سونا یا اس کی قیمت زکوٰۃ میں ادا کرنا فرض ہے۔

چاندی کا نصاب:

• چاندی کا کامل نصاب دو سو درہم ہے جس کا وزن باون تولہ چھ ماشہ بنتا ہے اور آج کل کے مروج اوزان کے مطابق چھ سو بارہ اشاریہ چھتیس گرام 612.36 بنتا ہے۔اس وزن سے کم چاندی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور اس وزن کا چالیسواں حصہ 15.309 بنتا ہے، جس کا ادا کرنا فرض ہے یا اس کی قیمت ادا

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

کرنا ضروری ہے۔

دراہم اور دنانیر میں زکوٰۃ کا ذکر:

• متقدمین فقہاء کی کتابوں میں سونے اور چاندی کے نصاب کے تعین کے لئے چاندی کے دراہم اور سونے کے مثاقیل یا دیناروں کا ذکر ملتا ہے۔ دراہم اور دینار زمانہ قدیم میں ملکی سکے اور کرنسی ہوتی تھی۔ سونے کی کرنسی کو دینار اور چاندی کی کرنسی کو درہم کہا جاتا تھا۔سونے کے برتن یا زیور کی زکوٰۃ دیتے وقت سونے کی جودت یا زیافت (کھوٹاپن) یا چاندی کی جودت یا زیافت (کھوٹاپن) کا لحاظ نہیں کیا جاتا اور اسی طرح زیور کی بنوائی کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سونا اور چاندی ربوی اور سودی اموال سے ہیں، ان میں جودۃ یا صنعت (کاری گری) یا بنائی کا لحاظ نہیں ہوتا۔ اگر اس کا لحاظ کرکے زکوٰۃ دیناروں یا دراہم میں دی جائے تو ربا کا احتمال ہوگا۔ مثلاً دو سو درہم کے وزن کا زیور ہے اور اس کی قیمت تین سو درہم ہے، وزن کے لحاظ سے اس کی زکوٰۃ پانچ درہم بنتی ہے۔ اگر بنوائی کے ساتھ پورے زیور کی قیمت کو دیکھا جائے تو دو سو درہم وزن کے زیور کی زکوٰۃ ساڑھے سات درہم بنے گی۔ زیور میں موجود زکوٰۃ کے پانچ درہم کا وزن کم اور زکوٰۃ کے لئے نکالے گئے ساڑھے سات درہم کا وزن زیادہ ہوگا، یہ ربا ہو جائے گا۔اس لئے سونے اور چاندی کے زیورات میں جب کرنسی بھی سونے اور چاندی کی تھی تو زیورات میں جودۃ اور زیافت کا لحاظ نہیں ہوتا تھا اور شبہ ربا سے بچنے کے لئے اصل وزن کا لحاظ کرکے زکوٰۃ دی جاتی تھی۔دو سو درہم کے وزن کے زیور کی زکوٰۃ پانچ درہم دی جاتی تھی۔چنانچہ درمختار میں ہے:

"وَالْمُعْتَبَرُ وَزْنُهُمَا اَدَاءً وَّ وُجُوْبًا لَا قِيْمَتُهُمَا"

(ص:۲۲۷، مکتبہ دار الباز)

ترجمہ: ”زکٰوۃ کے ادا کرنے اور زکٰوۃ کے واجب ہونے میں سونے اور چاندی کا وزن معتبر ہوگا نہ ان کی قیمت۔“

صنعت اور بنائی کے لحاظ سے قیمت کا لحاظ نہیں ہوگا ،شامی میں ہے:

”وَ لَوْ لَہٗ اِبْرِیْقُ فِضَّۃٍ وَزْنُہٗ مِائَۃٌ وَ قِیْمَتُہٗ بِصِیَاغَتِہٖ مِائَتَانِ لَا تَجِبُ الزَّکٰوۃُ بِاِعْتِبَارِ الْقِیْمَۃِ لِاَنَّ الْجَوْدَۃَ وَالصَّنْعَۃَ فِیْ اَمْوَالِ الرِّبَا لَاقِیْمَۃَ لَھَا عِنْدَ اِنْفِرَادِھَا وَ لَاعِنْدَ الْمُقَابَلَۃِ بِجِنْسِھَا“

(ص:۲۳۴/۳)

ترجمہ: اگر کسی شخص کے ملک میں ایک سو درہم چاندی کے وزن کا لوٹا ہے اور اس کی قیمت بنوائی کی وجہ سے دو سو درہم بنتی ہے قیمت کا اعتبار کرنے سے زکٰوۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ خالص ہونا اور کاریگری اور بنوائی کاربا کے مالوں میں اعتبار نہیں ہوتا نہ انفرادی طور پر اور نہ ہی اپنی جنس کے مقابلہ کے وقت۔

• یہ اس دور کی بات تھی جب سونے اور چاندی کی کرنسی دینار اور درہم ہوتے تھے۔ اس بنیاد پر فقہاء کرام نے زکٰوۃ کی تفریعات اور جزئیات کا ذکر کیا ہے۔ مگر آج جب کاغذات کی کرنسی میں زکٰوۃ دی جاتی ہے، ان تفریعات اور جزئیات کے احکام بدل گئے ہیں۔ نفسِ وجوب میں تو سونے اور چاندی کا وزن ہی معتبر ہوگا، جودۃ اور صنعت کو نہیں دیکھا جائے گا۔ ساڑھے سات تولہ سونا اور ساڑھے باون تولہ چاندی کا ہونا وجوبِ زکٰوۃ کے لیے ضروری ہے، اس سے کم پر زکٰوۃ واجب نہیں ہوگی مگر وجوبِ زکٰوۃ کے بعد سونے اور چاندی کی مصنوعات میں بمقابلہ موجودہ کرنسی ربا کا شبہ نہیں ہوگا اور صفت جودۃ اور زیافت کے لحاظ سے تجارتی زیورات کی قیمت کے لحاظ سے زکٰوۃ ادا کرنی ہوگی۔ کرنسی کو مخالف جنس ہونے پر محمول کیا جائے گا۔ مثلاً سونے کی زکٰوۃ میں کرنسی کو چاندی اور چاندی

کی زکٰوۃ کرنسی کو سونے پر محمول کیا جائے گا۔

• زکٰوۃ کے وجوب اور ادا میں اصل اور خالص سونے کا اعتبار ہوگا۔ خالص سونے کا وزن 87.48 پر زکٰوۃ فرض ہوگی اور خالص سونے کی قیمت کے حساب سے کرنسی نوٹوں میں زکٰوۃ دینا ہوگی۔ استعمال شدہ اور پرانے زیورات کی بناوٹ اور حسن کی وجہ سے زائد قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ مارکیٹ میں پرانے استعمال شدہ زیورات میں صرف خالص سونے اور چاندی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

• کھوٹے سکوں کے حوالے سے فقہی جزئیات میں مذکور ہے کہ ان میں جو خالص سونا یا چاندی نکلے گی، اس کی زکٰوۃ دینا ہوگی اور بناوٹ کی زکٰوۃ نہیں ہوگی۔

• مگر جیولرز اور میکرز جو نئے زیورات فروخت کرتے ہیں، ان کی بنوائی اور حسن اور نقش و نگار وغیرہا کی قیمت لگا کر فروخت کرتے ہیں، وزن کے لحاظ سے نفسِ وجوب کے بعد ان پر مالِ تجارت کی طرح بنائے گئے زیورات کی قیمت کے لحاظ سے زکٰوۃ ادا کرنا ہوگی اگرچہ زیورات میں بھی وزن کے اعتبار سے نصاب کا اعتبار ہوگا۔ سونے اور چاندی میں اگرچہ تجارت کی نیت کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ یہ خلقی اور طبعی تجارت کا مال ہیں مگر تجارتی مال کی طرح جیولرز اور سونے اور چاندی کے زیورات وغیرہا کا کاروبار کرنے والوں پر اصل سونے کے علاوہ مصنوعیت اور بنوائی کی قیمت کے اعتبار سے زیورات کی زکٰوۃ واجب ہوگی، اسی میں فقراء کا فائدہ ہے۔ کیونکہ مالِ تجارت میں صنعت اور نقش و نگار معتبر ہوتا ہے۔ (محمد رفیق حسنی)

آج کل تجارتی زیورات کی بناوٹ سمیت قیمت پر زکٰوۃ واجب ہوگی:

• فقہاء کرام کی عبارتوں میں جہاں مذکور ہے کہ زکٰوۃ کے وجوب اور زکٰوۃ کی ادا میں سونے اور چاندی کے وزن کا اعتبار ہوگا ان کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا، یہ

اس وقت تھا جب کرنسی کے سکے درہم اور دینار کی شکل میں سونے اور چاندی سے بنے ہوئے تھے، اس لئے شامی کی عبارت میں مذکور ہے کہ جودۃ اور صنعت کی قیمت انفرادیت اور جنس کے مقابلہ کے وقت معتبر نہیں ہوگی، یعنی سونے کے مقابلہ میں سونے کے دینار اور چاندی کے مقابلہ میں چاندی کے درہم زکوٰۃ میں ادا کرنا ہوں تو زیورات میں جودۃ اور صنعت کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ سود لازم آئے گا اور اگر مقابلہ جنس کے ساتھ نہ ہو، سونے کے مقابل چاندی ہو تو قیمت کا اعتبار ہوگا۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں کہ اگر چاندی کے دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے وزن کے لوٹے کی قیمت تین سو درہم ہے، اگر اس لوٹے کی زکوٰۃ چاندی سے دی جائے تو صرف پانچ درہم دینا ہوگی، زائد دینا جائز نہیں ہے اور اگر اس کی زکوٰۃ سونے کے دیناروں سے ادا کی جائے تو تین سو درہم کی قیمت کے حساب سے ساڑھے سات درہم قیمت کا سونا دیا جائے گا یعنی اب صنعت کا بھی اعتبار ہوگا۔ اگر دیناروں سے اتنے دینار دیئے گئے کہ ان کی قیمت پانچ درہم بنتی ہے، ساڑھے سات درہم نہیں بنتی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ علامہ شامی اسی صورت کے متعلق لکھتے ہیں:

"وَاجۡمَعُوۡا اَنَّہٗ لَوۡ اَدّٰی مِنۡ خِلَافِ جِنۡسِہٖ اِعۡتَبَرَتِ الۡقِیۡمَۃُ حَتّٰی لَوۡ اَدّٰی مِنَ الذَّھَبِ مَا تَبۡلُغُ قِیۡمَتُہٗ خَمۡسَۃَ دَرَاھِمَ مِنۡ غَیۡرِ الۡاِنَاءِ لَمۡ یَجُزۡ فِیۡ قَوۡلِھِمۡ لِتَقَوَّمَ الۡجُوۡدَۃِ عِنۡدَ الۡمُقَابَلَۃِ بِخِلَافِ الۡجِنۡسِ فَاِنۡ اَدَّی الۡقِیۡمَۃَ وَقَعَتۡ عَنِ الۡقَدۡرِ الۡمُسۡتَحَقِّ کَذَا فِی الۡمِعۡرَاجِ"
(ص:۲۲۷/۳)

ترجمہ: اور سب حنفی آئمہ نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اگر کوئی شخص دو سو درہم وزن برتن کی زکوٰۃ مخالف جنس سے ادا کرے تو برتن کی قیمت معتبر ہوگی حتی کہ اگر اس نے مذکورہ چاندی کے برتن

کی زکوٰۃ سونے سے ادا کی، جس سونے کی قیمت پانچ درہم تھی، ساڑھے سات درہم نہ تھی تو سب علماء کے قول میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ کیونکہ خلاف جنس کے ساتھ مقابلہ میں برتن کے جودۃ کی بھی قیمت ہوتی ہے اور اگر اس شخص نے برتن کی قیمت کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی تو جو مقدار واجب تھی، اس سے زکوٰۃ واقع ہوگئی۔ (اسی طرح معراج میں ہے)

کرنسی نوٹوں سے زکوٰۃ ادا کرنے میں شبہ ربا نہیں ہے:

- معلوم ہوا کرنسی نوٹوں سے زکوٰۃ ادا کرنے میں نئے زیور کی قیمت کا لحاظ ہوگا، وزن کا لحاظ نہیں ہوگا کیونکہ یقینی طور پر نوٹ سونے کی جنس نہیں۔ اور پرانے زیور میں صرف اصل سونے کے وزن کا لحاظ ہوگا کیونکہ مارکیٹ میں پرانے اور استعمال شدہ زیورات کی مصنوعیت کی قیمت نہیں دی جاتی۔
- جب سونے اور چاندی کے علاوہ دیگر اشیاء سے تجارت کے لئے تیار کردہ مصنوعات میں وجوبِ زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ میں صرف اصل مٹیریل (مادہ) کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ مصنوعات کی مصنوعیت کے اعتبار سے قیمت کا اعتبار ہوتا ہے تو زکوٰۃ کی ادا میں سونے اور چاندی کے زیورات میں بھی مصنوعیت کی وصف کا اعتبار کرنا ہوگا مگر اس وقت کہ سونے اور چاندی کی زکوٰۃ ان کی اپنی جنس سونے اور چاندی سے ہی دی جائے تو مصنوعیت اور بنوائی کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ اس وقت قیمت کا اعتبار کرنے سے ربا لازم آئے گا۔ فقہاء متقدمین کی عبارتوں میں مذکور "کہ سونے اور چاندی میں جودۃ اور صنعت کا اعتبار نہیں ہوتا" کا مفہوم یہی ہے کہ ان کی جنس سے زکوٰۃ دی جائے تو اعتبار نہیں ہوتا۔
- سنا ہے آج کل جدید زیورات فروخت کرنے والے بعض جیولرز سونے کی زکوٰۃ سونے سے ادا کرتے ہیں تاکہ صنعت اور نقش اور نگار کی قیمت کی وجہ سے زیادہ

ترجمہ : زکوٰۃ کے واجب ہونے میں اس امر کا اعتبار ہے کہ سونے اور چاندی میں سونے اور چاندی کا وزن نصاب کو پہنچے (نہر) حتی کہ اگر کسی آدمی کے ملک میں سونے یا چاندی کا برتن ہے اور سونے کے برتن کا وزن دس مثقال آدھا نصاب ہے یا چاندی کا برتن ہے اس کا وزن سو درہم (آدھا نصاب) ہے مگر سونے کے برتن کی قیمت بیس مثقال (پورا نصاب) ہے یا چاندی کے برتن کی قیمت دو سو درہم (پورا نصاب) ہے، اس برتن کی مصنوعیت اور ڈیزائننگ کی وجہ سے اگرچہ قیمت زیادہ ہے تو اس آدمی پر بالاتفاق کوئی چیز واجب نہیں ہوگی کیونکہ وزن کے حساب سے نصاب پورا نہیں ہے۔ (ردالمحتار)

- یہ حکم اس وقت ہے جب کسی شخص کے ملک میں نصاب سے کم صرف سونا یا صرف چاندی ہو اور اس کے ملک میں کرنسی اور مالِ تجارت نہ ہو ورنہ باہم دو چیزوں کو ملا کر نصاب ہو جانے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔
- معلوم ہوا موجودہ کاغذی کرنسی اور نوٹوں کے دور میں تاجروں کی دوکانوں میں موجود تیار زیورات کی قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ زیورات میں سونا چوبیس قیراط تو کبھی نہیں ہوا لہٰذا سونا تیئیس قیراط اور سونا بائیس قیراط اور اکیس قیراط کے حساب سے ہر زیور کی تیار شکل کے حساب سے، اپنی اپنی قیمت کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ یعنی وجوبِ زکوٰۃ کے لئے نصاب میں صرف خالص سونے اور چاندی کا وزن معتبر ہوگا اور اس میں غیر سونے یا غیر چاندی (کھوٹ) کا اعتبار نہیں ہوگا مگر ادا کرتے وقت مصنوع زیور کی قیمت کے حساب سے ہر ملک کی کرنسی میں زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

سونے اور چاندی اور مالِ تجارت میں قیمتِ خرید معتبر نہیں ہوگی:

- سونے اور چاندی اور مالِ تجارت میں قیمت خرید معتبر نہیں ہوگی بلکہ ادا کے

زکوٰۃ نہ دینی پڑے۔ مثلاً چالیس تولہ کے زیورات کے زکوٰۃ ایک تولہ لگا کر ایک تولہ کی قیمت کرنسی نوٹوں میں ادا کرتے ہیں۔ یہ جائز نہیں ہے، اس حیلے سے فقراء کے حق کو کم کرنا ہے اور یہ نہایت معیوب ہے۔

صرف سونے پر زکوٰۃ:

- اگر کسی آدمی کے پاس ساڑھے سات تولہ 87.48 گرام سے کم سونے کا پرانا زیور ہے، جو کہ استعمال شدہ نہیں ہے اور اس کے پاس اس کے علاوہ کرنسی اور مالِ تجارت اور چاندی نہیں ہے اور اس زیور کی قیمت مصنوعیت کے لحاظ سے ساڑھے سات تولہ یا زائد کے مساوی بنتی ہے اگرچہ اس زیور میں سونا سات تولہ نصاب سے کم ہے تو کیا اس شخص پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟ اس کا جواب شامی کی عبارت میں گذر چکا ہے کہ سونے اور چاندی کی انفرادیت کے وقت زکوٰۃ کے وجوب میں جودۃ اور صنعت کا اعتبار نہیں ہوتا لہٰذا اس شخص پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ زکوٰۃ کے وجوب میں صرف وزن کا اعتبار ہوتا ہے، قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ وجوبِ زکوٰۃ کے بعد اگر سونے چاندی کی مخالف جنس سے یا کرنسی سے زکوٰۃ ادا کی جائے تو مصنوعیت کے اعتبار سے قیمت کا اعتبار ہوگا۔ اور اگر اس زیور کے ساتھ مالِ تجارت یا چاندی یا کرنسی بھی موجود ہے تو اس زیور میں سونے کی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے چاندی کا نصاب بنایا جائے گا اور اس آدمی پر نصاب سے کم سونے کی زکوٰۃ بھی فرض ہوگی۔ شامی میں شاید اسی صورت کی طرف اشارہ ہے کہ وجوب میں صرف وزن کا اعتبار ہوتا ہے:

"يُعْتَبَرُ فِي الْوُجُوْبِ اَنْ يَّبْلُغَ وَزْنُهَا نِصَابًا (نَهْرٌ) حَتّٰى لَوْ كَانَ لَهٗ اِبْرِيْقُ ذَهَبٍ اَوْ فِضَّةٍ وَزْنُهٗ عِشْرَةُ مَثَاقِيْلَ اَوْ مِأَةُ دِرْهَمٍ وَ قِيْمَتُهٗ لِصِيَاغَتِهٖ عِشْرُوْنَ اَوْ مِائَتَانِ لَمْ يَجِبْ فِيْهِ شَيْءٌ اِجْمَاعًا۔" (قہستانی، ص: ۲۲۷/۳)

وقت کی قیمت معتبر ہو گی۔ اگر ایک سال قبل خریدتے وقت سونا یا چاندی یا مالِ تجارت کی قیمت کم تھی اور سال اور حولانِ حول کے بعد زیادہ ہو گئی تو وجوبِ ادا کے وقت زیادہ قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی۔ یعنی قیمت میں خرید کے وقت کا اعتبار نہیں ہو گا بلکہ وجوبِ ادا کے وقت کی قیمت کا اعتبار ہو گا۔

ماضی کے سالوں کی زکوٰۃ:

• اگر ماضی کے متعدد سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ہے تو صاحبین کے قول کے مطابق سابقہ سالوں میں زکوٰۃ ادا کرنے کے وجوب کے وقت ہر سال کی الگ الگ قیمت کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی۔ مثلاً دو سال پہلے زکوٰۃ کی ادا فرض ہونے کے وقت (مثلاً رمضان میں چالیس ہزار روپے فی تولہ اور دوسرے سال رمضان میں پچاس ہزار روپے فی تولہ اور موجودہ سال رمضان میں ساٹھ ہزار روپے فی تولہ سونے کی قیمت تھی، ہر سال کی الگ الگ قیمت کے مطابق زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ پچھلے سالوں کی زکوٰۃ موجودہ قیمت ساٹھ ہزار روپے فی تولہ کے حساب سے واجب نہیں ہو گی۔ (درمختار)

زکوٰۃ میں واجب مال کی مقدار اور عشر کے مقدار کی قیمت ادا کرنا بھی جائز ہے:

• درمختار میں ہے:

"وَجَازَ دَفْعُ الْقِيْمَةِ فِيْ زَكَاةٍ وَّعُشْرٍ وَّخِرَاجٍ وَفِطْرَةٍ وَنَذْرٍ وَّكَفَّارَةٍ غَيْرِ الْاِعْتِقَاقِ وَتُعْتَبَرُ الْقِيْمَةُ يَوْمَ الْوُجُوْبِ وَقَالَا يَوْمَ الْاَدَاءِ وَفِي السَّوَائِمِ يَوْمَ الْاَدَاءِ اِجْمَاعًا۔" (ص:۳/۲۱۰)

ترجمہ: زکوٰۃ کے مقدار کے مال اور عشر کے مقدار کے مال اور خراج اور فطرہ کے مقدار کے مال اور نذر کے مال اور کفارہ کے مال کی قیمت دینا جائز ہے مگر عبد کے اعتقاق سے کفارہ ادا کرنے میں عبد کی قیمت ادا کرنا جائز نہیں ہے اور زکوٰۃ وغیرہا میں مال کے مقدار کی قیمت کا اعتبار

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

وجوب زکوٰۃ کے وقت کا ہو گا، ادا کے وقت کا نہیں ہو گا اور صاحبین نے فرمایا ادا کے وجوب کے دن کی قیمت کا اعتبار ہو گا مگر جانوروں میں بالاتفاق ادا کے دن کی قیمت کا اعتبار ہو گا۔

• یہاں زکوٰۃ کے لئے معین مقدار کے مال کی قیمت مراد ہے، اصل مال جس کی زکوٰۃ نکالنا ہے، وہ مراد نہیں ہے۔ مثلاً پچھلے سال ایک تولہ زکوٰۃ بنتی تھی، اس کی دوسرے سال زکوٰۃ ادا کرنا ہے تو دوسرے سال تولہ کی جو قیمت ہو گی وہ زکوٰۃ میں ادا کرنا ہو گی۔

زیورات کے تاجروں پر جواہر کی زکوٰۃ بھی واجب ہو گی:

• اگر زیورات فروخت کرنے والے جیولرز ایسے زیورات فروخت کرتے ہیں جس میں ہیرے اور جواہرات جڑے ہوتے ہیں تو ہیروں اور جواہرات کی قیمت سمیت زیورات کی زکوٰۃ دینا ہو گی کیونکہ ہیرے اور جواہرات جیولرز کے پاس مالِ تجارت ہوتے ہیں اور مالِ تجارت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ کاروبار کے لئے خرید کردہ مال مالِ تجارت ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے:

"لَا زَكٰوةَ فِي اللَّاٰلِيْ وَالْجَوَاهِرِ وَ اِنْ سَاوَتْ اَلْفًا اِتِّفَاقًا اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ لِتِجَارَةٍ۔" (ص:۳/۱۹۴)

ترجمہ: موتیوں اور جواہر میں زکوٰۃ نہیں ہے اگرچہ ہزار درہم کے مساوی ہوں، اس میں اتفاق ہے مگر یہ کہ تجارت کے لئے ہوں۔

استعمال کے جواہر پر زکوٰۃ نہیں:

• اگر خریدار نے استعمال اور زینت کے لئے سونے اور چاندی کے زیورات خریدے، تجارت کی نیت سے نہیں خریدے اور اس کے اہل خانہ استعمال کر رہے ہوں، اس پر صرف سونے اور چاندی کی زکوٰۃ واجب ہو گی، ہیرے اور جواہرات کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی کیونکہ اب جواہر مالِ تجارت نہیں۔

(عامہ کتب فقہ)

صرف نیت سے مال مالِ تجارت نہیں بنتا:

• اگر کسی شخص نے ہیروں اور جواہر والے سونے یا چاندی کے زیورات خریدے اور اس نے نیت کی ان زیورات کو اہل خانہ استعمال کریں گے مگر بوقت ضرورت ان کو بیچ دونگا پھر بھی ہیروں اور جواہر کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ نیت میں تردد سے خرید شدہ اشیاء تجارت کا مال نہیں بنتیں مگر سونے اور چاندی کی مالیت پر ہر صورت زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ سونا اور چاندی کے خمیر میں تجارت کا ہونا رکھ دیا گیا ہے، انہیں پیدا ہی تجارت کے لئے کیا گیا ہے۔ درمختار میں ہے:

"لِتَعَيُّنِهِمَا لِلتِّجَارَةِ بِأَصْلِ الْخِلْقَةِ فَتَلْزَمُ الزَّكَاةُ كَيْفَ مَا أَمْسَكَهُمَا وَ لَوْ لِلنَّفَقَةِ۔" (ص:۱۸۶/۳)

ترجمہ: سونا اور چاندی اصل خلقت سے تجارت کے لئے متعین ہیں ان کی زکوٰۃ لازم ہوگی آدمی ان کو جس طرح روکے اگرچہ نفقہ کے لئے۔ (عامہ کتب فقہ)

• اگر جیولرز یا کسی تاجر نے ہیرے اور جواہر سے جڑاؤ زیورات فروخت کرنے کی نیت سے خریدے مگر بعد میں گھر میں استعمال کرنے کی نیت کرلی اور استعمال کرنا شروع کردیا، جواہر کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ تجارتی اشیاء صرف استعمال کی نیت کرنے سے تجارت کے مال سے نکل جاتے ہیں۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

"لَا يَبْقَى لِلتِّجَارَةِ مَا أَيْ عَبْدٌ مَثَلًا اِشْتَرَاهُ لَهَا فَنَوَى بَعْدَ ذَالِكَ خِدْمَتَهُ۔" (ص:۱۹۲/۳)

ترجمہ: تجارۃ کے لئے خرید کردہ عبد اس وقت تجارت کا نہیں رہتا

جب خریدار نے خریدنے کے بعد اس سے خدمت لینے کی نیت کرلی۔

علامہ شامی فرماتے ہیں، عبد کا ذکر اتفاقاً ہے ورنہ ہر مال کا یہی حکم ہے بشرطیکہ اس میں تجارت کی نیت ہوسکے۔

سونے اور چاندی کے باہم ضم کے مسائل:

• اگر سونے یا چاندی کا نصاب کامل نہیں سونا یا چاندی اپنے اپنے نصاب سے کم ہیں، ایسی صورت میں اگر آدمی کے پاس سونا اور چاندی دونوں موجود ہیں مگر ہر ایک نصاب سے کم ہے یا نقد رقم یا مالِ تجارت یا کسی پر آدمی کا دَین لازم ہے، اور ان صورتوں میں سب کو یا بعض کو باہم ایک دوسرے کے ساتھ ملانے سے چاندی کے نصاب کا مقدار بن جاتا ہے، تو زکوٰۃ واجب ہوجائے گی اور اگر آدمی کے ملک میں صرف سونا ہے یا صرف چاندی ہے یا صرف مالِ تجارت یا نقد رقم ہے یا صرف دَین ہے اور نصاب سے کم ہے، یعنی ان پانچ اموال میں سے کوئی ایک مال ہے دوسرا نہیں ہے اور وہ نصاب سے کم ہے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور اگر آدمی کی ملکیت میں سونا دو تولہ ہے اور چاندی دس تولہ ہے، آج کل چاندی کے نصاب 612.36 گرام کی قیمت پچاس ہزار ہے اور سونے کی قیمت فی تولہ ساٹھ ہزار ہے۔ مذکورہ دو تولہ کی صورت میں سونا ایک لاکھ بیس ہزار کا بنتا ہے، جو کہ چاندی کے نصاب سے زائد ہے، دونوں کو ملا کر چاندی کا نصاب بن جاتا ہے، لہٰذا مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اسی طرح اگر سونے کی جگہ مالِ تجارت یا دَین یا نقد کرنسی ہر ایک باہم ملانے سے چاندی کے نصاب کے مقدار میں موجود ہے تو آدمی پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔ تنویر الابصار میں ہے:

"أَوْ عَرْضُ تِجَارَةٍ قِيمَتُهُ نِصَابٌ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ مُقَوَّمًا بِأَحَدِهِمَا ...الخ۔" (ص:۲۲۸/۳)

ترجمہ: یا تجارت کا مال اس کی قیمت سونے اور چاندی کا نصاب بنتا ہے،

جو کہ کسی ایک کے ساتھ اس کی قیمت لگائی گئی ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

• شامی میں ہے:

"اِنَّ اَحَدَ النَّقْدَیْنِ یُضَمُّ اِلَی الْآخَرِ وَ اِنَّ عُرُوْضَ التِّجَارَۃِ تُضَمُّ اِلَی النَّقْدَیْنِ لِلْجِنْسِیَّۃِ بِاِعْتِبَارِ قِیْمَتِہَا۔" (ص:۳/۲۱۴)

ترجمہ: سونے اور چاندی میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا اور تجارت کا مال سونے اور چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا اپنی قیمت کے اعتبار سے ایک جنس ہونے کی وجہ سے۔

• پھر در مختار میں ہے:

"وَ قِیْمَۃُ الْعَرْضِ لِلتِّجَارَۃِ تُضَمُّ اِلَی الثَّمَنَیْنِ لِاَنَّ الْکُلَّ لِلتِّجَارَۃِ وَضْعًا وَ جَعْلًا وَ یُضَمُّ الذَّھَبُ اِلَی الْفِضَّۃِ وَ عَکْسُہٗ بِجَامِعِ الثَّمْنِیَّۃِ قِیْمَۃً۔" (ص:۳/۲۳۴)

ترجمہ: تجارت کے مال کی قیمت سونے اور چاندی (ثمنین) کے ساتھ ملائی جائے گی کیونکہ کل یعنی تجارت کا مال اور سونا اور چاندی تجارت کے لئے ہیں۔ سونا اور چاندی وضع اور اپنی تخلیق میں مالِ تجارت ہے اور مال تجارۃ آدمی کے تصرف اور عرف کی وجہ سے مالِ تجارت ہے اور سونا چاندی کے ساتھ اور اس کا عکس قیمت کے اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا کیونکہ دونوں ثمنیت میں مشترک ہیں۔

• علامہ شامی نے فرمایا:

"قَوْلُہٗ وَ یُضَمُّ اَیْ عِنْدَ الْاِجْتِمَاعِ اِمَّا عِنْدَ انْفِرَادِ اَحَدِھِمَا فَلَا تُعْتَبَرُ الْقِیْمَۃُ اِجْمَاعًا (بدائع) لِاَنَّ الْمُعْتَبَرَ وَزْنُہٗ اَدَاءً وَ وُجُوْبًا کَمَا مَرَّ۔" (ص:۳/۲۳۴)

ترجمہ: شارع کا قول ویضم یعنی اجتماع کے وقت ملانا ہے لیکن سونے اور چاندی کے انفراد کے وقت بالاتفاق قیمت معتبر نہیں ہوگی (وزن معتبر ہوگا) کیونکہ وجوب اور ادا میں ان کا وزن معتبر ہوتا ہے جس طرح گذر چکا ہے۔

• پھر فرمایا:

"وَفِی الْبَدَائِعِ اَیْضًا اَنَّ مَا ذُکِرَ مِنْ وُجُوْبِ الضَّمِّ اِذَا لَمْ یَکُنْ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْہُمَا نِصَابًا بِاَنْ کَانَ اَقَلَّ فَلَوْ کَانَ کُلٌّ مِنْہُمَا نِصَابًا تَامًّا بِدُوْنِ زِیَادَۃٍ لَا یَجِبُ الضَّمُّ۔" (ص:۳/۲۳۴)

ترجمہ: اور بدائع میں بھی ہے کہ سونے اور چاندی کا ملانا واجب اس وقت ہے جب ان میں ہر ایک کا نصاب کامل نہ ہو یہ کہ ناقص اور کم ہو اور اگر ہر ایک کا نصاب بغیر زیادتی کے کامل ہو تو ملانا واجب نہیں ہے۔

• الحاصل، امام ابو حنیفہ کے نزدیک پانچوں اموال (سونا اور چاندی اور مالِ تجارت اور درہم اور دینار اور دَین) کو ایک جنس کہا جاتا ہے، ہر ایک نصاب سے کم ہو تو ان کو قیمت کے لحاظ سے باہم ملا کر نصاب مکمل کرنا واجب ہے اور تکمیل پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

دوم یہ کہ وہ نصاب حولی ہو یعنی بارہ ماہ قمری (پورا سال) ایک شخص کے ملک میں رہا ہو:

• تفصیل: سال سے مراد سال کی ابتدا اور انتہا ہے کہ نصاب سال کی ابتدا اور انتہا میں کامل پایا جائے۔ ابتدا میں نصاب کا کامل پایا جانا اس لئے ضروری ہے تاکہ زکوٰۃ کے وجوب میں سبب کا انعقاد ہو کیونکہ سبب کا تحقق اور وجود پورے نصاب کے ملک کے بغیر متصور نہیں ہو سکتا ہے۔

• نصاب کا زکوٰۃ کے وجوب کے لئے سبب ہونا تب ہی ہوگا کہ سال کی ابتدا

میں وہ مکمل پایا جائے اور سال کے آخر میں پورے نصاب کا پایا جانا اس لئے ضروری ہے تاکہ صاحب نصاب پر زکوٰۃ کی ادا واجب ہو سکے لہٰذا سال کی ابتدا اور سال کے آخر میں پورے نصاب پر ملک کا پایا جانا ضروری ہے۔

• اگر سال کے اول اور آخر میں نصاب پورا ہو مگر درمیان میں ناقص ہو جائے اس سے زکوٰۃ کے وجوب پر اثر نہیں پڑتا پھر بھی زکوٰۃ دینا ہوگی۔ مثلاً سال کے اول میں تجارت کا مال چاندی کے نصاب پچاس ہزار روپے کے مساوی یا زائد ہے، سال کے درمیان میں تیس ہزار تک کم ہو گیا پھر سال کے آخر میں پچاس ہزار یا اس سے زائد کا ہو گیا تو زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہوگی۔ اور اگر سال کے دس ماہ تک نصاب مکمل رہا اور آخر میں کم ہو گیا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

• اگر سال کی ابتدا میں نصاب مکمل تھا مگر سال کے درمیان سارا مال ختم ہو گیا پھر کہیں سے وہی مال نصاب کے مساوی حاصل ہو گیا، اب نئے سرے سے سال شمار کیا جائے گا۔ (در مختار) اور اگر سال بھر نصاب موجود رہا، سال کے بعد سارا مال ہلاک ہو گیا، اس نصاب میں واجب زکوٰۃ کی مقدار ساقط ہو جائے گی اور اس کی ضمان واجب نہیں ہوگی۔

نصاب کے ہلاک اور استہلاک اور استبدال کے فروعات:

• فصلوں کی زکوٰۃ کو عشر کہا جاتا ہے۔ عشر اور خراج کا تعلق زمین کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان شاءاللہ عشر اور خراج کے مسائل علیحدہ باب میں ذکر کئے جائیں گے۔

• مال کی زکوٰۃ میں احکام کے مختلف ہونے کے اعتبار سے مال کے دو قسم ہوتے ہیں: پہلا قسم حیواناتِ سائمہ اور دوسرا قسم نقدین (سونا، چاندی یا کرنسی) اور مالِ تجارت اور دَین۔

• حیواناتِ سائمہ کی زکوٰۃ کا تعلق مال کے عین اور ذات کے ساتھ ہوتا ہے اور نقدین، کرنسی اور مالِ تجارت اور دین میں زکوٰۃ کا تعلق مال کی ذات کے ساتھ

نہیں ہوتا بلکہ مال کی مقدار کی ویلیو (value) اور قیمت کے ساتھ ہوتا ہے۔

• حیوانات میں اگر کسی شخص نے بکریوں کے نصاب میں سال مکمل ہونے سے پہلے دوسری جنس کے جانوروں کے معاوضہ میں بکریوں کو فروخت کر دیا بکریوں کا سال ختم ہو جائے گا اور دوسری جنس کے جانوروں کا سالِ نو اور حولِ جدید زکوٰۃ کے لئے موجب شمار ہوگا مگر مالِ تجارۃ یا سونا یا چاندی کو کسی نے دوسری جنس کے مالِ تجارت یا سونے اور چاندی یا کرنسی میں فروخت کر دیا تو بدلے میں حاصل مال میں زکوٰۃ کے لئے نئے سال اور حولِ جدید کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ پہلے سال کا اعتبار ہوگا، حولِ قدیم کی تکمیل پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ایک مال کو دوسرے مال کے ساتھ تبدیل کرنے کا حکم:

• مالِ تجارت کو دوسری جنس کے مالِ تجارت سے بدلنے کے متعلق شامیؒ نے ذکر فرمایا:

"وَلَا یَنْقَطِعُ حُکْمُ الْحَوْلِ لَوْ کَانَ الِاسْتِبْدَالُ قَبْلَ تَمَامِهٖ بَلْ یَتَحَوَّلُ الْوُجُوبُ اِلَی الْبَدَلِ فَیَبْقٰی بِبَقَائِهٖ وَ یَسْقُطُ بِهَلَاکِهٖ کَمَا نَقَلْنَاهُ صَرِیْحًا عَنِ الْبَدَائِعِ۔"

ترجمہ: اور سال کا حکم منقطع نہیں ہوتا اگر ایک مالِ تجارت کا دوسرے مالِ تجارت کے ساتھ استبدال سال کے تمام ہونے سے پہلے ہو جائے بلکہ زکوٰۃ کا وجوب بدل کے ساتھ متعلق ہو جائے گا۔ بدل کے بقاء سے وجوب کا بقا قائم رہے گا اور بدل کے ہلاک ہونے سے زکوٰۃ کے وجوب کا سقوط ہوگا۔ جیسا کہ ہم بدائع سے صراحۃً نقل کر چکے ہیں۔ (ص:۳/۲۱۰)

دورانِ سال مالِ مستفاد یا منافع کا حکم:

• کیش اور سونا اور چاندی اور مالِ تجارت اور دین حقیقت میں ایک جنس ہیں کیونکہ ان سے مقصود مالیت اور معنی ہوتا ہے، صورت مقصود نہیں ہوتی اور

حیواناتِ سائمہ میں مختلف جانوروں کے اقسام الگ الگ جنس ہوتے ہیں اونٹ الگ جنس ہیں اور گائے الگ جنس اور بکری بھیڑ الگ جنس یہ تین الگ الگ جنس ہوں گی۔ اگر سونا، چاندی، کیش، مالِ تجارت، دَین میں سے کسی مال کا نصاب پہلے موجود ہے اور مکمل ہے مگر دوران سال نفع یا ہبہ یا وراثت یا وصیت یا خریداری سے مزید کوئی مال حاصل ہو جائے، اگرچہ سال کے مکمل ہونے سے صرف ایک دن پہلے اس مال کو پہلے سے موجود اپنی جنس کے مال کے ساتھ ضم کیا جائے گا اور سارے مال کو ایک مال شمار کیا جائے گا۔ پورے مال کی زکوٰۃ اصل مال کے سال کے ساتھ ادا کرنا فرض ہوگا۔ مثلاً کسی آدمی کے ملک میں چاندی کے نصاب کے مطابق پچاس ہزار روپے موجود تھے اور سال کے دوران یا سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے پچاس ہزار کا مالِ تجارت یا پچاس ہزار وراثت وغیرہا میں حاصل ہو گئے تو پورے ایک لاکھ کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ درمختار میں ہے:

"وَالْمُسْتَفَادُ وَ لَوْ بِهِبَةٍ اَوْ وِرَاثَةٍ وَسْطَ الْحَوْلِ يُضَمُّ اِلٰى نِصَابٍ مِّنْ جِنْسِهٖ فَيُزَكِّيْهِ بِحَوْلِ الْاَصْلِ۔" (ص:۳/۲۱۴)

ترجمہ: سال کے درمیان حاصل شدہ مال اگرچہ ہبہ اور وراثت کی وجہ سے حاصل ہوا، اسے پہلے نصاب کے ساتھ، جو اس کی جنس سے ہے، ملایا جائے گا اور اصل نصاب کے سال کے ساتھ اس کی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

• علامہ شامی نے وصیت اور خریداری سے حاصل شدہ مال کا یہی حکم بیان فرمایا۔ مقصد یہ ہے کہ کسی بھی وجہ اور سبب سے مال حاصل ہو، اس کو پہلے ہم جنس نصاب کے ساتھ ملایا جائے گا۔

زکوٰۃ کا سال نصاب کی تکمیل کے دن سے شروع ہوگا:

• اور اگر سال کی ابتدا میں کسی مال کا نصاب مکمل نہیں تھا بلکہ نصاب سے کم تھا اور دورانِ سال مزید مال حاصل ہو گیا، جس سے نصاب مکمل ہو گیا، اب نصاب کی تکمیل کے دن سے زکوٰۃ کا سال شروع ہوگا علامہ شامی نے فرمایا:

"لَوْ كَانَ النِّصَابُ نَاقِصًا وَ كَمَلَ بِالْمُسْتَفَادِ فَاِنَّ الْحَوْلَ يَنْعَقِدُ عَلَيْهِ عِنْدَ الْكَمَالِ۔" (ص:۳/۲۱۴)

ترجمہ: اور اگر نصاب ناقص تھا اور حاصل کردہ مال کے ساتھ مکمل ہوا تو زکوٰۃ کا سال کمال کے وقت سے آدمی پر منعقد ہوگا۔

• اگر ابتدا میں نصاب مکمل تھا مگر درمیان میں ناقص ہو گیا لیکن بالکل ختم نہیں ہوا اور سال کے اختتام سے پہلے اتنا مال حاصل ہو گیا کہ پھر نصاب مکمل ہو گیا، اصل مال کے لئے شروع سال سے زکوٰۃ کا سال شمار کیا جائے گا۔ شامی میں ہے:

"بِخِلَافِ مَا لَوْ هَلَكَ بَعْضُ النِّصَابِ فِيْ اَثْنَاءِ الْحَوْلِ فَاسْتَفَادَ مَا يُكَمِّلُهٗ فَاِنَّهٗ يُضَمُّ عِنْدَنَا وَ اَشَارَ اِلٰى اِنَّهٗ لَا بُدَّ مِنْ بَقَاءِ الْاَصْلِ حَتّٰى لَوْ ضَاعَ اِسْتَأْنَفَ لِلْمُسْتَفَادِ حَوْلًا مُنْذُ مَلَكَهٗ۔" (ص:۲۱۴)

ترجمہ: بخلاف اس مال کے کہ اس کا بعض نصاب سال کے دوران ہلاک ہو گیا پھر اس آدمی نے اتنا مال حاصل کر لیا جس نے اس کو مکمل کر دیا۔ پس حاصل مال ہمارے نزدیک پہلے مال کے ساتھ ملایا جائے گا۔ اس میں انہوں نے اشارہ کیا کہ اصل کا باقی رہنا ضروری ہے حتی کہ اگر بالکل اصل مال ضائع ہو گیا تو مستفاد مال کے لئے نئے سال کا استیناف ہوگا، جب سے مستفاد آدمی کے ملک میں آیا۔

• دورانِ سال سے مراد عام ہے کہ اگر سال کے اختتام سے صرف ایک دن پہلے بھی مال حاصل ہو تو اس کو پچھلے نصاب سے ملایا جائے گا۔ شامی میں ہے:

"فَاِنْ وَجَدَ مِنْهُ شَيْئًا قَبْلَ الْحَوْلِ وَ لَوْ بِيَوْمٍ ضَمَّهٗ وَ زَكَّى الْكُلَّ۔"

(ص:۳/۲۱۴)

ترجمہ: اگر کسی آدمی نے مال سے سال سے پہلے کچھ حاصل کیا، اگرچہ ایک دن پہلے، اس کو اپنی جنس کے نصاب سے ملایا جائے گا اور سارے مال کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

• جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ دَین صاحب دین کے لئے نقد کیش کی طرح مال ہوتا ہے مگر بعض احکام میں دَین کیش کے حکم میں نہیں ہوتا۔ ناقص نصاب کی تکمیل میں یا نصاب کے وجود کے لئے دین کا حکم نقد رقم یا سونے چاندی کا ہوتا ہے۔ مثلاً کسی آدمی کا دوسرے آدمی پر چاندی کے نصاب کے برابر مبلغ پچاس ہزار روپے دین ہے، اس کے علاوہ اس کے پاس زکوٰۃ کے اموال میں سے کوئی مال نہیں ہے اور دورانِ سال مزید پچیس ہزار روپے اسے حاصل ہو گئے تو سال کے اختتام پر اس آدمی کو پورے پچھتر ہزار روپے کی زکوٰۃ دینا ہو گی۔ شامی میں ہے:

"شَمَلَ کَلَامُهٗ مَا لَوْ کَانَ النِّصَابُ دَیْنًا فَاسْتَفَادَ مِائَةَ دِرْهَمٍ فَاِنَّهَا تُضَمُّ اِجْمَاعًا۔"

ترجمہ: مصنف کا کلام اس صورت کو شامل ہے کہ اگر دَین نصاب ہو، صاحبِ دین نے ایک سو درہم (آدھا نصاب) دوران سال مزید حاصل کیا، بے شک سو درہم بالاتفاق اس دَین کے ساتھ ملایا جائے گا۔

• فائدہ: دین کے مسائل میں دَین قوی اور دین متوسط اور دین ضعیف ہر ایک کا الگ الگ حکم ذکر کیا جائے گا۔ امام اعظم کے نزدیک اگر دَین ہی نصاب بنتا ہے، اس کے پاس کوئی دوسرا مال نہیں ہے، یہ کہ دین کی رقم 612.36 گرام چاندی کے برابر ہے اور دین بھی قوی ہے، تو نصاب کا پانچواں حصہ یعنی دو سو درہم سے چالیس درہم 122/472 گرام یا اس کی قیمت پر جب تک قبضہ نہیں ہو گا، دَین

کی زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب نہیں ہو گا۔ یعنی دین چونکہ نصاب کے برابر ہے زکوٰۃ تو فرض ہے مگر زکوٰۃ کا ادا کرنا تب فرض ہو گا کہ کم از کم چالیس درہم نصاب کے پانچویں حصہ پر قبضہ ہو، اس میں ایک درہم زکوٰۃ دینا ہو گی۔ اور صاحبین کے نزدیک دَین حکم میں ایک ہی قسم ہے اور ہر ایک مقدار کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہو گی، اگرچہ دین سے نصاب کے پانچویں حصے سے کم واپس ہو۔

• ہم نے ذکر کیا تھا کہ نصاب کی تکمیل میں مذکورہ پانچوں مال ایک جنس ہیں۔ چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"قَوْلُهٗ مِنْ جِنْسِهٖ سَیَاْتِیْ اِنَّ اَحَدَ النَّقْدَیْنِ یُضَمُّ اِلَی الْاٰخَرِ وَ اِنَّ عُرُوْضَ التِّجَارَةِ تُضَمُّ اِلَی النَّقْدَیْنِ لِلْجِنْسِیَّةِ بِاِعْتِبَارِ قِیْمَتِهَا وَ احْتَرَزَ عَنِ الْمُسْتَفَادِ مِنْ خِلَافِ جِنْسِهٖ کَالْاِ بِلِ مَعَ الشِّیَاهِ فَلَا تُضَمُّ۔" (بحر، ص:۲۱۴)

ترجمہ: "مصنف کا قول "من جنسه" عنقریب ذکر کیا جائے گا نقدین (سونا اور چاندی) میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا اور تجارت کا مال نقدین کے ساتھ ملایا جائے گا، کیونکہ قیمت کے لحاظ سے تجارت کا مال ان کی جنس سے ہے، اس قید سے خلافِ جنس مستفاد سے احتراز کیا گیا ہے، جیسے اونٹوں کے ساتھ بکریوں کا استفادہ ہو، پس ان کو نہیں ملایا جائے گا۔"

• حیوانات میں اونٹ اور گائے بھینس اور بکریاں بھیڑیں دنبے یہ تین مختلف اجناس ہیں۔ دورانِ سال ایک جنس سے مستفاد جانور اپنی جنس کے ساتھ ملائے جائیں گے۔ مثلاً دورانِ سال حاصل اونٹ، اونٹوں کے ساتھ شمار کیے جائیں گے اور نصاب پورا کیا جائے گا، بکریوں یا گائے کے نصاب کے ساتھ اونٹوں کو نہیں ملایا جائے گا۔ گائے اور بھینس ایک جنس ہیں اور بکری اور بھیڑ اور دنبہ ایک جنس ہیں۔ ان شاءاللہ تفصیل حیوانات کی زکوٰۃ میں ذکر کی جائے گی۔

(ص:۳/۲۰۹)

• سونااور چاندی اور کیش اور مالِ تجارت اور دین ان کو ایک جنس شمار کیا جاتا ہے ان اموال میں سے کسی مال میں سے دورانِ سال حاصل مال اصل مال کے ساتھ ملانا واجب ہوتا ہے۔ اگر حاصل مال کے ساتھ نصاب مکمل ہو جاتا ہو تو اس کی زکوٰۃ واجب ہو گی۔ مثلاً کسی آدمی کا دوسرے آدمی پر دَین تھا اور اس کے قبضے میں موجود مال کی رقم نصاب سے کم ہے یا پورا نصاب ہے۔ دورانِ سال سونا یا چاندی یا کیش یا دَین کی رقم حاصل ہو گئی، اسے اصل مال کے ساتھ ملایا جائے گا۔ اگر ناقص نصاب مکمل ہو جاتا ہے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اور اگر پہلے کسی مال کا نصاب مکمل تھا تو دین سمیت سارے مال کی زکوٰۃ واجب ہو گی اور زکوٰۃ کا سال اصل مال کے ساتھ شمار ہو گا۔ دَین میں عموم ہے، دَین قوی ہو یا متوسط یا ضعیف ہو۔ چنانچہ در مختار میں ہے:

''اِلَّا اِذَا كَانَ عِنْدَهٗ مَا يُضَمُّ اِلَى الدَّيْنِ الضَّعِيْفِ كَمَا مَرَّ ۔''

(ص:۳/۲۳۹)

یہ صورت دَینِ ضعیف پر قبضہ کے بعد حولانِ حول کی شرط سے مستثنٰی ہے کہ اگر آدمی کے پاس قابل انضمام مال موجود ہے تو دین ضعیف میں سے جو رقم حاصل ہو جائے اسے پہلے سے موجود نصاب کے ساتھ ملایا جائے گا اور اصل مال کے سال سے سال شمار کیا جائے گا۔ اب دَینِ ضعیف کے لئے قبضہ کے بعد حولانِ حول ہو جانے کی شرط نہیں ہو گی۔ امام صاحب کے نزدیک دین قوی اور دین متوسط کے نصاب میں زکوٰۃ کا ادا کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب دین واپس ملے گا مگر سابقہ سالوں کی زکوٰۃ بھی دینا ہو گی اور اگر صاحب دین کے پاس دین کے علاوہ مال کا نصاب موجود ہے تو دوران سال ملنے والے مقبوض دین کے مال کو موجود نصاب کے ساتھ ملایا جائے گا، قبضہ کے

بعد سال کا انتظار نہیں کیا جائے گا اور یہی حکم دَینِ ضعیف کا ہو گا۔ شامی میں ہے:

''وَالْحَاصِلُ اَنَّهٗ اِذَا قَبَضَ شَيْئًا وَّ عِنْدَهٗ نِصَابٌ يُضَمُّ الْمَقْبُوْضُ اِلَى النِّصَابِ وَ يُزَكِّيْهِ بِحَوْلِهٖ وَ لَا يُشْتَرَطُ لَهٗ حَوْلُ الْقَبْضِ۔'' (ص:۳/۲۳۹)

ترجمہ: کلام کا حاصل یہ ہے کہ جب صاحبِ دین کسی شی پر قبضہ کرے گا اور اس کے ملک میں نصاب موجود ہے، دین مقبوض کو نصاب کے ساتھ ملایا جائے گا اور دین کی زکوٰۃ نصاب کے سال کے ساتھ ادا کی جائے گی اور دین کے لیے قبضہ کے سال بعد ہونے کی شرط نہیں ہو گی۔

اور یہی حکم دین قوی اور دین متوسط کا ہو گا کہ دورانِ سال واپس ہونے والے دین کی زکوٰۃ پہلے سے موجود نصاب کے سال کے ساتھ دی جائے گی، قبضہ کے سال کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ قبضہ کے سال کا انتظار اس وقت ہو گا جب دین کے علاوہ کوئی نصاب نہ ہو۔

• تجارتی اموال میں دورانِ سال حاصل منافع کو بھی اصل مال کے ساتھ ملا کر کل کی زکوٰۃ واجب ہو گی کیونکہ منافع بھی مال مستفاد ہوتا ہے۔

حولانِ حول سے پہلے نصاب کے ہلاک ہونے یا استہلاک کا حکم:

• فقہاء کرام کے نزدیک ہلاکت کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ مال آسمانی آفت یا کسی آدمی کی وجہ سے ہلاک یا ختم ہو جائے اور مالک کے ملک سے نکل جائے۔ مالک کا اس مال کی ہلاکت میں دخل نہ ہو اور استہلاک کا مفہوم یہ ہے کہ مال ہلاک یا ختم کرنے میں خود مالک کا ہاتھ ہو کہ وہ خود مال کو اپنے ملک سے خارج کر دے، اپنی حاجات میں خرچ کر دے یا بلا معاوضہ کسی کو دے دے۔

• حولانِ حول اور سال کی تکمیل سے پہلے نصاب کامل یا بعض ہلاک ہو جائے یعنی خرچ ہو جائے یا آدمی خود ہلاک اور خرچ کر دے دونوں صورتوں میں ہلاک اور

خرچ شدہ مال کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔

زکوٰۃ، حج، سجدۂ تلاوت کو واجب نہ ہونے دینا جائز ہے:

• نصاب کے استہلاک اور اپنے اختیار سے ہلاک اور خرچ کرنے میں اگر صاحبِ مال کی نیت یہ ہو کہ زکوٰۃ واجب ہی نہ ہونے پائے تو یہ عمل امام محمد کے نزدیک مکروہ ہے مگر امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں: امتناع عن الوجوب مکروہ نہیں ہوتا بلکہ ابطال حق الغیر مکروہ ہوتا ہے اور یہاں ابطال نہیں ہے یعنی زکوٰۃ یا حج یا سجدہ تلاوت کو کسی وجہ سے اپنے اوپر واجب نہ ہونے دینا جائز ہے کیونکہ اس میں غیر کے حق کا باطل کرنا لازم نہیں آتا اور اس میں کراہت بھی نہیں ہے جیسے شفعہ ٹالنے کے لئے کوئی خریدار حیلہ کرے، شفعہ ہو ہی نہ سکے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ محققین علماء نے فرمایا شفعہ کے مسئلہ میں ابو یوسف کے قول پر فتوی ہے اور زکوٰۃ اور حج اور سجدۂ تلاوت میں امام محمد کے قول پر فتوی ہے۔

• ردالمحتار میں ہے:

’’(قَوْلُهُ بَعْدَ الْحَوْلِ) اَمَّا قَبْلَهٗ لَوْ اِسْتَهْلَكَهٗ قَبْلَ تَمَامِ الْحَوْلِ فَلَا زَكٰوةَ عَلَيْهِ لِعَدَمِ الشَّرْطِ اِذَا فَعَلَهٗ حِيْلَةً لِدَفْعِ الْوُجُوْبِ كَاَنَّ اِسْتَبْدَلَ نِصَابَ السَّائِمَةِ بِآخَرَ اَوْ اَخْرَجَهٗ عَنْ مِلْكِهٖ ثُمَّ اَدْخَلَهٗ فِيْهِ قَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ لَا يَكْرَهُ لِاَنَّهٗ اِمْتِنَاعٌ عَنِ الْوُجُوْبِ لَا اِبْطَالُ حَقِّ الْغَيْرِ۔‘‘ (ص:۲۰۸)

ترجمہ (مصنف کا قول بعد الحول) لیکن سال سے پہلے اگر صاحبِ مال نے سال کے مکمل ہونے سے مال ہلاک یعنی خرچ کر ڈالا پس اس پر زکوٰۃ نہیں ہے، شرط نہ ہونے کی وجہ سے۔ اور جب آدمی وجوبِ زکوٰۃ کو دفع

کرنے کا حیلہ کرنے کے لئے استہلاک کا عمل کرے، اس طرح کہ حیواناتِ سائمہ کی ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ (سال) سے پہلے تبدیل کر دے یا مال اپنے ملک سے نکال دے پھر اسے داخل کر لے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا، مکروہ نہیں کیونکہ یہ وجوب کو روکنا ہے، غیر کے حق کو باطل کرنا نہیں ہے۔

• لہٰذا کسی مال کے نصاب کو سال مکمل ہونے سے پہلے ختم کر لینا اور اپنی حاجات میں خرچ کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، ایسا کرنے میں گناہ نہیں ہو گا۔ اگرچہ بطور حیلہ یہ مکروہ ہو گا لیکن اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔

• یہی حکم حج کے لیے استطاعت کے مال کا ہے کہ اگر کوئی شخص حج کے لیے درخواستوں کے ایام سے پہلے مال اپنی ذاتی حاجات مکان شادی وغیرہا میں خرچ کر ڈالے تاکہ حج فرض نہ ہو، مکروہ ہے لیکن آدمی پر حج فرض نہیں ہو گا۔ اسی طرح قرآن کی تلاوت میں سجدۂ تلاوت کی آیت نہ پڑھے تاکہ سجدہ واجب نہ ہو، مکروہ ہے لیکن سجدہ واجب نہیں ہو گا اور امام ابو یوسف کے نزدیک کراہت بھی نہیں ہے۔

تجارتی اموال کی گردش اور رنگ سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی:

• یہ یاد رہے کہ حیواناتِ سائمہ میں ہر جنس کا الگ الگ نصاب ہوتا ہے ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ استبدال سے زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی اور اختلاط کے وقت مالِ تجارت اور نقدین اور کرنسی ایک جنس ہیں اور ان کا ایک ہی نصاب ہوتا ہے، ان میں باہم استبدال سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہو گی۔ چنانچہ شامی میں ہے:

’’قَالَ فِي الْبَدَائِعِ وَ اِذَا حَالَ الْحَوْلُ عَلٰى مَالِ التِّجَارَةِ فَاَخْرَجَهٗ عَنْ مِلْكِهٖ بِالدَّرَاهِمِ اَوِ الدَّنَانِيْرِ اَوْ بِعَرْضِ التِّجَارَةِ بِمِثْلِ قِيْمَتِهٖ لَا يَضْمَنُ الزَّكٰوةَ لِاَنَّهٗ مَا اَتْلَفَ الْوَاجِبَ بَلْ نَقَلَهٗ مِنْ مَحَلٍّ اِلٰى مِثْلِهٖ

اِذَا الْمُعْتَبَرَ فِیْ مَالِ التِّجَارَۃِ ھُوَ الْمَعْنٰی ھُوَ الْمَالِیَّۃُ لَا الصُّوْرَۃُ فَکَانَ الْاَوَّلُ قَائِمًا مَعْنًی فَیَبْقَی الْوَاجِبُ بِبَقَائِہٖ وَ یَسْقُطُ بِھَلَاکِہٖ (اِلٰی) وَ فِی الْبَدَائِعِ اَیْضًا لَوْ اِسْتَبْدَلَ مَالَ التِّجَارَۃِ بِمَالِ التِّجَارَۃِ وَھِیَ الْعُرُوْضُ قَبْلَ تَمَامِ الْحَوْلِ لَا یَبْطُلُ حُکْمُ الْحَوْلِ سَوَاءٌ اِسْتَبْدَلَھَا بِجِنْسِھَا اَوْ بِخِلَافِہٖ بِلَا خِلَافٍ لِتَعَلُّقِ وُجُوْبِ زَکٰوتِھَا بِمَعْنَی الْمَالِ وَ ھُوَ الْمَالِیَّۃُ وَ الْقِیْمَۃُ وَ ھُوَ بَاقٍ وَکَذَا الدَّرَاھِمُ وَالدَّنَانِیْرُ (الی) بِخِلَافِ اِسْتَبْدَالِ السَّائِمِ بِالسَّائِمِ فَاِنَّ الْحُکْمَ فِیْہِ یَتَعَلَّقُ بِالْعَیْنِ فَیَبْطُلُ الْحَوْلُ الْمُنْعَقِدُ عَلَی الْاَوَّلِ وَیَسْتَانِفُ حَوْلًا۔" (ص:۸/۵۶)

ترجمہ: صاحب بدائع نے فرمایا کہ جب مالِ تجارت پر سال مکمل ہو جائے پس مالک نے اس مالِ تجارت کو دراہم یا دیناروں کے معاوضہ میں اپنے ملک سے نکال دیا یا دوسرے مالِ تجارت کی مثلی قیمت کے ساتھ نکال دیا، مالک زکوٰۃ کا ضامن نہیں ہوگا (یعنی زکوٰۃ دینی ہوگی اس کا تاوان لازم نہیں ہوگا کیونکہ زکوٰۃ کا مال باقی ہے)۔ اس لئے کہ مالک نے واجب زکوٰۃ کو تلف نہیں کیا بلکہ واجب کو ایک محل سے دوسرے محل مثلی کی طرف منتقل کیا ہے یعنی مال کی رنگ اور گردش سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔ مالِ تجارت میں معنی معتبر ہوتا ہے اور معنی سے مراد مالیت اور قیمت ہے، صورت معتبر نہیں ہوتی۔ پہلا مال معنًی قائم ہے، تلف نہیں ہوا۔ لہٰذا مال کے بقاء کے وجہ سے واجب بھی باقی رہے گا اور اس کے ہلاک ہونے سے واجب ساقط ہو جائے گا (تا) نیز بدائع میں ہے کہ اگر کسی آدمی نے سال مکمل ہونے سے پہلے تجارت کے مال کا دوسرے تجارت کے مال کے ساتھ تبادلہ کیا اور یہ مال عروض ہیں، نقدین نہیں

ہیں، جاری سال کا حکم بلا اختلاف باطل نہیں ہوگا، چاہے اس مال کو اپنے ہم جنس مال یا مخالف جنس مال کے ساتھ تبدیل کرلے کیونکہ زکوٰۃ کا تعلق مال کے معنی کے ساتھ ہے اور وہ مالیت اور قیمت ہے اور وہ باقی ہے برخلاف اس کے کہ آدمی حیوانات کا دوسرے حیوانات کے ساتھ (سال سے پہلے) تبادلہ کرلے تو پہلے سال کا حکم باطل ہو جائے گا کیونکہ حیوانات میں حکم حیوانات کے عین کے ساتھ متعلق ہوتا ہے لہٰذا پہلے نصاب پر منعقد ہونے والا سال باطل ہو جائے گا اور استبدال سے دوسرا سال شروع ہو جائے گا۔

- اگر زکوٰۃ کے نصاب پر سال مکمل ہو گیا تھا پھر نصاب ہلاک ہو گیا تو اس نصاب میں واجب زکوٰۃ کی مقدار ساقط ہو جائے گی اور اگر سال کے بعد صاحبِ مال نے مال کا نصاب خود ہلاک کر دیا تو نصاب کی واجب زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی، زکوٰۃ کی ضمان اور تاوان واجب ہوگا کیونکہ اس میں صاحبِ مال کی طرف سے زیادتی اور تعدّی ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک زیورات پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے:

- امام شافعیؒ کے نزدیک صرافوں اور زرگروں اور تاجروں پر ان اموال کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی جن کو سال کے تمام ہونے سے پہلے دوسرے مال کے ساتھ فروخت کر دیا جائے یا تبدیل کر دیا جائے۔ مثلاً سونے کے دنانیر کو دراہم کے ساتھ یا تجارت کا کپڑا تجارت کے برتنوں کے ساتھ فروخت کر دیا جائے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔
- مثلاً ایک شخص نے چھ ماہ دوکان پر کپڑے فروخت کئے پھر کپڑے کا کاروبار ختم کر کے کراکری اور برتنوں کا کاروبار شروع کر دیا، امام شافعی کے نزدیک اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ امام شافعیؒ سونے اور چاندی اور مالِ تجارت کو حیوانات کی

طرح مختلف اجناس کے اموال شمار کرتے ہیں۔ لہٰذا استبدال اگر سال مکمل ہونے سے پہلے ہو، استبدال کے دن سے پہلا نامکمل سال اور حول ختم ہو جائے گا اور دوسرا شروع ہو جائے گا۔اسی طرح امام شافعیؒ کے نزدیک سونے اور چاندی کے مستعمل زیورات پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ وہ استعمال کے سونے اور چاندی کو مستعمل کپڑوں پر قیاس کرتے ہیں اور ہمارے امام مستعمل سونے اور چاندی کو مالِ تجارت پر قیاس کرتے ہیں۔(در مختار / دیگر کتب فقہ) امام شافعیؒ کے قول پر اکثر تاجر لاکھوں کروڑوں کی زکوٰۃ سے بچ جائیں گے۔

• حنفی علماء پر لازم ہے کہ وہ اپنا مذہب بیان کریں، عوام کو صرف حنفی مذہب کے مسائل بتائیں ورنہ لوگ امام شافعی کے مذہب کو بہانہ بنا کر زکوٰۃ نہیں دیں گے۔(رفیق حسنی)

قرض اور عاریۃً دیئے گئے مال کے ڈوب جانے کا حکم:

• سال کے تمام ہونے کے بعد کسی شخص نے زکوٰۃ نکالنے سے پہلے مال کا پورا نصاب مثلاً پچاس ہزار مساوی 612.36 گرام چاندی کسی کو قرضہ دے دیا یا کسی کو عاریۃً دے دیا اور مستقرض اور مستعیر کے پاس وہ مال ہلاک ہو گیا، یہاں مال کے ہلاک ہونے کی صورت یہ ہوگی کہ مستقرض اور مستعیر قرض اور عاریۃ کا انکار کر دیں اور گواہ بھی نہ ہوں یا فوت ہو جائیں۔ انہوں نے وراثت میں ترکہ نہ چھوڑا ہو۔(شامی ص:۲۰۹) مالک سے اس مال کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اور اس کی ضمان واجب نہیں ہوگی کیونکہ عاریۃ اور قرض دینے میں صاحب نصاب کی جانب سے تعدّی نہیں ہے۔

• اگر صاحبِ مال نے سال کے تمام ہونے کے بعد نصاب کے مالِ تجارت کو یا سونے چاندی یا کرنسی کو دوسری جنس کے مالِ تجارت یا سونے اور چاندی اور

کرنسی کے ساتھ تبدیل کر دیا اور بدلے میں حاصل مال ہلاک ہو گیا، اس مال کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی کیونکہ اس میں تعدّی نہیں ہے۔مال کے بدلے مال تبدیل کرنا عام ہے۔ (شامی)

تجارت کے مال کو غیر زکوٰتی مال میں تبدیل کرنے کا حکم:

• اگر کسی نے زکوٰۃ واجب ہو جانے کے بعد مالِ تجارت کو مالِ تجارت کی جنس کے غیر کے ساتھ تبدیل کیا اور بدل میں مالِ تجارت کی نیت نہیں کی، مثلاً مالِ تجارت کے معاوضہ میں گھر کی حاجات کا سامان لے لیا یعنی ایسا مال لے لیا جو مالِ زکوٰۃ نہیں ہے۔ استعمال کے کپڑے یا استعمال کے لئے گاڑی یا رہائش کے لئے مکان وغیرہ یا مالِ تجارت ایسی چیز کے معاوضہ میں دے دیا جو مال ہی نہیں ہے۔ مثلاً نکاح کے وقت مال تجارت کو مہر میں دے دیا یا قتل عمد کی صلح میں دے دیا، ان سب صورتوں میں مالِ تجارت کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی، اس پر زکوٰۃ کی مقدار کی ضمان واجب ہوگی، کیونکہ اس میں صاحبِ مال کی تعدّی ہے اگرچہ اس کی نیت یہ نہیں ہے کہ زکوٰۃ ساقط ہو جائے مگر اس کا عمل اس کی نفی کرتا ہے یہی حکم سونے اور چاندی اور نقد پیسوں میں تبدیلی کا ہے۔ (ص:۲۰۹، ۳/۲۱۰)

• معلوم ہوا مالِ تجارت میں بغیر تعدی ہلاک ہونے اور استہلاک یعنی تعدی کی وجہ سے ہلاک ہونے میں فرق ہے اور نقود کا حکم بھی مالِ تجارت جیسا ہے۔ شامی میں ہے ''حُکْمُ النُّقُوْدِ مِثْلُ مَالِ التِّجَارَۃِ''(ص:۲۱۰) لہٰذا مالِ تجارت عرفی اور مالِ تجارت خِلقی کے احکام ایک جیسے ہوں گے۔

• اگر سال کے بعد زکوٰۃ کے نصاب کو مکان کے کرایہ میں ایڈوانس یا سابقہ کرایہ میں دے دیا تو یہ بھی استہلاک اور تعدی ہے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔ شامی میں ہے:

''اِذَا اسْتَأْجَرَ بِہٖ عَیْنًا فَیَضْمَنُ الزَّکَاۃَ فِیْ ذَالِکَ کُلِّہٖ لِاَنَّہٗ

اِسْتِهْلَاكٌ۔" (ص:۲۱۰)

ترجمہ: جب آدمی زکوٰۃ کے نصاب کے ساتھ کوئی معین چیز اجرت پر لے لے، وہ آدمی سابقہ سب صورتوں میں زکوٰۃ کا ضامن ہوگا، اس لئے کہ یہ استہلاک ہے۔

مالِ تجارت کے معاوضے میں حیوانات خرید لئے تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی:

● اگر سال کے بعد مالِ تجارت یا سونے اور چاندی کے معاوضہ میں حیواناتِ سائمہ خرید لئے مالِ تجارت اور سونے اور چاندی کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی اسی طرح حیواناتِ سائمہ میں سال کے بعد حیوانات کے نصاب کو ہم جنس حیوانات یا مخالف جنس حیوانات کے ساتھ تبدیل کردیا، حیوانات کی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔ شامی میں ہے:

"قَالَ فِي الْفَتْحِ وَاسْتِبْدَالُ السَّائِمَةِ اِسْتِهْلَاكٌ مُطْلَقًا سَوَاءٌ اِسْتَبْدَلَهَا بِسَائِمَةٍ مِنْ جِنْسِهَا اَوْ مِنْ غَيْرِهٖ اَوْ بِغَيْرِ سَائِمَةٍ دَرَاهِمَ اَوْ عُرُوْضٍ لِتَلَقِّي الزَّكٰوةِ بِالْعَيْنِ اَوَّلًا وَ بِالذَّاتِ وَ قَدْ تَبَدَّلَتْ فَاِذَا هَلَكَتْ سَائِمَةُ الْبَدَلِ تَجِبُ الزَّكَاةُ۔" (ص:۲۱۰)

ترجمہ: صاحب الفتح نے "فتح القدیر" میں فرمایا: اور حیواناتِ سائمہ کو (سال کے بعد) تبدیل کرنا مطلقاً استہلاک اور تعدی ہے۔ برابر ہے کہ آدمی نے سائمہ کو اپنے جنس کے حیوانات کے ساتھ تبدیل کیا یا غیر جنس کے ساتھ یا غیر سائمہ دراہم اور عروض کے ساتھ تبدیل کیا کیونکہ اوّلاً اور بالذات زکوٰۃ کا تعلق اور تلقی سائمہ حیوانات کے عین کے ساتھ ہوتی ہے اور بے شک وہ جانور تبدیل ہوگئے۔ جب بدل میں حاصل سائمہ جانور ہلاک ہوگئے، زکوٰۃ واجب ہوگی، چونکہ حیوانات کی تبدیلی اگرچہ اپنی جنس کے حیوانات کے ساتھ ہو استہلاک اور تعدی ہوتی ہے

اس لئے واجب شدہ زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔ اگر بدل میں حاصل جانور ہلاک ہوجائیں تو اس کی ضمان دینا ہوگی اور اگر سال کے مکمل ہونے سے پہلے حیواناتِ سائمہ کو حیواناتِ سائمہ سے تبدیل کیا جائے، اصل اور پہلے سے موجود حیوانات کا سال ختم ہوجائے گا خرید شدہ حیوانات پر حول جدید مکمل ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوگی ان شاء اللہ مزید تفصیل حیوانات کی زکوٰۃ کے باب میں ذکر کی جائے گی۔

تیسری شرط یہ کہ صاحب نصاب کا مال کے نصاب پر ملک تام ہو:

● ملک تام سے مراد یہ ہے کہ صاحبِ مال رقبۃً اور یدًا مال کا مالک ہو فقہاء کی اصطلاح میں کسی چیز کی ذات کے ملک کو ملک رقبہ کہتے ہیں اور اس مال پر صاحبِ مال کو حالاً یا مآلاً اصالۃً یا وکالۃً تصرف کی قدرت ہونا یقینی ہو تو اس کو ملک ید کہتے ہیں۔ فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک ید کی دو قسم ہیں ملک ید بالفعل بلاواسطہ یہ کہ مال صاحبِ مال کے قبضہ میں بالفعل اور حالاً ہو اور ملک ید بالفعل یہ کہ مال مدیون کے تصرف میں ہو اور صاحبِ مال کو مستقبل میں اسی مال میں تصرف اور قبضہ کی قدرت حاصل ہو اگرچہ وہ مال حال میں قبضہ میں نہ ہو۔ جیسے دین مؤجل کی رقم مدیون کے پاس ہوتی ہے، مالک کا اس دین پر حالاً قبضہ تو نہیں ہوتا مگر مالک اس دین کو واپس لے کر اس مال میں تصرف کرسکتا ہے، چونکہ دین مؤجل کی واپسی عرف میں یقینی ہوتی ہے اور مدیون مالک کا تصرف میں وکیل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے دین کی زکوٰۃ مالک پر واجب ہوتی ہے۔ اور اسی لیے میعادی دین پر ملک تام اور کامل ہوتا ہے۔ اور مکاتب کے مال میں مولی کے قبضہ سے پہلے مولی کو مال میں تصرف کا حق نہیں ہوتا کیونکہ مستقبل کے اعتبار سے مکاتب کے مال کے ملک میں تردد ہوتا ہے کہ ملک حاصل ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اس لئے فقہاء کرام فرماتے ہیں، مکاتب کے مال میں مولی کو قبضہ سے پہلے ملک تام اور ملک ید

حاصل نہیں ہوتا اور اس مال کی زکوٰۃ مولی پر واجب نہیں ہوتی اسی طرح رہن اور گروی مال میں مالک کو اصالۃً یا وکالۃً تصرف کا حق اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک وہ مال گروی رہتا ہے تو کہا جاتا ہے گروی مال پر مالک کو (ملک تام) ملک ید حاصل نہیں اگرچہ ملک رقبہ حاصل ہے کیونکہ عدم قبضہ اور تصرف کے ساتھ ساتھ گروی مال میں بھی ملک متردد ہوتا ہے کہ اگر قرض واپس ہو اتو مرہون مال واپس ہوگا اور اگر واپس نہ ہوا تو مال مرہون واپس نہیں ہوگا۔

دین اور رہن میں فرق

• دین ایک وصف ہے اور رہن ذات اور عین ہے دین کا مدیون کے ذمہ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ عموماً کسی معین مال کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا اور رہن میں راہن کا معین مال کے ساتھ تعلق ہوتا ہے صاحبِ دین M دین کا مالک ہوتا ہے اور مدیون کو دین میں صاحبِ دین کے اذن سے تصرفات کا حق حاصل ہوتا ہے اور رہن کا راہن اگرچہ مالک ہوتا ہے مگر رہن شدہ مال میں نہ اسے تصرف کا حق ہوتا ہے اور نہ اس کے اذن سے مرتہن کو اور رہن کا مرتہن مالک نہیں ہوتا بلکہ رہین ہوتا ہے اور اس میں تصرف نہیں کرسکتا۔

• دین اور رہن (گروی مال) دونوں قابل واپسی ہوتے ہیں، مگر دین کی واپسی یقینی ہوتی ہے اور رہن کی یقینی نہیں ہوتی اور شرعاً صاحبِ دین اصالۃً اور وکالۃً دین میں تصرف کا مجاز ہوتا ہے اور گروی مال میں مرتہن شرعاً تصرف کا مجاز نہیں ہوتا۔ چنانچہ صاحب دین، دین کے معاوضہ میں مدیون یا غیر مدیون سے کوئی چیز خرید نا چاہے تو خرید سکتا ہے، فقیر کو دین کی رقم زکوٰۃ میں دے سکتا ہے اس طرح کہ مدیون مالک کی اجازت سے فقیر کو دین کی رقم دے دے تو مالک کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بلکہ مدیون دین میں مالک کی اجازت سے ہی تصرف کرنے کا وکیل ہوتا ہے۔ اس لئے دین کی زکوٰۃ دائن اور مالک پر فرض ہے اور گروی مال

میں شرعاً راہن کو تصرف کی اجازت نہیں ہوتی گویا گروی مال مرتہن کے پاس بطور امانت ہوتا ہے، مرتہن پر مرہون اور گروی مال کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کہ وہ اس کا مالک نہیں اور راہن اگرچہ گروی مال کا حقیقی مالک ہے مگر اسے اپنے مال پر ملک ید اور ملک تام حاصل نہیں ہوتا۔ حتّٰی کہ راہن گروی مال کی واپسی کا مطالبہ اس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک اس کے بدلے لیا گیا قرض واپس نہ کرے اور ملک ید یہ ہوتا ہے کہ آدمی مال میں اثباتاً اور ازالۃً اصالۃً یا وکالۃً تصرف کا مالک ہو، راہن کو یہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور دین کا دائن مالک ہوتا ہے اور اس کو دَین پر ملک تام اور ملک ید حاصل ہوتا ہے حتی کہ وہ دین معجل کی واپسی کا کسی وقت بھی مطالبہ کرسکتا ہے اور اگر دین مؤجل ہے تو اجل کے بعد مطالبہ کرسکتا ہے کیونکہ مؤجل دین میں اجل لازم ہوتی اور دین میں مالک کو بیع اور شراء کا بھی حق حاصل ہوتا ہے اور مدیون مالک کے اذن سے ہی تصرفات کرتا ہے جو کہ ملک ید کی دلیل ہے چونکہ اجل کے بعد آدمی مطالبہ کرسکتا ہے اس لئے دین کی زکوٰۃ دائن پر فرض ہے۔ اگر دین حکماً مال نہ ہوتا یا دائن دین کا مالک نہ ہوتا تو دائن پر اس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوتی کیونکہ مملوک مال کی ہی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ غیر مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور اگر مال ہو مگر وہ آدمی کا مملوک نہ ہو، آدمی پر اس کی زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہوتی۔ معلوم ہوا دین حکماً مال اور صاحبِ دین حکماً مملوک ہوتا ہے اس لیے صاحبِ دین پر دین کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

• یہ امر واضح ہے کہ راہن قرض لیکر مدیون ہو جاتا ہے اور مدیون پر دین کے مقدار مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، دین کی زکوٰۃ مرتہن پر واجب ہوگی کیونکہ وہی اس کا مالک ہے۔ اور رہن میں مال مرہون متعین ہوتا ہے اور امانت ہوتا ہے اور دین میں مال متعین نہیں ہوتا۔

• دوسرا فرق: گروی مال مضمون بالدین ہوتا ہے یعنی اگر مال کے عوض لیا گیا

قرض واپس نہ کیا جائے تو اس کا تاوان گروی مال سے ادا کیا جاتا ہے گویا گروی مال مستغرق بالدین ہونے کی وجہ سے مکاتب کے مال کی طرح ہوتا ہے۔ گروی مال کا قابل واپسی ہونا یقینی نہیں ہوتا اور رہن مالِ ضمار کی طرح ہوتا ہے مگر دین کا قابل واپسی ہونا یقینی ہوتا ہے نیز گروی مال میں تردد ہوتا ہے دین کے ملک میں تردد نہیں ہوتا جیسا کہ مکاتب کے مال میں تردد ہوتا ہے اس لئے دین کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور رہن اور مکاتب کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور دین کی واپسی یقین ہوتی ہے اور دین مال ضمار کی طرح بھی نہیں ہوتا کیونکہ مال ضمار کی واپسی یقینی نہیں ہوتی بلکہ واپسی کا امکان بھی نہیں ہوتا اس لئے دین کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور مال ضمار کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی مال ضمار کی تعریفات آگے ملاحظہ کیجیے۔

● الحاصل! دین مؤجل اور مکاتب کے مال اور رہن میں فرق ہے اور مکاتب کے مال اور راہن کے مال کی طرح دین کی واپسی اور قبضہ غیر یقینی نہیں ہوتا اور عنقریب ذکر کیا جائے گا دین مال ضمار کی طرح بھی نہیں ہوتا اس لیے دَین پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

تفریعات:

● عبد مکاتب کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی نہ مولی پر اور نہ مکاتب پر۔ مکاتب کے مال پر قبضہ سے پہلے مولی کا ملک تام نہیں ہوتا اور مکاتب اس مال کا حقیقی مالک نہیں ہوتا یعنی اسے مال کا ملک رقبہ حاصل نہیں ہے۔ جب مکاتب کے مال پر مولی قبضہ کرلے گا، قبضہ کے ایک سال بعد مولی پر اس مال کی زکوٰۃ واجب ہوگی، ماضی کے سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ (ص:۱۷۹/۳)

● مال مرہون پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی نہ راہن پر اور نہ مرتہن پر کیونکہ مرتہن مال مرہون کا مالک نہیں ہے اور راہن اگرچہ مرہون مال کا مالک ہے مگر

اس مال پر راہن کا ملک تام نہیں بلکہ ناقص ہے کیونکہ مرہون مال مالک کو اصالۃً اور وکالۃً بلاواسطہ اور بالواسطہ تصرف کا حق نہیں ہوتا اور قرض کے عوض ہونے کی وجہ سے مضمون بالدین ہو سکتا ہے۔ لہٰذا دین میں مالک کا ملک متردد ہے، یقینی نہیں رہا، اس لئے راہن کا رہن میں ملک ناقص ہوتا ہے اور مال مرہون کی زکوٰۃ مالک پر بھی واجب نہیں ہوتی۔

بنکوں میں رہن رکھے گئے سونا چاندی کا حکم:

● علامہ شامی کی ذکر کردہ بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مال مرہون سونا یا چاندی ہو، تو بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی آج کل لوگ بینکوں سے سونا یا چاندی کے زیورات گروی رکھ کر قرض حاصل کرتے ہیں۔ بنک سونے کی مالیت کے حساب سے سود کی شرائط کے ساتھ ستر فیصد ویلیو کے حساب سے قرض جاری کرتے ہیں۔ اگرچہ اس طرح قرض لینا جائز نہیں ہے مگر اس طرح کا سونا دین اور قرض کے بدلے میں مضمون بالدین ہوتا ہے، جس کی وجہ سے سونے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور تیس فیصد جو دین سے زائد سونا گروی ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور راہن جب سونا یا چاندی بینک سے واپس لے لے گا اسے سابقہ سالوں کی صرف تیس فیصد سونے یا چاندی کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ شامی میں ہے: "وظاهره ولو كان الرهن ازيد من الدين (ط)" (ص:۱۸۰) متن سے ظاہر ہے کہ رہن کا مال قرض سے زائد بھی ہو پھر بھی راہن پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ اس عبارت سے شاید علامہ شامی مصنف پر اعتراض فرمار ہے ہیں کیونکہ قرض سے زائد راہن کے مال پر مضمون بالدین ہونا یا متردد الملک والقبضہ ہونا صادق نہیں آتا لہٰذا زائد کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ (محمد رفیق حسنی)

● اگر مرہون کے معاوضہ میں حاصل قرض کا تعلق مرہون مال کے ساتھ نہ ہو سکے کہ مرہون اموال زکاتیہ سے نہیں ہے۔ مثلاً رہائشی پلاٹ ہے، راہن

نے پلاٹ کے کاغذات مرتہن کے حوالے کرکے پلاٹ رہن میں رکھ دیا تو قرض کی مقدار کے مساوی راہن کے دوسرے اموال زکاتیہ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ مدیون اور مقروض پر بقدر دین اور قرض زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

غصب شدہ حیوانات کا حکم:

● اگر غاصب نے بکریوں کا پورا نصاب، مثلاً چالیس بکریاں غصب کرلیں اور غاصب اقرار کرتا ہے یا گواہ موجود ہیں ایک سال یا کئی سال کے بعد بکریاں مالک کے پاس واپس ہوگئیں تو مالک پر ماضی کے سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ مغصوبہ جانوروں میں زکوٰۃ کے وجوب کے لئے شرائط میں سے ایک شرط اسامۃ (مالک کا جانوروں کو فری چارہ کھلانا) بھی ہے اور اسامۃ مالک کی جانب سے نہیں پایا گیا، اس لئے ماضی کی زکوٰۃ اس مال پر واجب نہیں ہوگی۔ شامی میں ہے:

"قَوْلُهٗ فَلَا تَجِبُ لِعَدَمِ تَحَقُّقِ الْاِسَامَةِ۔" (ص:۱۸۳)

● اور اگر سونا یا چاندی یا کرنسی یا مالِ تجارت کا نصاب مغصوب ہو اور غاصب اقرار کرتا ہے یا اس پر گواہ موجود ہیں، تو واپس ہونے پر ماضی کے سالوں کی زکوٰۃ کی ادا بھی واجب ہوگی۔ کیونکہ مذکورہ اموالِ زکاتیہ سے مال مغصوب دین قوی کی طرح ہوتا ہے۔ شامی میں ہے، زکوٰۃ کے وجوب کے قول کا ظاہر یہ ہے کہ یہ مال دین قوی کی طرح ہے۔ (ص:۱۸۳)

● اگر دائمی اور خلقی مالِ تجارت سونا اور چاندی اور کرنسی یا مروج اور عرفی مالِ تجارت غصب کرلیا جائے اور اقرار یا گواہ نہ ہوں۔ مثلاً ڈاکو ایسا مال چھین لیں اور اقرار نہ کریں اور گواہ بھی نہ ہوں مگر اتفاقاً ایسا مال کئی سال بعد واپس مل جائے اس مال پر ماضی کے سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اس لئے کہ اس مغصوب مال میں مالک کو واپسی اور قبضہ اور تصرّف کا امکان نہیں تھا۔ یہ مال ضمار کی طرح ہوگا، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

"مَغْصُوْبٌ لَا بَیِّنَةَ لَهٗ فَلَوْلَهٗ بَیِّنَةٌ تَجِبُ لِمَا مَضٰی اِلَّا فِیْ غَصَبِ السَّائِمَةِ فَلَا تَجِبُ وَ اِنْ کَانَ الْغَاصِبُ مُقِرًّا کَمَا فِی الْخَانِیَّةِ۔" (ص:۱۸۳)

ترجمہ: غصب شدہ مال جس پر گواہ نہ ہوں کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہیں ہوگی اور اگر اس پر گواہ ہوں ماضی کے سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی مگر حیوانات مغصوبہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اگرچہ غاصب اقرار کرتا تھا جیساکہ خانیہ میں ہے۔

● نوٹ: حیوانات سائمہ مغصوبہ ہوں یا مرہونہ ہوں بعد الردان کی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی مغصوبہ حیوانات میں عدم وجوب کی علۃ عدم اسامۃ (نہ چرانا) ہے اور مالک کے حق کا تعلق حیوانات کے عین کے ساتھ ہے اور مرہونہ میں عدم وجوب کی علت حیوانات کے عین کا مضمونہ بالدین ہونا ہے اور مالک کے حق کا تعلق مرہون مال کے عین کے ساتھ ہے، جس کی وجہ سے مغصوبہ حیوانات میں ملک ید اور قبضہ کا متردد ہونا ہے۔ شامی میں ہے: "لِاَنَّهَا کَانَتْ مَضْمُوْنَةً بِالدَّیْنِ۔" (ص:۱۸۰) اس لئے کہ مرہونہ حیواناتِ سائمہ دین کے معاوضہ میں قابل ضمان اور تاوان تھے اور ان پر دوبارہ قبضہ یقینی نہیں تھا لہٰذا ملک تام نہیں تھا، زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

● اور دائمی مال زکوٰۃ یعنی سونا چاندی کرنسی یا مالِ تجارت اگر مرہونہ ہوں اور ان کے معاوضہ میں حاصل کردہ قرض ان کے مساوی ہو تو رہن پر فسخ عقد کے بعد ماضی کے سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ مرہونہ مال پر مالک کا قبضہ اور تصرف نہ اصالۃً ہوتا ہے اور نہ وکالۃً اس لئے مالک کا مرہونہ مال پر ملک تام نہیں تھا بلکہ ملک ناقص تھا اور دوبارہ مالک کو مرہون مال پر تصرف اور ملک ید کا یقین نہیں ہوتا۔ کیونکہ ملک ید کی تعریف میں "یَمْلِكُ التَّصَرُّفَ اِثْبَاتًا وَ اِزَالَةً۔" (بحر۔ ص:۲/۲۰۳۔ کتاب الزکوٰۃ) کہ آدمی مال میں تصرف کا

مالک ہوا ثبات اور ازالہ کے لحاظ سے اور راہن مال مرہون میں تصرف نہیں کر سکتا نہ حالاً اور نہ مآلاً کیونکہ مستقبل میں دوبارہ قبضہ ہونا متردد ہوتا ہے، جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اور زکٰوۃ اس مال پر واجب ہوتی ہے جس میں ملک رقبہ اور ملک تصرف حالاً یا مآلاً شرعاً پایا جاتا ہو اور مرہون مال کی زکٰوۃ مرتہن پر بھی واجب نہیں ہوتی کیونکہ مرتہن اس مال کا مالک نہیں ہوتا بلکہ مال مرہون مرتہن کے پاس امانت ہوتا ہے، اس لیے مرتہن پر واجب ہوتا ہے کہ فسخ رہن کے بعد مال کا عین واپس کرے بخلاف دین کے کیونکہ دین کے عین میں مدیون کو تصرف کا حق حاصل ہوتا ہے مال کا عین مدیون کے ملک میں ہو جاتا ہے، مالک کے اذن کی وجہ سے مدیون کے تصرفات کا حکم صاحبِ دین کے تصرفات کا ہوتا ہے اور اس کا بدل واپس کرنا واجب ہوتا ہے اس لیے صاحبِ دین پر دین کی زکٰوۃ واجب ہوتی ہے۔ صاحبِ دین دین کے بدل کا مالکِ حقیقی ہے جو کہ یقیناً اس کو واپس ملے گا۔

• حاصل کلام یہ ہے کہ مرہون مال کی زکٰوۃ مرتہن کے قبضہ کے بعد نہ راہن پر واجب ہوتی ہے اور نہ مرتہن پر راہن پر اس لئے کہ اس پر راہن کا ملک تام نہیں ہے ملک ناقص ہے اور مرتہن پر اس لئے واجب نہیں ہے کہ وہ مال مرہون کا مالک ہی نہیں۔

ملک تام اور ملک ناقص کی تعریفیں:

• میرے مطالعہ کے مطابق ملک تام کی تعریف یہ ہے کہ مال میں ملک رقبہ کے ساتھ ساتھ اس مال پر اصالۃً یا وکالۃً قبضہ اور تصرف کی حالاً یا مآلاً (مستقبل) میں قدرت یقینی ہو جس طرح مال مملوک مقبوض میں حالاً اور مال مدیون میں مآلاً ہوتا ہے اور ملک ناقص (غیر تام) یہ کہ مال میں ملک رقبہ کے باوجود تصرف اور قبضہ کی قدرت نہ اصالۃً ہو اور نہ وکالۃً اور اس مال پر قدرت حالاً یا مآلاً مشکوک یا موہوم ہو، یقینی نہ ہو۔ جیسے مال مرہون اور مال مکاتب اور مال ضمار۔ (محمد رفیق حسنی)

• مال مرہون کے معاوضہ میں حاصل کردہ مال اگر اموال زکاتیہ سے ہے اس کا حکم دین کا ہے اس کی زکٰوۃ مرتہن پر واجب ہوگی اور راہن پر اس دین کے ماسوا پر زکٰوۃ واجب ہوگی بشرطیکہ باقی شرطیں موجود ہوں۔ (کتب فقہ)

تجارت کی نیت سے خرید کردہ مال کی زکٰوۃ کا قبضہ سے پہلے حکم:

• تجارت کے مال پر زکٰوۃ واجب ہوتی ہے مگر جب تک خرید کردہ مال خریدار کے قبضہ میں نہ آئے اس کی زکٰوۃ ادا کرنا واجب نہیں ہوتا کیونکہ خرید کردہ مال پر مشتری اور خریدار کا ملک تام نہیں ہوتا ملک ناقص ہوتا ہے ملک ید یعنی قبضہ اور تصرف یقینی نہیں ہوتا اس لئے بائع کی اجازت کے بغیر قبضہ سے پہلے خرید کردہ مال کو خریدار شرعاً فروخت کرے یا کسی کو ہبہ وغیرہ کرے، وہ اس کا مجاز نہیں ہوتا اور بائع پر فروخت کردہ مال کی زکٰوۃ اس لئے واجب نہیں ہوتی کہ فروخت کے بعد وہ شخص مال کا مالک نہیں رہا اسے ملک رقبہ حاصل نہیں ہے بالفرض خرید کردہ تجارتی مال پر قبضہ سے پہلے سال یا متعدد سال گذر گئے ہوں قبضہ کے بعد اس کی زکٰوۃ واجب نہیں ہوگی۔

• در مختار میں ہے:

"وَلَا فِيمَا اشْتَرَاهُ لِلتِّجَارَةِ قَبْلَ قَبْضِهٖ۔" (ص:۳/۱۸۰)

ترجمہ: اور اس مال میں قبضہ سے پہلے زکٰوۃ نہیں ہے جس مال کو کسی آدمی نے تجارت کے لئے خریدا۔

بحر الرائق کے قول کے مطابق کتب فقہ میں متون کی عبارت قبل قبضہ کا مفاد یہ ہے کہ خرید کردہ مالِ تجارت پر جب قبضہ ہو جائے گا تو ماضی کے سالوں کی زکٰوۃ بھی خریدار پر واجب ہوگی اور یہی مفتی بہ ہے۔ شامی میں ہے:

"(قَوْلُهٗ قَبْلَ قَبْضِهٖ) اَمَّا بَعْدَهٗ فَيُزَكِّيْهِ عَمَّا مَضٰى كَمَا فَهِمَهٗ فِي الْبَحْرِ مِنْ عِبَارَةِ الْمُحِيْطِ فَرَاجِعْهُ۔" (ص:۱۸۰)

ترجمہ: لیکن خریدار مال پر قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی بھی زکوٰۃ ادا کرے گا جیسا کہ محیط کی عبارت سے صاحب بحرالرائق نے سمجھا ہے۔

چنانچہ بحرالرائق میں ہے:

''قَدَّمْنَا اَنَّ الْمَبِیْعَ قَبْلَ الْقَبْضِ لَا تَجِبُ زَکَاتُہٗ عَلَی الْمُشْتَرِیْ وَ ذُکِرَ فِی الْمُحِیْطِ فِیْ اَقْسَامِ الدَّیْنِ اَنَّ الْمَبِیْعَ قَبْلَ الْقَبْضِ قِیْلَ لَا یَکُوْنُ نِصَابًا لِاَنَّ الْمِلْكَ فِیْهِ نَاقِصٌ بِاِفْتِقَادِ الْیَدِ عَلَیْهِ وَالصَّحِیْحُ اَنَّہٗ یَکُوْنُ نِصَابًا لِاَنَّہٗ عِوَضُ مَالٍ کَانَتْ یَدُہٗ ثَابِتَۃً عَلَیْهِ وَ قَدْ اَمْکَنَہٗ اِحْرَازُ الْیَدِ عَلَی الْعِوَضِ فَتُعْتَبَرُ یَدُہٗ بَاقِیَۃً عَلَی النِّصَابِ بِاِعْتِبَارِ التَّمَکُّنِ شَرْعًا اھ فَعَلٰی قَوْلِهِمْ لَا تَجِبُ الزَّکٰوۃُ مَعْنَاہُ قَبْلَ قَبْضِهٖ وَ اَمَّا بَعْدَ قَبْضِهٖ فَتَجِبُ زَکَاتُہٗ فِیْمَا مَضٰی کَالدَّیْنِ الْقَوِیِّ۔'' (ص: ۲/۲۰۸)

ترجمہ: ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ فروخت کردہ مال کی زکوٰۃ خریدار پر واجب نہیں ہوگی اور محیط میں دین کی اقسام میں ذکر کیا گیا ہے کہ قبضہ سے پہلے مبیعہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ مبیع (فروخت شدہ) مال کا نصاب نہیں ہوگا کیونکہ اس میں ملک ناقص ہوتا ہے قبضہ کے مفقود ہونے کی وجہ سے اور صحیح یہ ہے کہ مبیعہ نصاب ہوگی کیونکہ خرید شدہ مال (مبیعہ) اس مال کے معاوضہ میں ہے جس پر مشتری کا قبضہ ثابت تھا اور بے شک مشتری کے لئے مبیع مال پر قبضہ کرنا ممکن ہے۔ پس مشتری کا نصاب پر قبضہ کا باقی ہونا معتبر ہوگا۔ کیونکہ شرعا قدرت حاصل ہونے کا اعتبار ہوتا ہے پس اس بنیاد پر فقہاء کے قول لاتجب الزکوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے مبیعہ کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں لیکن نفسِ وجوب ہے، لہٰذا قبضہ کے بعد ماضی کے سالوں کی زکوٰۃ بھی واجب ہے جس طرح دین

قوی ہوتا ہے۔

پھر علامہ شامی فتاوی قاضی خان سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ایک آدمی نے سائمہ جانور خرید کئے مگر ان پر قبضہ نہیں کیا حتی کہ سال مکمل ہو گیا پھر اس نے قبضہ کیا حیوانات کے خریدار پر حیوانات کی ماضی کے سال کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیونکہ وہ جانور ثمن اور پیسوں کے معاوضہ میں مضمون اور واجب الاداء ہیں علامہ شامی قاضی خان کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں جانوروں کی زکوٰۃ کے عدم وجوب کی بیان کردہ علت کا تقاضہ یہ ہے کہ سائمہ جانوروں اور مالِ تجارت میں فرق نہ ہو، فرمایا:

''وَمُقْتَضَی التَّعْلِیْلِ عَدَمِ الْفَرْقِ بَیْنِ مَا اشْتَرَاہُ لِلسِّیَامَۃِ اَوْ لِلتِّجَارَۃِ فَتَأَمَّلْ۔''

ترجمہ: بیان کردہ علت اور سبب کا تقاضہ یہ ہے کہ توالد اور تناسل کے لئے خرید کردہ جانوروں اور تجارت کے لئے خرید کردہ مال میں فرق نہیں ہے۔

- شاید علامہ شامی فتامل کے قول سے فرق کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ حیواناتِ سائمہ قیمتی ہیں اور یہ عقد بیع وشراء میں متعین ہو جاتے ہیں اور عموما مالِ تجارت مثلی کیلی یا وزنی ہوتا ہے عقود میں دراہم اور دنانیر اور نقدی کی طرح تجارتی مال متعین نہیں ہوتا اور دین قوی کی طرح ہوتا ہے۔ نیز جانوروں کی زکوٰۃ کی علت اسامۃ ہے اور تجارتی مال کی علت ملک رقبہ اور قبضہ کا حالاً یا مآلاً یقینی ہونا ہے۔ لہٰذا مبیعۃ کی زکوٰۃ مشتری پر واجب ہوگی لیکن ادا کرنا قبضہ کے بعد واجب ہوگا جیسا کہ دَین قوی میں ہوتا ہے۔ (محمد رفیق حسنی)

خرید کردہ مال پر قبضہ کے بعد پہلے سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے:

- جب مالِ تجارت مصنوعات میں سے ہو یا خام مال ہو لیکن حیواناتِ سائمہ نہ

ہوں، ہمارے خیال میں متن کی عبارت پر بحر الرائق کے فہم کے مطابق ایسے مالِ تجارت پر زکوٰۃ واجب ہے لہٰذا قبضہ ہو جانے کے بعد خریدار کو سابقہ سالوں کی زکوٰۃ بھی دینا ہوگی جس طرح دین قوی اور دین متوسط ہوتا ہے ، جن کا عنقریب ذکر کیا جائے گا۔ اور بہارِ شریعت میں بھی قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کے وجوب کا قول ذکر کیا گیا ہے۔ (بہارِ شریعت، کتاب الزکوٰۃ)

قبضہ کا مفہوم:

• مال پر اصالۃً یا وکالۃً تصرف کی قدرت ہو اور تصرف میں کوئی چیز حائل نہیں۔

• موجودہ حالات میں قبضہ کے مفہوم میں شیء کا ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال ضروری نہیں ہوتا۔ لہٰذا قبضہ کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ خرید شدہ مال ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر لیا جائے تب قبضہ ہوگا بلکہ قبضہ ہر چیز کا اس کی حیثیت اور شان کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اشیاء دو قسم کی ہوتی ہیں: منقولہ جیسے عام مصنوعات اور ماکولات اور مشروبات اور غیر منقولہ مثلاً زمین پلاٹ وغیرہ۔

• غیر منقولہ اموال پر آج کل کے عرف میں قبضہ کا مفہوم یہ ہے کہ رجسٹریشن کے کاغذات کی فائل کا انتقال ہو یہ کہ فروخت کنندہ آدمی معاوضہ وصول کر کے پلاٹ یا مکان کے کاغذات خریدار کے نام رجسٹرڈ کرادے اور فروخت کنندہ مکان یا پلاٹ کے ساتھ بے تعلق ہو جائے۔ آج کل غیر منقولہ اشیاء خریدار کو پاور آف اٹارنی اور مختار نامہ دینا بھی قبضہ سمجھا جاتا ہے اور منقولہ اشیاء میں بھی کاغذات کا تبادلہ قبضہ سمجھا جاتا ہے۔ خصوصاً جب منقولہ اشیاء بہت وزن منوں اور ٹنوں میں فروخت ہوں، ان میں بھی آج کل کے عرف اور رواج میں بنک کی ضمانت اور گارنٹی کے ساتھ کاغذات کا تبادلہ کافی سمجھا جاتا ہے۔ خرید کردہ مال دوسرے کے ملک یا اپنے ملک میں ابھی اسٹور میں پڑا ہوتا ہے یا ہوائی یا بحری

جہاز میں روانہ ہو چکا ہوتا ہے اور کاغذات کی منتقلی اور رجسٹریشن سے دوسرے یا تیسرے آدمی کو فروخت ہو جاتا ہے ہر دور کے تقاضوں اور عرف اور رواج کے مطابق عقد اور نقد اور قبضہ اور فسخ کے مفاہیم اور صورتیں مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ الفقہ الاسلامی شمارہ مارچ ۲۰۱۳ء میں مقالہ نگار اشباہ و نظائر کے حوالے سے لکھتے ہیں، کسی شیء کی شرعی حیثیت اور حقیقت جاننے کے لئے بنیادی طور پر تین ماخذ ہوتے ہیں:

۱) شارع علیہ السلام کی صراحت۔ (۲) لغت۔ (۳) عرف اور عادت۔

• تیسرا ماخذ عرف ہوتا ہے۔ اگر نص اور لغت میں صراحت اور وضاحت نہ ہو تو عرف کا اعتبار ہوتا ہے۔ کتب فقہ میں مذکور ہے:

"كُلُّ مَا وَرَدَ بِهِ الشَّرْعُ مُطْلَقًا وَ لَا ضَابِطَ لَهُ فِيْهِ وَ لَا فِي اللُّغَةِ يُرْجَعُ فِيْهِ إِلَى الْعُرْفِ۔" (الاشباہ والنظائر)

ترجمہ: شریعت میں جو چیز مطلقا وارد ہو شریعت اور لغت میں اس کے لئے کوئی ضابطہ اور حکم نہ ہو اس کو عرف کی طرف لوٹایا جائے گا۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

"اَلثَّابِتُ بِالْمَعْرُوْفِ كَالثَّابِتِ بِالنَّصِّ۔"

ترجمہ: "عرف کی بنیاد پر ثابت حکم نص سے ثابت کی طرح ہوتا ہے۔"

(رسائل ابن عابدین۔ ۲/۱۲۳)

غیر منصوص مسائل میں عرف کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے:

• فقہ حنفی میں غیر منصوص اجتہادی مسائل میں عرف اور تعامل کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ دراصل اجتہاد اور فقہ کا وجود لوگوں کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے ہی ظہور پذیر ہوا۔ لوگوں کے عرف اور رواج کو پیش نظر رکھ کر فقہاء نے اجتہادی اصول وضع کئے اور ان کو اصول فقہ کا نام دیا۔ چونکہ ہر مجتہد

کے ذہن کی ساخت اور استعداد مختلف تھی، اس لئے قرآن و سنت کی روشنی میں ہر مجتہد نے اپنی جدوجہد کے مطابق مختلف اصول بناڈالے۔

• پھر ان اصولوں کی بنیاد پر مختلف احکام وجود میں آگئے مگر اس امر پر سب مجتہدین متفق ہیں کہ اجتہادی اصول اور احکام میں دونوں جانب خطا اور صواب کا احتمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اجتہادی احکام کا حکم ظنی احکام کا ہوتا ہے، اجتہادی احکام قطعی اور یقینی نہیں ہوتے۔ اس لئے اجتہادی احکام میں حسب زمانہ اور عرف اور رواج تبدیلی غیر شرعی امر نہیں ہوتی۔ چنانچہ علامہ شامی لکھتے ہیں:

"اعلم ان المسائل الفقهية اما ان تكون ثابتة بصريح النص وهي الفصل الاول و اما تكون ثابتة بضرب اجتهاد و راى و كثير منها مَا يُثبته المجتهد على ما كان في عرفه بحيث لو كان في زمان العرف الحادث لقال بخلاف ما قاله اولا ولهذا قالوا في شروط الاجتهاد انه لابد فيه من معرفة عادات الناس فكثير من الاحكام تختلف باختلاف الزمان والمكان ولهذا ترى مشائخ المذهب خالفوا ما نص عليه المجتهد في مواضع كثيرة۔" (رسائل ابن عابدین، ص:۱۲۳/۴)

ترجمہ: تمہیں معلوم ہو فقہی مسائل یا تو قرآن اور حدیث کی نص صریح سے ثابت ہوں گے، یہ پہلی صورت ہے۔ یا پھر اجتہاد اور رائ کی ایک قسم سے ثابت ہوں گے۔ دوسری قسم کے مسائل میں اکثر مسائل کی بنیاد مجتہد اپنے زمانہ کے عرف پر رکھتا ہے، اگر وہ مجتہد نئے پیدا شدہ عرف کے زمانہ میں ہوتا تو اس کی رائے پہلی رائے کے خلاف ہوتی۔ اسی وجہ سے علماء نے اجتہاد کی شرائط میں کہا ہے کہ مجتہد کے لئے زمانہ کے

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

لوگوں کی عادات کی معرفت لازم ہے۔ اکثر اجتہادی احکام زمان اور مکان کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوجاتے ہیں۔ اس وجہ سے تو دیکھتا ہے کہ مشائخ مذہب نے کثیر مواضع میں اس قول کی مخالفت کی جس کا قول ان کے مجتہد نے کیا تھا۔

• پھر علامہ شامی فرماتے ہیں:

"فَهٰذَا كُلُّهٗ وَ اَمْثَالُهٗ دَلَائِلُ وَاضِحَةٌ عَلٰى اَنَّ الْمُفْتِيَ لَيْسَ لَهٗ الْجُمُوْدُ عَلَى الْمَنْقُوْلِ فِيْ كُتُبِ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ مِنْ غَيْرِ مُرَاعَاةِ الزَّمَانِ وَاَهْلِهٖ وَ اِلَّا يُضِيْعُ حُقُوْقًا كَثِيْرَةً وَ يَكُوْنُ ضَرَرُهٗ اَعْظَمُ مِنْ نَفْعِهٖ۔" (رسائل ابن عابدین)

ترجمہ: یہ ساری روایتیں اور ان کی مثل واضح دلائل ہیں کہ مفتی کے لئے ظاہر الروایت کی کتب میں منقول روایات پر جمود جائز نہیں ہے کہ زمانہ اور اہل زمانہ کی رعایت نہ کرے ورنہ مفتی اکثر حقوق ضائع کردے گا اور اس کا ضرر نفع سے زیادہ ہوجائے گا۔

• یہ امر واضح ہے مال اور قبضہ اور ملک کی تعریفیں نہ قرآن مجید میں ذکر کی گئی ہیں اور نہ حدیث شریف میں، بلکہ مال اور قبضہ اور ملک کی تعریفیں اجتہادی ہیں جیسا کہ عنقریب ہم ذکر کریں گے۔

قبضہ کی جدید تعریف:

• موجود عرف کے مطابق اگر قبضہ کی تعریف یہ کی جائے کہ ہر وہ صورت جس میں انسان ایسا عمل کرے جس کی وجہ سے حاصل کردہ چیز اس کے کنٹرول اور قبضہ میں سمجھی جائے جو کہ اس کی شان اور حال کے لائق ہو، وہ صورت قبضہ ہوگی۔ لہٰذا منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء کے قبضہ کی مختلف مروج صورتیں قبضہ کہلائیں گی۔ مثلاً کاغذات کے ذریعہ رجسٹریشن اور کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے

ذریعہ بکنگ اور رجسٹریشن وغیرہا جس کی وجہ سے مال کے حقوق دوسرے آدمی کو منتقل ہو جاتے ہیں دوسرے آدمی کو حاصل کردہ چیز میں اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ حاصل کردہ چیز کو استعمال کرے یا فروخت کرے، یہ تعریف عموم کی وجہ سے سب مروج صورتوں کو شامل ہو گی خواہ قبضہ کی شکل جیب میں رکھنا ہو گھر یا اسٹور پر منتقل کرنا ہو یا مروجہ قانونی طریقوں اور رجسٹریشن کے ذریعے محفوظ کر لینا ہو۔

● جب قبضہ کا مفہوم واضح ہو گیا تو زکوٰۃ اور دیگر معاملات، جن کا مدار قبضہ پر ہوتا ہے، کے احکام بھی واضح ہو گئے۔ مثلاً کسی تجارتی مال کی رجسٹریشن، جس کو انتقالِ ملک سمجھا جاتا ہے، سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں ہو گا مگر رجسٹریشن کے بعد اس مال کی زکوٰۃ خریدار پر واجب ہو گی، اگر کئی سال گزر گئے تو ماضی کے سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہو گا۔ اسی اصل اور قاعدہ سے مکانات اور پلازوں اور فلیٹوں کی بکنگ کے احکام سمجھے جا سکتے ہیں۔

● فقہ کی کتابوں میں استصناع کا باب عرف اور رواج کے معتبر ہونے کی ایک واضح مثال ہے۔ شامی میں ہے:

"وَ لِلتَّعَامُلِ جَوَّزْنَا الْاِسْتِصْنَاعَ مَعَ اَنَّہٗ بَیْعُ الْمَعْدُوْمِ۔" (ص:۷/۲۸۶)

ترجمہ: اور تعامل اور عرف کی وجہ سے ہم نے استصناع کو جائز کہا حالانکہ استصناع میں معدوم کی بیع ہوتی ہے یعنی معدوم کی بیع قیاس میں تو جائز نہیں مگر عرف کی وجہ سے اسے جائز کہا گیا تاکہ لوگوں کا فاسق ہونا لازم نہ آئے۔

● جب سوال ہوا کہ استصناع میں بیع اور شراء جمع ہوتی ہے اور حدیث شریف میں اس سے منع کیا گیا ہے، لازم آئے گا کہ عرف اور لوگوں کا تعامل اور لین دین حدیث پر راجح ہو جائے تو محقق ابن ہمام نے جواب دیا کہ:

"قلت لیس بقاضٍ علیہ بل علی القیاس لان الحدیث معلول بوقوع النزاع المخرج للعقد عن المقصود بہ وھو قطع المنازعۃ والعرف ینفی النزاع فکان موافقا لمعنی الحدیث فلم یبق من الموانع الا القیاس والعرف قاض علیہ اھ ملخصا۔" (شامی بحوالہ فتح۔ ص:۷/۲۸۶)

ترجمہ: میں کہتا ہوں عرف حدیث پر حاکم اور راجح نہیں ہے بلکہ قیاس پر حاکم ہے کیونکہ حدیث میں (بیع اور شراء سے) نہی نزاع کے وقوع کی علت کی وجہ سے ہے نزاع عقد کو جو اس سے مقصود ہوتا ہے نکال دیتا ہے اور مقصود نزاع کو ختم کرنا ہے اور عرف نزاع کو ختم کرتا ہے لہٰذا عرف حدیث کے معنی کے موافق ہے موانع میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی مگر قیاس اور عرف قیاس پر راجح ہوتا ہے۔

● قارئین اندازہ فرمائیں کہ شریعت عرف اور رواج کا اتنا اعتبار کرتی ہے کہ فقہاء کو صریح حدیث کی تاویل کرنا پڑی اس لئے ہم نے کہا تھا اجتہادی مسائل میں اہم مقصد لوگوں کو معاملات میں اپنے زمانہ کی مشکلات سے نکالنا ہوتا ہے۔ جمود کا شکار علماء ظاہر الروایت اور دوسری فقہی روایات کو پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور اجتہادی مسائل میں حسب زمانہ احکام بیان کرنے پر اعتراضات شروع کر دیتے ہیں، لوگوں کو مشکلات سے نہیں نکالتے بلکہ مشکلات میں ڈال دیتے ہیں۔ انہیں اجتہاد کی روح کا علم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔
(رفیق حسنی)

● اگر عرف کے مطابق خرید کردہ مال پر خریدار کا قبضہ نہ ہو اور ایک سال یا زیادہ گزر جائیں، اگر وہ مال حیواناتِ سائمہ ہیں، ان کی زکوٰۃ قبضہ کے بعد سال مکمل ہونے پر واجب ہو گی۔ اور گذشتہ برسوں کی زکوٰۃ خریدار پر واجب نہیں ہو گی۔

کیونکہ خرید شدہ حیوانات کی زکٰوۃ کی شرط اسامہ ہے، یہاں اسامہ نہیں ہے اور نہ فروخت کنندہ پر واجب ہوگی کیونکہ وہ فروخت کردہ حیوانات کا مالک نہیں رہا اور اگر خرید شدہ مال، مالِ تجارت ہے، قبضہ سے پہلے بھی اس کی زکٰوۃ خریدار پر واجب ہوگی مگر زکٰوۃ کا ادا کرنا نہ خریدار پر واجب ہے اور نہ فروخت کرنے والوں پر مگر قبضہ کے بعد خرید کے دن سے گذشتہ سالوں کی زکٰوۃ بھی خریدار پر واجب ہوگی۔ جانوروں اور مالِ تجارت میں فرق اس لئے ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید کردہ جانوروں میں وجوب کی شرط اسامہ نہیں پائی جاتی اور فروخت شدہ مالِ تجارت دین قوی کی طرح ہوتا ہے جس پر ہر سال کی زکٰوۃ واجب ہوگی مگر ادا کا وجوب قبضہ کے بعد ہوگا۔ یہی مفتی بہ قول اور راجح ہے اور بحر الرائق نے نقل کیا۔

● آج کل بیشتر اشیاء مثلاً حصص اور شیئر کی خرید و فروخت انٹرنیٹ پر ہوجاتی ہے اور بنک لین دین کی گارنٹی دیتے ہیں۔ عرف میں اس کو قبضہ شمار کیا جاتا ہے، عرف میں منقولہ اشیاء میں بھی بائع کے مکان سے مشتری کے مکان کی طرف مال کے انتقال کو ضروری نہیں سمجھا جاتا، صرف مال کے کاغذات اصالۃً یا وکالۃً چیک کئے جاتے ہیں لہٰذا عرف کے مطابق بیع اور قبضہ کی تکمیل کے بعد خرید کردہ مال کی زکٰوۃ کے سال شروع ہوجائیں گے۔

پلازوں اور فلیٹوں اور ان کے اثمان کی زکٰوۃ کا حکم:

● آج کل بڑے بڑے کثیر المنزلہ پلازوں میں لوگ بکنگ سسٹم کے تحت فلیٹ اور دفتر وغیرہ خرید کرتے ہیں، بلڈر کے پاس صرف زمین ہوتی ہے فلیٹوں اور دفتروں کا وجود نہیں ہوتا اور بکنگ ہوجاتی ہے۔ بلڈر کے پاس کروڑوں روپے رقم جمع ہوجاتی ہے اور مکان / فلیٹ دفتر کئی کئی سالوں کے بعد ملتے ہیں۔ بلڈر خریداروں کو نقشہ کے مطابق تفصیلی معلومات کہ فلیٹ نمبر اور کوریڈور یا اسکوائر فٹ میں اور گیس اور بجلی اور عمارت میں لگنے والے تمام میٹریل اور دیگر

تفصیلات تحریری طور پر پیش کرتا ہے اور خریدار قبول کرتے ہوئے عموماً قسطوں (انسٹالمنٹ) کی صورت میں رقم ادا کرتا رہتا ہے۔ عرف اور رواج میں یہ یقینی بیع اور شراء ہوتی ہے، مالک خریدار کو بیع نامہ ایگریمنٹ کی فائل قبضہ میں دے دیتا ہے پھر خریدار فائل پر قبضہ کے بعد اپنے فلیٹ کا مالک سمجھا جاتا ہے اور اسے غیر موجود فلیٹ کو فروخت کرنے کا بھی حق حاصل ہوجاتا ہے خریدار انویسٹمنٹ اور تجارت کی نیت سے فلیٹ خریدتا ہے یا اپنی رہائش کے لئے یا کرایہ پر دینے کے لئے خریدتا ہے۔ یہاں دو مسئلے درپیش ہوتے ہیں، ایک یہ کہ بلڈر کے پاس جمع شدہ رقم کی زکٰوۃ کس پر واجب ہے؟ بلڈر کے پاس وہ رقم یقیناً امانت تو نہیں ہے کیونکہ امانت میں تصرف جائز نہیں ہوتا۔ اب دو صورتیں ہیں: وہ رقم بلڈر پر قرض ہے یا فلیٹ کے ثمن ہیں۔ دوم یہ کہ خرید کردہ تجارتی یا غیر تجارتی فلیٹ کی زکٰوۃ کا کیا حکم ہے، قبضہ سے پہلے وہ فلیٹ بلڈر کا ہے یا خریدار کا؟ شامی اور دیگر کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلڈر کے پاس جمع محفوظ شدہ رقم کی زکٰوۃ بلڈر پر واجب ہے، قرض نہیں وہ قیمت ہے، وہ اس رقم کا حقیقی مالک ہے۔ فروخت شدہ میعادی فلیٹ کے مقابلہ میں حاصل شدہ رقم مالک پر خریداروں کا دین نہیں ہے، اس لئے بلڈر کو جمع شدہ رقم کی زکٰوۃ دینا ہوگی۔ جس طرح بیع سلم میں ثمن معجل اور مقبوض کا مالک بائع ہوتا ہے اور فروخت شدہ چیز کا قبضہ دینے سے پہلے ادا شدہ رقم کو دین نہیں کہا جاتا، بلکہ اس کا ثمن کہا جاتا ہے، اسی طرح بلڈر کے پاس فروخت شدہ فلیٹوں کی رقم ثمن ہوتی ہے، بلڈر پر اس کی زکٰوۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ بلڈر رقم کا مالک ہوگیا ہے اور بلڈر کا رقم پر ملک تام ہوتا ہے اور خریداروں پر ادا کردہ رقم کی زکٰوۃ واجب نہیں ہوگی اور فلیٹوں اور مکانات کی باقی ماندہ رقم خریدار پر دین ہوگی۔

● اس بیع کو رہن کا معاملہ بھی نہیں کہا جاسکتا مثلاً یہ کہا جائے کہ فلیٹ کی حیثیت

مالِ مرہون کی ہے، وہ خریداروں کے پاس رہن ہوتا ہے اور ادا کی گئی رقم رہن کے معاوضہ میں بلڈر پر دین ہے تاکہ ادا کردہ رقوم کی زکوٰۃ خریداروں پر واجب ہو کیونکہ مرہون میں مرتہن کو تصرف بیع ہبہ وغیرہ کا حق نہیں ہوتا بلکہ مرہونہ اموال امانت ہوتے ہیں اور یہاں خریداروں کو خرید کردہ فلیٹ فروخت کرنے، ہبہ کرنے اور وفات کی صورتوں میں، اس میں وراثت جاری ہونے کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ لہٰذا خرید کردہ فلیٹوں کو مال مرہون اور ان کے معاوضہ میں دی گئی رقوم دین قرار دی جائیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔

• اور خرید کردہ فلیٹ کی زکوٰۃ کا حکم یہ ہے کہ اگر فلیٹ رہائش یا اپنے استعمال میں رکھنے یا کرایہ پر چڑھانے کے لئے خریدا گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور اگر تجارت کی نیت سے خریدا گیا، قبضہ سے پہلے اس کی زکوٰۃ واجب ہے مگر ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی دینا ہوگی جیسا کہ درِمختار اور ردالمحتار کی عبارت سے واضح ہے کہ مالِ تجارت پر ہر سال کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے مگر زکوٰۃ کی ادا قبضہ سے پہلے واجب نہیں ہوتی اور اگر فائل پر قبضہ کو فلیٹ پر قبضہ سمجھا جاتا ہے تو ہر سال اس فلیٹ کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی واجب ہے۔

فلیٹ یا مکان کی رجسٹرڈ فائل پر قبضہ کا حکم:

• یہ مسئلہ کہ فائل اور کاغذات پر قبضہ کے بعد اور فلیٹ پر قبضہ سے پہلے فلیٹ کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں، میرے علم کے مطابق جائز ہے اور تجارتی فلیٹوں کے مالکوں پر زکوٰۃ بھی واجب ہے، کیونکہ یہی عرف ہے۔

• اوّلاً تو اس لئے کہ تیار ہونے سے پہلے فروخت ہونے والے فلیٹوں کی مثال بیع سلم کی ہے، بیع سلم میں حاوی قدسی کی روایت کے مطابق قبضہ سے پہلے خریدار مسلم فیہ یعنی خرید کردہ چیز کو فروخت کر سکتا ہے کیونکہ بیع سلم میں بائع اپنی فروخت کردہ چیز کے معاوضہ میں حاصل رقم کا مالک ہو جاتا ہے اور خریدار خرید

کردہ چیز کا قبضہ سے پہلے مالک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

"حُكْمُهُ ثُبُوْتُ الْمِلْكِ لِلْمُسْلِمِ اِلَيْهِ وَ لِرَبِّ السَّلَمِ فِي الثَّمَنِ وَالْمُسْلَمُ فِيْهِ۔" (ص:۷/۴۵۵)

ترجمہ: بیع سلم کا حکم یہ ہے مسلم الیہ (بائع) کے لئے ثمن میں اور رب السلم (مشتری) کے لئے مسلم فیہ (خرید شدہ) مال میں ملک ثابت ہو جاتا ہے۔

درمختار میں پہلے عدم جواز مذکور ہے پھر قیل سے جواز کی روایت نقل کی گئی ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

"وَ لَا يَجُوْزُ التَّصَرُّفُ لِلْمُسْلِمِ اِلَيْهِ فِيْ رَأْسِ الْمَالِ وَ لَا لِرَبِّ السَّلَمِ فِي الْمُسْلَمِ فِيْهِ قَبْلَ قَبْضِهٖ بِنَحْوِ بَيْعٍ وَّ شِرَاءٍ وَّ شِرْكَةٍ وَّ مُرَابَحَةٍ وَّ تَوْلِيَةٍ۔" (ص:۴/۴۶۷)

ترجمہ: اور مسلم الیہ کے لئے راس المال میں اور رب السلم کے لئے مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہے، جیسے بیع و شراء اور شرکت اور مرابحہ اور تولیہ کے تصرفات ہوتے ہیں۔

• پھر علامہ شامی نے نقل کیا تھا:

"قِيْلَ يَجُوْزُ كُلٌّ مِنَ الْمُرَابَحَةِ وَالتَّوْلِيَةِ قَبْلَ الْقَبْضِ وَ بِهٖ جَزَمَ فِي الْحَاوِيْ۔" (ص:۷/۴۶۷)

ترجمہ: کہا گیا کہ قبضہ سے پہلے مرابحہ اور تولیہ جائز ہے اور صاحب حاوی نے اسی کے ساتھ جزم کیا۔

• جب احناف کے نزدیک حاوی قدسی سے نقل کردہ روایت کے مطابق بیع سلم میں قبضہ سے پہلے مبیعۃ کی بیع و شراء کے جواز کا قول موجود ہے اور تعامل اور عرف بھی یہی ہے تو موجودہ دور میں اسی پر فتویٰ ہونا چاہیے لیکن یہ اختلاف بھی

صرف منقولہ اشیاء میں ہے اور غیر منقولہ جائیداد زمین اور مکان وغیرہ میں قبضہ سے پہلے بھی مبیعہ میں تصرفات جائز ہوتے ہیں اور زیر بحث مسئلہ غیر منقولہ جائیداد کا ہے۔ چنانچہ شامی میں ہے:

"صَحَّ بَيْعُ الْعِقَارِ لَا يُخْشٰى هَلَاكُهٗ قَبْلَ قَبْضِهٖ مِنْ بَائِعِهٖ لِعَدَمِ الضَّرَرِ لِنُدْرَةِ هَلَاكِ الْعِقَارِ حَتّٰى لَوْ كَانَ عُلُوًّا اَوْ شَطَّ نَهْرٍ وَ نَحْوَهٗ كَانَ كَمَنْقُوْلٍ فَلَا يَصِحُّ اِتِّفَاقًا۔" (ص:۳/۳۷۰)

ترجمہ: بائع سے قبضہ سے پہلے غیر منقولہ جائیداد (زمین) کو فروخت کرنا صحیح ہے کیونکہ دھوکہ نہیں ہوتا، ایسی جائیداد کا ہلاک ہونا نادر ہوتا ہے۔ حتی کہ اگر اوپر کی منزل ہو یا دریا کے کنارے زمین ہو یا اس کی مثل تو زمین بھی منقولہ اشیاء کی طرح ہوگی، اس کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہوگی۔

• معلوم ہوا کہ منقولہ اشیاء میں قبضہ کی شرط غرر اور دھوکہ ہو جانے کے خوف کی وجہ سے ہے اور یہ حکم اجتہادی ہے، اگر اس کا امکان نہ ہو تو قبضہ سے پہلے منقولہ اشیاء کی فروخت بھی جائز ہوگی۔ آج فوقانی مکان اور فلیٹ اتنے ہی محفوظ ہوتے ہیں جتنے نیچے کے مکان اور فلیٹ۔ لہٰذا قبضہ سے پہلے فروخت کرنے میں کوئی دھوکہ نہیں ہوگا۔ آج رجسٹریشن کی فائلوں اور کمپیوٹر وغیرہ میں ریکارڈ محفوظ ہو جانے سے غرر کا احتمال بہت کم ہوتا ہے۔ نیز بنک بھی گارنٹی دیتے ہیں۔ لہٰذا منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء کی مطلقاً قبضہ سے پہلے بیع جائز ہونی چاہیے اور منقولہ اشیاء میں قبضہ سے پہلے تصرف کے ناجائز ہونے کی جو عبارت ذکر کی گئی ہے کہ:

"اَمَّا الثَّانِيْ فَلِاَنَّهٗ بَيْعُ مَنْقُوْلٍ وَقَدْ مَرَّ اَنَّ التَّصَرُّفَ فِيْهِ قَبْلَ الْقَبْضِ لَا يَجُوْزُ۔" (نہر۔ص:۷/۴۶۷)۔

ترجمہ: اور ثانی مسلم فیہ میں تصرف کا عدم جواز اس لئے ہے کہ یہ منقول

کی بیع ہے اور بے شک گذر چکا ہے کہ منقول میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہے۔

اس عبارت سے بھی ثابت ہوا کہ مکان اور فلیٹوں میں قبضہ سے پہلے مشتری بیع و شراء کر سکتا ہے کیونکہ مکان اور فلیٹ غیر منقول ہیں۔

آج کے دور میں فضا اور ہوا بھی مال ہے:

• ثانیاً یہ کہ تیار ہونے والے فلیٹوں میں قبضہ کا مفہوم وہ نہیں ہے جو عام لوگ سمجھتے ہیں بلکہ آج کے عرف کے مطابق کسی بھی چیز کی رجسٹریشن اور قانونی طور پر تحفظ، جس میں فروخت کنندہ کا عمل و دخل نہ رہے، اس کو قبضہ سمجھا جاتا ہے۔ ہر چیز کا قبضہ اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے اور آج فضاؤں اور ہواؤں پر بھی قبضے ہو چکے ہیں اور فضاء کو بھی مال قرار دے دیا گیا ہے کیونکہ کسی چیز کا مال ہونا لوگوں کے عرف کی وجہ سے ہوتا ہے۔

مال کی واضح تعریف:

• شامی میں ہے:

"اَلْمَالُ مَا يَمِيْلُ اِلَيْهِ الطَّبْعُ وَ يُمْكِنُ اِدِّخَارُهٗ لِوَقْتِ الْحَاجَةِ وَالْمَالِيَّةُ يَثْبُتُ بِتَمَوُّلِ النَّاسِ كَافَّةً اَوْ بَعْضِهِمْ۔" (ص:۷/۱۰)

ترجمہ: مال ہر وہ چیز ہے جس کی طرف طبع کا میلان ہو اور حاجت کے وقت کے لئے اس کو ذخیرہ کرنا ممکن ہو اور مال ہونا سب لوگوں کے تمول اور بطور مال استعمال کرنے سے ہوتا ہے یا بعض لوگوں تمول اور استعمال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مال کی اس تعریف سے ثابت ہوا کہ موجودہ دور میں فضائیں نہایت قیمتی مال ہیں۔

• لہٰذا نقشے کے مطابق پوری تفصیل کے ساتھ فضا میں قائم ہونے والے مکانوں کی تعمیر سے پہلے خرید و فروخت اس لیے بھی جائز ہے کہ ہمارے

زمانے کے عرف میں فضا بھی مال ہے اور اس کی خرید و فروخت ہو رہی ہے۔ فضاؤں میں حدود اور قیود کے ساتھ قبضے ہیں۔ یہی لوگوں کا تعامل اور عرف ہے اور زمینی حقیقت ہے، جس کی تفصیل عنقریب ذکر کی جائے گی، چونکہ اس کتاب میں ہماری غرض زکوٰۃ کے مسائل ہیں اس لئے زکوٰۃ کا حکم یہ ہے کہ جائز بیع و شراء میں تجارتی مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی، لہٰذا زمین کے مالکوں پر فروخت کردہ فلیٹوں کے حاصل اثمان کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور خریداروں پر خرید شدہ تجارتی فلیٹوں کی سال بہ سال زکوٰۃ واجب ہوگی مگر ادا کرنا اس وقت واجب ہوگا جب فلیٹ یا مکان پر بالفعل قبضہ ہوگا۔

- چنانچہ مستند مالکی فقیہ علامہ دردیر (م۔۱۲۰۱ھ) لکھتے ہیں:

"وَ جَازَ بَيْعُ هَوَاءٍ اَیْ فِضَاءٍ فَوْقَ هَوَاءٍ بِاَنْ يَّقُوْلُ شَخْصٌ لِصَاحِبِ اَرْضٍ بِعْنِیْ عَشْرَةَ اَذْرُعٍ مَثَلًا فَوْقَ مَا تَبْنِيْهِ بِاَرْضِكَ يَمْلِكُ اِلَّا عَلٰی جَمِيْعِ الْهَوَاءِ الَّذِیْ فَوْقَ الْبِنَاءِ الْاَسْفَلِ۔" (الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی۔ ص:۴/۲۴۔ مختصر خلیل:۱۷۰)

ترجمہ: اور ہواء کی یعنی ہواء کے اوپر فضاء کی بیع جائز ہے یہ کہ ایک شخص صاحبِ ارض کو کہے اپنی عمارت اور مکان کے اوپر جو تونے اپنی زمین پر عمارت بنائی ہے، مجھے دس گز فروخت کردے۔ اس نے فروخت کردیے۔ خریدار مکان کے اوپر دس گز تک فضا کا مالک ہو جائے گا۔ ساری ہوا کا مالک نہیں ہوگا جو نچلی عمارت کے اوپر ہے۔

- قارئین غور فرمائیں یہ مالکی فقیہ بارہ سو ایک ہجری (۱۲۰۱ھ) میں فوت ہوئے اور آج ۱۴۳۵ ہجری ہے۔ انہوں نے یہ قول کہ فضاء کی خرید و فروخت جائز ہے کا مسئلہ دو سو تینتیس سال پہلے لکھ دیا جبکہ اس کا رواج اور عرف نہیں تھا، بحری اور ہوائی جہازوں اور ایئر لائنوں کے لیے دنیا میں موجود ممالک نے

سمندروں اور فضاؤں پر قبضے نہیں کیے تھے، اگر آج وہ زندہ ہوتے اور فلک بوس پلازوں کی خرید و فروخت کے کاروبار اور ایئر لائنوں کی فضائی حدود کے استعمال کی خرید و فروخت کو دیکھتے تو جواز کا فتوی بطریق اولی جاری فرماتے۔ بلکہ متقدمین احناف جنہوں نے فضائی حدود کی خرید و فروخت کو معدوم کی خرید و فروخت قرار دے کر عدم جواز کا فتویٰ دیا تھا، وہ بھی آج جواز کا فتویٰ دیتے۔ کیونکہ اگر سمندری اور آبی گذرگاہوں اور فضاؤں اور ہواؤں کی بیع و شراء کو متاخرین احناف کے قول کے مطابق ناجائز کہہ دیا جائے تو کیا اس پر کوئی عمل کرے گا۔ اس کا حل یہی ہو سکتا ہے کہ مال کی تعریف دیگر ائمہ کے قول کے مطابق کی جائے تاکہ فضا اور ہوا بھی مال میں داخل ہو جائے۔ (محمد رفیق حسنی)

مال اور ملک اور تقوم کی تعریف

- مذکورہ مسائل کو سمجھنے کے لئے بیع اور مال اور ملک اور مال کے متقوم (قیمت والا) اور غیر متقوم ہونے کی تعریف و توضیح ضروری ہے۔

مال کی تعریف:

- شامی میں ہے:

"المراد بالمال ما يميل اليه الطبع ويمكن ادخارة لوقت الحاجة والمالية يثبت بتمول الناس كافة او بعضهم۔"

(ص:۷/۱۰)

ترجمہ: مال وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور حاجت کے وقت کے لیے اسے ذخیرہ اور اسٹور کیا جاسکے اور باقی رہے اور کسی شے کا مال ہونا سب لوگوں کے بطور مال استعمال کرنے سے ہوتا ہے یا بعض لوگوں کے۔

بیع کی تعریف:

• تنویر الابصار میں ہے:

"البیع مبادلۃ شیء مرغوب فیہ بمثلہ علی وجہ مفید مخصوص یکون بقول اوفعل۔" (ص:۷/۱۱)

ترجمہ: ایک مرغوب چیز کا مبادلہ دوسری مرغوب چیز کے ساتھ مخصوص وجہ مفید پر جو قول یا فعل کے ساتھ ہو۔

• مرغوب سے مراد مال ہے کیونکہ اس کی طرف طبعیت کا میلان ہوتا ہے لہٰذا بیع کا مفہوم یہ ہے کہ قول یا فعل کے ذریعہ مال کا مال کے ساتھ تبادلہ ہو اور بیع صحیح کا حکم یہ ہے کہ:

"ثُبُوْتُ الْمِلْكِ حَالًا فِي الْعِوَضَيْنِ۔" (ص:۲۸۳۔ حاشیہ بحوالہ توضیح)

ترجمہ: عوضین میں ملک کا فوراً ثبوت صحیح بیع کا حکم ہے۔

• مال سے مراد وہ چیز ہے جس کی طرف طبعیت کا میلان ہو اور اسے حاجت کے وقت تک باقی اور محفوظ رکھا جاسکے اور کسی چیز میں مالیت سب لوگوں یا بعض لوگوں کی جانب سے بطور مال استعمال کرنے کی وجہ سے ثابت ہو سکتی ہے، مثلاً گندم کا ایک، دو دانہ مال نہیں ہے اگرچہ مباح الانتفاع ہے کیونکہ ایک دو دانہ کی طرف طبائع کا میلان نہیں ہوتا اور لوگوں کی عادت ایک دو دانہ اٹھا کر اپنے پاس محفوظ کرنے کی نہیں ہے۔

متقوم ہونا:

• اور کسی مال کے متقوم ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ شرعا اس مال سے انتفاع جائز ہو مثلاً خمر مال تو ہے، مگر شرعا متقوم اور قیمت والا نہیں، کیونکہ مباح الانتفاع نہیں اور کوئی چیز مال اور متقوم نہ ہو اس کی مثال دم مسفوح (بہنے والا) خون ہے۔ قدیم فقہاء کے نزدیک خون نہ مال ہے اور نہ متقوم۔

(بحر، شامی۔ ص:۷/۱۰)

• مال اور متقوم یعنی باقیمت ہونے میں عام وخاص مطلق کی نسبت ہے جو چیز شرعا متقوم ہوگی وہ ضرور مال ہوگی اور جو چیز مال ہو ضروری نہیں کہ متقوم بھی ہو جیسے خمر مال تو ہے مگر متقوم نہیں ہے۔

ملک کی تعریف:

• اور ملک کی تعریف ہے:

"اَلْمِلْكُ مَا مِنْ شَانِهٖ اَنْ يُّتَصَرَّفَ فِيْهِ بِوَصْفِ الْاِخْتِصَاصِ"

(ملک وہ صفت ہے جس کی وجہ سے کسی چیز میں تصرف اور استعمال خاص طریقہ سے ہو سکتا ہو۔ (شامی بحوالہ تلویح ص:۱۰)

لہٰذا منفعت میں ملک تو ہے لیکن منفعت مال نہیں ہے۔ یہاں تک ہم نے احناف کے اجتہاد کے مطابق مذکورہ امور کی تعریفات ذکر کی ہیں۔

• مال کی تعریفیں آئمہ اربعہ کے نزدیک مختلف ہیں احناف کی تعریف منافع کو شامل نہیں مگر دیگر آئمہ کی تعریفیں عین اور منافع دونوں کو شامل ہیں چنانچہ شوافع اور حنبلی علماء نے مال کی تعریف میں عین اور منافع دونوں کو داخل کیا ہے تفصیل مجلہ فقہ اسلامی شمارہ فروری ۲۰۱۳ء۔

• معلوم ہوا احناف کے نزدیک خمر مال ہے مگر متقوم نہیں ہیں اور آزاد مرد اور عورت اور دم (خون) اور مردار جانور نہ مال ہیں اور نہ متقوم۔

• مال کی تعریف میں علامہ شامی نے کسی چیز کے مال ہو جانے کی طرف اشارہ فرمادیا تھا کہ مال ہونا عرف اور رواج پر موقوف ہوتا ہے اگر کل یا بعض لوگ کسی مباح الانتفاع چیز کو محفوظ رکھتے ہیں اور اس چیز میں محفوظ ہو جانے کی صلاحیت بھی ہے وہ مال ہے۔

• مال ہونا اگر عوام کے عرف کی بنیاد پر ہو تو موجودہ دور میں دم مسفوح اور بعض مردار جانور بھی مال ہو سکتے ہیں کیونکہ لوگ ان کی طرف راغب ہیں اور ان کا

کاروبار بھی کرتے ہیں۔ یہی مال ہونے کی علامت ہے۔ جس طرح خنزیر نجس العین ہے مگر مال ہے کیونکہ عیسائی اس کا کاروبار کرتے ہیں۔ فقہاء کرام نے اپنے اپنے ادوار کے مطابق مال اور دیگر اشیاء کی تعریفیں کی تھی اور ان تعریفات کی بنیاد پر احکام ذکر کئے تھے مثلاً بیع فاسد کے ابواب میں لکھا ہے کہ خمر (شراب) مال ہے کیونکہ غیر مسلم اس کو بطور مال استعمال کرتے ہیں، چیز کی مالیت کل یا بعض لوگوں کے عرف کی وجہ سے ہوتی ہے کل یا بعض مسلم ہوں یا غیر مسلم لہٰذا خمر مال ہے مگر اسلام نے اس سے منع فرمایا ہے، یہ مباح الانتفاع نہیں اس لئے مسلمان کے حق میں خمر مال تو ہے مگر اس کی قیمت نہیں ہے شامی میں ہے "فَإِنَّ الْمُتَقَوَّمَ هُوَ الْمَالُ مُبَاحُ الْإِنْتِفَاعِ شَرْعًا" باقیمت وہ مال ہوتا ہے جو شرعاً مباح الانتفاع ہو اور خمر مباح الانتفاع نہیں ہے اسی طرح خنزیر مال ہے کیونکہ غیر مسلم اس کو بطور مال استعمال کرتے ہیں مگر متقوم نہیں ہے اس لئے درمختار میں ہے:

"بطل بیع مال غیر متقوم کخمر وخنزیر" (باب بیع الفاسد)

ترجمہ: بے شک غیر متقوم مال کی بیع باطل ہے جیسے خمر اور خنزیر دونوں مال غیر متقوم کی مثالیں ہیں۔

• دم مسفوح (خون جاری) اور میت (مردار جانور) پہلے زمانہ میں مال شمار نہیں ہوتے تھے کیونکہ دم مسفوح اور مردار جانور کسی دین میں بطور مال استعمال نہیں ہوتے تھے اور ان پر مال کی مذکور تعریف صادق نہیں آتی تھی۔ اسی طرح منافع اور عمل اور آزاد آدمی اور معدوم چیز یہ سب احناف کے نزدیک مال ہی نہیں ہیں کیونکہ ان پر مال کی تعریف صادق نہیں آتی۔ مال کی تعریف کی بنیاد پر احناف نے کافی جزئیات کا ذکر فرمایا مگر جب دیکھا کہ لوگ بعض مردار جانوروں میں بیع وشراء کرتے ہیں اور عوام بعض موات کو بطور مال استعمال کرتے ہیں تو ان

حرام اشیاء کے استعمال کو جائز قرار دے دیا اور ان کی بیع اور شراء کو جائز کہہ دیا، اور حرمتِ اکل اور شراب اور حرمتِ استعمال کو الگ الگ کردیا کہ کھانا پینا حرام ہے اور اس کے علاوہ انتفاع اور استعمال جائز ہے۔ دراصل درج ذیل آیت کریمہ:

"إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ" (بقرۃ:۱۷۳)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر مردار جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا حرام کردیا ہے پس جو شخص مضطر ہے باغی اور حد سے تجاوز کرنے والا نہیں اُس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

میں بعض فقہاء نے مسلمانوں کے لیے مذکورہ چیزوں کے صرف اکل وشرب کی حرمت مراد لی ہے۔ وہ فرماتے ہیں ان چیزوں کے کھانے اور پینے کے علاوہ نفع اٹھانا جائز ہے اور علیکم میں خطاب مسلمانوں کو ہے لہٰذا مسلمانوں کے لئے مذکورہ اشیاء کے کھانے اور پینے کی حرمت کا ذکر ہے چنانچہ تفسیرِ قرطبی میں ہے یہ آیت عام مخصوص منہ البعض ہے اس آیت کے لیے حدیث شریف مخصص سے چنانچہ میتہ سے مچھلی اور مکڑی اور عنبر خارج ہے اور "احل لکم صید البحر" آیت میں سمندر کے جانوروں کے حلال ہونے کا ذکر ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک سمندری جانور بغیر ذبح حلال ہیں اور میتہ سے خارج ہیں دم سے جگر اور تلی خارج ہے اسی طرح حدیث شریف میں ہے آپ ﷺ سے سوال کیا گیا خنزیر کے بالوں سے جوتے سلائی کرنا کیسا ہے آپ نے فرمایا "لاباس بذالك" (اس میں کوئی مضائقہ نہیں)۔ اسی لئے صاحب قرطبی فرماتے ہیں:

"اختلف العلماء هل يجوز ان ينتفع بالميتة اوبشئ من

النجاسات واختلف من مالك في ذالك ايضًا فقال مرةً يجوز الانتفاع لان النبی ﷺ مر علی شاةٍ میتة فقال هلا اخذتم اهابها" (ص:۲/۲۱۸۔قرطبی)

ترجمہ: علماء نے اختلاف کیا، کیا میتہ سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نجاسات میں سے کسی چیز کے ساتھ؟ اور امام مالک سے اس میں بھی روایت کا اختلاف نقل کیا گیا ہے۔ایک مرتبہ نفع اٹھانے کو جائز فرمایا کہ نبی کریم ﷺ میتہ بکری سے گزرے۔آپ ﷺ نے فرمایا، تم نے اس کا چمڑہ کیوں نہیں لیا۔

• قرمز ریشم کے مردہ کیڑوں کے متعلق علامہ شامی نے فرمایا"قلت فیه انها من اعز الاموال الیوم۔"(ص: ۲۳۶) ہمارے زمانہ میں یہ مردہ کیڑے (میتہ) نہایت عزیز اموال سے ہیں ان مردار کیڑوں کی بیع وشراء جائز ہے اس طرح جونکیں اور زہریلے بچھو اور سانپ جن سے مسلمان ادویہ تیار کرتے ہیں ان کو بھی فقہاء نے متقوم مال قرار دے دیا، علامہ شامی کے دور سے تقریبا تین سو سال بعد لوگوں کی ضرورت مزید بدل گئی اب دم مسفوح بھی نہایت اعزالاموال سے ہو گیا ہے اسی علت اور سبب سے جس کی وجہ سے مردار کیڑے اور زہریلے حشرات الارض اور سمندری حرام جانور مال قرار دے دیے گئے تھے اور انہیں مال متقوم قرار دیکر ان کی خرید وفروخت بھی جائز قرار دے دی گئی تھی۔

(دیکھیے ردالمحتار باب بیع الفاسد)

• فقہاءاحناف نے مال کی تعریف ایسی کردی تھی جس سے فضا اور ہوا بھی مال نہیں ہو سکتا اسی بنیاد پر حق تعلّی اور فضاء کی بیع معدوم کی بیع قرار دیکر ناجائز قرار دے دی تھی مگر آج صدیوں بعد ہوائیں اور فضائیں نہایت قیمتی مال ہو چکی ہیں، پوری دنیا میں فضاؤں اور ہواؤں کی خرید وفروخت جاری ہے لہٰذا عرف اور

تعامل کے سبب اور علت ہونے کی وجہ سے آج فضا بھی اعزالاموال میں سے ہے اور اس کی بیع وشراء جائز ہے (محمد رفیق حسنی)

دمِ مسفوح اور مردار جانور بھی مال ہیں:

• آج لوگوں کے عرف اور تعامل کی وجہ سے دم مسفوح اور مردار جانور بھی مال ہو چکے ہیں ان کو لوگ اسٹور کرتے ہیں اور نفع اٹھاتے ہیں اور بوقت حاجت استعمال کرتے ہیں اور انسانی زندگی یا اعضاء کی زندگی بچانے کے لئے اضطرار اور حاجت کے وقت شرع شریف نے خون استعمال کرنے کی اجازت بھی دی ہے لہٰذا شرعا خون مال متقوم ہو گیا ہے اگرچہ فقہاء کی عبارات میں خون کے مال نہ ہونے کا ذکر ہے۔ خون کے استعمال کے جواز پر "فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ۔" (الآیہ) یہ نہایت قوی دلیل ہے چونکہ دنیا بھر میں دل اور دماغ اور پیٹ اور حسّاس اعضاء کے اپریشنوں میں خون دینا مریض کی زندگی بچانے کے لئے ضروری ہوتا ہے اور یہ بالاتفاق جائز ہے اور جائز کا موقوف علیہ بھی جائز ہو جاتا ہے لہٰذا اگر خون بغیر بیع اور شراء نہ ملے تو خون کی بیع وشراء بھی جائز ہے بلکہ خون مالِ تجارت بھی ہو سکتا ہے اس کا کاروبار کرنے والوں پر زکوٰۃ بھی واجب ہو گی بلکہ جوتوں کی سلائی کے لیے خنزیر کے بالوں کی بیع وشراء کو بھی فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔

• کیونکہ کسی چیز کے مال ہونے میں عرف اور لوگوں کے تعامل کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے چنانچہ درمختار باب بیع الفاسد میں ہے:

"كَشَعْرِ الْخِنْزِيْرِ لِنَجَاسَةِ عَيْنِهٖ فَيَبْطُلُ بَيْعُهٗ (ابن کمال) وَ اِنْ جَازَ الْاٰنَ الْاِنْتِفَاعُ بِهٖ لِضَرُوْرَةِ الْخَرْزِ حَتّٰى لَوْ لَمْ يُوْجَدْ بِلَا ثَمَنٍ جَازَ الشِّرَاءُ لِلضَّرُوْرَةِ (الی) خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ" (ص:۲۶۴)

خلاصہ: اور خنزیر کے بالوں کی بیع جائز نہیں کیونکہ خنزیر کا عین نجس

ہے پس بالوں کی بیع باطل ہے (ابن کمال) مگر یہ کہ جوتوں کی سلائی کی ضرورت کے لئے آج خنزیر کے بالوں سے نفع اٹھانا جائز ہے حتی کہ اگر ثمن کے بغیر نہ ملیں تو بالوں کو خریدنا بھی جائز ہوگا ضرورت کی وجہ سے اور بیع مکروہ ہوگی اور اس کے ثمن بائع کے لئے طیّب نہیں ہوں گے اور پانی میں خنزیر کے بال گر جائیں تو پانی ناپاک ہو جائے گا مگر امام محمد کے نزدیک خنزیر کے بال پاک ہیں پانی نجس نہیں ہوگا۔

• قارئین اندازہ کریں فقہاء کرام عرف تعامل کی وجہ سے جوتوں کی سلائی بھی انسان کی ضرورت میں شمار کرتے ہیں اور اس ضرورت کے لئے خنزیر نجس العین کے بالوں سے نفع اٹھانے اور ان کی بیع و شراء کو جائز رکھتے ہیں تو انسانی زندگی یا اس کے اعضاء کی سلامتی بطریقِ اولیٰ انسانی ضرورت ہے اور انسانی جان اور اعضاء کے لئے خون کی بیع و شراء بھی جائز ہوگی اور نہر الفائق میں مذکور ہے کہ امام محمد کے قول پر خنزیر کے بالوں کے ثمن بائع کے لئے طیب ہوں گے اور ضرورت کی قید لگانے کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک خنزیر کے بال طاہر ہیں طہارت کی وجہ سے بلا ضرورت بھی انتفاع جائز ہوگا: آیت کریمہ ''اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَۃَ'' الآیہ (بقرہ:۱۷۳) کی تاویلات گذر چکی ہیں بعض علماء فرماتے ہیں اس آیت میں انتفاع کی حرمت کا ذکر نہیں ہے اکل اور شرب کی حرمت کا ذکر ہے چنانچہ اس آیت سے پہلے ذکر کردہ آیت اس کا قرینہ ہے کہ ان میں اکل اور شرب کا ذکر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُلُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰکُمۡ وَ اشۡکُرُوۡا لِلّٰهِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ۔'' (بقرہ:۱۷۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہم نے جو تمہیں رزق دیا ہے اس میں سے پاکیزہ اشیاء کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

البتہ احادیث احاد سے انتفاع کی حرمت کا ذکر ملتا ہے مگر عموم بلویٰ کی وجہ سے جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے۔

• زکوٰۃ کے مسائل میں زیرِ نظر بحث سے ہمارا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ موجودہ دور کی طبّی ضرورتوں کی وجہ سے انسانی خون اور بلڈ کا کاروبار کرنے والی کمپنیوں کا کاروبار جائز ہے اور خون اور بلڈ کی تجارت انسانی ضرورت کے پیش نظر جائز ہے اور خون کی تجارت کرنے والوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (محمد رفیق حسنی)

حرام مباح الانتفاع جانوروں کی بیع اور شراء جائز ہے:

• شامی میں ہے: ''قولہ کالحیّات وَ فی الحاوی الزاھدی'' الخ، علامہ ابن عابدین اس قول کے تحت فقہاء کرام کی مختلف آراء ذکر کرنے کے بعد ذکر فرماتے ہیں خانیہ میں مذکور ہے کتے اور بلی اور جانوروں سے درندے اور پرندوں کے درندے (معلم ہوں یا غیر معلم) کی بیع اور شراء اور ہاتھی اور بندروں کی بیع اور شراء ایک روایت میں جائز ہے اور ھندیہ میں ہے، سائحانی نے نقل کیا کہ خنزیر کے علاوہ سب جانوروں کی بیع و شراء جائز ہے فرمایا:

''عَلَیۡهِ مَشۡی فِی الۡهَدَایَةِ وَ غَیۡرِهَا مِن بَابِ الۡمُتَفَرِّقَاتِ کَمَا سَیَاۡتِیۡ'' (ص:۷/۲۶۰۔ مکتبہ دار الباز)

یعنی صاحب ہدایہ اور دوسرے محققین فقہاء کرام نے باب المتفرقات میں خنزیر کے علاوہ حرام جانوروں کی بیع اور شراء کے جواز کا ذکر کیا ہے۔

• در مختار میں ہے:

''وَالۡحَاصِلُ اَنَّ جَوَازَ الۡبَیۡعِ یَدُوۡرُ مَعَ حِلِّ الۡاِنۡتِفَاعِ (مجتبی) وَاعۡتَمَدَہُ الۡمُصَنِّفُ وَسَیَجِیۡ فِی الۡمُتَفَرِّقَاتِ'' (ص:۷/۲۶۰)

بیع کا جائز ہونا نفع اٹھانے کے حلال ہونے کی بنیاد پر ہوتا ہے لہٰذا جب بحری اور بری زندہ حرام جانوروں سے نفع اٹھانا جائز ہے تو ان کی خرید و فروخت بھی جائز ہے

ضرورت ہو یا نہ ہو جائز الانتفاع حرام جانوروں کا مطلقاً کاروبار جائز ہے اور مالِ تجارت کی طرح ان سے آمدنی پر بھی زکوٰۃ واجب ہو گی لہٰذا ایمپریس مارکیٹ کراچی میں ہر قسم کے جانور فروخت کرنے والوں کا رزق حلال ہے اور ان پر زکوٰۃ بھی واجب ہو گی۔

● اگر حرام جانور مر جائیں یا حلال جانوروں کو ذبح نہیں کیا جاسکا خود مر گئے انہیں میتہ اور مردار کہا جاتاہے،ان مردار جانوروں کے بعض اجزاء مثلاً کھال اور ہڈیوں سے نفع اٹھانا جائز ہوتا ہے لہٰذا ان کی بیع اور شراء بھی جائز ہو گی اور میتہ کے دوسرے اجزاء کے ساتھ بھی ضرورت کے وقت انتفاع جائز ہے لہٰذا خون کی طرح ان اجزاء کی بیع شراء بھی جائز ہو گی۔ لیکن بلاضرورت ان سے نفع اٹھانا حرام ہے اور ان کی بیع شراء بھی حرام ہے جس طرح ابھی خنزیر کے بالوں کی روایت میں گذرا ہے۔

● زندہ حرام جانوروں کے ساتھ انتفاع کی اباحت کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً کتے کے ساتھ انتفاع یہ ہے کہ اسے شکار یا حفاظت کے لئے استعمال کیا جائے اور شیر کے ساتھ انتفاع یہ ہے کہ اسے دیکھ کر عبرت حاصل کی جائے چنانچہ چڑیا گھر میں ہاتھی سے لیکر لومڑی اور نیولے تک جانور موجود ہوتے ہیں ان سے انتفاع خصوصاً علماء کے لئے یہ ہوتا ہے کہ حلال اور حرام جانوروں کی تمیز اور ان کا تشخصی علم حاصل ہو جاتاہے در مختار باب المتفرقات میں ہے:

''وَصَحَّ بَیْعُ الْکَلْبِ وَلَوْ عُقُوْرًا وَالْفَھْدِ وَ الْفِیْلِ وَالْقِرَدِ وَالسِّبَاعِ بِسَائِرِ اَنوَاعِھَا حَتّٰی الْھِرَّۃِ وَ کَذَا الطُّیُوْرُ عُلِّمَتْ اَوْلَا سِوَی الْخِنْزِیْرِ وَ ھُوَ الْمُخْتَارُ لِلْاِنْتِفَاعِ بِھَا وَبِجِلْدِھَا کَمَا قَدَّمْنَاہُ فِی الْبَیْعِ الْفَاسِدِ''(ص:۷/۴۷۸)

ترجمہ: کتا اگرچہ کاٹنے والا ہو اور چیتے اور شیر اور ہاتھی اور بندر اور درندوں کے تمام اقسام کی بیع جائز ہے حتی کہ بلی کی بیع بھی جائز ہے اور اسی طرح پرندوں کی بیع جائز ہے تعلیم دیے گئے ہوں یا نہ ہوں سوائے خنزیر کے اور یہی قول مختار ہے کیونکہ ان حرام جانوروں سے نفع اٹھایا جاتا ہے ان کے ساتھ اور ان کی جلد کے ساتھ جیسا کہ ہم پہلے بیع فاسد میں ذکر کر چکے ہیں۔

● شامی میں ہے:

''(قَوْلُہٗ سِوَی سَمَکٍ)عِبَارَۃُ الْبَحْرِ عَنِ الْبَدَائِعِ اِلَّا السَّمَکُ وَمَا جَازَ الْاِنْتِفَاعُ بِجِلْدِہٖ اَوعَظْمِہٖ''

ترجمہ: بدائع سے بحرالرائق کی عبارت میں ہے مگر مچھلی اور ہر وہ چیز جس کے چمڑے یا ہڈیوں سے نفع اٹھانا جائز ہو۔ (ان کی بیع اور شراء جائز ہے)

مرغیوں اور دوسرے جانوروں کی غذاؤں کا ذکر:

● موجودہ دور میں شہر میں مرنے والے مردار جانوروں کو بڑے بڑے بوائلروں اور مشینوں میں کیمیکل کے ذریعے پگھلا کر ان کا سیال مادہ ٹھوس مادہ سے الگ کر دیا جاتاہے اور جامد مادہ پوڈر کی گولیوں کی صورت میں مرغیوں اور دیگر جانوروں کی غذا بنا دیا جاتاہے آیا یہ جائز ہے یا نہ؟ اور اس کا کاروبار جائز ہے یا نہ؟ ہمارے خیال میں اگر مردار جانوروں کا گوشت اور چربی خون وغیرہ کی ماہیت اور حقیقت اس عمل اور کیمیکل سے تبدیل ہو جاتی ہے جس طرح خمر میں نمک ڈالنے سے خمر سرکہ بن جاتاہے نمک کی کان میں مردار جانور نمک ہو جاتاہے یا آگ میں جل جانے کے بعد گوبر راکھ بن جاتاہے اگر ایسا ہوتاہے تو ٹھوس اور سیال مادہ نجس نہیں رہتا پاک ہو جاتاہے اور اگر اس عمل کے بعد بھی مردار جانور کی حقیقت قائم رہتی ہے تو سیال مادہ ناپاک ہو گا پہلی صورت کہ سیال مادہ پاک ہو جائے، سیال مادہ کے مال متقوم ہونے میں اور اس کے استعمال کے جواز میں کوئی

کلام نہیں ہے مگر دوسری صورت کہ سیال مادہ نجس ہو، تمول کی وجہ سے سیال مادہ مال تو ہے کیونکہ تمول کی بنیاد عرف اور تعامل ہوتا ہے اور یہ کاروبار بہت بڑے پیمانہ پر مسلمان بھی کر رہے ہیں اس لئے اس کو اگر نجس تیل پر قیاس کریں تو اس کی خرید وفروخت جائز ہوگی۔ در مختار میں ہے:

''و فی المجمع و نجیز بیع الدھن المنجس والانتفاع به فی غیر الاکل بخلاف الودك'' (ص:۲۶۶، جلد:۷)

ترجمہ: اور مجمع میں ہے ہم نجس تیل کی بیع اور نفع اٹھانے کو جائز کہتے ہیں بخلاف مردار جانور کی چربی کے،

- پھر علامہ شامی نے فرمایا:

''قوله بخلاف الودك ای دھن المیتة لانھا جزء ھا فلا یکون مالا''(ابن ملك)''فلا یجوز بیعه اتفاقا و کذا الانتفاع به لحدیث البخاری ان الله حرم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والاصنام قیل یا رسول ارأیت شھم المیتة فانه یطلی بھا السفن ویدھن به الجلود ویستصبح بھا الناس قال لا ھو حرام'' (الحدیث: ص۔۲۲۶)

ترجمہ مصنف کا قول بخلاف الودک یعنی بخلاف مردار جانور کی چربے کے کیونکہ چربی (تیل) میتہ کی جز ہے پس وہ مال نہیں ہوگا پس اس کی بیع بالاتفاق جائز نہیں ہوگی، اسی طرح نفع اٹھانا بھی۔ کیونکہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نے خمر اور میتہ اور خنزیر اور بتوں کی بیع حرام فرمادی ہے، عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ آپ میتہ کی چربی کے متعلق بتائیں کیونکہ اس کے ساتھ کشتیوں کو طلا کیا جاتا ہے اور چمڑوں پر لگائی جاتی ہے اور اس سے چراغ جلائے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا

نہیں، پس وہ حرام ہے۔

- شامی کی منقولہ عبارات اور سابقہ عبارتوں اور احادیث میں تعارض ہے۔ فقہاء کرام نے میتہ کے بعض اجزاء سے انتفاع اور ان کی بیع اور شراء کو جائز لکھا ہے اور ان اجزاء کو متقوم قرار دیا ہے اور ضرورت کے وقت تمام حرام چیزوں کے استعمال کو جائز قرار دیا ہے اور ''فَمَنِ اضْطُرَّ .... الخ'' میں داخل فرمایا ہے۔ لہٰذا بخاری کی حدیث بلاضرورت استعمال کرنے پر محمول ہوگی یا عرف کی وجہ سے حدیث شریف کی تاویل کی جائے گی۔ یا ''اَفَلَا اِنْتَفَعْتُمْ بِجِلْدِھَا'' کے ساتھ تعارض کی وجہ سے ودک کی حدیث منسوخ ہوگی۔
- لہٰذا حرام چربی یا سیال مادہ یا ان کے ساتھ مخلوط غذا کا کھانا پینا مکلف انسان کے لئے حرام ہے اور جانوروں کے چارے میں مکس ہو تو یہ جائز ہوگا۔ یہ حرام سے انتفاع میں داخل ہوگا۔ حرام کے اکل اور شرب میں داخل نہیں ہوگا۔ چونکہ جانور غیر مکلف ہوتے ہیں ان کی غذا میں استعمال کرنے سے حلال جانوروں کی حلت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اگر یہ کہا جائے یہاں عموم بلویٰ ہے بڑے پیمانہ پر کاروبار اور استعمال جاری ہے اور علماء عظام عموم بلویٰ کو بھی جواز کا باعث بتاتے ہیں لہٰذا انتفاع جائز ہے تو کوئی حرج نہیں۔
- چنانچہ تفسیر قرطبی میں ہے:

''قَالَ اِبْنُ خُوَیْزُ مداد وَاَمَّا الدَّمُ مُحَرَّمٌ مَالَمْ تَعَمُّ بِهِ الْبَلْوٰی مَعْفُوٌّ عَمَّا تَعَمُّ بِهِ الْبَلْوٰی''

ترجمہ: ابن خویز مداد نے کہا اور لیکن خون حرام ہے جب تک عموم بلویٰ نہ ہو اور جب عموم بلویٰ ہو تو معاف ہوتا ہے۔ لہٰذا حرام چربی اور سیال مادہ کا یہی حکم ہوگا۔

- چونکہ تمام اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں آج کسی نجس چیز کو ضائع نہیں

ہونے دیا جاتا نجاستوں اور غلاظتوں اور حرام مردار جانوروں کو کیمیکل کے مختلف مراحل سے گذار کر اُسے قابل انتفاع بنایا جاتا ہے اور دنیا استعمال کر رہی ہے بڑے پیمانے پر عموم بلویٰ ہے اس لئے اگر حدیث شریف میں تاویل یا تخصیص کر دی جائے تو امتِ مسلمہ کے لئے آسانی ہوگی۔

• حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ مرفوع حدیث میں سرورِ دوعالم ﷺ نے مردہ بکری کے متعلق فرمایا "اَفَلَا اِنْتَفَعْتُمْ بِجِلْدِهَا" (پس کیوں نہیں تم نے اس میتہ کے جلد سے نفع نہیں اٹھایا۔) صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ یہ میتہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اِنَّمَا حُرِّمَ اَكْلُهَا عَلَيْكُمْ" تم پر اس میتہ کا کھانا حرام ہے (مؤطا امام مالک) لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ حدیث شریف کا تعلق ان حالات اور اوقات کے ساتھ ہے جب مسلمانوں میں ابتلاء عام نہ ہو یا یہ کہہ دیا جائے کہ حدیث شریف سے شاید مراد یہ ہے کہ جب چربی بغیر کیمیکل بعینہٖ استعمال کی جائے تو اس کا حکم حرمت ہے اور اگر ایک مرتبہ نہیں متعدد مرتبہ گلانے جلانے والی مشینوں اور کیمیکل سے گذار کر چربی کی حقیقت اور ماہیت ہی کسی قدر تبدیل ہو جائے اور مکس ہو تو اس کا استعمال جائز ہے، ہو سکتا ہے حدیث شریف کا یہی مفہوم ہو۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

حرام جانوروں سے حاصل جامد مواد کا حکم:

• جامد اور خشک مادہ چونکہ ہڈیوں سے تیار ہوتا ہے اور ہڈی فی نفسہ پاک ہے لہٰذا میتہ کی ہڈیوں کے خشک پاؤڈر کی بیع وشراء اور اس کا جانوروں کی غذا میں استعمال شرعاً جائز ہے۔

• بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ خنزیر کی چربی اور دیگر اعضاء کا کشید کردہ مواد بھی دوسرے مردار جانوروں کے ساتھ ملا کر اسی عمل سے گذار کر مرغیوں کی غذا میں استعمال کیا جاتا ہے، خنزیر چونکہ نجس العین ہے اگر اس عمل سے خنزیر کے

اجزاء کی ماہیت اور حقیقت تبدیل ہو جاتی ہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر اس کی ماہیت باقی رہتی ہے تو ایسا محلول نجس العین کی ملاوٹ کی وجہ سے حرام اور اس کا کاروبار بھی ناجائز ہوگا خنزیر کی ہڈیاں بھی نجس ہوتی ہیں اس کا پوڈر بھی نجس ہوگا اس کا کاروبار اور بیع اور شراء اور استعمال ناجائز ہوگا۔

• اسلامی ملکوں میں مسلمانوں کی فیکٹریوں میں تیار کردہ مصنوعات یا خوراکیں یا ادویہ میں خنزیر کی چربی وغیرہ کی مکسنگ کا امکان نہیں ہو سکتا کیونکہ ایمان اس کی اجازت نہیں دیتا اور بدظنی منع ہے البتہ کافروں کے ملکوں سے درآمد شدہ اشیاء لپ اسٹک اور صابن وغیرہ اور جانوروں کی غذا میں اگر خنزیر کے اجزاء کی ملاوٹ ثابت ہو تو اس کا استعمال ناجائز ہوگا اگر ثابت نہ ہو تو صرف شک کی بنیاد پر کسی چیز پر حرام ہونے کا حکم لگانا جائز نہیں ہے۔

• کسی چیز کے مال ہونے اور متقوم ہونے کی توضیح میں ضمناً بعض ضروری مسائل کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے اس سے قارئین کو اس امر کی طرف توجہ مبذول کرانا تھی کہ ماضی کے فقہاء کرام نے جن چیزوں کو مال تسلیم نہیں کیا تھا یا متقوم نہیں مانا تھا یہ مسئلہ عرف اور اہلِ زمانہ کے تعامل کی بنیاد پر تھا، منصوص نہیں تھا۔ جب زمانہ اور عرف بدل گیا تو مالیت اور تقویم کا مفہوم بھی بدل گیا۔ موجودہ دور میں دم سائل اور انسانی اعضاء جن کی پیوندکاری کے جواز پر فتاویٰ دیئے گئے ہیں عرف میں مال متقوم ہو چکے ہیں خون اور اعضاء کو مال کی طرح حاجت کے وقت کے لئے محفوظ رکھا جا سکتا ہے اور ان سے بوقتِ حاجت انتفاع حاصل کیا جاتا ہے، لہٰذا وہ مال ہو گئے اور شرع شریف نے بوقتِ حاجت ان کے استعمال کی اجازت دے دی ہے لہٰذا متقوم بھی ہو گئے۔ (محمد رفیق حسنی)

• نیز مال کی تعریف میں عموم ہے خواہ مسلمان اسے اپنی حاجت کے لیے محفوظ کریں یا ذمی کافر حتی کہ خمر اور خنزیر اور وہ میت جس کی موت کسی سبب سے واقع

ہوئی ہو، کفار کے نزدیک مال تھے اور اب مطلق میت موجودہ کافروں کے نزدیک مال ہے۔ کفار کے لیے باہم ان حرام جانوروں کی بیع اور شراء صحیح ہے اور حاصل کردہ ثمن ان کے لیے جائز اور کافر ان جانوروں کے ثمنوں کے مالک ہوتے ہیں اگر ان جانوروں سے حاصل کردہ ثمن اور رقوم مسلمانوں کو دیں تو مسلمانوں کا لے کر اس رقم کو استعمال کرنا بھی جائز ہے۔ در مختار میں ہے:

"بطل بیع ما لیس بمال والمال ما یمیل الیه الطبع و یجری فیه البذل والمنع (درر) فخرج التراب ونحوہ" (ص: ۲۳۵، ج ۷)

ترجمہ: اس چیز کی بیع باطل ہے جو مال نہیں اور مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت میلان کرے اور اس میں بذل اور منع جاری ہو اس کے تحت۔

- شامی میں مذکور ہے:

"قوله بطل بیع ما لیس بمال، ای ما لیس بمال فی سائر الادیان .....الخ (الی) یدخل فیه الخمر فهی مال و ان لم تکن متقومة و لذا قال بعده و بطل بیع مال غیر متقوم کخمر و خنزیر۔"

ترجمہ: مالیس بمال سے مراد وہ مال ہے جو سارے ادیان میں مال نہ ہو (تا) خمر مال میں داخل ہے پس یہ مال ہے لیکن (مسلمانوں کے نزدیک) متقوم نہیں اسی لیے مصنف نے اس کے بعد فرمایا، غیر متقوم مال کی بیع باطل ہے، جیسے خمر اور خنزیر۔

- چونکہ خمر اور خنزیر کی قدیم زمانہ کے کافروں میں بیع اور شراء کی جاتی تھی اور ان کا استعمال ہوتا تھا اور میتہ جس کی موت کسی سبب سے ہوتی تھی، اس کو کافر کھا لیتے تھے اس لیے اسلام نے ان کو مال قرار دیا اور خون (دم) اور میتہ جس کی موت بغیر سبب کے ہوتی تھی، اس وقت کفار بھی استعمال نہیں کرتے تھے، اس لیے کافروں کے لیے خون اور میتہ کو مال نہیں کہا گیا۔ اب تو خون کفار بلکہ مسلمان بھی استعمال

کرتے ہیں اور مردار جانور بھی دنیا میں کھانے اور پینے کے علاوہ دیگر حاجات میں استعمال ہو رہے ہیں لہٰذا آج دم اور میت بھی مال ہیں۔

- چنانچہ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا، حضرت عمرؓ کے پاس عمال جمع ہوئے۔ آپ نے فرمایا، مجھے یہ بات کہی گئی ہے کہ تم کافروں سے جزیہ میں میتہ اور خنزیر اور خمر بھی وصول کر لیتے ہو۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا، جی ہاں، یہ عمال ایسا کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"فَلَا تَفْعَلُوْا وَلٰكِنْ وَلُّوْا اَرْبَابَهَا بَيْعَهَا ثُمَّ خُذُوْا الثَّمَنَ مِنْهُمْ وَلَا نُجِيْزُ بَيْنَهُمْ بَيْعَ الْمَيْتَةِ وَالدَّمِ۔" (ص: ۴۸۰، ص: ۷)

ترجمہ: پس ایسا نہ کرو لیکن ان کے مالکوں کو خنزیر اور خمر فروخت کرنے دو اور ان سے حاصل کردہ ثمن اور رقم لے لیا کرو، ہم صرف ان کے درمیان میت اور دم (خون) کی بیع جائز نہیں کرتے۔

- ہم نے پہلے ذکر کیا تھا موجودہ دور میں دم مسفوح مریض مسلمانوں کے آپریشنوں اور ایکسیڈنٹ شدہ زخمیوں وغیرہ کے لیے استعمال ہو رہا ہے لہٰذا اب مسلمانوں کے حق میں خون بھی مال ہو گیا ہے کیونکہ ضرورت نے خون کو مال بلکہ متقوم بھی بنا دیا ہے۔ فقہ کی کتب میں مال کی جو تعریف ذکر کی گئی ہے، وہ قرآن یا حدیث سے نہیں ہے۔ قرآن اور حدیثوں میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

دم مسفوح اور خنزیر اور میتہ اور وہ جانور جن پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے، وہ مسلمانوں کے لیے حرام ہیں۔ مگر مضطر کے لیے جائز بلکہ حلال ہیں اور فقہاء کرام نے لوگوں کے تعامل اور عرف کو بعض احکام کے لیے بنیاد قرار دیا، بعض چیزوں کو مال اور بعض کو غیر مال قرار دیا ہے پھر مال کے دو قسم بیان کیے متقوم اور غیر متقوم، ان سب کی مدار عرف پر ہے ویسے حرام ہونے اور بیع اور شراء کے

ناجائز ہونے میں تلازم نہیں ہے۔ گھوڑا اور گدھا اور کتا حرام ہے مگر ان کی بیع اور شراء جائز ہے کیونکہ حرام مباح الانتفاع ہو تو اس کی بیع اور شراء جائز ہوتی ہے۔ فقہاء کرام نے اپنے اپنے زمانہ کے عرف کے مطابق مال کی تعریف فرمائی جس سے بعض اشیاء کو اور منافع اور حقوق کو مال سے خارج کیا اور فرمایا کہ مال عین اور مادی چیز ہوتا ہے۔ منفعت اور حق عین نہیں ہیں لہٰذا منافع بھی مال نہیں۔ یہ سب تفصیل حنفی فقہاء کرام نے بیان فرمائی ہے۔

● مگر جب مسلمانوں نے ریشم کے کیڑے (دود القزّ) کا کاروبار شروع کیا، ریشم کا کیڑا حرام جانور ہے، جب ریشم کا کیڑا مر جائے تو میتہ اور حرام ہوتا ہے، اسے بیر بوٹی کہا جاتا ہے، دونوں حالتوں میں کاروبار ہونے لگا تو ہمارے علماء نے فرمایا:

"انها من اعز الاموال اليوم و يصدق عليها تعريف المال المتقوم و يحتاج اليه الناس كثيرا فى الصباغ وغيره فينبغى بيعها كبيع السرقين والعذرة المختلطة بالتراب (الى) و يجوز بيع العلق للحاجة مع انه من الهوام و بيعها باطل و كذا بيع الحيات للتداوى و فى القنية و بيع غير السمك من دواب البحر و له ثمن كالسقنقور و جلود الخز و نحوها يجوز و الا فلا و جمل الماء قيل يجوز حيا لا ميتا والحسن اطلق الجواز اھ فتأمل۔"

ترجمہ: بے شک ریشم کے کیڑے آج عزیز ترین اموال سے ہیں اور ان پر مال متقوم کی تعریف صادق آتی ہے اور لوگ یہ رنگ وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں اور لوگ ان کی طرف کثرت سے محتاج ہیں۔ پس مناسب ہے کہ ان کی بیع و شراء جائز ہو جیسے جانوروں کے گوبر اور آدمی کا گوبر جو مٹی کے ساتھ ملے ہوئے ہوتے ہیں (تا) اور علق (جونکوں) کی بیع جائز ہے۔ لوگوں کی حاجت کی وجہ سے حالانکہ جونک ہوام سے ہے اور ہوام کی بیع

باطل ہوتی ہے۔ اسی طرح سانپوں کی بیع دواؤں کی وجہ سے جائز ہے اور قنیہ میں ہے، مچھلی کے علاوہ پانی کے باقی سب حرام جانوروں کی جبکہ ان کے لیے ثمن ہوں جس طرح سقنقور (سرائیکی میں اس کا معنی کھنڑ ہے) اور ریشم کے کیڑے اور اس کی مثل جانوروں کی بیع جائز ہے۔ اگر ان کے ثمن نہیں کہ ان کی خرید اور فروخت نہیں ہوتی تو ان کی بیع جائز نہیں اور بعض علماء نے کہا، سمندر کا اونٹ زندہ ہو تو اس کی بیع جائز ہے اور میت ہو تو اس کی بیع جائز نہیں اور حضرت حسن بن زیاد نے مطلق جواز کا حکم دیا ہے۔ پس غور کر۔

● معلوم ہوا لوگوں کے عرف اور تعامل کی وجہ سے احناف کے نزدیک مال کی تعریف میں وسعت ہو سکتی ہے۔ (رفیق حسنی)

● سقنقور جس کو سرائیکی میں کھنڑ کہا جاتا ہے، جو چھپکلی کی طرح کا زہریلا جانور ہے، جس کی دُم گول گیند کی طرح ہوتی ہے۔ دریاؤں اور سمندر کے ساحل پر کبھی کبھی دیکھا جاتا ہے اور (ڈیرہ اسماعیل خان کے غیر آباد صحراؤں میں پایا جاتا ہے) اگر آدمی کو کاٹ لے اور آدمی سے پہلے وہ پانی میں چلا جائے تو آدمی فوت ہو جاتا ہے اور اگر آدمی پانی میں پہلے چلا جائے تو وہ جانور فوت ہو جاتا ہے۔ (حیٰوۃ الحیوان)

● ہم ذکر کر چکے ہیں کہ دیگر ائمہ کے نزدیک مال کی تعریف حقوق اور منافع کو بھی شامل ہے، ان کے نزدیک حقوق اور منافع بھی مال ہیں اور ان کی بیع و شراء جائز ہے۔ چنانچہ حنبلی علماء نے لکھا:

"الثالث ان يكون المبيع مالا و هو ما فيه منفعة مباحة لغير حاجة او ضرورة۔" (الاقناع ۲/۱۵۶)

ترجمہ: اور بیع کے جائز ہونے کے لیے تیسری شرط یہ ہے کہ مبیع (فروخت شدہ) چیز مال ہو اور مال وہ شے ہے جس میں ایسی منفعت ہو جو بغیر حاجت

اور ضرورت کے بھی مباح ہو۔

- یہ تعریف عین اور منافع دونوں کو شامل ہے۔
- شوافع میں سے امام سیوطی نے تحریر فرمایا:

"لا يقع اسم مال الا على ماله قيمة يباع بها و تلزم متلفه و ان قلت و مالا يطرحه الناس مثل الفلس و ما اشبه ذالك۔"

(الاشباہ والنظائر للسیوطی)

ترجمہ: مال کا اطلاق ایسی چیز پر ہوگا جو قیمت والی ہو، اس کو بیچا جاتا ہو اور اس کے تلف کرنے والے پر تاوان لازم ہوتا ہو اگرچہ مقدار میں کم ہو اور لوگ اسے پھینک نہ دیتے ہوں جیسے ایک پیسا وغیرہ۔

- اس عبارت میں لفظ 'ما' عموم پر دلالت کرتا ہے اعیان اور منافع کو شامل ہے۔
- مالکی علماء نے اس طرح تعریف فرمائی:

"المال ما يقع عليه الملك و يستبد به المالك"

(الشرح الکبیر، ص: ۴۴۸/۲)

ترجمہ: مال وہ چیز ہے جس پر ملک واقع ہو اور مالک اس کے ساتھ مستقل ہو۔

- اس تعریف میں بھی منافع پر مال کا اطلاق کیا گیا ہے۔
- معلوم ہوا اکثر فقہاء مالکیہ اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مال ہونے کے لیے شی کا مادی اور قائم بنفسہ ہونا جسے ذخیرہ کیا جا سکے، ضروری نہیں ہے بلکہ اجرت کے مقابلہ میں منافع اور اعمال اور حقوق سب مال ہیں۔ اور احناف اور دیگر ائمہ کے اختلاف سے واضح ہے کہ مال کی تعریف ہر امام کی فکری اور نظری شرح پر مبنی ہے اور ائمہ نے اپنے عرف اور رواج کو دیکھ کر تعریفیں کی تھیں اگر وہی ائمہ عظام آج زندہ ہوتے تو مال کی ایسی تعریف کرتے کہ مال فضاؤں اور ہواؤں کو شامل ہوتا اور مال کے متوقم ہونے میں بھی عرف اور رواج کو دخل ہوتا ہے اور عرف اور رواج کا

خواہ مسلمانوں کا عرف ہو یا کافروں کا، مال کے متقوم ہونے میں اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں دم مسفوح (خون) اور میت کی کسی دین کے لوگوں میں خرید و فروخت نہیں ہوتی تھی اس لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا ہم ان کی بیع کو جائز قرار نہیں دیتے اور ان کی بیع سے حاصل ثمن کافروں سے جزیہ اور خراج کی مد میں لینا جائز نہیں ہے کیونکہ کفار کے عرف میں بھی خون اور میتہ متقوم نہیں تھے لیکن اہلِ کتاب کفار میں خمر اور خنزیر کی بیع اور شراء کا رواج تھا تو آپ نے فرمایا، کفار سے خمر اور خنزیر کے ثمن جزیہ اور خراج میں مسلمان لے سکتے ہیں۔

- آج خون کی بیع اور شراء دنیا کے غیر اسلامی تمام ادیان کے لوگوں میں مروج ہو چکی ہے اور اس کو جائز سمجھا جاتا ہے اور مردار جانوروں سے بعض صورتوں میں نفع لیا جا رہا ہے۔ مردار جانوروں کے پوست اور ہڈیوں سے نفع اٹھانے کی اسلام نے خود اجازت دے دی تھی اب دیگر اعضاء سے ادویہ اور اغذیہ تیار کر کے لوگ نفع حاصل کر رہے ہیں۔
- اگرچہ فقہ حنفی میں مال کی تعریف کی عبارتوں سے واضح ہے کہ حقوق یا منافع مال نہیں ہیں لہٰذا ان کی بیع اور شراء ممنوع ہوگی مگر اس کے باوجود احناف نے حق مرور کی بیع کو جائز فرمایا۔ (ہدایہ) اور خدمت اور تعلیم اور تربیت کو امام محمد نے بیوی کا مہر قرار دینے کو جائز فرمایا ہے اور مہر مال ہوتا ہے۔ (عالمگیری) حق تعلی چھت سے اوپر فضاء کی بیع کو عام احناف نے ناجائز فرمایا مگر علامہ خالد اتاشی نے حق تعلی کو حق مرور کی طرح فروخت کرنے کو جائز فرمایا، وہ لکھتے ہیں:

"اقول و على ما ذكروه من جواز الاعتياض عن الحقوق المجردة بمال ينبغي ان يجوز الاعتياض عن حق التعلي و عن حق الشرب و عن حق السيل بمال" (بحوالہ فقہ اسلامی)

ترجمہ: میں کہتا ہوں جو فقہاء نے حقوق محضہ کا عوض مال ہونے کے جواز کو ذکر فرمایا ہے، اس بناء پر مناسب ہے حق تعلی کا معاوضہ بھی جائز ہو اور حق شرب اور حق سیل کا معاوضہ بھی جائز ہے۔

● الاشباہ والنظائر میں ہے کہ وظائف اور عہدوں کے حقوق سے نزول اور استعفاء دینے کا معاوضہ لینا بھی جائز ہے۔ علامہ عینی نے لکھا:

''قد تعارف الفقهاء بالقاهرة النزول عند الوظائف بمال يعطى لصاحبها و تعارفوا و ذالك ينبغي الجواز۔'' (الاشباہ، ص:۱۶۵)

ترجمہ: مصر کے شہر قاہرہ میں فقہاء کے نزدیک وظائف اور نوکریوں سے مال کے معاوضہ میں نزول اور استعفیٰ متعارف ہے جو مال صاحبِ عہدہ اور وظیفہ کو دیا جاتا ہے اور اس کا لوگوں میں تعارف ہے، لہٰذا مناسب ہے کہ یہ جائز ہو۔

● معلوم ہوا مال ہونے یا مال نہ ہونے کی بنیاد عرف اور رواج پر ہے کہ جس چیز کی طرف لوگوں کا طبعی میلان ہو اور اس میں تصرف کر سکیں یا غیر کو اس میں تصرف سے منع کر سکیں، وہ مال ہے۔ اگرچہ وہ مال حرام ہے مگر اس سے نفع اٹھانا جائز ہوگا۔ جیساکہ ریشم پیدا کرنے والے کیڑے زندہ بھی حرام اور ہوام سے ہیں اور مر جائیں بھی حرام ہیں مگر علامہ شامی فرمارہے ہیں یہ کیڑے ہمارے دور میں تجارتی اموال میں نہایت قیمتی مال ہیں اور لوگ ان کے پوڈر سے رنگ وغیرہ کا کام لیتے ہیں۔ پھر فرمایا: ''فتكون مستثناةً من الميتة كما قدمناه'' یہ میتۃ کی بیع سے مستثنیٰ ہوں گے جیسے ہم نے پہلے ذکر کیا کہ علق (جونکیں) اور ریشمی مردہ کیڑوں کی بیع جائز ہے اور ان کی بیع، میتہ کی بیع کے ناجائز ہونے سے مستثنیٰ ہے۔

● علق جونک کو کہتے ہیں جو خون چوستی ہے، سرائیکی میں اسے جلم کہتے ہیں اور اس

کی ایک قسم خراطین ہے، جس کو سرائیکی میں ساپے کہا جاتا ہے، اس کی بیع بھی جائز ہے۔ خراطین سے نہایت طاقتور ادویہ تیار ہوتی ہیں۔ لوگوں کو ان کی حاجت ہوتی ہے اور ان کے پوڈر سے انسانی دوائیں تیار ہوتی ہیں۔ ثابت ہوا کہ مال ہونا عرف پر مبنی ہے۔ اور اگر وہ مال مباح الانتفاع ہو تو وہ متقوم بھی ہوتا ہے۔

● مال کے متقوم اور باقیمت ہونے کی بنیاد بھی عرف یا شرع شریعت پر ہوتی ہے۔ در مختار میں ہے:

''و بطل بيع مال غير متقوم (أيْ) غير مباح الانتفاع به ابن كمال فليحفظ'' (ص:۷/۲۴۱)

ترجمہ: غیر متقوم مال یعنی غیر مباح الانتفاع مال کی بیع باطل ہے (بحوالہ ابن کمال)۔

● علامہ شامی فرماتے ہیں:

''(قوله ابن كمال) و نصه التقوم على ما ذكر في التلويح ضربان عرفي و هو بالاحراز ففير المحرز كالصيد والحشيش ليس بمتقوم و شرعي و هو باباحة الانتفاع به و هو المراد هاهنا منفيا۔'' (ص:۲۴۲)

ترجمہ: ابن کمال کی عبارت یہ ہے متقوم ہونا جیساکہ تلویح میں ہے، دو قسم کا ہے، عرفی اور وہ کسی چیز کے احراز اور قبضہ کو کہتے ہیں اور جو چیز غیر مقبوض اور غیر محرز ہے وہ متقوم نہیں جیسے شکار کے جانور اور خشک تنکے یا جنگل کا عام غیر ممنوع خود پیدا شدہ گھاس جس کی کوئی قیمت نہیں اور شرعی تقوم یہ ہے کہ اس مال کے ساتھ انتفاع مباح ہو جیسے خمر اور خنزیر اور میت مسلمانوں کے حق میں بغیر عذر مباح الانتفاع نہیں ہیں لہٰذا یہ مال تو ہیں مگر متقوم نہیں ہیں۔

• ہم ذکر کر چکے ہیں بوقت ضرورت یا حاجت مباح الانتفاع ہونے کی وجہ سے خون (دم مسفوح) مال متقوم ہو جاتا ہے اور میتہ (مردار) کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں کہ ریشمی کیڑے اور زہریلے سانپ اور بری اور بحری جانور جو مسلمانوں کی ادویہ وغیرہا میں استعمال ہوتے ہیں، وہ مباح الانتفاع اور متقوم مال ہو چکے ہیں۔ خنزیر کے بالوں کے متعلق گذر چکا ہے کہ ان سے انتفاع معمولی کام جوتوں کی سلائی کے لیے فقہاء کرام نے جائز اور مباح قرار دیا ہے مگر باقی اعضاء نجس العین ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے کسی صورت میں مباح الانتفاع نہیں ہیں۔

• شامی میں بحر الرائق کے حوالہ سے منقول ہے:

"و قیدنا بالمسلم لان اهل الذمة لا یمنعون من بیعها للاعتقادهم الحل والتمول و قد امرنا بترکهم و ما یدینون کذا فی البدائع اه ملخصا و ظاهره الحکم بصحّة بیعها فیما بینهم و لو بیعت بالثمن و یشهد له فروع ذکرها بعده۔" (ص:۲۴۲)

ترجمہ: ہم نے مسلم کی قید ذکر کی کیونکہ ذمی کافروں کو خمر اور خنزیر کی بیع سے منع نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان کا ان جانوروں کے حلال ہونے اور مال ہونے کا اعتقاد ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کو اپنے دین کے مطابق عمل کرنے دیں۔ اسی طرح بدائع میں ہے اور اس کا ظاہر حکم ان جانوروں کی باہم کافروں میں بیع کی صحت کا ہے اگر ثمن کے ساتھ بیچے جائیں اور اس کے بعد ذکر کردہ جزئیات اور تفریعات اس کی گواہ ہیں۔"

• مگر کسی مسلمان کے لیے خمر (شراب) اور خنزیر کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے حتی کہ مسلمان آدمی کسی کافر کو بھی خمر اور خنزیر فروخت نہیں کر سکتا۔ اور باہم کافروں کا خمر اور خنزیر کا کاروبار کرنا صحیح ہے کیونکہ ان کے نزدیک خمر اور خنزیر حلال مال ہے اور کافر فروخت شدہ خمر اور خنازیر کی رقم کے مالک بن جاتے ہیں۔

اگر کافر ان حرام جانوروں کی بیع اور شراء سے حاصل رقم کسی مسلمانوں کو بطور اجرت یا ہدیہ یا کسی دین کے معاوضہ یا بیع اور شراء میں دیں تو مسلمانوں کے لیے لینا جائز ہے۔ (عامہ کتب فقہ)

• موجودہ دور ٹیکنالوجی کی ترقی کا دور ہے، ہم نے جو کچھ ذکر کیا یہ ان فقہاء کرام کے زمانے کا ہے جو آج ۱۴۳۵ھ / ۲۰۱۴ء سے تین چار سو سال پہلے فوت ہو چکے ہیں۔ خاتم المحققین فقیہ اعظم محمد امین ابن عمر المعروف ابن عابدین متوفی ۱۲۵۴ھ بھی ایک سو نواسی (۱۸۹) سال پہلے فوت ہو چکے تھے، اس کے بعد کسی محقق فقیہ کی کتاب سامنے نہیں آئی جس نے موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق جدید مسائل اور احکام پر تبصرہ کیا ہو۔

• آج جو کچھ ٹیکنالوجی کی صنعت نے کر کے دکھایا ہے وہ متقدمین فقہاء کے تصور اور وہم و خیال میں بھی نہیں تھا۔ صرف تجارت کے شعبہ کو دیکھ لیں، لوگ کروڑوں اور اربوں کی تجارت انٹرنیٹ کے ذریعہ گھر بیٹھے کر رہے ہیں۔ بنکوں کی ضمانت اور گرنٹی پر بغیر دیکھے اور بغیر قبضہ رجسٹریشن کے ذریعے سودے ہو رہے ہیں۔ کمپیوٹر پر کاغذات کے تبادلے کو قبضہ سمجھا جاتا ہے۔ آج کا عرف قدیم عرف سے بالکل مختلف ہو گیا ہے۔ آج فضاؤں پر قبضے ہو چکے ہیں، ہر ملک کی فضائی حدود متعین ہیں۔ کوئی ملک دوسرے ملک کی فضائی حدود بغیر اجازت استعمال نہیں کر سکتا۔

• اور شہروں میں بیسیوں منزلہ عمارتیں بنائی جا رہی ہیں۔ دنیا میں ایک سو سے زائد منزلہ ہوٹل اور عمارتیں بن رہی ہیں اور وجود میں آنے سے پہلے فروخت در فروخت ہو رہی ہیں۔ ہر شہر میں مجاز اتھارٹی سے منظور شدہ نقشہ کے مطابق تمام منزلوں کی فضاؤں کا وہی شخص مالک ہوتا ہے جو زمین کا مالک ہوتا ہے۔ موجودہ عرف کی بیع و شراء کے احکام قبضہ کی مزید تعریف کے بعد ذکر کریں گے۔ یہاں

تک مال کسے کہتے ہیں اور مال متقوم کون سا ہوتا ہے، بیان کیا گیا۔

قبضہ کی تعریف:

● مملوکہ مال میں تصرف کی قدرت حالاً یا مآلاً بلاواسطہ یا بالواسطہ ممکن ہو اگر مال اپنے ہاتھ میں مال مدیون کے پاس ہو اس پر تصرف کی قدرت بالواسطہ اور قبضہ کے بعد بلاواسطہ اور مآلاً ہوتی ہے۔

● در مختار میں ہے:

"ثم التسلیم یکون بالتخلیه علی وجه یتمکن من القبض بلا مانع وحائل ...... الخ" (ص: ۹۵،ج۷)

ترجمہ: فروخت کردہ چیز کا تسلیم کرنا ایسے تخلیہ کے ساتھ ہو تاکہ خرید کردہ مال پر مشتری کو تصرف اور قبضہ کرنے کی اصالۃً یا وکالۃً اس طرح قدرت حاصل ہو جائے کہ خرید کردہ چیز پر قبضہ کرنے میں کوئی مانع اور حائل نہ ہو۔

● علامہ شامی فرماتے ہیں:

"وحاصله ان التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذالك يختلف بحسب حال المبيع .... الخ"

ترجمہ: شارح کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ فروخت شدہ مال میں فروخت کنندہ کی جانب سے تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہے اگر بغیر مشقت فروخت شدہ چیز کے قبضہ پر قدرت ہو سکے لیکن یہ قبضہ فروخت شدہ چیز کے حسب حال مختلف ہوتا ہے۔

● فرمایا، مثلاً مقفل کمرہ میں خرید شدہ گندم موجود ہے، خریدار کو اس کمرہ کے تالے کی چابی دے دینا جب لاک کے کھلنے کی بغیر مشقت قدرت ہو جائے، یہ گندم پر قبضہ ہوگا اور خرید کردہ مکان پر قبضہ یہ ہے کہ خریدار اس کو تالا لگا سکے اور چراگاہ میں موجود جانور کا قبضہ یہ ہے کہ وہ دیکھا جا رہا ہو اور اس کی طرف اشارہ کر لیا

جائے اور پکڑنے میں کوئی مانع نہ ہو اور خرید کردہ مال بائع کے غیر کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو اور اگر فروخت شدہ گندم فروخت کنندہ کی بوریوں میں موجود ہو تو یہ مانع نہیں ہے اور فروخت کردہ پرندے پر قبضہ یہ ہے کہ وہ ایسی جگہ یا مکان میں ہو کہ خریدار اس کو پکڑ سکے۔ (بحوالہ ملتقط) نیز شامی میں ہے کہ اگر کسی شخص نے مکان فروخت کیا اور مشتری کے سپرد کر دیا مگر فروخت کنندہ کا سامان مشتری کے اذن کے بغیر اس میں موجود ہے تو یہ تسلیم اور قبضہ نہیں ہے اور اگر مشتری کے اذن کے ساتھ ہے تو یہ قبضہ ہے۔ (در مختار اور رد المحتار)

● جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، مال دو قسم کا ہوتا ہے، منقول اور غیر منقول۔ غیر منقول مال وہ ہوتا ہے جو دوسری جگہ منتقل نہ ہو سکے۔ مثلاً مکان اور زمین یا زمین پر قائم درخت اور درختوں پر قائم پھل وغیرہا۔ اور منقول وہ مال ہے جو دوسری جگہ منتقل ہو سکے۔ مثلاً صاف شدہ گندم، چاول وغیرہ۔ غیر منقول مال میں قبضہ کے لیے فقط تخلیہ کافی ہوتا ہے جو فروخت شدہ مال کے حال کے مناسب ہو۔ مالک خریدار اور مال کے درمیان رکاوٹ نہ بنے۔ اور اگر مال منقول ہے اس میں امام شافعی کا راجح قول اور امام احمد اور امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ صرف تخلیہ کافی نہیں بلکہ نقل اور تحویل ضروری ہے۔ اور امام اعظم اور امام مالک اور امام شافعی کا مرجوح قول یہ ہے کہ مال منقول میں بھی تخلیہ کافی ہے۔ (حاشیہ، ص: ۹۵،ج۷)

فقہ کی کتابوں میں منقول مال پر قبضہ کی بعض جزئیات میں سے ایک جزئیہ یہ ہے کہ اگر خریدار نے فروخت شدہ مال دوسرے آدمی کے پاس ودیعت رکھنے یا عاریۃً دینے کا ارادہ کیا اور بائع کو فروخت شدہ مال مستودع یا مستعیر سپرد کر دینے کا حکم دے دیا تو یہ بھی مشتری کا قبضہ ہوتا ہے اور اگر بیع ہو جانے کے بعد خریدار نے خود بائع کے پاس خرید شدہ مال ودیعت رکھا یا بائع کو اجرت پر دے دیا یا بائع سے قرض لے کر بائع سے کہا یہ خرید کردہ مال آپ کے پاس رہن ہے، تو یہ قبضہ نہیں ہوگا۔

(ص:۳/۹۴)

• اگر خریدار نے بیع کے بعد فروخت شدہ مال کو تلف کر دیا یا اس میں عیب لگا دیا یا بائع کو حکم دیا کہ مبیعہ کو تلف کر دے یا عیب لگا دے اور بائع نے کر دیا، یہ عمل مشتری کا قبضہ ہو گا۔ (شامی)

• اگر سیال مادہ تیل، گھی وغیرہا خریدا اور خریدار نے بائع کو خرید کردہ چیز اپنے برتن میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ بائع نے ڈال دیا تو یہ قبضہ ہو گا۔ یہی حکم مکیلی اور موزونی اجناس کا ہے۔

• حاصل کلام یہ ہے کہ ہر زمانہ میں معاملات بیع وشراء اور قبضہ اور فسخِ بیع وغیرہا کا مدار عرف پر ہوتا رہا ہے۔ لہٰذا آج جس عمل کو اہلِ زمان لوگ قبضہ سمجھتے ہیں اور نزاع کا باعث نہیں ہوتا، وہی قبضہ ہے۔ (رفیق حسنی)

• موجودہ دور میں کمپنیوں کے حصص کی بیع وشراء انٹرنیٹ پر ہوتی ہے۔ صرف دفتر میں بیٹھے بیٹھے بیسیوں مرتبہ بیسیوں لوگوں کو کمپنی کے حصص فروخت اور منتقل ہو جاتے ہیں، صرف نام کی تبدیلی کو قبضہ سمجھا جاتا ہے اور حقوق منتقل ہو جاتے ہیں۔ فروخت کنندہ ان حصص سے لاتعلق ہو جاتا ہے اور خریدار ان حصص کو اپنے پاس رکھے یا فروخت کر دے، اسے اختیار مل جاتا ہے۔ لہٰذا شرعاً اس کو قبضہ اعتبار کیا جائے گا۔

• مختلف بزنس کارڈ بنے ہوئے ہیں، کارڈ کے ذریعے پاکستان میں انٹرنیٹ پر مطلوبہ اشیاء کی قیمت ادا کر دی جاتی ہے۔ خریدار پاکستان میں ہوتا ہے اور فروخت کنندہ امریکہ یا برطانیہ میں ہوتا ہے، فروخت کنندہ کے آدمی مطلوبہ اشیاء خریدار کی خواہش کے مطابق وہاں پہنچا دیتے ہیں جہاں خریدار چاہتا ہے۔ ایک خریدار ابھی مال خرید کرتا ہے، کاغذات مکمل ہوتے ہی دوسرا خریدار نفع دے کر مال خرید لیتا ہے، ابھی مال اسی اسٹور میں پڑا ہوتا ہے۔ پھر ایک اور آدمی خرید کر لیتا ہے۔ آج

اس پر تعامل ہے اور دونوں پارٹیوں میں کوئی نزاع پیدا نہیں ہوتا لہٰذا یہ بھی قبضہ متصور ہو گا۔ کیونکہ موجودہ دور میں اکثر وزن کیے گئے خام مال اور تیار مال کا لین دین ہوتا ہے اور پہلے سے وزن شدہ مال ڈبوں میں یا بوریوں میں یا مختلف سائز کے شاپر بیگوں میں ڈال دیا جاتا ہے اور اس پر وزن تحریر کر دیا جاتا ہے۔ عموماً زیادہ مال کی خرید و فروخت بنک گرنٹی کے ساتھ ہوتی ہے۔ بنک کفیل اور وکیل ہوتا ہے، اس لیے کسی قسم کے تنازع کا خوف نہیں ہوتا اور نہ کسی کے مال کے ضائع ہونے کا خوف ہوتا ہے۔ اس لیے موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق جس چیز کو مال سمجھا جاتا ہے وہ مال ہے اور جس مال کو شرع شریف میں مال متقوم کہا گیا یا اس مال کے تقوم پر عرف ہو چکا ہے وہ مال متقوم ہے۔ جس عمل کو قبضہ سمجھا جاتا ہے وہ قبضہ ہے۔ حرام اور حلال کا تعین تو شریعت مطہرہ میں ہے مگر باقی امور کی مدار عموماً عرف اور لوگوں کے تعامل پر ہوتی ہے اور شرع شریف میں بھی عرف اور تعامل کا لحاظ کیا جاتا ہے بشرطیکہ عرف اور تعامل قرآن اور سنت کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ بیع کو فاسد کرنے والی شرائط میں ذکر کیا گیا کہ:

"اما لو جری العرف به کبیع نعل مع شرط تشریك او ورد الشرع به کخیار شرط فلا فساد۔" (ص: ۲۸۳، ج۷)

ترجمہ: اگر بیع کو فاسد کرنے والی شرط کے ساتھ عرف جاری ہو گیا جیسے جوتے کی بیع تسمہ دینے کی شرط کے ساتھ یا شریعت میں وہ شرط وارد ہے جیسے خیار شرط تو بیع فاسد نہیں ہو گی۔

• نیز درمختار میں بیع کو فاسد کرنے والی شرطوں کے ذکر کے بعد مذکور ہے:

"او لا یقتضیه لکن یلائمه کشرط رهن معلوم و کفیل حاضر (امن ملك)" (۲۸۵/۷)

ترجمہ: بیع شرط کا تقاضا نہ کرے لیکن شرط بیع کے لیے مناسب ہو اور وہ

شرط بیع کو مضبوط اور مؤکد کرے جیسے معلوم چیز کے رہن کی شرط اور حاضر آدمی کے کفیل ہونے کی شرط تو بیع فاسد نہیں ہو گی۔

● پھر فرمایا:

"او جری العرف به کبیع نعل ای حرم سماه باسم ما یؤول و مثله تسمیر القبقاب (عینی) علی ان یحذوه البائع و یشرکه ای یضع علیه الشراك و هو السِیْرُ۔"

ترجمہ: یا بیع میں شرط فاسد کے ساتھ عرف جاری ہو جیسے جوتے یعنی چمڑے کی بیع اس شرط کے ساتھ کہ بائع سلائی کر کے اور تسمے لگا کر دے گا (شارح کہتا ہے چمڑے کو مایؤول کے اعتبار سے نعل اور جوتا کہہ دیا جاتا ہے لیکن مراد چمڑا ہے) اور شراک سیر اور تسمہ ہوتا ہے اور جوتے کی مثل قبقاب کی تسمیر ہے (علامہ شامی فرماتے ہیں یہ عبارت دراصل محقق ابن ہمام کی ہے، انہوں نے فرمایا، نعل کی مثل ہمارے شہروں میں قبقاب کی خریداری ہے اس شرط پر کہ اس میں تسمیر ہو گی۔

● پھر صاحبِ درنے فرمایا: "استحسانا للتعامل بلا نکیر۔" اس بیع کا جواز اور شرط کا لزوم استحسان یعنی خفی قیاس ہے۔ بلا انکار کے یعنی لوگوں کے تعامل کی وجہ سے استحسان ہے جو قیاس پر راجح ہوتا ہے۔

● اب ہم عرف اور تعامل کا بعض احکام اور معاملات کے جواز پر سبب اور علت ہونا ردالمحتار کی عبارت سے نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین کو یقین ہو جائے کہ شرع شریف میں عرف اور تعامل اور عموم بلوی کی وجہ سے جو معاملات آئمہ کے قیاس جلی اور اجتہاد کے اعتبار سے جائز نہیں ہو سکتے وہ جائز ہو جاتے ہیں اور عرف اجتہاد اور قیاس پر غالب آجاتا ہے۔

● ردالمحتار (شامی) میں ہے:

"(قوله استحسانا للتعامل) ای یصح البیع و یلزم للشرط استحسانا للتعامل والقیاس فساده لان فیه نفعا لاحدهما و صار کصبغ الثوب و مقتضی القیاس منعه لانه اجارة عقدت علی استهلاك عین لصبغ مع المنفعة و لکن جوز للتعامل و مثله اجارة الظئر و للتعامل جوزنا الاستصناع مع انه بیع المعدوم (الی) قال فی المنح فان قلت نهی النبی صلی الله علیه و سلم عن بیع و شرط فیلزم ان یکون العرف قاضیا علی الحدیث قلت لیس بقاض علیه بل علی القیاس لان الحدیث معلول بوقوع النزاع المخرج للعقد عن المقصود به و هو قطع المنازعة والعرف ینفی النزاع فکان موافقا بمعنی الحدیث فلم یبق من الموانع الا القیاس والعرف قاضٍ علیه اھ ملخصا۔ قلت و تدل عبارة البزازیة والخانیة و کذا مسئلة القبقاب علی اعتبار العرف الحادث و مقتضی هذا انه لو حدث عرف فی شرط غیر الشرط فی النعل والثوب والقبقاب ان یکون معتبرا اذا لم یؤد الی المنازعة۔ و انظر ما حررناه فی رسالتنا المسماة "نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف" التی شرحت بها قولی۔

العرف فی الشرع له اعتبار
لذا علیه الحکم قد یدار۔"

(ص: ۲۸۶ — ۲۸۷، ج۷)

ترجمہ: مصنف کا قول "استحسانا للتعامل" یعنی بیع صحیح ہے اور شرط کی وجہ سے لازم ہے تعامل کی وجہ سے یہ استحسان ہے اور قیاس اس

بیع کا فساد ہے کیونکہ اس میں دو سے ایک آدمی کا نفع ہے اور یہ ایسا ہو گا جیسے کپڑے کا رنگنا اور قیاس کا تقاضا اس کا منع ہے کیونکہ عقد اجارہ رنگ کے عین کے ہلاک کرنے پر منعقد کیا گیا ہے منفعت کے ساتھ لیکن لوگوں کے تعامل کی وجہ سے جائز کیا گیا اور اس کی مثل دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ عقد اجارۃ ہے اور تعامل کی وجہ سے ہم نے استصناع (آرڈر پر کوئی چیز تیار کرنا) کو جائز کہا حالانکہ یہ معدوم کی بیع ہوتی ہے۔ (تا) منح کے مصنف نے منح میں فرمایا، پس اگر تو کہے نبی کریم ﷺ نے بیع اور شراط سے منع فرمایا پس لازم آئے گا عرف غالب ہو حدیث پر، ہم کہیں گے عرف حدیث پر غالب نہیں آتا بلکہ عرف قیاس پر غالب آتا ہے کیونکہ حدیث میں منہی کی علت نزاع ہے جو عقد کو مقصود سے نکال دے۔ یعنی حدیث شریف کا حکم نزاع کے وقوع کے علت کی وجہ سے ہے، حالانکہ عقد سے مقصود نزاع کا ختم کرنا ہوتا ہے اور عرف اور رواج نزاع کی نفی کرتا ہے لہٰذا عرف حدیث کے موافق ہے۔ یہاں موانع سے کوئی مانع باقی نہیں رہا مگر قیاس اور عرف قیاس پر راجح ہے۔ اھ ملخص۔ بزازیہ اور خانیہ کی عبارت اس پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح قبقاب کا مسئلہ عرف حادث کے اعتبار کرنے کی وجہ سے ہے اور اس کا مقتضی یہ ہے اگر عرف جدید پیدا ہو جائے ایسی شرط پر جو جوتے اور ثوب اور قبقاب کی موجود شرط کا غیر ہو، وہ شرط بھی معتبر ہو گی جب نزاع کی طرف نہ پہنچائے۔ اور جو ہم نے اپنے رسالہ، جس کا نام ”نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف“ میں تحریر کیا ہے اس کو دیکھو۔ اس رسالے میں میں نے اپنے آنے والے قول کی شرح کی ہے۔ شرع میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے اس لیے اس پر کبھی کبھی حکم کیا جاتا ہے۔“

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

• گذشتہ تفصیل کے تناظر میں اگر کہا جائے کہ مال کی تعریف میں عین اور مادی چیز کی شرط عرفی تھی احترازی نہیں تھی چونکہ اس زمانہ میں یہ بات ناقابلِ تصور تھی کہ کوئی چیز تمول اور ذخیرہ رکھنے کے قابل بھی ہو اور وہ عین نہ ہو لیکن موجودہ زمانہ میں فضاؤں اور ہواؤں اور اصوات جو مادی اشیاء نہیں مگر ان کا تمول جاری ہے اور انہیں محفوظ کیا جاسکتا ہے۔ اور ان معنوی اشیاء کا احراز اور ادخار رجسٹریشن کے ذریعے ہو سکتا ہے اور اسی کو عرف میں قبضہ سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا مال کی طرح حقوق اور فضا میں قبل از تعمیر فلیٹوں اور مکانوں کی رجسٹریشن کے ذریعہ بیع اور شراء جائز ہے اور اس بیع کو معدوم کی بیع کہنا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے علامہ شامی نے صدیوں پہلے اس طرف اشارہ فرمادیا تھا۔ چنانچہ آپ نے تحریر فرمایا:

”ان عدم جواز الاعتیاض عن الحق لیس علی اطلاقه و رءیتُ بخط بعض العلماء عن المفتی ابی سعود انه افتی بجواز اخذ العوض فی حق القرار والتصرف و عدم صحة الرجوع و بالجملة فالمسئلة ظنیة والنظائر متشابهة وللبحث فیه مجال۔“

(ص: ۱۵/۴)

ترجمہ: اور حق کے معاوضہ لینے کا عدم جواز اپنے اطلاق پر نہیں۔ میں نے بعض علماء کی تحریر مفتی ابو سعود سے نقل کردہ دیکھی، انہوں نے حقِ قرار اور تصرف کا معاوضہ لینے کے جواز کا اور رجوع کی عدم صحت کا فتویٰ دیا۔ حاصل کلام یہ کہ مسئلہ ظنیہ ہے، نظائر باہم متشابہ ہیں اور اس میں بحث کرنے کی گنجائش ہے۔

• معروف محقق فتح الدرینی استاذ کلیہ شرعیہ جامعہ دمشق لکھتے ہیں:

”فاتضح لك ان العینیّة لیست عنصرا فی هذا المفهوم و ان امکانیة الحیازة المادیة المباشرة لیست من خصائص المال

كذالك عند الجمهور بل تكفي حيازة العين التي استقرت فيها المعاني او المنافع۔" (الابتکار فی الفقہ الاسلامی، ۱۳۴)

ترجمہ: پس تیرے لیے واضح ہو گیا کہ عین ہونا مال کے مفہوم میں بنیادی عنصر نہیں ہے، مال کے خصائص سے یہ نہیں ہے کہ اس کی مادی بالفعل حفاظت ہونا ممکن ہو۔ یہی جمہور کا نظریہ ہے بلکہ مال ہونے میں اس عین کی حفاظت کافی ہے جس میں معانی یا منافع مستقر ہوں (اگرچہ وہ مادی نہ ہو)۔

- معلوم ہوا ہر وہ شی قابل ادخار ہے جب انسان اس کے حاصل کرنے کی تدبیر کرے، وہ شی اس کے قبضہ اور تصرف میں آجائے کہ جب مالک چاہے اس میں حسبِ ارادہ تصرف کر سکے اور پہلے شخص کا اس میں عمل دخل نہ رہے۔ چنانچہ بجلی اور گیس جو ماضی میں اموال اور اعیان میں شمار نہیں ہوتے تھے کیونکہ یہ معنوی غیر مادی اشیاء میں سے ہیں، قائم بالذات نہیں ہیں، ان پر قبضہ کرنا بھی انسان کی طاقت میں نہیں تھا۔ اب بجلی اور گیس اہم قیمتی اموال سے ہیں، جن کی خرید و فروخت کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ لہٰذا مال کی تعریف میں مال کا عین ہونا جس کا احراز ہو سکے عرف کی بنیاد پر تھا مگر عرف حادث کی وجہ سے یہ ضروری نہیں رہا۔
- اس توضیح سے آج درپیش کثیر مسائل کا حل آسان ہو جائے گا۔ مکانات کی تعمیر سے پہلے خرید و فروخت اور حصص اور تجارتی اموال کی انٹرنیٹ کے ذریعہ اور مختلف قسم کے تجارتی کارڈز وغیرہ کے ذریعہ بیع اور شراء جائز ہو گی اور منافع کا مال ہونا اور منافع کا معاوضہ مال ہونا اور اجرت کے دین کا دین قوی ہونا ثابت ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (محمد رفیق حسنی)

بیع الوفاء کی توضیح اور زکوٰۃ کا حکم:

- غالباً آج سے تین چار سو سال پہلے مسلمان تاجروں اور ضرور تمندوں نے قرض

پر سود سے بچنے کے لئے بیع الوفاء ایجاد کی جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب ایک آدمی کو رقم کی ضرورت ہوتی تھی وہ دوسرے آدمی کو مطلوبہ رقم کے مقابلہ میں کوئی مال فروخت کر دیتا اور دونوں کا باہم عہد ہوتا کہ جب رقم واپس ہو گی فروخت شدہ مال واپس کر دیا جائے گا اس معاملہ میں بعض مرتبہ قرض طلب کرنے والا اپنا مال سستا فروخت کرتا تھا تاکہ اسے قرض مل جائے اور قرض دینے والا رقم دینے کے بعد مبیع کا مالک ہو جانے کی وجہ سے مبیع سے نفع اٹھا سکتا تھا۔ اگر مال زمین ہوتی تو اس سے وہ فصل اٹھاتا رہتا اور اگر باغ ہوتا تو اس کا پھل کھاتا یا فروخت کرتا رہتا کبھی وہ مال اموال زکاتیہ سے ہوتا تھا چونکہ فروخت شدہ مال کا وہ مالک ہو جاتا تھا اس لئے اس مال کی قیمت پر قرض پر مشروط منافع اور سود نہیں کہا جاتا تھا بلکہ رقم قرض نہیں وہ مبیع کی قیمت ہوتی تھی لیکن وہ مال کو فروخت نہیں کر سکتا تھا بلکہ اس پر لازم ہوتا تھا کہ فروخت کرنے والے آدمی کو مطلوبہ رقم واپس ہونے پر مال واپس کر دے اس وقت کے علماء میں اختلاف رہا کہ سود سے بچنے کے لئے یہ حیلہ جائز ہے یا نہیں یہ عقد رہن ہے یا عقد بیع ہے۔ اور اگر بیع ہے تو بیع پھر بیع صحیح ہے یا نہ؟ تو فروخت شدہ مال کی زکوٰۃ کس آدمی پر واجب ہے فروخت کنندہ پر یا خریدار پر اور خریدار پر مال واپس کرنا اور اسے فروخت نہ کر سکنا لازم تھا یا نہ۔

اس میں علامہ شامی کا مختار یہ ہے کہ یہ معاملہ عقد رہن ہے اور جائز ہے اور خریدار اور فروخت کنندہ دونوں پر مرہون مال کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی البتہ قرض کی رقم چونکہ استعمال کے بعد دین ہو جاتی ہے اور دین کی زکوٰۃ صاحبِ دین پر واجب ہوتی ہے مدیون پر واجب نہیں ہوتی اس لئے قرض کی رقم کی زکوٰۃ خریدار پر واجب ہو گی اور مدیون یعنی مال فروخت کنندہ بقدر دین زکوٰۃ کے مال سے دین ساقط کر کے بقیہ مال کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ شامی میں ہے:

"قُلْتُ يَنْبَغِيْ لُزُوْمُهَا عَلَى الْمُشْتَرِيْ فَقَطْ عَلَى الْقَوْلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ

"الْعَمَلُ اَلْآنَ مِنْ اَنَّ بَيْعَ الْوَفَاءِ مُنَزَّلٌ مَنْزِلَةَ الرِّهْنِ وَعَلَيْهِ فَيَكُوْنُ الثَّمَنُ دَيْنًا عَلَى الْبَائِعِ تَأَمَّلْ" (ص: ۱۷۷/۳)

ترجمہ: زکوٰۃ کا لزوم فقط مشتری پر ہے اس قول پر جس پر آج عمل ہے یہ کہ بیع الوفاء رہن کے قائم مقام ہے پس اس بناء پر ثمن بائع پر دین ہوگا غور کرو۔

• بعض علماء نے فرمایا یہ عقد بیع صحیح ہے مگر خریدار کے لیے فروخت شدہ مال بائع کو واپس کرنا واجب ہے اور اس کا استبدال ممنوع ہے انہوں نے فرمایا بعض عہد ایسے ہوتے ہیں جن کی وفا کرنا واجب ہوتا ہے اور رقم کی زکوٰۃ بائع پر واجب ہے کیونکہ وہ رقم کا مالک ہوگیا، شامی میں ہے۔

"تتمه: قالوا ثمن المبيع وفاء ان بقي حولا فزكاته على البائع لانه يملكه" (ص: ۱۷۷/۳)

ترجمہ: علماء نے کہا بیع الوفاء میں اگر ایک سال تک ثمن باقی ہے تو ثمن کی زکوٰۃ بائع پر واجب ہوگی کیونکہ وہ اس کا مالک ہے۔

• بیع الوفاء کو بیع تسلیم کرنا راجح ہے کیونکہ معاملات میں یسر شرعی مطلوب ہوتا ہے۔ لوگ سود پر قرض دے رہے ہیں اگر سود سے بچنے کے لیے حیلہ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ (رفیق حسنی)

فلیٹوں اور مکانوں کی بیع، بیع الوفاء نہیں:

• بیع الوفاء کی توضیح سے معلوم ہوا پلازوں میں فلیٹوں کی بیع و شراء بیع الوفا نہیں ہوتی لہٰذا ان کے احکام بیع الوفاء جیسے نہیں ہوں گے بلکہ یہ حقیقی بیع ہوتی ہے اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا بلڈر پر حاصل کردہ رقم کی زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ وہ رقم کا مالک ہوگیا ہے کیونکہ مکانات کی تعمیر کے لیے محفوظ رقم پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور خریدار پر مکان یا فلیٹ کی زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ وہ تجارت

کے ارادہ سے خریدا گیا ہو۔

زکوٰۃ کے وجوب کا چوتھا ظاہری سبب یہ کہ زکوٰۃ کا نصاب دین سے فارغ ہو:

• تفصیل: ابتداً میں دین کی دو قسم ہیں دین اللہ اور دین العباد دین اللہ سے مراد وہ دین ہے جس کا مطالبہ کرنا آدمی کا حق نہ ہو مثلاً دین نذر اور دین کفارہ اور دین حج اور دین صدقۃ الفطر اور دین الاضحیۃ (شامی، ص: ۱۷۷/۳) دیون اللہ زکوٰۃ کے مال سے وضع نہیں کئے جائیں گے۔ اور دین العباد سے وہ دین مراد ہے جس کا مطالبہ کرنا آدمی کا حق ہو، دین العباد میں تفصیل ہے۔ دیون معجلہ غیر میعادی زکوٰۃ کے مال سے وضع کئے جائیں گے اور مؤجلہ (میعادی) وضع نہیں کئے جائیں گے۔ دین اللہ کی مثالیں: مثلاً اگر کسی شخص نے نذر مانی کہ چاندی کا نصاب 612.36 گرام صدقہ کرونگا صدقہ کرنے سے پہلے اس پر سال گذر گیا اس نصاب کی زکوٰۃ واجب ہے زکوٰۃ کے مال سے نذر کی مقدار وضع نہیں کی جائے گی، حالانکہ نذر دین ہے مگر اس دین کا مطالب کوئی آدمی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالی ہے اسی طرح کفارات کا دین زکوٰۃ کے مال سے وضع نہیں کیا جائے گا۔ قسم اور فساد روزہ اور قتل خطاً اور ظہار کے کفارات کے دین کی مطالب شرع شریف ہے اور یہ کفارات محض حق اللہ ہیں اسی طرح حج فرض کے لئے محفوظ رقم اور ایام عید کے بعد صدقۃ الفطر اور قربانی کا دین بھی حق اللہ ہے۔

یہ دیون جو حق اللہ بنتے ہیں مدیون کے مال سے وضع نہیں کئے جائیں گے، سارے مال کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ (درمختار/ردالمحتار)

دین کی شرعی تعریف:

• شامی میں ہے:

"مَا وَجَبَ فِي الذِّمَّةِ بِعَقْدٍ اَوِ اسْتِهْلَاكٍ وَمَا صَارَ فِيْ ذِمَّتِهٖ دَيْنًا بِاسْتِقْرَاضِهٖ فَهُوَ اَعَمُّ مِنَ الْقَرْضِ كَذَا فِي الْكِفَايَةِ"

(۳۸۳/۷۔ شامی باب المرابحہ والتولیہ۔)

ترجمہ: دین وہ مال ہے جو آدمی کے ذمہ واجب ہوتا ہے اس کا واجب ہونا کسی عقد کی وجہ سے ہو یا کسی چیز کو ہلاک کرنے کی وجہ سے اور قرض لینے کی وجہ سے جو مال آدمی کے ذمہ واجب ہو جاتا ہے وہ بھی دین ہے پس دین قرض سے عام ہے اسی طرح کفایہ میں ہے۔

● دین ہونے کی صلاحیت صرف مثلی (کیلی یا وزنی اور عددی متقارب چیزوں) میں ہوتی ہے قیمی اشیاء میں دین ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی لہٰذا جانور دین نہیں ہو سکتے اور دین اور قرض میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے دین عام ہے اور قرض خاص ہے۔ ہر قرض دین ہو گا مگر ہر دین قرض نہیں ہو گا۔

قرض کی شرعی تعریف:

● "مَا تُعْطِیْهِ مِنْ مِثْلِیٍّ لِتَتَقَاضَاهُ" (ص:۲۸۸/۷) قرض وہ مثلی مال ہے جو آدمی کسی دوسرے آدمی کو دے تاکہ وہ اس مثلی مال کی جنس سے مثلی مال واپس لے۔ مثلی سے مراد کیلی مال ہو یا وزنی یا عددی متقارب ہو قیمی مال نہ ہو اور قیمی مال کی مثال جیسے حیوان اور مختلف اجناس کی خام لکڑیاں اور زمین اور عددی متفاوت المقدار اشیاء یہ سب قیمی ہیں۔ (ص:۳۸۸)

قرض واپس کرنے کا حکم:

● قرض میں اتنی رقم یا مال واپس کرنا لازم ہوتا ہے جتنا لیا گیا تھا اس کی قیمت مہنگی یا سستی کا اعتبار نہیں ہوتا، مثلاً دس ہزار روپے قرض لیا گیا تھا تو وہی دس ہزار واپس کرنا واجب ہے اگرچہ واپسی کے وقت کرنسی کی ویلیو کم یا زیادہ ہو چکی تھی یہی حکم سونے چاندی اور دیگر اجناس کیلی اور وزنی اشیاء کا ہے۔

● امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک مستقرض قبضہ کے بعد قرض میں لئے گئے مال کا مالک ہو جاتا ہے لہٰذا اس کی مثل کا ردّ کرنا واجب ہو جاتا ہے اگرچہ ابھی قرض کا

مال قائم اور موجود ہو اور امام ابو یوسف کے نزدیک مستقرض مال کا مالک اس وقت ہوتا ہے جب اس کو وہ خرچ کر دیتا ہے اور اگر ابھی مال خرچ نہیں کیا گیا تو اس مال کے عین کا واپس کرنا واجب ہوتا ہے۔ (ص:۳۹۲/۷)

دین اور ثمن میں فرق:

● دین اور ثمن میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے ایک مادہ اجتماعی اور دو مادے افتراقی۔ دین کی رقم کے مقابلہ میں کوئی چیز خرید کی جائے یہ دین ثمن بھی ہے اور دین بھی اور عبد کے عوض کوئی چیز خرید کی گئی عبد صرف ثمن ہے کیونکہ قیمی ہے اور دین نہیں اور مہر میں رقم یا طلاق کے عوض رقم مقرر ہو تو یہ صرف دین ہے ثمن نہیں ہے۔

دین کے مسائل:

● دین العباد کے دو قسم ہیں مؤجل (میعادی) اور غیر مؤجل (غیر میعادی)۔

● دین مؤجل میں ذکر کردہ میعاد اور مہلت لازم ہو جاتی ہے مگر یہ مہلت مدیون کا حق ہے دائن کا حق نہیں، دائن اسے ساقط اور منسوخ نہیں کر سکتا اور قسطوں میں بھی نہیں کر سکتا اور اگر مدیون دین میں تاخیر اور میعاد ساقط کر دے تو کر سکتا ہے یہ اسی کا حق ہے وہ دین حالی اور معجّل ہو جائے گا (در مختار، شامی) دین کی واپسی میں مقرر کردہ میعاد اور وقت میں جہالت فاحشہ معتبر نہیں ہو گی مثلاً مدیون کہے جب ہوا چلے گی یا سیلاب آئے گا میں دین کی رقم واپس کرونگا البتہ جہالیہ یسیرۃ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے مثلاً مدیون اور دائن میں طے ہو کہ گندم کی فصل کاٹنے تک دین واپس ہو گا۔ (شامی)

● دین یا قرض کو مدیون صاحبِ دین سے خرید کر سکتا ہے مثلاً مدیون کے ذمہ گندم کی بوری واجب ہے تو مدیون نقد پیسے دیکر بوری خرید سکتا ہے اس میں شرط یہ ہے کہ نقدی پر مجلس عقد میں قبضہ ہو جائے ورنہ بیع الدین بالدین کی وجہ سے

بیع باطل ہو جائے گی۔(ص:۷/۳۹۲)

دین میں میعاد لازم اور قرض میں غیر لازم ہوتی ہے:

● دین میں دی گئی مدۃ لازم ہوتی ہے مدیون سے میعاد سے پہلے دین کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا مگر چھ مسائل میں میعاد لازم نہیں ہوتی اور قرض میں تاجیل اور میعاد لازم نہیں ہوتی مقروض سے ذکر شدہ وقت سے پہلے بھی قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے مگر چار مسائل میں جن کا ذکر کتب فقہ سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

دین العباد کا حکم:

● وہ واجب مال جو مجلس عقد میں ادا نہ کیا جائے وہ دین ہوتا ہے اور جو عقد میں ادا کیا جائے اس کو نقد کہا جاتا ہے پھر دین العباد کے اوّلاً دو قسم ہیں: مؤجل اور غیر مؤجل یعنی میعادی اور غیر میعادی۔ غیر میعادی دین میں دین واپس کرنے کا معین وقت مشروط نہیں ہوتا۔ اس دین کا حکم یہ ہے کہ دین غیر میعادی مجلس عقد کے بعد کسی وقت بھی طلب کرنے پر واپس کرنا واجب ہوتا ہے اور دین میعادی وہ دین ہوتا ہے جس میں معین وقت مشروط ہوتا ہے اور مجلس عقد کے بعد معین وقت میں واپس کرنا واجب ہوتا ہے۔ (شامی)

دین میعادی کی تین قسمیں ہیں:

● امام اعظم کے نزدیک دین میعادی اور غیر میعادی کے تین قسم ہیں۔ دین قوی اور دین متوسط اور دین ضعیف۔

● قرض دین قوی ہوتا ہے اور مالِ تجارت کی بیع اور فروخت میں مالِ تجارت کا بدل اور معاوضہ بھی دین قوی ہوتا ہے یعنی قرض اور ہر وہ مال جس کا عین (خود مال) مالِ تجارت ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اسپر تجارت کے مال ہونے کی تعریف صادق آتی ہو اس کا بدل اگر کسی آدمی پر واجب ہو جائے اس مال کا ادھار اور موخر ہونا دین قوی کہلاتا ہے۔ حقیقی اور خلقی مالِ تجارت سونا اور چاندی

کے دراہم اور دینار یا سادہ سونا اور چاندی کسی شخص پر واجب ہوں مگر نقد نہ ہوں بطور قرض ہوں یا کسی مال کے عوض ہوں یا کسی عمل کی اجرت اور اس کا عوض ہوں اور نقد نہ ہوں یعنی مالِ تجارت اور سونے اور چاندی کا ادھار دین قوی ہوگا۔ لہٰذا ملازم کی تنخواہ اور عمل کی اجرت شخص پر یا کسی ادارے پر دین قوی ہوگی۔ ان شاء اللہ عنقریب ذکر کیا جائے گا کہ اجرت کا دین دینِ قوی ہوتا ہے۔ مثلاً ملازم کے ساتھ اجرت نقود دراہم یا دنانیر یا کرنسی نوٹوں میں طے ہوئی اور ملازم نے حسب معاہدہ معین عمل اور کام کر لیا لیکن ملازم کو نقد رقم نہیں ملی، ادھار ہے یہ بھی دین قوی ہے اس کی زکوٰۃ صاحب دین یعنی ملازم پر واجب ہوگی کیونکہ مالِ تجارت کے معاوضہ کی طرح اگر ملازم کو طے شدہ نقود نقد مل جائیں ادھار نہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور جب وہ نہیں ملے تو وہ دین قوی ہوگئے تو قرض کی طرح نقود کے دین پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مختار قول پر زکوٰۃ کے اموال یعنی جن مالوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان کا بدل بھی دین قوی ہوتا ہے محیط میں ہے:

"الدین القوی ما یملکه بدلا عن مال الزکوٰة تامل" (ص:۷/۲۳۷)

ترجمہ: اور مال زکوٰۃ کا بدل دین قوی ہوتا ہے غور کرو۔

(۱) **فائدہ:** بعض علماء(جو "جی پی فنڈ") ملازم کی میعادی اجرت پر زکوٰۃ کے عدم وجوب کا قول کرتے ہیں وہ دین قوی کو صرف مالِ تجارت کے بدل میں محصور سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے کتبِ فقہ میں دین قوی کی امثال میں قرض کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جب قرض کسی چیز کے معاوضہ میں نہیں ہوتا ابتداء میں احسان اور تبرع ہوتا ہے پھر بھی قرض کا دین دینِ قوی ہوتا ہے تو ملازم کی اجرت جو عمل کے معاوضہ میں ہوتی ہے، وہ بطریق اولیٰ دین قوی ہوگی اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ ہماری تحقیق یہ ہے کہ اجرت کے ابواب میں احناف کے نزدیک

بھی اعمالِ مؤجرۃ کا حکم مال کا ہوتا ہے اور ان کی اجرت دین قوی ہوتی ہے، جس کا عنقریب ذکر کیا جائے گا۔

(۲) فائدہ: بعض علماء کو غلط فہمی ہوئی وہ کہتے ہیں دین ایک وصف یا حق ہوتا ہے مال نہیں ہوتا اس لئے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ اوّلاً تو ان حضرات سے سوال ہے قرض بھی دین ہوتا ہے اور دین وصف اور حق کا نام ہے تو اس پر زکوٰۃ کیوں واجب ہوتی ہے۔ ثانیاً وصف من حیث الوصف کا وجود خارج میں نہیں ہوتا لیکن وصف اپنے افراد کے ضمن میں متحقق ہوتی ہے اور دین کے افراد اموال ہوتے ہیں لہٰذا دین اموال میں موجود ہوگا نیز دین کے وصف اور حق ہونے کا مفہوم یہ ہوتا ہے دین کے مال میں تعین شخصی نہیں ہوتا مگر تعین نوعی ہوتا ہے اجرت میں اگر سونے کی کوئی مقدار طے ہے تو سونا واجب ہوگا اگر کرنسی طے ہے تو کرنسی دینا ہوگی۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ سونا اور چاندی اور کرنسی تینوں ایک نوع ہیں۔ مثلاً دس تولہ سونا یا کوئی مثلی چیز یا کرنسی کا دین ہے تو شخصی تعین کہ فلاں نمبر کے نوٹ دین ہیں یا فلاں شکل کی گندم یا سونا دین ہے یہ لازم نہیں ہوتا مگر دین کے مال میں نوعی تعین لازم ہوتا ہے مثلاً کسی نے تجارت کا کپڑا ادھار پر فروخت کیا، خریدار پر کپڑے کے مروج ثمن دین ہیں، اس کا یہ مفہوم نہیں کہ خریدار پر لازم ہو کہ کپڑے کے معاوضہ میں مروج ثمن نہ دے، بائع کو کپڑوں کے دین میں لکڑی اٹھا کے دے دے اگر بائع انکار کرے تو مشتری کہے دین ایک حق کا نام ہے وہ وصف ہے لہٰذا میں وہ حق لکڑی کی صورت میں ادا کروں گا، کیا یہ صحیح ہے؟ دین کو مبہم وصف اور حق کہنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ حق اور وصف ہونے کا وہ مفہوم نہیں جو انہوں نے سوچا ہے۔ یہی مثال ملازم کی اجرت کے ساتھ بھی دی جاسکتی ہے کہ ملازم کو اجرت میں ماربل کے پتھر یا لکڑی دے کر کہا جائے تمہاری اجرت دین تھی کوئی معین مال نہیں تھا لہٰذا اس کو قبول کرو ورنہ قاضی کے پاس جاؤ۔ جب ایسا

نہیں ہے تو ثابت ہوا ملازم کی اجرت اگرچہ دین ہو وہ عرف اور رواج کے مطابق اس ملک کی کرنسی ہوتی ہوگی اس میں تعین نوعی ہوتا ہے جس کا حکم دین قوی کا ہے اور یہ حکماً مال ہوتا ہے لہٰذا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اجرت کو ایک وصف اور حق کہہ کر صاحبِ اجرت کو زکوٰۃ سے بری قرار نہیں دیا جاسکتا۔ (محمد رفیق حسنی)

• دین متوسط اس مال کا بدل ہوتا ہے جو مالِ تجارت یا مالِ زکوٰۃ کا بدل نہ ہو بلکہ زکوٰۃ کے مال کے علاوہ کسی مال کا بدل ہو چنانچہ علامہ شامی نے زکوٰۃ میں حیواناتِ سائمہ کے موخر بدل کو بھی دین قوی شمار کیا ہے اگرچہ در مختار میں زکوٰۃ کے مال کے بدل کو دین متوسط میں شمار کیا گیا ہے مگر رد المحتار میں ذکر کیا گیا ہے کہ دین متوسط مالِ تجارت اور مال زکوٰۃ کا بدل نہیں ہوتا بلکہ تجارت کے مال کا بدل اور زکوٰۃ کے مال کا بدل دین قوی ہوتا ہے دین متوسط کی مثال جیسے خدمت کے غلام یا مملوکہ زمین اور سواری کے جانوروں اور گھر کے سامان کو فروخت کرنے کا بدل ہوتا ہے یعنی بنیادی حاجات انسانیہ سے فروخت شدہ مال کا بدل اگر مؤخر ہو تو وہ دین متوسط ہوگا، بشرطیکہ وہ بدل سونا چاندی اور کرنسی نہ ہو۔

(در مختار اور رد المحتار)

• میت کا اگر کسی آدمی پر دین تھا اور وہ دین وارثوں کو منتقل ہوگیا اب وہ دین وارثوں کا ملک ہے یہ دین بھی دین متوسط ہے اگرچہ وہ مالِ تجارت کا دین تھا۔ میّت اگر زندہ رہتا تو اس کو زکوٰۃ دینا ہوتی مگر وارثوں کی طرف انتقال کے بعد وہ دین قوی نہیں رہتا۔ (شامی)

• دین ضعیف وہ دین ہے جو کسی چیز کا بدل نہ ہو جیسے ہبہ، وصیت اور وراثت میں حاصل مال کا دین ہو یا مال کا بدل اور معاوضہ نہ ہو بلکہ دین منفعت غیر مؤجرۃ کا معاوضہ ہو جیسے مہر یا خون بہا کا تاوان قاتل پر واجب ہوتا ہے یا خلع اور طلاق کے معاوضہ میں مطلقہ کو دیا گیا مال ہو یعنی حقوق کا معاوضہ ہو، یہ بھی دین ضعیف ہوتا

ہے۔فقہاء کے نزدیک دین ضعیف میں منفعت سے مراد منفعت غیر موجرۃ کا دین ہے کیونکہ منفعت کی اجرت میں حاصل مال دینِ قوی ہوتا ہے۔

(۱) پہلا فائدہ: امام اعظم کے نزدیک دین کی تین قسمیں ہیں اور ان کے احکام مختلف ہیں لیکن صاحبین کے نزدیک دین کے اقسام اگرچہ تین ہیں مگر ایک ہی حکم ہے کہ صاحب دین پر ہر سال سب دیون کی زکٰوۃ واجب ہے مگر ادا اس وقت واجب ہوگی جب دین پر قبضہ ہوگا اور قبضہ کے بعد سابقہ سالوں کی زکٰوۃ بھی ادا کرنا واجب ہوگی شامی میں ہے:

"قَوْلُهُ عِنْدَ الْإِمَامِ وَعِنْدَهُمَا الدُّيُوْنُ كُلُّهَا سَوَءٌ تَجِبُ زَكَاتُهَا وَيُؤَدَّى مَتٰى قَبَضَ شَيْئًا قَلِيْلاً أَوْ كَثِيْرًا" الخ۔

ترجمہ: اور صاحبین کے نزدیک سارے دین برابر ہیں سب کی زکٰوۃ واجب ہوگی جب قبضہ ہوگا خواہ قلیل مال پر قبضہ ہو یا کثیر پر اس کی زکٰوۃ ادا کی جائے گی اور امام اعظم کے مذہب میں تفصیل ہے جس کا آئندہ ذکر ہوگا۔(شامی)

(۲) دوسرا فائدہ: احناف کے نزدیک کامل نصاب پر زکٰوۃ واجب ہوتی ہے، نصاب کی تکمیل کے بعد امام اعظم کے نزدیک نصاب سے زائد مال کے پانچواں حصہ (خمس) مکمل ہونے پر زکٰوۃ واجب ہوتی ہے اور پانچویں حصہ سے کم میں جس کو عفو کہا جاتا ہے اس میں زکٰوۃ واجب نہیں ہوتی مثلاً چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے جس کی قیمت پچاس ہزار روپے ہے چاندی کے نصاب دو سو درہم کے بعد چالیس درہم تک زکٰوۃ معاف ہے پہلے مکمل نصاب کی زکٰوۃ پانچ درہم تھی وہ واجب ہے اس کے بعد چالیس درہم تک زکٰوۃ واجب نہیں ہے جب چالیس درہم مکمل ہوں گے اس میں ایک درہم واجب ہوگا یا مثلاً پچاس ہزار روپے کے نصاب میں ساڑھے بارہ سو روپے زکٰوۃ واجب ہے مگر پچاس ہزار روپے سے اوپر

پانچویں حصہ دس ہزار سے کم پر زکٰوۃ واجب نہیں ہوگی جب دس ہزار مکمل ہوں گے اس پر دس ہزار کی زکٰوۃ اڑھائی سو روپے واجب ہوگی یہی حکم سونے اور مالِ تجارت اور حیواناتِ سائمہ کا ہے لاکھوں اور کروڑوں روپے کے مال میں ہر دو خمس کے درمیان والے مال پر زکٰوۃ واجب نہیں ہوگی جب نصاب کا خمس (پانچواں حصہ) مکمل ہوگا اس کی زکٰوۃ واجب ہوگی مگر صاحبین کے نزدیک نصاب کی تکمیل کے بعد مال کے قلیل اور کثیر پر زکٰوۃ واجب ہوگی حتی کہ پچاس ہزار روپے کی تکمیل کے بعد اگر سو روپے زائد ہیں تو ایک سو زائد کی رقم اڑھائی روپے بھی ادا کرنا فرض ہے یہاں فتوی صاحبین کے قول پر ہے اور اس پر عمل ہو رہا ہے، نصاب کے اوپر مال کے ہر حصہ پر زکٰوۃ ادا کی جارہی ہے۔

(۳) تیسرا فائدہ: درحقیقت زکٰوۃ کا تعلق صرف دو مالوں کے ساتھ ہوتا ہے یعنی صرف دو مالوں کی زکٰوۃ مالک پر واجب ہوتی ہے مالِ تجارت اور حیواناتِ سائمہ، کرنسی اور سونا اور چاندی بھی مالِ تجارت ہیں اور ایک مال اور ایک جنس ہیں اور حیواناتِ سائمہ دوسرا مال ہے کرنسی اور سونا اور چاندی طبعی اور خلقی مالِ تجارت ہیں کوئی شخص کرنسی اور سونے اور چاندی میں تجارت کی نیت کرے یا نہ کرے یہ مالِ تجارت ہیں اور دوسرے اموال کا اموالِ تجارت ہونا عارضی اور تجارت کے عمل سے ہوتا ہے یعنی آدمی کی جانب سے تجارت کی نیت سے مال خرید کرنے پر ہوتا ہے چونکہ تجارت میں عموماً مال کے بڑھنے اور زائد ہونے کا امکان ہوتا ہے اس لئے شرع شریف نے صرف مالِ تجارت پر زکٰوۃ واجب فرمائی ہے اور بنیادی ضروریات کے مال یا غیر تجارتی مال پر زکٰوۃ فرض نہیں فرمائی اور حیواناتِ سائمہ میں توالد اور تناسل کی وجہ سے حیوانات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اس لئے حیواناتِ سائمہ جو اللہ تعالی کی طرف سے چراہگاہوں سے مفت بلا قیمت گھاس کھاتے ہیں آدمی کا ان پر کوئی زیادہ خرچہ نہیں ہوتا اور اضافہ بھی ہوتا

رہتا ہے شرع شریف نے ان حیوانات پر زکوٰۃ فرض فرمائی ہے آدمی پر ایسے جانوروں کی زکوٰۃ فرض نہیں فرمائی جن کے چارے پر آدمی خود ذاتی مال خرچ کرتا ہے اور مشقت اٹھاتا ہے یا آدمی کے بار برداری اور کاشتکاری میں کام آتے ہیں۔

وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ عَلٰی ذَالِکَ

صاحبِ دین اور مدیون پر دین کے احکام

• مالِ تجارت یا زکوٰۃ کے اموال فروخت کرنے کے بعد اگر رقم ادھار اور مؤخر ہو نقد نہ ہو وہ دین ہو گی اور دین کی زکوٰۃ صاحبِ دین پر واجب ہوتی ہے اور یہ دین قرض کی طرح دین قوی ہوتا ہے۔ قرض اور تجارت اور زکوٰۃ کے فروخت شدہ مال کے دین کا حکم بھی مالِ تجارت اور مال زکوٰۃ کے عین کا ہوتا ہے لہٰذا صاحبِ دین پر دین کی زکوٰۃ واجب ہے مگر ادا قبضہ کے بعد واجب ہو گی خواہ آدمی اپنے دین قوی کی زکوٰۃ ہر سال ادا کرتا رہے یا پھر دین کا مال ملنے پر سابقہ سالوں کی ایک ساتھ زکوٰۃ ادا کرے گویا مالِ تجارت کی طرح یہ دین بھی مالِ تجارت کی ایک شکل ہے کہ بدل کا حکم مبدل منہ کا ہوتا ہے مگر امام اعظم فرماتے ہیں، اگر دین کے نصاب کا پانچواں حصہ واپس مل جائے مثلاً دین دو سو درہم ہے اور دین سے چالیس درہم مل جائیں تو اس میں ایک درہم زکوٰۃ واجب الادا ہو جائے گی باقی پر قبضہ کے بعد زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہو گا صاحبین کے قول کے مطابق جو کہ مفتی بہ ہے اگر دین کی رقم نصاب کے برابر ہے اس کی زکوٰۃ ہر سال واجب ہے اور اس کے بعد جتنا مال وصول ہو، چالیس درہم کی شرط نہیں۔ اس کی زکوٰۃ ادا کر لی جائے اور بقیہ مال کی زکوٰۃ قبضہ کے بعد بمع گذشتہ سالوں کے ادا کی جائے۔ (در مختار، رد المحتار)۔

دین المرصد کا حکم:

• یہاں دین قوی کی بحث میں علامہ شامی نے دین المرصد کا ذکر بھی کیا ہے جو کہ علامہ شامی کے زمانہ میں مروج تھا دین مرصد یہ تھا قاضی اور جج کی اجازت سے

اوقاف کی مکانوں میں کرایہ دار عمارت کی ضروری ریپیئرنگ اور اصلاح پر اپنے جیب سے خرچ کر لیتے تھے مثلاً دیوار ٹوٹ گئی یا کوئی دوسرا ضروری کام کرانا پڑ گیا اُسے اپنی جیب سے ٹھیک کرالیا گیا پھر اوقاف سے لے لیا خرچ کردہ رقم درحقیقت کرایہ دار کا وقف کے متولی پر دین اور قرض ہوتا تھا لہٰذا جب کرایہ دار متولی سے رقم وصول کرے گا کرایہ دار کو اس کی زکوٰۃ بمع سابقہ سالوں کے ادا کرنا ہو گی اگرچہ عمارت پر خرچ کی گئی رقم مکان کے کرایہ سے وضع کی جائے، علامہ شامی فرماتے ہیں:

"والناس عنه غافلون"۔(ص:۳/۲۳۷)

ترجمہ: اور لوگ اس سے غافل ہیں یعنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔

• اس مسئلہ سے معلوم ہوا اگر کرایہ دار مکان کے مالک سے اذن لیکر مکان میں کوئی کام کرواتا ہے تو خرچ شدہ رقم مالک پر قرض ہوتی ہے اور کرایہ دار پر اس کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اگرچہ وہ رقم کرایہ سے وضع کی جائے۔

دین متوسط کا حکم:

• سونا چاندی یا تجارتی اور زکوٰۃ کے مال کے علاوہ دوسرے اموال فروخت کرنے کا بدل اور معاوضہ اگر دین ہو اس کے دین کو دین متوسط کہا جاتا ہے دین متوسط کی زکوٰۃ میں امام صاحب کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ دین متوسط کی زکوٰۃ قبضہ کے دن سے ایک سال کے بعد واجب الاداء ہو گی اور دوسری روایت جو کہ ظاہر الروایت ہے یہ ہے کہ دین متوسط کا سال اس دن سے شروع ہو گا جس دین غیر زکاتی مال کی بیع واقع ہوئی تھی یعنی قبضہ سے پہلے۔ امام صاحب سے روایت کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ یہ تو مسلم ہے کہ جب تک مال کو فروخت نہیں کیا گیا تھا اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں تھی مگر جب اسے فروخت کیا گیا اور اس کا بدل دین کی صورت میں خریدار پر واجب ہو گیا اس بدل کو مالِ تجارت اس وقت قرار دیا

جائے گا جب اس پر قبضہ ہوگا اور تجارت کی نیت سے فروخت کیا جائے گا اور دوسری روایت جو کہ ظاہر الروایت ہے کی بنیاد اس امر پر ہے کہ دین بیع کے دن سے مالِ تجارت ہو جاتا ہے بیع کا ہونا تجارت کی علامت ہے اور دوسری روایت ابن سماعۃ کی ہے کہ دین متوسط دین پر قبضہ کے ایک سال بعد تجارت کی نیت سے فروخت کرنے پر مالِ تجارت بن جاتا ہے یہ اختلاف اس وقت ہے جب فروخت کردہ مال کا ثمن اور بدل سونا اور چاندی اور کرنسی نہ ہو اور عروض ثمن ہوں کیونکہ نقود اور ان کا دین بلانیت مالِ تجارت اور مال زکوٰۃ ہے لہٰذا اگر آدمی کا دوسرے آدمی پر دین متوسط واجب ہے اور کامل نصاب کو پہنچتا ہے آدمی کے پاس مال زکوٰۃ میں سے کوئی دوسرا نصاب موجود نہیں ہے، دین کی زکوٰۃ دین پر قبضہ کے بعد ایک سال مکمل ہونے پر واجب ہوگی اور ماضی کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی در مختار کے متن میں اسی روایت کا ذکر ہے مگر غور کیا جائے تو ظاہر الروایۃ کی بنیاد یہ ہے کہ وہ دین مال فروخت کرنے اور بیع کے دن سے مالِ تجارت ہو جاتا ہے یہ روایت عقل کے زیادہ قریب ہے کیونکہ آج کل عموماً مال کی فروخت کرنسی میں ہوتی ہے اور کرنسی کی صورت میں مدیون پر دین ہوگا اور کرنسی جب تک مروج رہے طبعاً مالِ تجارت ہوتی ہے اور کرنسی مالِ تجارت کا دین ہوگی۔ اس لئے صاحب دین کو دین متوسط کے پورے نصاب پر قبضہ کے بعد ماضی کی زکوٰۃ بھی دینا ہوگی۔ (محمد رفیق حسنی)

• سب دیون قوی، متوسط، ضعیف میں دو چیزوں کا لحاظ ضروری ہوتا ہے ایک یہ کہ درج بالا تفصیلی حکم تب ہوگا کہ جب صاحب دین یعنی دین کے مالک کے ملک میں دوسرا مال زکوٰۃ نہ ہوا گر دائن کے ملک میں دین کے علاوہ دوسرا مال زکوٰۃ موجود ہے تو بالاتفاق دین میں سے مقبوضہ مال کو موجودہ مال کے ساتھ ملایا جائے گا اگر دین مقبوض اور مال موجود دونوں سے نصاب مکمل ہو گیا تو ہر سال کی زکوٰۃ

واجب الاداء ہوگی اور موجودہ مال سے مقبوضہ دین کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

وراثت کے دین کا حکم:

• دین متوسط کی مثالوں میں ایک مثال دین وراثت کی بھی دی گئی ہے علامہ شامی نے فتح القدیر سے نقل کیا کہ کسی آدمی پر میت کا دین تھا وارثوں کے ملک میں وراثت کے ذریعہ آنے والا دین دین ضعیف ہے مگر علامہ شامی فرماتے ہیں ظاہر الروایات میں یہ دین متوسط ہے ظاہر الروایات کی بنیاد پر جس دن سے وارث مرحوم کے دین کا وارث بنے گا اس دن سے دین کا نصاب شمار کیا جائے گا اور دین ضعیف ہونے کی روایت پر خواہ مؤرث (مرنے والا) کا دین مالِ تجارت اور مال زکوٰۃ کا تھا یا غیر مال زکوٰۃ کا دونوں کا دین وارث کے حق میں دین ضعیف ہوگا کیونکہ وارث مورث کا حق ملک میں قائم مقام ہوتا ہے حق تجارت میں قائم مقام نہیں ہوتا لہٰذا وارث کے حق میں مورث کا دوسرے آدمی پر واجب دین دین ایسے مال کا ہوگا جو زکوٰۃ کا مال نہیں ہے اور دین ضعیف ہوگا۔

مگر فتویٰ ظاہر الروایات پر ہے لہٰذا اس دین کا حکم دین متوسط والا ہوگا دین مقبوض کو مال موجود کے ساتھ ملایا جائے گا اس کے لئے الگ حول کی ضرورت نہیں ہوگی۔۔ (ملخص شامی)

دین موصی بہ کا حکم:

• علامہ شامی نے دین ضعیف کی امثلہ میں ذکر فرمایا کہ دین موصی بہ بھی دین ضعیف ہوتا ہے یعنی میت نے وصیت کی تھی کہ فلاں آدمی پر میرا دین ہے، وہ دین فلاں آدمی کو دے دیا جائے، یہ دین موصی بہ ہے اور دین ضعیف ہے کیونکہ مُوْصِیْ کے مرنے کے بعد موصٰی لہ اس دین کا ہبہ کی طرح بغیر عوض کے مالک ہو جائے گا اور موصی لہ مرنے والے موصی کا ملک میں قائم مقام نہیں ہوگا لہٰذا وصیت والا دین خواہ کسی مال کا ہو اس کا حکم ہبہ کا ہوگا اور یہ دین

دین ضعیف کا حکم:

• دین ضعیف کے نصاب پر جب قبضہ ہو گا، قبضہ کے دن سے مال کا سال شروع ہو گا اور سال کے مکمل ہونے پر صاحب دین پر اس کی زکوٰۃ واجب ہو گی اور دین ضعیف پر قبضہ سے پہلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی کیونکہ دین ضعیف ہبہ کی طرح ہوتا ہے، ایک وعدہ ہوتا ہے کسی مال کا معاوضہ نہیں ہوتا جس کی بنیاد پر ہم یہ کہیں کہ دین کے وجوب کے دن سے یہ دین مالِ تجارت ہو جاتا ہے اور وجوب کے دن سے اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی کیونکہ بدل کا حکم مبدل کا ہوتا ہے یہاں مبدل منہ مال ہی نہیں ہوتا جس کی وجہ سے ہم کہہ سکیں دین مالِ تجارت کا بدل ہوتا ہے اور غیر مالِ تجارت تجارت کی نیت اور تجارتی تصرف دونوں سے مالِ تجارت بنتا ہے اور دین ضعیف میں قبضہ کے بعد ہی ایسا ہو سکتا ہے مگر صاحبین کے نزدیک مذکورہ امور کا بدل سونا یا چاندی یا کرنسی طے ہو تو دین، دینِ ضعیف نہیں رہتا بلکہ قوی ہو جاتا ہے مثلاً خلع کا بدل کرنسی یا سونا ہے اور وہ دین ہے سونا یا کرنسی میں نہ تجارت کی نیت کی ضرورت ہے اور نہ تجارتی عمل کی ضرورت ہے یہ خلقی مالِ تجارت ہیں اس لئے ملک میں آنے کے دن سے یہ مالِ تجارت ہوتے ہیں لہٰذا نقود کے دین کا حکم بھی مالِ تجارت کے دین والا ہو گا اب یعنی مذکورہ امور کا بدل دین قوی ہو گا اور سال کے بعد زکوٰۃ واجب ہو گی اور اگر مذکورہ امور کا معاوضہ عروض طے ہوں اور دین ہوں، ان کا دین دینِ ضعیف ہو گا۔ اور اگر مذکورہ امور کا بدل نقود ہوں، امام صاحب کے نزدیک زکوٰۃ اس لیے واجب نہیں ہوتی یہ دین مذکورہ امور خلع اور طلاق وغیرہما کی اجرت نہیں رہے۔ اگر سونا چاندی کسی عمل کی اجرت ہوں تو سونا چاندی کے دین پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے کیونکہ اجرت میں طے شدہ نقود کا دین دینِ قوی ہوتا ہے۔ دین ضعیف کا سال پورے نصاب پر قبضہ کے دن سے شروع ہو گا اور دین قوی اور متوسط کی طرح

ضعیف کی طرح ہو گا اس کا نصاب قبضہ کے بعد شمار کیا جائے گا (شامی) مگر اس دین کا حکم المستفاد فی اثناء الحول مال کی طرح ہو گا یعنی پہلے سے موجود مال کے ساتھ اس کو بھی ملایا جائے گا قبضہ کے بعد جو مال حاصل ہو گا اس کے لئے نیا حول شرط نہیں ہو گا۔

اہم مسئلہ کا ذکر:

• علامہ شامی نے اس مقام پر تبیینہ سے ایک اہم مسئلہ ذکر فرمایا ہے کہ دین قوی اور دین متوسط کی زکوٰۃ سال کے بعد فی نفسہ واجب ہو جاتی ہے مگر دین پر قبضہ سے پہلے واجب الاداء نہیں ہوتی یعنی زکاۃ کا ادا کرنا اس وقت واجب ہو گا جب دین پر قبضہ ہو گا سابقہ سالوں کی زکوٰۃ بھی قبضہ کے بعد واجب الاداء ہو گی اگر مورث (مرنے والا) اپنے دین پر قبضہ کرنے سے پہلے کئی سال گذر جانے کے بعد فوت ہو گیا اس پر واجب نہیں تھا کہ وہ دین پر واجب زکوٰۃ ادا کرے یا وارثوں کو ادا کر دینے کی وصیت کرے کیونکہ مرحوم پر قبضہ سے پہلے دین کی زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب نہیں تھا اور وارثوں پر دین پر قبضہ کے بعد مرحوم کے ملک میں گذرے سالوں کی زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہو گی کیونکہ وارث مرحوم کی موت کے بعد دین کے مالک ہوئے لہٰذا سال کی ابتدا مرحوم کی موت سے شمار ہو گی۔

(شامی)

• دوم یہ کہ دیون کا درج بالا تفصیلی حکم تب ہو گا جب دین کی ویلیو اتنی ہو جو چاندی کے نصاب 612.36 گرام کی قیمت کے برابر ہو اور قبضہ کے بعد سال بھر قائم رہے اگر دین کی ویلیو نصاب سے کم ہے تو دین کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہیں ہو گی اسی طرح قبضہ کے بعد اگر دین کا مال مالک کی ذاتی ضرورتوں میں خرچ ہو گیا تو مالک پر قبضہ کے بعد کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی مگر سابقہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہو گی بشرطیکہ صاحب دین آدمی خود مدیون نہ ہو۔

اگر دین ضعیف کے مالک کے ملک میں دوسرا مال زکوٰۃ موجود ہے تو اس مال کو دین کے ساتھ ملا کر موجودہ مال کے سال سے دین کی زکوٰۃ بھی واجب ہوگی۔ مثلاً بیوی کا مہر جو کہ دین ضعیف ہے شوہر پر واجب ہے اور بیوی کے ملک میں سونے یا چاندی کے زیورات موجود ہیں تو بیوی پر مہر کی رقم کی زکوٰۃ بھی واجب ہوگی اور اگر بیوی کے ملک میں مہر کے دین کے علاوہ کوئی مال زکوٰۃ نہیں ہے تو بیوی پر اس دن زکوٰۃ واجب ہوگی جب مہر پر قبضہ کے بعد تجارتی عمل اور نیت کے بعد ایک سال ہو جائے گا اور اس دوران مہر کا مال قائم رہے گا خلع اور طلاق اور قتل کے خون بہا کے مال کا بھی یہی حکم ہوگا در مختار میں ہے ”اذا کان عندہ مال یضم الدین الضعیف“(ص:۲۳۹) ترجمہ: مگر جس وقت آدمی کے ملک میں دوسرا مال موجود ہو اس کے ساتھ دین ضعیف ملایا جائے گا اور اس پر زکوٰۃ دینے کے لئے حولانِ حول شرط نہیں ہوگا۔ علامہ شامی نے الحاصل سے خلاصہ بیان فرمایا ”لا یشترط الحول بعد القبض“ (ص:۲۳۹/۳) دین ضعیف کے لئے قبضہ کے بعد سال گذرنا شرط نہیں ہے اگر آدمی کے پاس پہلے مال موجود ہو پھر فرمایا دین قوی اور متوسط اور ضعیف سب کا یہی حکم ہے کہ اگر آدمی کے پاس مال موجود نہ ہو تو یہ حکم ہے کہ قبضہ کے بعد ہی زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب ہوگا۔ ورنہ سب دیون پہلے سے موجود مال کے ساتھ ضم کئے جائیں گے علامہ کرخی سے نقل فرمایا کہ وہ فرماتے ہیں:

”اَنَّ ھٰذَا اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَہٗ مَالٌ سِوَی الدَّیۡنِ وَاِلَّا فِیۡمَا قَبَضَ مِنۡہُ فَھُوَ بِمَنۡزِلَۃِ الۡمُسۡتَفَادِ فَیُضَمَّ اِلٰی مَا عِنۡدَہٗ“ (ص: ۲۳۹، ج۷)

ترجمہ: بے شک یہ اس وقت ہے جب دین کے سوا اس کے پاس مال نہ ہو ورنہ جو دین قبضہ میں آگیا وہ بمنزلہ مستفاد اور نفع کے ہے اس کو اس مال کے ساتھ ملایا جائے گا جو اس کے پاس ہے اور سب کی زکوٰۃ ادا کی

جائے گی۔

دَین مالِ زکوٰۃ ہوتا ہے:

● مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ دین بھی مال زکوٰۃ ہے صاحب دین پر اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی، علامی شامی نے تجارت کے عبد اور تجارت کے مکان کی اجرت مؤخرۃ کے متعلق فرمایا کہ اس میں تین قول ہیں: اجرت دین ضعیف یا دین متوسط یا دین قوی ہے چونکہ عبد تجارت کا ہے اس کے کام کی اجرت اور مکان تجارت کا ہے اس کا کرایہ اگر نقود کے علاوہ کوئی دوسرا مال ہے اس میں تین قول ہیں اور اگر ان کا کرایہ کرنسی یا سونا چاندی ہو تو قرض کی طرح یہ دین قوی ہے اور اگر سونا چاندی اور کرنسی کے علاوہ دوسرا مال اجرت اور کرایہ میں طے ہوا، اس اجرت میں دین قوی کا حکم ہونا چاہیے کیونکہ عبد کی اجرت اور مکان کے کرایہ پر تجارت کی تعریف صادق آتی ہے در مختار میں ہے:

”التجارۃ کسب مال بمال بشراءٍ او اُجْرَۃٍ او استقراضٍ..الخ“
(ص:۱۹۲/۳)

ترجمہ: مال کے معاوضہ میں خریدنے یا اجرت یا قرض لینے کے عمل کے ساتھ مال حاصل کرنا تجارت ہے۔

یعنی تجارت کا مال وہ ہوگا جو مال سے حاصل ہو غیر مال سے حاصل ہونے والا مالِ تجارت کا مال نہیں ہوگا اگرچہ وہ مال ہو جیسے مہر اور خلع اور دیۃ اور صدقہ اور وصیۃ کا مال ہوتا ہے کیونکہ ہبۃ اور صدقہ اور وصیت کے مال میں مبادلہ نہیں ہوتا ہے صرف قبول ہے اور مہر اور خلع اور خون بہا کی صلح میں مبادلہ تو ہے لیکن یہ مال کے بدلے نہیں ہے لہٰذا یہ مالِ تجارت نہیں ہیں اگرچہ قبضہ کے بعد تجارت کی نیت بھی کی ہو اور تجارت کی نیت سے خرید کردہ مال اور مکان اور عبد کی اجرت اور قرض حاصل کرنا یہ اموال تجارت ہیں کیونکہ مال سے حاصل

ہیں، یہی تجارت کی تعریف ہے بشرطیکہ عقد کے وقت تجارت کی نیت ہو۔

● فائدہ۔ عبد اور مکان کی اجرت میں نیت کی شرط اس وقت ہے جب اجرت میں طے معاوضہ کرنسی یا دراہم یا دنانیر نہ ہوں کیونکہ کرنسی اور دراہم اور دنانیر حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے طبعی اور خلقی تجارت کا مال ہیں، ان میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی اور دوسرے اموال کے مالِ تجارت ہونے میں عمل کے ساتھ نیت کا ہونا لازم ہوتا ہے۔ نیت کا ہونا صراحۃً ہو یا دلالۃً۔ تنویر الابصار میں ہے:

"ثَمَنِيَّةُ الْمَالِ كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ لِتَعَيُّنِهِمَا لِلتِّجَارَةِ بِاَصْلِ الْخِلْقَةِ فَتَلْزَمُ الزَّكَاةُ كَيْفَمَا اَمْسَكَهُمَا وَلَوْ لِلنَّفْقَةِ (الى) اَوْ نِيَّةُ التِّجَارَةِ فِي الْعُرُوْضِ اِمَّا صَرِيْحًا (الى) اَوْ دَلَالَةً بِاَنْ يَشْتَرِىَ عَيْنًا بِعَرْضِ التِّجَارَةِ اَوْ يُؤَاجِرُ دَارَهُ الَّتِىْ لِلتِّجَارَةِ بِعَرْضٍ فَتَصِيْرُ لِلتِّجَارَةَ بِلَانِيَّةٍ صَرِيْحًا" (ص:۱۸۶/۳)

ترجمہ: زکوٰۃ کی ادا واجب ہونے کے لئے ایک شرط حولان الحول ہے اور دوسری شرط مال کی ثمنیت ہے جیسے دراہم اور دنانیر (سونا، چاندی)۔ ان میں ثمنیت اس لیے ہے کہ یہ تجارت کے لئے اصل خلقت سے متعین ہیں ان دونوں کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے کسی کیفیت میں بھی آدمی سونا اور چاندی اپنے پاس رکھے اگرچہ نفقہ کے لئے (اور کرنسی کا بھی یہی حکم ہے) یعنی یہ پیدائشی ثمن اور مال تجارت ہیں (تا) اور عروض (نقدین کے علاوہ دوسرے اموال کو عروض کہا جاتا ہے) یعنی دوسرے مالوں میں تجارت کی نیت شرط ہے صراحۃً ہو (تا) یا دلالۃً اس طرح کہ عرض تجارت کے بدلے میں کوئی مال خریدے یا اپنا گھر جو تجارت کے لئے تھا اس کو عروض کے مقابلہ میں کرایہ پر چڑھائے تو

خرید کردہ مال اور کرایہ بغیر نیت کے تجارت کا مال ہو جائیں گے یعنی (دراہم اور دنانیر اور کرنسی) کے سوا خرید کردہ مال اور کرایہ کے عروض بھی بغیر صریح نیت کے مالِ تجارت ہوں گے۔

● اس عبارت سے معلوم ہوا تجارت کا عبد یا مکان دراہم اور دنانیر کے معاوضہ میں کرایہ پر چڑھا دیا جائے اور مؤجل ہوں وہ دین قوی ہوگا عبد اور مکان کے کرایہ میں اختلاف اس وقت ہے جب طے شدہ کرایہ عروض ہوں اور مؤجل ہوں اور اگر کرایہ میں طے شدہ عروض مجلسِ عقد میں نقد دے دیئے جائیں تو بالاتفاق مالِ تجارت ہو جائیں گے۔ شامی میں ہے:

"وَقَيَّدَ بِقَوْلِهِ الَّتِىْ لِلتِّجَارَةِ اِذْلَوْ كَانَتْ لِلسُّكْنٰى مَثَلاً لَا يَصِيْرُ بَدَلُهَا لِلتِّجَارَةِ بِدُوْنِ النِّيَّةِ فَاِذَا نَوٰى صَحَّ وَيَكُوْنُ مِنْ قِسْمِ الصَّرِيْحِ" (ص:۱۸۶/۳)

ترجمہ: مصنف نے اپنے قول التی التجارۃ کی صفت سے مکان کو مقید کیا کیونکہ اگر مکان سکنی اور رہائش کے لئے ہو اس کا بدل اور کرایہ (عروض) ہوں وہ بغیر نیت کے تجارت کے لئے نہیں ہوں گے، عروض میں جب آدمی تجارت کی نیت کرلے، نیت کرنا صحیح ہے اور نیت کرنے سے صریح کی قسم سے ہوں گے۔

● اس عبارت سے واضح ہے اگر کرایہ کرنسی یا سونے اور چاندی کی صورت میں ہو تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو مال زکوٰۃ اور مالِ تجارت ہوگا چونکہ آج کل کرائے عموماً کرنسی میں طے ہوتے ہیں اس لئے یہ مالِ تجارت ہیں اور اگر کرایہ مؤجل ہو قرض کی طرح یہ دین قوی ہوگا اور اس کی زکوٰۃ مالکوں پر واجب ہوگی مگر ادا کرنا اس وقت واجب ہوگا جب دین پر قبضہ ہوگا اور قبضہ کے بعد ماضی کے سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا واجب ہوگی اگر دین میں تھوڑی تھوڑی رقم پر قبضہ

ہوتا گیا تو اتنی رقم کی زکوٰۃ واجب الاداء ہوگی جتنی پر قبضہ ہوگا۔

ایڈوانس زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے:

• چونکہ ایڈوانس زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے اس لئے اگر کسی آدمی کا دوسرے آدمی پر دین قوی ہے تو ہر سال اس کی زکوۃ نکال دے اور قبضہ کا انتظار نہ کرے ورنہ پچھلے سالوں کی زکوۃ بھی دینا ہوگی۔

جی پی فنڈ اور پراویڈینٹ فنڈ کا مسئلہ:

• عنقریب جی پی فنڈ اور پراویڈینٹ فنڈ کا مسئلہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جائے گا بعض علماء نے اس فنڈ کو دین ضعیف قرار دیا ہے اور بعض علماء نے فرمایا اس فنڈ پر مالک کو ملک تام حاصل نہیں ہوتا۔ دونوں حضرات نے فرمایا اس فنڈ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور اس فنڈ پر ملنے والا سود درحقیقت سود نہیں ہوتا بلکہ سود اجرت کا حصّہ ہوتا ہے جب کہ امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خان بریلوی نے لکھا اس فنڈ پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور اس فنڈ پر مشروط منافع سود ہوتا ہے، اجرت کا حصہ نہیں ہوتا مگر امام اہلسنت نے اس پر دلائل ذکر نہیں کئے تھے۔ الحمد للہ ہم نے امام اہلسنتؒ کے قول کی تائید کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ مزدور یا ملازم کی مؤجل اجرت اور جی پی فنڈ دین ضعیف نہیں ہوتا بلکہ دین قوی ہوتا ہے اور اس پر ملازم کا ملک تام ہوتا ہے۔ جی پی فنڈ کو دین ضعیف قرار دینے والوں نے علامہ کاسانی صاحب بدائع سے عبارت نقل کی کہ مالِ تجارت کا بدل دین قوی ہوتا ہے اور مالِ تجارت سے مراد وہ مال لیا جو تاجر کی نیت سے مالِ تجارت ہو جاتا ہے اور خلقی اور اصلی مالِ تجارت مراد نہیں لیا یعنی علماء نے سونے اور چاندی اور کرنسی کا ذکر نہیں کیا۔ کتب فقہ کے باب الاجارۃ میں مذکور ہے کہ ملازم اور مزدور کی محنت اور عمل احناف کے نزدیک حقیقی مال ہیں یا حکمی مال ہیں اور ملازم کی تنخواہ اور مزدور کی اجرت مال کا بدل ہے لہٰذا ملازم اور مزدور کے اعمال منافع کا بدل مؤجل اور

میعادی اجرت بھی دین قوی ہوگی اگرچہ یہ اجرت منافع کا بدل ہے نیز کرنسی سونا اور چاندی اصلی مالِ تجارت ہیں اور ان کا دین اور قرض مؤجل بقول امام کاسانی بھی دین قوی ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ دین طبعی تجارتی مال کا بدل ہے، دین کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اس فنڈ پر فکس منافع سود ہوگا اور ہمارے خیال میں ملک تام نہ ہونے کا قول کرنے والے علماء کا قول بھی صحیح نہیں۔ انہوں نے ملازم کی اجرت مؤجلہ پر ناقص ملک کا قول کیا کیونکہ ملک تام کا مفہوم یہ ہے کہ مالک کو حالاً یا مآلاً مال مملوک پر تصرف کی قدرت یقینی ہو اور جی پی فنڈ پر مالک کو مستقبل میں تصرف اور قبضہ کی قدرت یقیناً ہوتی ہے۔ جی پی فنڈ کی نظیر دین مؤجل ہے مال ضمار یا مال مرہون نہیں ہے۔ ان شاء اللہ اس مسئلہ کو عنقریب مفصل ذکر کیا جائے گا۔ (محمد رفیق حسنی)

مدیون پر دین کی زکوٰۃ کا حکم

• مدیون اور مقروض پر اپنے مال کی زکوٰۃ دین کے ماسوا پر واجب ہوگی زکوٰۃ کے مال سے دین وضع کر کے بقیہ مال کی زکوٰۃ کا ادا کرنا فرض ہوگا در مختار میں ہے "فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد" (ص:۳/۱۷۶) ترجمہ: مال کا نصاب ایسے دین سے فارغ ہو جس کا عباد کی جانب سے مطالبہ ہو سکتا ہے اور جو دین وجوب زکوٰۃ سے مانع ہوتا ہے وہ نصاب پر حولانِ حول سے پہلے ہوتا ہے اگر حولانِ حول کے بعد دین واجب یا قرض لیا گیا، پہلے موجود نصاب کی زکوٰۃ واجب ہوگی پھر فرمایا:

"وَمَدْيُوْنٌ لِلْعَبْدِ بِقَدْرِ دَيْنِهِ فَيُزَكِّي الزَّائِدَ اِنْ بَلَغَ نِصَابًا"
(ص:۳/۱۸۰)

ترجمہ: مدیون اور مقروض پر دین کی مقدار پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے پس دین سے زائد مال کی زکوٰۃ ادا کرے اگر دین سے زائد مال نصاب بنتا ہے۔

تفصیل:۔

• دین العباد کی دو قسم ہیں ایک یہ کہ اس دین کا وجوب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو مگر مطالبہ کرنے والا کوئی غیر معین آدمی ہو، جیسے زکوٰۃ کا دین یعنی خود زکوٰۃ کی رقم آدمی پر دین ہوتی ہے اس کا مطالب اور طلب کرنے والا وقت کا سربراہ اور سلطان ہوتا ہے۔ ابتدائے اسلام میں اموالِ ظاہر یہ جانوروں کی زکوٰۃ طلب کرنے کا حق سلطان کو حاصل تھا۔اور اموالِ باطنیہ کی زکوٰۃ خود مالک ادا کرتے تھے، سلطان کو یہ اموالِ باطنیہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حاصل نہیں تھا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مال کی کثرت ہوگئی، زکوٰۃ کے لئے اموالِ ظاہریہ کا معلوم کرنا بھی مشکل ہوگیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے جانوروں کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حق بھی باقی اموال کی زکوٰۃ کی طرح مالکوں کے سپرد کر دیا اور صحابہ کرامؓ نے اسے تسلیم کرلیا گویا اموال کے مالکان سلطان کے وکیل ہو گئے۔لہٰذا اجماع ہو گیا کہ حیواناتِ سائمہ اور اموالِ باطنیہ کی زکوٰۃ خود مالک ادا کریں گے۔ اب اگر کسی شہر کے سارے لوگ زکوٰۃ دینا بند کر دیں تو اسلامی ملک کے حاکم پر واجب ہے کہ ان سے زکوٰۃ طلب کرے کیونکہ اصل زکوٰۃ کی طلب کا حق سربراہ کے لئے تھا اور اگر شہر کے لوگ خود زکوٰۃ ادا کر رہے ہیں تو حاکم مطالبہ نہ کرے کیونکہ یہ خلاف اجماع ہے۔ (ص:۱۷۶/۳۔ در مختار)

• حاصل کلام یہ ہے کہ زکوٰۃ بھی وہ دین ہے جس کا مطالب عبد ہے ایک شخص کے ملک میں زکوٰۃ کے مال کا نصاب مثلاً چاندی کا نصاب دو سو درہم 612.36 گرام ہے اس نے دو سال تک زکوٰۃ ادا نہیں کی اس پر دوسرے سال کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی کیونکہ پہلے سال کی زکوٰۃ پانچ درہم موصوف پر دین ہے جب دوسرے سال دو سو درہم سے دین وضع کیا گیا تو باقی ایک سو پچانوے درہم اس کے ملک میں موجود ہوئے جو کہ نصاب سے کم ہیں لہٰذا اس پر زکوٰۃ واجب

نہیں ہو گی۔

• ایک شخص نے سال کے بعد نصاب کی زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے نصاب کو خرچ کر ڈالا پھر دوسرے سال دو سو درہم کا مالک ہو گیا اور اس پر سال گذر گیا ان دو سو درہم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی کیونکہ پہلے سال کی زکوٰۃ پانچ درہم اس آدمی پر دین تھا، دین کے وضع کے بعد نصاب باقی نہیں رہا اور اگر پہلے سال کا پورا نصاب آفت سماوی سے ہلاک ہو گیا تھا تو اس نصاب کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی کیونکہ اس میں تعدی نہیں ہے لہٰذا دوسرے سال کے نصاب سے پانچ درہم وضع نہیں کئے جائیں گے اور زکوٰۃ دینا ہو گی۔ (ردالمحتار: ص:۱۷۶/۳)

عشر کا دین زکوٰۃ سے مانع ہوتا ہے:

• عشر اور خراج کا دین بھی زکوٰۃ کے وجوب سے مانع ہوتا ہے مگر زکوٰۃ کا دین عشر کے وجوب سے مانع نہیں ہوتا ایک شخص نے بغیر عشر نکالے عشری طعام کو خرچ کر دیا اس طعام کا عشر مالک پر دین ہو گا اگر مالک کے پاس زکوٰۃ کے مال کا نصاب موجود ہے مگر نصاب سے زائد نہیں ہے، پہلے اس نصاب سے عشری دین وضع کیا جائے گا اس کے بعد جب نصاب نہیں رہا اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی اور زکوٰۃ کا دین عشر کے وجوب سے مانع نہیں ہوتا کیونکہ عشر کا تعلق طعام کے ساتھ ہوتا ہے اور عشری اجناس مالِ تجارت نہیں ہوتیں تاکہ ان سے زکوٰۃ کا دین وضع کیا جائے اس لئے عشر سے زکوٰۃ کا دین وضع نہیں کیا جائے گا عشر ادا کرنا واجب ہو گا اور اگر عشری اجناس کو فروخت کر دیا جائے۔اس سے حاصل رقم پر سال کے بعد زکوٰۃ واجب ہو گی۔(ردالمحتار۔ص:۱۷۶/۳)

حاصل شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہو گی:

• دین کی دوسری قسم یہ کہ کسی پر آدمیوں کا دین واجب ہو، اگرچہ کفالۃ کی وجہ سے واجب ہو۔ اصیل اور کفیل کے مال سے دین کی مقدار وضع کر کے باقی مال کی

زکوٰۃ واجب ہو گی۔ مثلاً زید پر دین واجب ہے عمرو نے کفالت اور ضمانت کا عہد کیا تو عمرو پر دین کے مقدار کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی کفالت کا مفہوم ”ضم ذمۃ الی ذمۃ فی الدین“ ہو یا فقط مطالبہ میں انضمام ہو دونوں صورتوں میں مالک جس طرح اصل مدیون سے دین کا مطالبہ کر سکتا ہے اسی طرح کفیل سے بھی مطالبہ کر سکتا ہے گویا کفیل بھی مقروض اور مدیون ہے اس لئے اصیل اور کفیل دونوں کے مال سے دین کی مقدار وضع کر کے زکوٰۃ دی جائے گی۔

(ردالمحتار۔ص:۳/۱۷۷)

• دین کے مقدار کی زکوٰۃ کے مال سے وضع کرنے اور اس مقدار سے زکوٰۃ کے سقوط کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ مدیون دین کی مقدار واپس کرنے کے لئے محتاج ہے اس لئے دین کا مال حاجت اصلیہ میں داخل ہے اور حاجت اصلیہ کی مقدار مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

دین کی مقدار:

• مدیون اور مقروض کے مال سے دین کی مقدار وجوب زکوٰۃ سے مانع ہوتی ہے اگرچہ دین مؤجل غیر میعادی ہو۔(در مختار)

دین مؤجل اور معجل کی توضیح:

• **تفصیل**: اگر عقد کی مجلس میں مال کا معاوضہ دے دیا جائے تو یہ ادائیگی نقد کہلاتی ہے مثلاً نکاح کی مجلس میں مہر ادا کر دیا جائے اس کو نقد کہتے ہیں اور اگر عقد کی مجلس میں طے شدہ مال نہ دیا جائے تو وہ دین ہوتا ہے۔ فروخت شدہ چیز کے ثمن کبھی دین ہوتے ہیں جیسے بیع مؤجل میں خریدار رقم بعد میں ادا کرتا ہے مجلس عقد میں پیسے نہیں دیتا لیکن فروخت شدہ چیز پر عقد کی مجلس میں قبضہ ہو جاتا ہے، اس کو بیع مؤجل کہا جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے رقم نقد ہو مگر

فروخت شدہ مال بعد میں ادا کرنے کا سودا ہو اور مؤجل ہو جیسے بیع سلم میں ہوتا ہے اب فروخت شدہ مال دین ہو گا لہٰذا دین وہی ہوتا ہے جو عقد کی مجلس سے مؤخر ہو گویا دین کی دو قسمیں ہیں معجل اور مؤجل (غیر میعادی اور میعادی)۔ دین معجل وہ ہے جس کے لئے کوئی وقت معین نہ کیا جائے دائن جب چاہے مدیون سے دین کا مطالبہ کر سکے اور دین مؤجل وہ دین ہوتا ہے جس میں وقت کا تعین ہو مثلاً چھ ماہ سال دس سال بعد کی کوئی معین تاریخ ذکر کی جائے اگر عقد کے اندر کسی تاریخ تک تاجیل اور تاخیر کا ذکر ہو اور صاحب دین اس تاخیر کو قبول کر لے تو وہ تاخیر لازم ہو جاتی ہے۔ صاحبِ دین کے لیے مدیون سے مقررہ تاریخ سے پہلے دین کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہوتا مگر قرض میں دی گئی رقم میں تاخیر کا ذکر بھی ہو پھر بھی تاخیر لازم نہیں ہوتی۔ اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

• دین معجل (غیر میعادی) یعنی جس دین کی واپسی میں کسی وقت کا ذکر نہ ہوا گر مال کے نصاب پر سال مکمل ہو گیا اور دین پہلے موجود ہو بالاتفاق دین زکوٰۃ کے مال سے وضع کیا جائے گا دین کے مقدار کے علاوہ باقی مال کا اگر نصاب بنتا ہے تو اس کی مدیون پر زکوٰۃ واجب ہو گی اور اگر مال نصاب نہیں بنتا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی یعنی دین معجل وجوب زکوٰۃ سے مانع ہوتا ہے اگرچہ بیوی کا مہر معجل اور غیر میعادی ہو یا کوئی دین غیر میعادی ہو اور اگر حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہو چکی ہو، سال کے بعد دین حادث اور جدید واجب ہوا، یہ دین زکوٰۃ کو ساقط نہیں کر سکتا کیونکہ زکوٰۃ بھی واجب شدہ دین ہے اور ایک دین دوسرے دین کو ساقط نہیں کر سکتا۔

• دین مؤجل وہ دین ہے جس کی واپسی کے لئے کوئی تاریخ مقرر ہوئی ہو اس کو میعادی دین بھی کہا جاتا ہے، یہ دین وجوب زکوٰۃ سے مانع ہے یا نہ؟ اس کے متعلق امام اعظمؒ سے متعدد روایات منقول ہیں در مختار کے متن میں مہر کے

حوالہ سے مذکور ہے: ''ولو مؤجلا'' الخ۔ اگرچہ دین میعادی ہو یعنی اگر بیوی کا مہر مؤجل ہو خواہ طلاق یا موت تک میعادی اور مؤجل ہو، وجوبِ زکوٰۃ سے مانع ہوگا یا بیوی کے نفقہ کا دین مؤجل قضا یا رضا سے واجب ہو یعنی دیون مؤجلہ قویہ ہوں یا ضعیفہ سب وجوبِ زکوٰۃ سے مانع ہیں اور زکوٰۃ ان کے ماسواء مال پر واجب ہوگی کیونکہ دین غیر میعادی ہو یا میعادی دونوں کا مطالب آدمی ہوتا ہے اور وہ دین جس کا مطالب آدمی ہو وہ وجوبِ زکوٰۃ سے مانع ہوتا ہے۔

- امام اعظم سے دوسری روایت یہ ہے کہ دین معجل غیر میعادی مانع ہے اور دین مؤجل میعادی وجوب زکوٰۃ سے مانع نہیں ہے وجہ فرق یہ ہے کہ غیر مؤجل دین کسی وقت بھی طلب کیا جاسکتا ہے لہٰذا غیر مؤجل دین وجوبِ زکوٰۃ سے مانع ہوگا مگر مؤجل میعاد سے پہلے طلب نہیں کیا جاسکتا اس لئے مؤجل زکوٰۃ سے مانع نہیں ہوگا۔ چنانچہ علامہ شامی نقل کرتے ہیں:

''زَادَ الْقُهِسْتَانِيُّ عَنِ الْجَوَاهِرِ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ غَيْرُ مَانِعٍ'' (ص:۱۷۷/۳)

ترجمہ: قہستانی نے جواہر سے یہ زیادہ لکھا کہ صحیح یہ ہے کہ دین میعادی وجوب زکوٰۃ سے مانع نہیں ہے۔

- شامی اور فتح القدیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے دین مؤجل کے مانع یا غیر مانع ہونے میں مختلف روایتیں ہیں لیکن الصدر الشریعہ نے فرمایا دین مؤجل میں امام اعظم سے کوئی روایت نہیں ہے شامی میں ہے:

''وَقَالَ الصَّدْرُ الشَّرِيْعَةِ لَا رِوَايَةَ فِيْهِ''

اور صدر الشریعہ نے فرمایا، اس میں کوئی روایت نہیں۔

- معراج نے شرح الطحاوی کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ امام اعظم کے نزدیک سب دین مؤجل وجوب زکوٰۃ سے مانع ہوتے ہیں اور مہر مؤجل بھی مانع ہے پھر ذکر کیا:

''قال عن ابی حنیفۃ لا یمنع''

فرمایا ابی حنیفہ سے ایک روایت ہے کہ (مہر مؤجل) مانع نہیں ہے۔ (ص:۱۷۷/۳)

- فتح القدیر میں ہے:

''وَهَلْ يَمْنَعُ الدَّيْنُ الْمُؤَجَّلُ كَمَا يَمْنَعُ الْمُعَجَّلُ فِيْ طَرِيْقَةِ الصَّدْرِ الشَّهِيْدِ لَا رِوَايَةَ فِيْهِ اِنْ قُلْنَا لَا فَلَهٗ وَجْهٌ وَ اِنْ قُلْنَا نَعَمْ فَلَهٗ وَجْهٌ'' (فتح، ص:۱۲۰/۲۔ مکتبہ سکھر)

ترجمہ: اور کیا دین مؤجل زکوٰۃ کے وجوب سے مانع ہے جیسے کہ معجل مانع ہے الصدر الشہید کے طریقہ میں امام صاحب سے کوئی روایت نہیں ہے اگر ہم کہیں مانع نہیں اس کی بھی وجہ اور دلیل ہے اور اگر ہم کہیں ہاں مانع ہے تو اس کی بھی وجہ اور دلیل ہے۔

مفتی بہ قول یہ ہے کہ دین میعادی زکوٰۃ کے وجوب سے مانع نہیں:

- ان عبارات سے معلوم ہوا کہ میعادی دین میں امام صاحب سے دونوں قول منقول ہوسکتے ہیں کہ مانع ہو یا نہ ہو موجودہ دور کا تقاضا یہ ہے کہ فقراء کا لحاظ کرتے ہوئے میعادی دیون کو زکوٰۃ کے وجوب سے مانع نہ کہا جائے اور اسی روایت پر فتویٰ دیا جائے۔ آجکل تجارتی میعادی دیون کی مدت بیس بیس تیس تیس سال تک ہوتی ہے اور دین کی مالیت لاکھوں اور کروڑوں بلکہ اربوں میں ہوتی ہے۔ فقراء کے حق میں یہ قول زیادہ نافع ہے کہ دین مؤجل وجوب زکوٰۃ کے لئے مانع نہیں اور اسی قول پر فتویٰ ہو کہ سرمایہ دار تاجر دین مؤجل زکوٰۃ کے اموال سے وضع نہ کریں اور سارے مال کی زکاۃ ادا کریں۔

- دین مؤجل میں میعاد طویل ہو یا قصیر ہو اس میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں صورتوں میں دین کو زکوٰۃ کے مال سے وضع نہ کیا جائے۔ مزید تفصیل آئندہ ذکر

کی جائے گی۔

قرض کا حکم:

● قرض اگرچہ غیر میعادی ہوتا ہے، اس میں مدت مقرر ہو تب بھی شرعاً مدت کے ذکر کا اعتبار نہیں ہوتا ہر وقت اس کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے در مختار میں ہے:

"وَالسَّابِعُ الْقَرْضُ فَلَایَلْزَمُ تَاجِیْلُهٗ اِلَّافِیْ اَرْبَعٍ...الخ"

(ص:۷/۳۸۴، باب المرابحہ والتولیہ)

ترجمہ: اور ساتواں امر جس میں تاجیل لازم نہیں ہوتی قرض ہے اس کی تاجیل لازم نہیں ہوتی مگر چار صورتوں میں الخ۔

● شامی میں ہے:

"اَیْ یَصِحُّ تَاجِیْلُهٗ مَعَ کَوْنِهٖ غَیْرَ لَازِمٍ فَلِلْمُقْرِضِ الرُّجُوْعُ"

(ص:۷/۳۸۴)

یعنی قرض کی تاجیل تو صحیح ہے مگر لازم نہیں ہے لہٰذا مقروض مستقرض سے مقرر وقت سے پہلے قرض کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

دراصل قرض ابتداء میں تبرع اور احسان اور اعارۃ ہوتا ہے اور احسانات اور تبرعات میں وقت لازم نہیں ہوتا اس لئے تاجیل لازم نہیں ہوتی چونکہ قرض شرعاً مؤجل اور میعادی نہیں ہوتا اس لئے زکوٰۃ سے مانع ہوتا ہے قرض وضع کرنے کے بعد باقی مال کی زکوٰۃ دینا واجب ہوتا ہے جس طرح دین غیر مؤجل میں ہوتا ہے۔

● دین اور قرض میعادی میں ضابطہ کے پیش نظر جو لوگ اپنی جائیداد کے کاغذات بنکوں میں رکھ کر یا زیورات وغیرہ رہن رکھ کر بنکوں سے قرض لیکر کاروبار کرتے ہیں یا مکانات اور پلازے تعمیر کرتے ہیں کیا ان کی قرض لی گئی رقم دین معجل کی طرح زکوٰۃ سے وضع کی جائے گی یا نہیں؟ کیونکہ قرض دین

معجل اور غیر میعادی ہوتا ہے اور دین معجل (غیر میعادی) زکوٰۃ سے مانع ہوتا ہے اور دین غیر میعادی (معجل) کی مقدار زکوٰۃ کے مال سے ساقط کر کے بقیہ مال کی زکوٰۃ دی جاتی ہے، دین مؤجل اور میعادی میں تو امام اعظم سے متعدد روایتیں تھیں مگر دین معجل غیر میعادی میں تو ایک ہی روایت ہے کہ بقدر دین زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اگر تاجروں اور بلڈروں کے اموال سے قرض کی مقدار پر زکوٰۃ نہ ہو تو زکوٰۃ کا باب بند ہو جائے گا۔ اس لیے **آج کل قرض کا حکم بھی دین کا** ہے۔

قرض کا دَین کے حکم میں ہونے کی وجہ سے مسائل:

● لہٰذا موجودہ دور کے عرف اور تعامل میں قرض کے بھی دو قسم ہیں معجل جس میں کسی وقت کی تعیین نہیں ہوتی اور مؤجل جس میں وقت کا ذکر ہوتا ہے اور وقت سے پہلے قرض لینے والا قرض واپس نہیں کرتا اور قرض دینے والا وقت سے پہلے مطالبہ نہیں کرتا لہٰذا موجودہ عرف میں کمرشل بنکوں سے لئے گئے کروڑوں اربوں کے قرضے دین مؤجل کے حکم میں ہیں اور مفتی بہ قول پر زکوٰۃ کے اموال سے وضع نہیں کئے جائیں گے (محمد رفیق حسنی)

● ہمارے علماء احناف کے نزدیک عرف کو دلیل شرعی کہا گیا ہے اور عرف کو قیاس سے مقدم تسلیم کیا گیا ہے اگر قیاس کو دیکھا جائے تو قرض کا لین اور دین صحیح بھی نہ ہو کیونکہ ابتدا میں قرض تبرع ہوتا ہے اور انتہاء میں واپسی کے وقت عقد معاوضہ ہو جاتا ہے اور اس پر ربا نسیئہ کی تعریف صادق آتی ہے کہ درہم کے معاوضہ میں درہم ادھار پر فروخت ہو تو یہ ربا نسیئہ ہو گیا ہے مگر لوگوں کی حاجت کے لئے شرع شریف نے قرض کو جائز بلکہ قرض دینے کا ثواب صدقہ سے بھی زیادہ قرار دیا ہے اگر قرض کا جواز بلکہ استحباب قرآن وحدیث میں نہ ہوتا تو قیاس میں منع کر دیا جاتا اسی عرف اور تعامل کی وجہ

سے قرض کا میعادی ہونا ہے اور آج اس کی ضرورت ہے اور عرف بھی یہی ہے لہٰذا دین مؤجل کی طرح قرض مؤجل کی رقم بھی زکوٰۃ کے مال سے وضع نہیں کی جائے گی اور سارے مال کی زکوٰۃ دی جائے گی ورنہ کروڑوں اور اربوں پتی لوگ بھی زکوٰۃ سے بچ جائیں گے۔

• میرے خیال میں اس طرح تفصیل ذکر کی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر میعادی قرض ذاتی حاجات کے لیے لیا گیا ہے مثلاً مکان یا گھر میں استعمال کے لیے اثاثے وغیرہ تو ایسا قرض زکوٰۃ کے مال سے وضع کیا جائے اور اگر تجارتی میعادی قرض ہے، اُسے وضع نہ کیا جائے۔ غریب اور امیر میں فرق ہونا چاہیے۔ (رفیق حسنی)

تاجروں کے قرض کا حکم:

• موجودہ دور میں تاجر اور صنعتکار ذاتی اثاثوں کے کاغذات بنکوں میں رکھ کر کروڑوں بلکہ اربوں کا قرض لیکر کاروبار کرتے ہیں اور صنعتیں قائم کرتے ہیں ان کے یہ معاملات رہن کی طرح ہوتے ہیں ذاتی جائیداد کے کاغذات بنک کے پاس جمع ہو جاتے ہیں اور کبھی بنک سونا یا چاندی اپنے قبضہ میں لے کر سونا اور چاندی کے معاوضہ میں قرض جاری کرتے ہیں، دونوں طریقے مروج ہیں۔ اگر قرض کو قرض غیر میعادی اعتبار کرتے ہوئے قرض کی رقم زکوٰۃ کے اموال سے وضع کی جائے تو لازم آئے گا کسی تاجر اور صنعتکار پر زکوٰۃ فرض نہ ہو اور فقراء اور مساکین کی کفالت نہ ہو سکے، اس مجبوری اور لوگوں کے تعامل کی وجہ سے ہم نے قرض کو دین مؤجل کی طرح دو قسم اعتبار کیا اور زکوٰۃ کے وجوب سے مانع قرار نہیں دیا اگرچہ فقہ کی کتابوں میں قرض کی صرف ایک قسم بیان کی گئی ہے کہ قرض غیر مؤجل ہوتا ہے اور اس میں تاجیل لازم نہیں ہوتی اور وجوبِ زکوٰۃ سے مانع ہوتا ہے۔ (محمد رفیق حسنی)

مہر کے دین کا حکم:

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

• شوہر پر مہر کا دین اگر معجل ہے اور تاریخ مقرر نہیں ہے تو شوہر پر دین کے ماسوا پر زکوٰۃ واجب ہو گی کیونکہ بیوی جب چاہے مطالبہ کر سکتی ہے اس لئے کہ یہ مہر دین غیر میعادی ہے اور اگر شوہر موسر (غنی) ہے اور مہر غیر مؤجل ہے، غیر مؤجل مہر کی وجہ سے بیوی غنیہ شمار ہو گی اور زکوٰۃ کی مستحق نہیں ہو گی اور اگر مہر میعادی ہے یا شوہر معسر (فقیر) ہے اگرچہ مہر معجل ہے، مہر پر قبضہ سے پہلے عورت فقیرۃ ہو گی اور زکوٰۃ کی مستحق ہو گی۔ (ردالمحتار باب الاضحیۃ)

• اگر مہر دین مؤجل اور میعادی ہے یا بیوی کا نفقہ قاضی کی قضا یا باہمی رضامندی سے طے شدہ تھا اور وہ دین مؤجل ہے اس میں ایک روایت یہ ہے کہ یہ دین وجوب زکوٰۃ سے مانع ہے، شوہر پر مہر اور نفقہ واجبہ کے دین کے ماسوا مال پر زکوٰۃ واجب ہو گی اور دوسرا قول یہ ہے کہ مہر کا دین مانع نہیں ہے اور شوہر کو سارے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی، اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ عام طور پر بیویاں مہر مؤجل میعادی کا مطالبہ نہیں کرتیں گویا مہر کے دین کا کوئی مطالبہ ہی نہیں ہے۔ لیکن نفقہ کا دین وجوبِ زکوٰۃ سے مانع ہو گا۔

حج اور نذر اور کفارات کے دین کا حکم:

• نذر اور کفارات واجبہ اور حج کا دین وجوب زکوٰۃ سے مانع نہیں ہے مثلاً کسی نے نذر مانی کہ میں دو سو درہم سے ایک سو درہم صدقہ کرونگا سال گذرنے پر مالک پر پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہو گی اور نذر کا سو درہم دین زکوٰۃ کے وجوب سے مانع نہیں ہو گا مگر نذر ادا کرنا واجب ہے اور چونکہ نذر کے سو درہم سے اڑھائی درہم زکوٰۃ میں چلے گئے تو نذر کی بقیہ رقم ساڑھے ستانوے درہم ہو گی اور ساڑھے ستانوے درہم کا صدقہ کرنا ہو گا۔

• اسی طرح اگر کسی آدمی پر روزہ توڑنے کا کفارہ یا ظہار کا کفارہ یا قسم کا کفارہ یا قتل کا کفارہ واجب ہے ان کفاروں کا دین زکوٰۃ کے وجوب سے مانع نہیں ہو گا اور

سارے مال کی زکوۃ دینا ہوگی کفارات کی رقم نکال کر باقی پر زکوۃ کا حکم نہیں۔ اسی طرح فرض حج کے لئے رکھی گئی رقم زکوۃ کے مال سے وضع نہیں کی جائے گی سارے مال کی زکوۃ ادا کی جائے گی کیونکہ نذر اور کفارات اور حج کے دین کا اللہ تعالیٰ مطالب ہے، کوئی آدمی مطالب نہیں ہے یہی حکم صدقۃ الفطر اور حج تمتع کی قربانی او عید البقر کی قربانی کا ہے۔

(ردالمحتار اور در مختار ص:۳/۱۷۷)

حج کے لئے جمع کرائی رقم کا حکم:

• موجودہ زمانہ میں اشہر حج سے کئی ماہ پہلے حکومت یا ایجنسیاں حجاج کرام سے حج کے لئے مقرر کردہ رقم لے لیتی ہیں کیا حج کے لئے جمع کرائی گئی رقم پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

• اس کا حکم یہ ہے کہ اگر حج کے لئے روانہ ہونے سے پہلے جمع شدہ رقم پر سال گذر جانے کی وجہ سے زکوۃ واجب ہوگئی تھی تو جمع کرائی گئی رقم کی زکوۃ ادا کرنا واجب ہے اور اگر اس رقم پر مکمل سال نہیں گذرا تھا اس سے پہلے حج کے لئے روانگی ہوگئی اور رقم خرچ ہوگئی تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی، جمع کرائی گئی رقم حکومت یا ایجنسیوں کے پاس امانت بلکہ قرض ہوتا ہے کیونکہ حجاج کی جانب سے اس رقم سے ایجنسیوں اور حکومت کو تصرف کی اجازت ہوتی ہے اور وہ امانت جس میں تصرف کی اجازت دی گئی ہو وہ قرض ہوتا ہے لہٰذا حج کے لئے جمع کروائی گئی رقم ایجنسیوں اور حکومت پر حجاج کی جانب سے دین ہے، حجاج کے ملک سے خارج نہیں ہوئی، اس کی زکوۃ ادا کرنا ہوگی۔ (محمد رفیق حسنی)

دین اور قرض عشر یا خراج کے لئے مانع نہیں ہوتا:

• دین اور قرض عشر یا خراج کے وجوب کے لئے مانع اور رکاوٹ نہیں ہوتا کیونکہ عشر یا خراج زمین کے فصل کی زکوۃ ہوتی ہے حتی کہ وقفی زمینوں کی

فصلوں اور پھلوں پر بھی عشر واجب ہوتا ہے اور زکوۃ کا تعلق مالِ تجارت کے نصاب کے ساتھ ہوتا ہے خواہ مالِ تجارت طبعی ہو جیسے نقود یا عرفی ہو جیسے دیگر اموال یا زکوۃ کا تعلق حیواناتِ سائمہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

• صحیح روایت کے مطابق دین مال کے ساتھ کفارہ ادا کرنے سے بھی مانع ہوتا ہے یعنی مدیون پر کفارۃ میں مال واجب نہیں ہوگا اسے روزوں سے کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا بشرطیکہ دین کی مقدار خارج کرنے سے باقی رہنے والا مال کفارہ کے لیے کافی نہ ہو۔ (ص:۲۱۶۔ ص:۳/۱۷۷)

• **فائدہ:** دین کا تعلق دائن اور مدیون مقروض دونوں کے ساتھ ہوتا ہے دائن (قرض دہندہ) دین کا مالک ہوتا ہے اس کو دین کی زکوۃ دینی ہوتی ہے اور مدیون سے زکوۃ کے مال سے بقدر دین زکوۃ ساقط ہوتی ہے یہاں دونوں اقسام کے مسائل ذکر کئے جا رہے ہیں۔

• اگر کسی شخص کو سال کے درمیان دین لاحق ہو جائے اور مال کا نصاب بالکل ختم ہو جائے یا ناقص ہو جائے اس میں امام محمد اور امام ابو یوسف کے اقوال مختلف ہیں امام محمد فرماتے ہیں دین انسانی مجبوری ہے یہ ایسے ہے جیسے نصاب ہلاک ہو جائے لہٰذا پہلے نصاب کا سال ختم ہو جائے گا دوبارہ مال حاصل ہونے پر نئے سال سے نصاب کا آغاز ہوگا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں دین کے عارض ہونا ایسا ہے جیسے صاحبِ مال خود نصاب کو ہلاک کرے اور یہ تعدی ہے لہٰذا نصاب کا سال ختم نہیں ہوگا اگرچہ دین مستغرق تھا سال مکمل ہونے پر نصاب کی زکوۃ واجب الاداء ہوگی علامی شامی کی عبارت سے امام محمد کے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے انہوں نے فرمایا کہ صاحب بحر کی دلیل اقوی ہے اور در مختار میں ہے بحر الرائق میں امام محمد کے قول کو ترجیح دی گئی ہے لہٰذا فتوی امام محمد کے قول پر ہے۔

دین کو مالِ زکوٰۃ سے وضع کیا جائے گا:

• اگر مدیون کے ملک میں زکوٰۃ کا مال موجود ہو اور زکوٰۃ کے مال کے علاوہ خدمت کے غلام اور رہائش کے مکان اور کپڑے اور دیگر حاجات اصلیہ کا سامان بھی موجود ہے تو دین کی مقدار زکوٰۃ کے مال سے وضع کی جائے گی۔ حاجات اصلیہ کے اموال سے وضع نہیں کی جائے گی کیونکہ زکوٰۃ کے اموال کے علاوہ مال حوائج اصلیہ میں صرف کرنے کے لئے ہوتا ہے حتی کہ گھر اور دیگر سامان ہونے کے باوجود انسان فقیر ہوتا ہے بشرطیکہ حوائج اصلیہ سے زائد مال نہ ہو، اس لئے دین کو زکوٰۃ کے مال سے وضع کیا جائے گا۔

زکوٰۃ کے وجوب ظاہری کے اسباب سے پانچواں سبب:

• زکوٰۃ کے واجب ہونے کا ایک سبب یہ ہے کہ مال حوائج اصلیہ میں سے نہ ہو پانچویں سبب کی صحیح تعبیر یہی ہے کہ اگر مال، مالِ زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ حوائج اصلیہ اور بنیادی انسانی ضروریات کے لئے مال ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اس مقام پر لکھی گئی فقہاء کرام کی عبارت سے ایک غلط فہمی ہوتی ہے کہ دراہم اور دنانیر یا کرنسی جو حوائج اصلیہ کے لئے مطلوب ہوں، ان پر بھی زکوٰۃ نہیں ہوتی مگر ایسا نہیں ہے دراہم اور دنانیر یا کرنسی پیدائشی طور پر مالِ تجارت ہیں خواہ وہ حوائج اصلیہ کے لئے مطلوب ہوں یا تجارت کے لیے، ان پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔ اکثر فقہاء کرام نے فرمایا:

"اَنَّ الزَّکَاۃَ تَجِبُ فِی النَّقْدِ کَیْفَمَا کَانَ اَمْسَکَہٗ لِلنُّمَاءِ اَوْلِلنَّفَقَۃِ" (ص:۳/۱۷۹)

ترجمہ: بے شک زکوٰۃ نقد میں واجب ہوتی ہے کسی کیفیت میں آدمی اپنے پاس روکے رکھے بڑھانے کے لئے یا نفقہ کے لئے۔

حوائج اصلیہ اور بنیادی ضرورت کے اموال کا ذکر:

• انسانی بنیادی حوائج کا ذکر ہر دور کے فقہاء نے اپنے اپنے دور کے حوالے سے فرمایا ہے دراصل حاجات اصلیہ کی تعریف کی روشنی میں فقہاء کرام نے تفصیلات ذکر فرمائی ہیں بعض فقہاء کرام نے حاجۃ اصلیہ کے متعلق فرمایا:

"ھِیَ مَا یَدْفَعُ الھَلَاکَ عَنِ الْاِنْسَانِ تَحْقِیْقًا کَالنَّفَقَۃِ وَدُوْرِ السُّکْنٰی وَآلَاتِ الْحَرْبِ وَالثِّیَابِ الْمُحْتَاجِ اِلَیْھَا لِدَفْعِ الْحَرِّ وَالْبَرْدِاَوْ تَقْدِیْرًا کَالدَّیْنِ" (ص:۳/۱۷۸)

ترجمہ: حاجت اصلیہ وہ اموال ہیں جو انسان کو ہلاکت سے بچائیں حقیقۃ جیسے نفقہ اور رہائش کے مکانات اور جنگی آلات اور سردی اور گرمی سے بچاؤ کے کپڑے یا تقدیری طور پر ہلاکت سے بچائیں جیسے دین کیونکہ حبس اور جیل سے بچنے کے لئے دین ادا کرنا ضروری ہوتا ہے لہٰذا دین بھی حاجت اصلیہ سے ہے اسی طرح آلات حرفۃ اور پیشہ اور اثاث المنزل اور سواری کے جانور اور اہل علم کے لئے کتابیں یہ سب اشیاء حاجات اصلیہ میں داخل ہیں۔

• موجودہ دور میں صوفہ، فرنیچر اور اے سی اور الیکٹرانک پنکھے، جنریٹر، میکرو، واشنگ مشین، اوون، جوسر بلنڈر، فرج، ڈیپ فریزر، استری وغیرہا یہ سب اثاث منزل میں داخل ہیں اور تعلیم اور تعلم کے آلات قلم، کیلکولیٹر، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، آئی پیڈ، ٹائپ رائٹر وغیرہ آلات حرفت میں داخل ہیں، اور آئی فون، موبائل فون اور ٹی وی وغیرہا حاجات اصلیہ میں داخل ہیں۔

• ٹی وی حاجتِ اصلیہ میں داخل ہے چونکہ آج کل ملکی اور غیر ملکی حالات سے باخبر رہنا بہت ضروری ہو گیا ہے اور دینی امور مثلاً چاندوں کی رویت اور ملکی اور غیر ملکی حربی اور جہادی واقعات اور حوادث کی اطلاع اور تعلیم اور تعلم کے لئے ٹی وی بھی اہم ضروریات میں شمار کیا جاتا ہے اس لئے ٹی وی بھی حاجات اصلیہ میں

داخل ہے۔

• سواری کے لئے حسب ضرورت اسکوٹر سے لیکر بلٹ پروف گاڑیوں تک حتیٰ کہ سرمایہ داروں کے ذاتی استعمال کے ہوائی جہاز جوان کے ذاتی استعمال کے لئے ضروری ہوتے ہیں اور اربوں پتی فیملیوں کے لوگوں کے لئے ایک شہر سے دوسرے شہر آنے جانے کے لئے ضروری ہوتے ہیں لہٰذا ہوائی جہاز بھی دوّاب الرکوب کی طرح حاجۃ اصلیہ میں داخل ہیں۔

• اوقات جاننے کے لئے گھڑیاں اور بلڈ پریشر اور شوگر اور دیگر امراض کے ٹیسٹوں کے لئے لاکھوں بلکہ کروڑوں کے الیکٹرانک مشینیں آلات حرفت میں داخل ہیں اسی طرح مینوفیکچرنگ (خام مال) کو مصنوعات میں ڈھالنے والی مشینری، کپڑا، برتن وغیرہ کی فیکٹریوں کی مشینیں سب آلات حرفت میں داخل ہیں اللہ تعالی ہر دَور کی ضروریات کے لئے آلاتِ معاش اور حیات پیدا فرماتا رہتا ہے "وَیَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ" (سورہ النحل:۸) اور پیدا فرماتا رہے گا وہ چیزیں جو تم نہیں جانتے۔ ہر دور کے تقاضے مختلف ہوتے تھے اور ہوتے رہیں گے، ان کے احکام بھی تبدیل ہوتے رہیں گے۔

• احناف کے نزدیک استعمال کے لئے سونے اور چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا سونا اور چاندی طبعی اور خلقی مالِ تجارت ہے جس صورت میں ہو ان کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور سونے اور چاندی کے زیورات کے علاوہ دیگر دھاتوں سے بنائے گئے استعمال کے لئے مروج زیورات پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور اگر وہ زیورات تجارت کے لیے ہیں تو تجارتی زیورات کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اہلِ علم اور غیر اہلِ علم پر کتابوں کی زکوٰۃ:

• اہل علم کے لئے ہر فن کی کتاب جو اسے تعلیم اور تعلم کے لئے ضرورت ہے

حاجت اصلیہ میں داخل ہے اور ایک ایک نسخہ سے زائد کتب حاجت اصلیہ میں داخل نہیں ہوں گی مگر تجارت کے لئے نہ ہونے کی وجہ سے زائد کتابیں مال نامی نہیں ہوں گی اس لئے ان کتابوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور اگر زائد کتابوں کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہے تو ان کا مالک غنی ہوگا اور اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہوگی۔ (شامی)

• غیر اہل علم کے لئے کتابیں حاجۃ اصلیہ میں داخل نہیں ہیں غیر عالم کے پاس اگر کتابیں تجارت کے لئے نہیں ہیں، مالک پر ان کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور اگر ان کتابوں کی قیمت نصاب کے برابر ہے، ان کا مالک کتابوں کی وجہ سے غنی ہوگا اور اس پر زکوٰۃ نہیں لگے گی۔ اور اگر کتابیں تجارت کے لیے ہیں، ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

• اہل علم کے لئے کتاب کا ایک ایک نسخہ اگرچہ ان کی مالیت لاکھوں میں ہو جائے، حاجت اصلیہ میں داخل ہے اگر حاجتِ اصلیہ کی کتابوں کے علاوہ وہ شخص صاحب نصاب نہیں ہے تو وہ فقیر ہوگا اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

• اگر کسی شخص نے تصنیف شدہ کتاب شائع کرائی اور اس کی نیت میں ہے اس کو فروخت کرونگا یا اہل علم یا غیر اہل علم کے پاس تجارت کی نیت سے کتابیں موجود ہیں، ان کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

آلاتِ حرفت کا ذکر:

• کسی بھی پیشہ کے آلاتِ حرفت حسب ضرورت ایک ایک پیس/ عدد حاجت اصلیہ میں داخل ہے اور زائد جن کی حاجت نہیں ہے وہ حاجت اصلیہ میں داخل نہیں ہوں گے پیشے کے لئے آلات کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ آلات کے ساتھ نفع اٹھانے میں آلات فنا نہیں ہوتے باقی رہتے ہیں جیسے کارپنٹروں اور زرگروں کے آلات ہوتے ہیں اور دوم یہ کہ آلات انتفاع کے بعد فنا ہو جاتے ہیں

اور ان کا اثر باقی نہیں رہتا جیسے صابن اور سرف اور دیگر کیمیکل وغیرہا دھوبی یا ڈرائی
کلینر کے پاس کپڑے صاف کرنے کے لئے ہوتے ہیں سوم یہ کہ فنا ہونے کے بعد
ان کا اثر باقی رہتا ہے جیسے رنگریز کے پاس مختلف الوان کے پاؤڈر وغیرہ ہوتے ہیں
پہلے دو قسم کے آلات کی زکوٰۃ صاحب پیشہ یعنی کارپینٹر اور دھوبی پر واجب
نہیں کیونکہ غیر فانی آلات کی بار بار حاجت ہوتی ہے اور دوسری قسم کے آلات،
صابن، وغیرہ، کے معاوضہ میں اجرت نہیں دی جاتی بلکہ دھوبی کو اپنے عمل اور
کام کی اجرت دی جاتی ہے لہٰذا دھوبی کے پاس صابن مالِ تجارت نہیں ہے اور
عمل کی اجرت اگر نصاب نہ ہو، اس پر زکوٰۃ نہیں ہوتی بخلاف رنگریز کے، اس
کے پاس رنگ مالِ تجارت ہوتا ہے اور رنگ کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔
(شامی) کیونکہ رنگریز جو اجرت لیتا ہے وہ رنگ کے بدلے ہوتی ہے عمل کے
بدلے نہیں۔

• رہائش کے لئے مکان خواہ چھوٹا ہو یا بڑا سستا ہو یا مہنگا خواہ کروڑوں کا ہو حاجت
اصلیہ میں داخل ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

• گھر اور کچن کے لئے ضرورت کی مشینوں کا ایک ایک عدد حاجت اصلیہ میں
داخل ہوگا اور زائد حاجت اصلیہ میں داخل نہیں ہوں گے مگر ان کی وجہ سے
انسان غنی ہو سکتا ہے مثلاً کسی کے پاس دو واشنگ مشین ہیں ایک استعمال میں
ہے اور دوسری استعمال میں نہیں اور غیر استعمال مشین کی قیمت آج کل کے
نصاب پچاس ہزار کے مساوی ہے تو وہ شخص غنی ہوگا کیونکہ آجکل نصاب پچاس
ہزار ہے۔

• ایک سے زائد مکان جو زیر استعمال نہیں اور تجارت کے لئے بھی نہیں ہے ان
کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ وہ مکان مال نامی سے خارج ہے اور زکاۃ
نامی مال پر واجب ہوتی ہے۔ مال نامی نقود اور تجارت کا مال اور حیواناتِ سائمہ ہیں۔

• رہائش کے مکان میں لگائے گئے فانوس اور پردے اور دیگر زینت کی تمام اشیاء
حاجت اصلیہ سے خارج ہیں ان کی قیمت اگر نصاب کو پہنچتی ہے تو ان سے انسان
غنی ہو جائے گا اور زکاۃ کا مستحق نہیں ہوگا مگر فانوس اور زینت کی اشیاء مثلاً گلدان
وغیرہ اور پردے مال نامی نہیں ہوتے اس لئے ان کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہیں
ہوگی۔

• حاجت کی سواری اونٹ اور گھوڑے وغیرہ کے لیے پالان اور زین اور لگام
وغیرہ اگر تجارت کے لئے نہیں ہیں، استعمال کے لیے ہیں، ان کی زکوٰۃ مالک پر
واجب نہیں ہوگی اور اگر ان کی فروخت بھی مقصود ہے، ان کی زکوٰۃ واجب
ہوگی اور اگر ان پر قیمتی پتھر وغیرہ لگے ہوئے ہیں وہ مال نامی نہیں اس لئے ان کی
زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور ان جواہر سے اگر مالک صاحب نصاب ہو جائے تو زکوٰۃ
کا مستحق نہیں ہوگا۔

• جن اموال غیر نامیہ پر زکوٰۃ واجب نہیں اور حاجۃ اصلیہ میں بھی داخل نہیں
ہیں، ان اموال کو مدیون کے دین کی ادائیگی میں قاضی فروخت کرکے دین ادا
کر سکتا ہے بشرطیکہ مدیون کے پاس اموال زکاتیہ نہ ہوں۔ (ردالمحتار ص:۳/۱۸۳)

• مشروبات کی بوتلیں اور باڈی اسپرے اور عطار کی بوتلیں اور پرفیومات اور
سامان کی ترسیلات کے کین یا لکڑی کی پیٹیاں یا شاپر بیگ وغیرہا جن کی خرید
اور فروخت بالواسطہ ہوتی ہے اگر ان کی قیمت الگ وصول کی جاتی ہو اور ان کی
فروخت مقصود ہو تو وہ مالِ تجارت میں داخل ہیں ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ
زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

• عینک اور گھڑی حاجت اصلیہ میں داخل ہے ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی مگر
عینک یا گھڑی پر لاکھوں کے جڑاؤ ڈائمنڈ وغیرہ کی وجہ سے غنا ثابت ہو جائے گا۔
گھڑی کا مالک شرعاً غنی ہوگا چونکہ گھڑی پر لگے قیمتی پتھر استعمال کے لیے ہیں

تجارت کے لئے نہیں ہیں اس لئے ان کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔

- اگر قیمتی پتھر سونے یا چاندی کے زیورات یا انگوٹھیوں میں جڑے ہوئے ہیں اور استعمال کے لئے ہیں ان کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی کیونکہ زکوٰۃ کے وجوب کے لئے مال کا نامی ہونا شرط ہے مگر سونے اور چاندی پر زکوٰۃ واجب ہو گی کیونکہ سونا اور چاندی طبعی مالِ تجارت اور مال نامی ہے۔(ص: ردالمحتار۔۳/۱۸۵)

زکوٰۃ کے وجوب کے ظاہری اسباب میں چھٹا سبب:

- زکوٰۃ کے وجوب کا چھٹا سبب یہ ہے کہ وہ مال نامی (بڑھنے والا) ہو اس میں نماء تحقیقی ہو جیسے مالِ تجارت میں منافع کی صورت میں نماء ہوتا ہے اور حیوانات میں توالد و تناسل سے زیادتی ہوتی ہے یا نماء تقدیری ہو یہ کہ اس مال میں بڑھنے کی قوت ہو اس کے ہاتھ میں ہو جیسے مستعمل سونا اور چاندی یا اس کے نائب کے ہاتھ میں ہو یا دین مؤجل۔ (فتح القدیر۔ص:۲/۱۷۴)

مال ضمار غیر نامی مال کا ایک قسم ہے:

- اگر مدیون نے دین کے وجوب کا انکار کر دیا اور دائن کے پاس گواہ یا ثبوت کے لیے معتبر مروج اسٹامپ پیپر اور دستاویزات وغیرہا نہیں تھے، وہ دین مجحود اتفاقاً واپس مل گیا تو اس دین پر سابقہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔ (در مختار)
- اور یہی حکم مالِ مغصوب کا ہے کہ گواہوں یا مروج دستاویزات کے نہ ہونے کی صورت میں اگر مالِ مغصوب واپس مل جائے صاحبِ مال پر غصب شدہ مال کی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔(در مختار، رد مختار)۔
- اگر دین مجحود پر گواہ موجود ہیں یا عرف میں مروج تحریریں جن کو عدالتیں ثبوت کے لئے تسلیم کرتی ہیں، موجود ہیں اس قسم کے دین کی زکوٰۃ میں امام محمد کا قول یہ ہے کہ اس دین میں سابقہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی کیونکہ کبھی گواہ قبول نہیں کئے جاتے اور کبھی عدالتیں صحیح فیصلہ نہیں کرتیں اور شیخین کے

نزدیک اس دین کی زکوٰۃ واجب ہو گی اور اس کا حکم دین قوی والا ہو گا جب دین واپس ملے گا سابقہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی۔

- غصب شدہ مال جس پر گواہ موجود ہیں یا دستاویزی ثبوت موجود ہیں جب مال واپس ملے گا اگر وہ مالِ تجارت تھا اس مال کی سابقہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہو گی کیونکہ غصب شدہ مال خرچ کرنے کے بعد غاصب مدیون ہو جاتا ہے مگر غصب شدہ حیواناتِ سائمہ پر سابقہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی کیونکہ حیوانات میں زکوٰۃ کے فرض ہونے کی علت اسامۃ (چراگاہ میں مفت چرانا ہے) اور غصب شدہ حیوانات میں مالک کے ملک میں اسامۃ نہیں پایا گیا، اس لئے مغصوبہ حیواناتِ سائمہ جب واپس ملیں گے مالک پر سابقہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔
- آج کل گواہوں کے علاوہ ثبوت کے لئے دستاویزات اور ریکارڈ شدہ سی ڈی وغیرہا عدالتیں تسلیم کرتی ہیں۔ عرف کی وجہ سے دستاویزات اور ریکارڈ شدہ مواد کا حکم گواہوں جیسا ہو گا۔
- وہ مال جو ظلماً کسی ظالم حاکم یا ظالم مسلط نے چھین لیا اور اس کی واپسی کی امید نہیں تھی مگر کئی سال گذرنے کے بعد مال واپس مل گیا اس مال کی مالک پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی (ردالمحتار)
- گمشدہ مال (مال مفقود) جو متعدد سالوں کے بعد مل جائے یا سمندر یا دریا میں گر جانے والا مال کئی سال بعد مل جائے یا مال مدفون جو کسی میدان میں دفن کیا گیا تھا مگر تلاش کے باوجود نہیں مل سکا تھا پھر کئی سال بعد مل گیا یا ایسے اجنبی آدمی کے پاس امانت کے لئے رکھا مال جس کو مالک نہیں پہچانتا تھا وہ غائب ہو گیا مال واپس ہونے کی امید نہیں رہی اور کئی سال بعد امانت کا مال مل گیا اور وہ مال جو ظلماً حاکم نے سلب کر لیا تھا اور واپسی کی امید نہیں تھی مگر کئی سالوں بعد مل گیا اور دین

مجحود جس پر گواہ نہیں ہیں ان سب صورتوں میں (دینِ مجحود /مالِ مغصوب) مال مفقود، مال ساقط فی البحر، غیر معروف آدمی کے پاس رکھی گئی امانت کا مال اور ظلماً ماخوذ مال کی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی ان سب کی علت مال کا غیر نامی ہونا ہے کہ ان اموال پر مالک کا قبضہ اور تصرف نہ اصالۃً ہے اور نہ نیابۃً اور ان اموال میں نہ نمو حقیقی ہے اور نہ نمو تقدیری کیونکہ ان اموال کی واپسی کی امید نہیں تھی، لہٰذا مذکورہ اموال پر قبضہ سے پہلے والے سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ان اموال کو اموال ضمار کہتے ہیں اور حضرت علی نے فرمایا:

"لا زکاۃ فی مال الضمار"

ترجمہ: ضمار کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے۔(ص:۳/۱۸۴)

مالِ ضمار کی تعریف:

• شامی میں ہے:

"وَقَالَ فِي الْبَحْرِ وَ هُوَ فِي اللُّغَةِ الْغَائِبُ الَّذِيْ لَا يُرْجٰى فَإِذَا رُجِيَ لَيْسَ بِضِمَارٍ" (ص:۳/۱۸۴)

ترجمہ: صاحب بحر نے کہا ضمار لغت میں اس غائب مال کو کہا جاتا ہے جس کی واپسی کی امید نہ رہے پس جس مال کی امید ہے وہ ضمار نہیں ہے۔

• اگر دین مجحود یا مالِ مغصوب پر گواہ موجود ہوں اور ساقط فی البحر کے حاصل ہونے کی امید ہو اور اپنے گھر یا کسی دوسرے کے گھر مال مدفون تھا جنگل میں مدفون نہیں تھا یا امانت اپنے پہچان کے لوگوں کے پاس رکھی گئی تھی مگر بھول گیا اور کئی سال بعد یاد آیا اور مال مل گیا ایسے اموال اگر کئی سال بعد مل جائیں، ان پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اموال تک وصول ممکن ہے یعنی ان اموال کے مل جانے کی امید ہے، یہ مالِ ضمار نہیں ہیں لہٰذا ان کی زکوٰۃ واجب ہوگی، معلوم ہوا زکوٰۃ کے وجوب کی علت بالفعل حصول نہیں

صرف امکان حصول کافی ہے اور اگر اموال کے ملنے کا امکان اور امید نہ ہو تو اس مالِ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اس مال کو مالِ ضمار کہا جاتا ہے۔

• تفصیل: مال الضمار کے متعلق حضرت علیؓ نے فرمایا:

"لَا زَكَاةَ فِيْ مَالِ الضِّمَارِ"

ترجمہ: ضمار کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے (در مختار)

• بحر الرائق میں ہے:

"وَهُوَ فِي اللُّغَةِ الْغَائِبُ الَّذِيْ لَا يُرْجٰى فَإِذَا رُجِيَ فَلَيْسَ بِضِمَارٍ"

ترجمہ: لغت میں مالِ ضمار وہ مال غائب ہوتا ہے جس کے ملنے کی امید نہ ہو پس جب غائب مال کی امید ہو وہ مالِ ضمار نہیں ہے۔

• اور صاحب در مختار نے مال ضمار کی یہ تعریف فرمائی کہ:

"هُوَ مَا لَا يُمْكِنُ الْإِنْتِفَاعُ بِهٖ مَعَ بَقَاءِ الْمِلْكِ" (ص:۳/۱۸۴)

ترجمہ: ضمار وہ مال مملوک ہے جس کے ساتھ حالاً یا مآلاً انتفاع ممکن نہ ہو جب کہ اس میں ملک باقی ہو اور انتفاع ناممکن اس وقت ہوتا ہے جب مال کے واپسی کی امید نہیں ہوتی۔

مال ضمار اور دین مؤجل میں فرق:

• فتح القدیر میں ہے:

"وَقِيْلَ وَهُوَ غَيْرُ الْمُنْتَفِعِ بِهٖ بِخِلَافِ الدَّيْنِ الْمُؤَجَّلِ فَإِنَّهٗ أَخَّرَ الْإِنْتِفَاعَ بِهٖ وَصَارَ كَمَالٍ غَائِبٍ" (ص: ۳/۱۷۴۔ دار الکتب العلمیہ)

• اور بعض علماء نے کہا مال ضمار وہ ہے جس سے نفع نہیں اٹھایا جاسکتا بخلاف دین میعادی کے اس سے نفع اٹھایا جاسکتا ہے کیونکہ مدیون صاحبِ دین کی نیابت میں اس کے اذن سے دین میں تصرف کرتا ہے لہٰذا صاحب دین بالواسطہ دین میں متصرف ہے نیز مالک نے اس کے ساتھ انتفاع کو ایک میعاد تک مؤخر کیا ہے اور

دین مؤجل مسافر کے مال کی طرح ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

• معلوم ہوا دین مؤجل اور میعادی مالِ ضمار نہیں ہوتا اگرچہ مقررہ میعاد سے پہلے مالک کو دین کے مطالبہ کا شرعاً حق نہیں ہوتا اور مالک دین کے ساتھ براہِ راست نفع نہیں اٹھا سکتا پھر بھی دین مال ضمار نہیں ہوتا مال ضمار وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ بالواسطہ اور بلاواسطہ نفع اٹھانے کا امکان اور حصول کی امید نہیں رہتی اور نفع اٹھانا ممکن نہیں ہوتا مگر اتفاقاً غیر متوقع طور پر مال حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ ضمار کی سابقہ صورتوں میں ذکر کیا گیا ہے اور دین مجحود جس پر گواہ موجود ہوں اور گھر میں مدفون مال جس کی جگہ بھول گئی ہو اور دیگر بعض صورتوں میں اگرچہ مال سے نفع نہیں اٹھایا جا سکتا مگر مال کے ملنے کا امکان ہوتا ہے اس لئے یہ اموال مال ضمار نہیں ہوتے۔ لہٰذا جس مال کے ملنے کی امید نہ ہو اور اس کے ملنے کا بظاہر امکان نہ ہو اور اس سے نفع اٹھانا ممکن نہ رہے وہ مال ضمار ہے اور اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

• فتح القدیر میں ہے:

''لَا زَكٰوةَ فِيْ هٰذِهِ الصُّوَرِ عَلٰى اَحَدٍ لِاَنَّهٗ كَانَ غَائِبًا غَيْرَ مَرْجُوِّ الْقُدْرَةِ عَلَى الْاِنْتِفَاعِ بِهٖ'' (ص: ۱۷۴/۳)

ترجمہ: ان صورتوں میں کسی ایک پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ یہ مال غائب تھا اس کے ساتھ نفع اٹھانے کی قدرت کی امید نہیں تھی۔

• معلوم ہوا اگر مال سے نفع اٹھانے کی قدرت کی امید ہو وہ مال ضمار نہیں ہوگا۔ لہٰذا ملازم کی اُجرت جی پی فنڈ مال ضمار نہیں کیونکہ اس کا ملنا یقینی ہوتا ہے۔

مالِ ضمار میں حضرت حسن بصری اور ولید کا واقعہ:

''عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ قَالَ اِذَا حَضَرَ الْوَقْتُ الَّذِيْ يُؤَدِّيْ فِيْهِ الرَّجُلُ زَكٰوتَهٗ عَنْ كُلِّ مَالٍ وَ عَنْ كُلِّ دَيْنٍ يُؤَدِّيْ زَكٰوتَهٗ اِلَّا مَا

كَانَ ضِمَارًا لَا يَرْجُوْهُ'' (ص: ۱۷۵۔ فتح)

ترجمہ: حضرت حسن بصری سے روایت ہے انہوں نے فرمایا جب وقت آجائے جس میں آدمی ہر مال اور ہر دین کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو زکوٰۃ ادا کرے مگر وہ مال جو ضمار ہو جس کی ملنے کی امید نہ ہو۔

• ولید ابن عبد الملک نے ایک آدمی ابو عائشہ کے بیس ہزار درہم چھین کر بیت المال میں رکھ دیئے تھے جب حضرت عمر ابن عبد العزیز خلیفہ مقرر ہوئے ان سے ابو عائشہ کے لڑکے نے ولید کے ظلم کی شکایت کی اور اپنے دراہم کا مطالبہ کیا حضرت عمر ابن عبد العزیز نے اپنے گورنر میمون کو لکھا سب لوگوں کے مغصوبہ اموال واپس کرو اور اموال کی زکوٰۃ واپسی کے سال سے شروع ہوگی یعنی سابقہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔ (فتح القدیر، ص: ۱۷۵/۲)

• سابقہ حوالوں اور مثالوں سے واضح ہو گیا کہ مال ضمار وہ مال ہوتا ہے جس کے واپس آنے کی امید نہ ہو اور ممکن الوصول اور ممکن الانتفاع نہ ہو اس مال پر سابقہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی قبضہ کے بعد قبضہ کے وقت سے نئے سال کا آغاز ہوگا، اگر مال ملنے کی امید ہو اور ممکن الوصول اور ممکن الانتفاع ہو اگرچہ بالفعل انتفاع نہ ہو وہ مال، مال ضمار نہیں ہوتا جب وہ مال ملے گا اس کی سابقہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی جیسے دین قوی یا دین متوسط کی زکوٰۃ سابقہ سالوں کی ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

• صاحبِ فتح القدیر نے مال ضمار کی مزید صورتوں کا ذکر فرمایا ''ومنه ما ذهب'' الخ۔ یعنی اموالِ ضمار میں سے ایک مال وہ ہے جو حربی کافر کسی مسلمان کا مال دار الاسلام سے دار الحرب لے جائے کیونکہ دار الحرب سے مال کی واپسی کی امید نہیں ہوتی۔

اعتراض: اس صورت پر مال ضمار کی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ مال ضمار میں

ضروری ہے ملک باقی ہو لیکن واپس ملنے کی امید نہ ہو یہاں تو ملک ختم ہو جاتا ہے۔(حواشی)

• فائدہ: یہ اس دور کی بات ہے جب مسلمانوں کا دارالحرب جانا ممنوع تھا اور کافروں کی عدالتیں مسلمانوں کے حق میں فیصلے نہیں کرتی تھیں۔ آج ویزا کے ذریعہ آنا جانا آسان ہو گیا ہے اور غیر اسلامی عدالتیں مسلمانوں کے حق میں فیصلے بھی کرتی ہیں۔ لہٰذا اگر کافر پاکستان سے کسی مسلمان کا مال چھین کر برطانیہ/امریکہ وغیرہا لے جائے جو کہ اعلیٰ حضرت کے نزدیک دارالحرب ہیں اس مال میں مسلمان کا ملک باقی رہے گا واپس ہو سکتا ہے وہ مال ضمار نہیں ہو گا۔ (رفیق حسنی)

• مال ضمار کی دوسری مثال کہ کسی مسلمان کی داڑھی بغیر اذن جبراً مونڈ دی گئی، داڑھی کی دیت کا قاضی نے فیصلہ کر دیا اور مونڈنے والے نے دیت کا مال داڑھی والے کو دے دیا اور اس پر سال گذر گیا سال کے بعد داڑھی دوبارہ آ گئی داڑھی والے نے دیت کا مال واپس کر دیا اس مال کی زکوٰۃ کسی پر واجب نہیں ہو گی چونکہ داڑھی کی دیت میں مال کی واپسی کی امید نہیں تھی اس لئے یہ مال ضمار ہو گا۔ (فتح)

• ایک شخص نے دوسرے شخص کے لئے اپنے اوپر دین کے واجب ہونے کا اقرار کیا اور دین کے بدلے اس آدمی کو مال دے دیا گیا۔ اس مال پر سال گذر گیا پھر دونوں دائن اور مدیون نے اقرار کر لیا کہ دین واجب نہیں تھا اور دائن نے مال واپس کر دیا اس کی زکوٰۃ دونوں پر واجب نہیں ہو گی۔

• ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو مال ہبہ کر دیا اور اس کے قبضہ میں دے دیا سال کے بعد ہبہ میں رجوع کر کے مال واپس لے لیا اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔ صاحب الفتح فرماتے ہیں:

"لَا زَكٰوةَ فِيْ هٰذِهِ الصُّوَرِ عَلٰى اَحَدٍ لِاَنَّهٗ كَانَ غَائِبًا غَيْرَ مَرْجُوِّ

الْقُدْرَةِ عَلَى الْاِنْتِفَاعِ بِهٖ" (ص:۳/۱۲۱)

ترجمہ: ان صورتوں میں کسی فریق پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیونکہ مال غائب تھا اور اس مال سے نفع اٹھانے اور واپسی کی امید نہ تھی۔ ان صورتوں میں وہ مال ضمار تھا۔

مگر صاحب البحر نے فرمایا ان صورتوں میں مال پر ایک سال تک ملک باقی نہیں رہتا اس لیے ان اموال کو مالِ ضمار نہیں کہا جائے گا، جہاں ملک نہیں رہتا اور ختم ہو جاتا ہے اس مال کی زکوٰۃ اس لئے واجب نہیں ہوتی کہ ایسا مال ہلاک شدہ مال کی طرح ہوتا ہے مال ضمار میں تو ملک قائم رہتا ہے اگرچہ زکوٰۃ اس میں بھی واجب نہیں ہوتی لہٰذا یہ مثالیں ہلاک شدہ اموال کی ہیں نہ کہ مال ضمار کی۔ صاحب الفتح کی جانب سے صاحب النہر نے جواب تو دیا مگر علامہ شامی نے اپنے حاشیہ منحۃ الخالق میں صاحب البحر کی تائید فرمائی ہے مذکورہ صورتوں میں زکوٰۃ کا عدم وجوب بالاتفاق ہے مگر کیا ان صورتوں میں ضمار ہے یا ہلاکت ہے، اس میں اختلاف ہے۔ (کتاب الزکاۃ)

ایڈوانس اجرت میں زکوٰۃ کا حکم:

• فتح القدیر میں ہے:

"واما زكوٰة الاجرة المعجلة عن سنين في الاجارة الطويلة التي يفعلها بعض الناس عقودًا ويشترطون الخيار ثلاثة ايام في راس كل شهر فتجب على الاجر لانه ملكها بالقبض وعند الانفساخ لا يجب عليه رد عين المقبوض بل قدره فكان كدين لحقه بعد الحول" (ص:۲/۱۲۱۔ مکتبہ رضویہ سکھر)

ترجمہ: اور لیکن طویل اجارۃ (جس میں بعض لوگ متعدد عقد کرتے ہیں اور ہر ماہ کے پہلے تین دن عقد فسخ کرنے کا اختیار دیتے ہیں) میں کئی

سالوں کی اجرۃ معجلۃ (ایڈوانس اجرۃ) کی زکوٰۃ آجر (یعنی صاحب مکان)
پر واجب ہوگی کیونکہ آجر قبضہ کے بعد ایڈوانس اجرۃ کا مالک ہو جاتا ہے
اور اجارۃ کے فسخ ہونے پر مقبوضہ اجرۃ کا عین واپس کرنا واجب نہیں بلکہ
اجرۃ کی مقدار واپس کرنا ضروری ہے فسخ کے بعد یہ اجرۃ ایسا دین ہوگا جو
سال کے بعد آجر کو لاحق ہوا لہٰذا ایڈوانس اجرۃ کی گذشتہ سالوں کی
زکوٰۃ آجر پر واجب ہوگی۔

• اجارہ طویلہ میں شیخ زاہد بزدوی بیان کرتے ہیں کہ شیخ سرخکتی فرماتے ہیں
مستاجر پر بھی ایڈوانس اجرت کی زکوٰۃ واجب ہوگی یعنی آجر اور مستاجر دونوں پر
اجرۃ کی زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ عرف میں لوگ اس اجرۃ کو آجر پر مستاجر کا
دین شمار کرتے ہیں اور عرف معتبر ہوتا ہے۔ فتاوی قاضی خان میں سرخکتی
بزدوی کے قول کو رد کر دیا گیا ہے لہٰذا یہ صحیح ہے کہ ایڈوانس اجرۃ کی زکوٰۃ صرف
آجر (صاحب مکان) پر واجب ہوگی کرایہ دار اور مستاجر پر واجب نہیں ہوگی۔
(ص: ۱۲۱/۲۔ فتح)

• ایڈوانس اجرۃ کی زکوٰۃ موجر پر واجب ہونے کی ایک صورت کافی سے نقل
کرتے ہوئے ابن ہمام لکھتے ہیں "**وفی الکافی لو استاجر دارا**" الخ۔ اگر کسی
نے مکان دس سال کے لئے ایک ہزار درہم ہر سال کے لئے ایک سو درہم
میں اجرت پر حاصل کیا اور مستاجر نے اجرت میں ایک ہزار ایڈوانس صاحب
مکان (موجر) کو دے دیا مگر مستاجر نے اس مکان پر قبضہ نہیں کیا اور دس سال
گذر گئے اور موجر اور مستاجر دونوں کے پاس اجرۃ والے ہزار کے سوا کوئی مال
نہیں تھا (موجر) صاحب مکان جس نے ہزار درہم پر قبضہ کر لیا تھا اس کو پہلے
سال نو سو درہم کی ساڑھے بائیس درہم زکوٰۃ دینا ہوگی کیونکہ قبضہ نہ ہونے کی
وجہ سے پہلے سال کا عقد اجارہ منسوخ ہو گیا اور پہلے سال کے معاوضہ میں دیا گیا

ایک سو درہم موجر پر مستاجر کا دین ہو گیا، گویا موجر پر ایک سو درہم مستاجر کا
دین ہے اور نو سو درہم مکان کی اجرت ہے اور نو سو درہم میں زکوٰۃ کے ساڑھے
بائیس درہم فقراء کا دین ہو گیا سو درہم مستاجر کا دین اور ساڑھے بائیس درہم اللہ
تعالی کا فقراء کے لئے دین دونوں (122½ درہم) موجر پر لازم ہیں دس سالہ
عقد اجارہ کے دوسرے سال ہزار درہم سے ایک سو ساڑھے بائیس درہم دین
کے وضع کر کے باقی پر زکوٰۃ واجب ہوگی یعنی آٹھ سو ساڑھے ستتر درہم کی زکوٰۃ
واجب ہوگی۔ ہر سال ایک سو درہم جس کا عقد منسوخ ہوتا جائے گا اور زکوٰۃ کی
رقم موجر پر دین ہوتی جائے گی دین وضع کر کے باقی پر زکوٰۃ واجب ہوتی جائیگی
حتی کہ اجرۃ میں دیے گئے دراہم میں سے باقی بچنے والے دراہم دو سو سے کم
ہو جائیں تو موجر پر اجرۃ کی زکوٰۃ واجب نہیں رہے گی کیونکہ زکوٰۃ کا نصاب دو سو
درہم ہے فتح القدیر میں ہے "اِلٰی اَنْ یَّصِیْرَ الْبَاقِیْ خَالِصًا مِنْ دَیْنِ الْاِنْفِسَاخِ
اَقَلَّ مِنْ مِائَتَیْنِ" اور اسی صورت میں مستاجر (کرایہ دار) کا جس نے ایک
ہزار درہم ایڈوانس اجرۃ دے دی تھی ہر سال ایک ایک سو درہم میں اجارۃ
کے منسوخ ہونے کی وجہ سے موجر پر ہر سال ایک ایک سو درہم دین واجب
ہوتا جائے گا لہٰذا عقد اجارہ کے تیسرے سال مستاجر پر تین سو درہم دین کی
زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ پہلے سال موجر پر مستاجر کا دین ایک سو درہم تھا اور
دوسرے سال دو سو درہم تھا مگر فسخ اجارہ کی تاریخ تک دو سو درہم پر پورا سال
نہیں گذرا تھا لہٰذا نصاب مکمل نہیں تھا تیسرے سال فسخ اجارۃ کی وجہ سے ایک
سو درہم کا دین دوران سال مستفاد ہو گیا لہٰذا مستاجر کو تین سو درہم دین کی زکوٰۃ
دینا ہوگی اور آئندہ چوتھے سال چار سو اور پانچویں سال پانچ سو کی اسی طرح ہر
سال ایک ایک سو مزید دین کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور دسویں سال پورے ہزار درھم
دین کی زکوٰۃ واجب ہوگی فتح القدیر میں:

"ھَلُمَّ جَرًّا اِلَی الْعَاشِرَۃِ فَعَلَیْہِ زَکٰوۃُ الْاَلْفِ فِیْھَا" (ص: ۱۲۲/۲ فتح)

ترجمہ: دسویں سال تک کھینچتے چلے آئیں پس دسویں سال متاجر پر ایک ہزار کی زکوٰۃ ہوگی۔

• مفہوم: اسی تسلسل میں دسویں سال تک حساب لے آئیں پھر دسویں سال پورے ہزار درہم کی زکوۃ اس پر واجب ہوگی۔

• آخر میں صاحب الفتح فرماتے ہیں:

"فَلَوْ کَانَا تَقَابَضَا فِی الْاُجْرَۃِ وَالدَّارِ فَظَاھِرٌ اَنَّہٗ لَا زَکٰوۃَ عَلَی الْمُسْتَاجِرِ لِزَوَالِ مِلْکِہٖ بِالتَّعْجِیْلِ وَلَمْ تَعُدْ لِعَدَمِ الْاِنْفِسَاخِ" (ص: ۱۲۲/۲)

ترجمہ: اگر دونوں موجر اور متاجر نے اجرت اور مکان پر قبضہ کر لیا پس ظاہر ہے کہ متاجر پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ تعجیل اور ایڈوانس کی وجہ سے اجرۃ کے ہزار درہم سے متاجر کا ملک زائل ہو گیا اور ملک واپس نہیں آیا کیونکہ اجارہ کا فسخ نہیں ہوا۔ (لہٰذا ایڈوانس اجرۃ کی زکوٰۃ صرف موجر پر واجب ہوگی)

• فتح القدیر کی ذکر کردہ ان مثالوں سے معلوم ہوا ایڈوانس اجرۃ اگرچہ بیس سال کی اجرۃ ہو اور عقد فسخ نہ ہو، اس اجرت پر قبضہ ہو جانے کے بعد اس اجرت کی زکوٰۃ موجود صاحب مکان یا دوکان یا صاحب جائیداد پر واجب ہوتی ہے اور وہ رقم ایڈوانس ہونے کی وجہ سے متاجر کے ملک سے نکل کر موجر کے ملک میں آجاتی ہے اور متاجر کا موجر پر دین نہیں ہوگا تاکہ دین کی زکوٰۃ متاجر پر واجب ہو۔

طے کردہ وقت کے بعد اجرۃ پر زکوٰۃ کا حکم:

• فتح القدیر میں ہے:

"وَلَوْ کَانَ الْمَسْئَلَۃُ عَلَی الْقَلْبِ اَیْ قَبَضَ الْمُسْتَاْجِرُ الدَّارَ وَلَمْ یُعَجِّلِ الْاُجْرَۃَ فَالْمُؤْجِرُ ھُنَا کَالْمُسْتَاْجِرِ ...الخ" (ص: ۱۲۲/۲)

ترجمہ: اگر مسئلہ پہلی صورت کے برعکس ہو کہ متاجر دار پر قبضہ کر لے اور اجرۃ نہ دے یہاں مؤجر متاجر کی طرح ہو جائے گا اور متاجر موجر کی طرح ہو جائے گا۔

• یعنی ہر سال کی اجرۃ ایک سو درہم ہوگی اور دس عقد ہوں گے لہٰذا متاجر کے پاس صرف ایک ہزار درہم مال ہے اور موجر کے پاس کوئی دوسرا مال نہیں ہے لہٰذا پہلے سال ایک سو درہم اجرۃ میں شمار ہوگا اور موجر کا متاجر پر دین ہوگا متاجر کو بقیہ نو سو درہم کی زکوٰۃ مبلغ ساڑھے بائیس درہم دینا ہوگی دوسرے سال اجرۃ کا ایک سو درہم موجر کے دین میں شمار ہوگا اور ساڑھے بائیس درہم اللہ تعالی کا دین متاجر پر ہوگا لہٰذا دوسرے سال متاجر کو اپنی رقم سے آٹھ سو ساڑھے ستتر درہم کی زکوٰۃ دینا ہوگی اسی طرح سال بہ سال حساب لگا کر متاجر کو بقیہ رقم کی زکوٰۃ دینا ہوگی تا وقتیکہ نصاب باقی نہ رہے۔ صاحب الفتح فرماتے ہیں "لِاَنَّ الْمِلْکَ فِی الْاُجْرَۃِ یَثْبُتُ سَاعَۃً فَسَاعَۃً"۔ ترجمہ: کیونکہ اجرۃ میں موجر کا ملک ہر ساعۃ کے بعد دوسری ساعۃ ثابت ہوتا جاتا ہے کیونکہ اجرۃ عمل یا مکان سے انتفاع کے مقابلہ میں واجب ہوتی ہے اس لئے ہر سال موجر کا ملک بڑھتا جائے گا اور موجر تیسرے سال تین سو درہم دین کی زکوٰۃ ادا کرے گا کیونکہ پہلے دو سال تک دین کے نصاب کے دو سو درہم پر ایک سال مکمل نہیں ہوا تھا اس لئے تیسرے سال اجرۃ کے دین کا تین سو درہم کی زکوٰۃ واجب ہوگی پھر چوتھے سال چار سو اور پانچویں سال پانچ سو حتّٰی کہ دسویں سال ایک ہزار روپے اجرۃ کے دین کی زکوٰۃ واجب ہوگی مگر ہر سال زکوٰۃ کی مقدار کے ماسوا کی زکوٰۃ موجر پر واجب ہوگی۔ فتح القدیر میں ہے:

"وَالْمُؤْجِرُ يُزَكِّي فِي السَّنَةِ الثَّالِثَةِ ثَلٰثَ مِأَةٍ وَالرَّابِعَةِ اَرْبَعَ مِأَةٍ اِلَّا قَدْرَ زَكٰوةِ مَا مَضٰى" (ص: ۱۲۲/۲۔ مکتبہ نوریہ، سکھر)

ترجمہ: اور موجر تیسرے سال تین سو اور چوتھے سال چار سو درہم کی زکوٰۃ دے گا مگر ماضی کی زکوٰۃ کے مقدار کے ماسوا کی زکوٰۃ نکالے گا۔

• معلوم ہوا مکان کی اجرت اگر دراہم میں طے ہو اور وہ دراہم دین ہوں نقد نہ ہوں، دراہم کا بدل دین، دین قوی ہوتا ہے، اور دین قوی پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اگر موجر کا مستاجر پر دین واجب ہو خواہ میعادی ہو یا غیر میعادی اس کی زکوٰۃ موجر (صاحب مکان پر) پر واجب ہوتی ہے اور جب مکان کی اجرۃ دین ہو اور اجرت کا دین قوی ہوتا ہے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ فتح القدیر کی ذکر کردہ عبارت سے معلوم ہوا ملازم کے منافع اور عمل اور کام کرنے کی اجرت بھی اگر دراہم ہوں اور دین ہو تو اس کی زکوٰۃ ملازم پر واجب ہوگی اس میں شرط ہے کہ اجرت ایسے مال سے طے ہو جو تحقیقاً مالِ تجارت ہو، جس میں تجارت کی نیت کی ضرورت نہ ہو جیسے دراہم، دنانیر اور مالِ تجارت کیونکہ ان تینوں کا بدل بلانیت مالِ تجارت ہوتا ہے یا تقدیراً مالِ تجارت ہو، جس میں تجارت کی نیت کی جاسکے اور کرنسی نوٹ جو کہ خلقی اور طبعی مالِ تجارت نہیں عرفی مالِ تجارت ہیں، ان میں بھی تجارت کی نیت کی ضرورت نہیں ہوتی یا پھر اجرۃ میں ایسا مال طے ہو جس میں تجارت کی نیت ہو سکے اور اس میں تجارت کی نیت کر لی گئی ہو، وہ بھی مالِ تجارت ہوتا ہے اور ان کا دین دینِ قوی ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ مالِ تجارت کی تعریف میں ذکر کی جائے گی۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

"يَلْحَقُ بِالْبَيْعِ بَدَلُ الْمُؤْجِرِ لَوْآجَرَهُ وَلَدَهُ بِعَبْدٍ وَنَوَاهُ لِلتِّجَارَةِ كَانَ لِلتِّجَارَةِ" (ص: ۱۲۵)

ترجمہ: موجر کا بدل حکم میں بیع کے ساتھ لاحق ہوگا اگر اس کی اولاد

نے مستاجر کو عبد کے معاوضہ میں اجرۃ پر دے دیا اور عبد میں تجارت کی نیت کر لی وہ عبد تجارت کے لئے ہوگا۔

معاملات میں منافع کی اجرت کے دین کا حکم دینِ قوی کا ہوتا ہے:

• بعض علماء نے مہر اور خلع اور طلاق اور قتل کے بدل کو منافع کا بدل قرار دے کر بیان فرمایا کہ امام صاحب کے نزدیک منافع مال نہیں ہوتے لہٰذا ان کا بدل دینِ ضعیف ہوگا۔ آزاد آدمی کا عمل محنت مال نہیں ہوتی لہٰذا عمل کا بدل صرف حق ہوتا ہے مال نہیں ہوتا اور اس کا دین دینِ قوی نہیں ہوتا، ایک حق ہوتا ہے بلکہ دینِ ضعیف ہوتا ہے۔ اس پر ملازم اور مزدور کی محنت اور عمل کو قیاس کر کے بیان کیا کہ ملازم کی اجرتِ مؤخرہ بھی دینِ قوی نہیں ہوتی لہٰذا اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

• میرے خیال میں صاحبین کی طرح امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی ملازم اور مزدور کے عمل اور محنت حکماً مال ہے لہٰذا ملازم اور مزدور کی محنت کا مہر اور طلاق اور خلع پر قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ مہر اور خلع اور صلح کا بدل در حقیقت ہبہ اور گفٹ کے مشابہ ہوتا ہے اور ہبہ میں ملکِ تام کے لیے موہوب لہ کا قبضہ شرط بلکہ ہبہ کا رکن ہے اور ملازم کی اجرت منافع حکمی مال کی قیمت ہوتی ہے لہٰذا منافع کا بدل قبضہ سے پہلے دین قوی ہوگا۔

• بدائع الصنائع میں ہے:

"الاجرة فی الاجارات معتبرة بالثمن فی البیاعات لان کل واحد من النقدین معاوضة المال بالمال فما یصلح ثمنا فی البیاعات یصلح اجرة فی الاجارات و هو ان تکون الاجرة مالاً متقوماً معلوماً۔" (بدائع، مطبوعہ مکہ مکرمہ، ۱۸/۶)

ترجمہ: عقد اجارات میں اجرت کا اعتبار اور قیاس بیوع میں ثمن کے ساتھ کیا

گیا ہے کیونکہ نقدین سے ہر ایک مال کا مال کے ساتھ معاوضہ ہوتا ہے لہٰذا جو چیز بیوع میں ثمن ہونے کی صلاحیت رکھے گی وہ چیز اجارات میں اجرۃ ہونے کی صلاحیت رکھے گی اور وہ یہ کہ اجرۃ مال متقوم معلوم اور متعین ہو۔

"معلوم ان الاجرۃ ھی العوض الذی یدفعہ المستاجر و قد صرح الفقھاء ان الاجرۃ فی باب الاجارۃ مقابلۃ بالثمن فی باب البیع۔" (۱۸/۶حاشیہ)

ترجمہ: یہ معلوم ہے کہ یقیناً اجرۃ وہ عوض ہے جو مستاجر موجر کو دیتا ہے اور بے شک فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اجرۃ اجارہ کے ابواب میں ابوابِ بیع میں ثمن کے مقابلہ میں ہے۔یعنی اجرت ثمن کی طرح متقوم معین مال ہوتا ہے۔

- یہی بدائع الصنائع ہے جس کی عبارت سے علماء دیو بند نے فتوی جاری کر دیا کہ اجرت مال ہی نہیں بلکہ حق اور وصف ہے، مال نہیں ہے۔اس کا دین دینِ ضعیف ہے، جس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ذکر کردہ عبارت میں عموم ہے اجرۃ حُر کے عمل کی ہو یا عبد کے عمل کی، مکان کی ہو یا دکان کی اگر اجرت میں طے شدہ مال سونا یا چاندی یا کرنسی یا مالِ تجارت ہے تو بغیر نیت اجرت مال تجارت ہو گی اور اجرت کا دین دینِ قوی ہوگا اور دینِ قوی پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور اگر اجرت دیگر عروض طے ہوں، ان میں قبضہ کے بعد صراحۃً یا دلالۃً تجارت کی نیت اور عمل شرط ہے، جیسے گذر چکا ہے۔
- بعض علماء نے اجرت کے دین کو غیر معین حق قرار دیا اور لکھا، اجرت ایک غیر معین حق ہے، مال ہی نہیں، اجرت کا دین مال کے حکم میں ہی نہیں اس لیے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔
- میرے خیال میں یہ قول صحیح نہیں ہے بلکہ ملازم اور مزدور کی اجرت مال ہوتا

ہے اس کے دین کا حکم مال کے دین کا حکم ہوگا اگرچہ اجرت منافع کا معاوضہ ہوتا ہے۔بدائع میں ہے:

"الاصل فی شرط العلم بالاجرۃ قول النبی صلی اللہ علیہ و سلم من استاجر اجیرا فلیعلمہ اجرہ (حدیث) والعلم بالاجرۃ لا یحصل الا بالاشارۃ و التعیین او بالبیان (الی) و ان کان مما یثبت دینا فی الذمۃ فی المعاوضات المطلقۃ کدراھم والدنانیر والمکیلات والموزونات والمعدودات المتقاربۃ والثیاب لا یصیر معلوما الا ببیان الجنس والنوع من ذالك الجنس والصفۃ والقدر۔" (ص:۲۰-۲۱،ج۶)

ترجمہ: اجرۃ کا علم ہونے کی شرط میں اصل نبی کریم ﷺ کا قول مبارک ہے یہ کہ جس شخص نے مزدور اور اجیر کو اجرت پر لیا، وہ اسے اس کی اجرت بتادے اور اجرت کا علم حاصل نہیں ہو سکتا مگر اشارہ کے ساتھ یا تعیین کے ساتھ یا بیان کے ساتھ (تا) اگر اجرت ان اموال میں طے ہو جو معاوضات مطلقہ میں ذمہ میں دین ثابت ہو سکتے ہیں جیسے دراہم اور دنانیر اور کیلی اور موزنی اشیاء اور عددی متقاربۃ اور کپڑے یہ معلوم نہیں ہوں گے مگر جنس کے بیان کے ساتھ۔اور اس جنس سے نوع اور صفت اور قدر کے ساتھ۔

- معلوم ہوا اجرت وصف مبہم اور مبہم حق نہیں ہوتی تاکہ کہا جائے اجرت مال ہی نہیں ہوتی بلکہ اجرت مال ہوتی ہے صرف اس میں تعیین شخی نہیں ہوتی مگر باقی تعینات کا ذکر لازم ہوتا ہے۔
- بعض حضرات نے اپنے فتاوی میں لکھا، اجرت قبضہ سے پہلے ملازم کے ملک میں نہیں آتی جب اجرت دین ہے ابھی قبضہ میں نہیں آئی، اجرت مملوک ہی نہیں

ہوتی لہٰذا مال بھی نہیں اس پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں۔ یہ قول بھی صحیح نہیں ہے۔
بدائع میں ہے:

"فالحاصل ان الاجرۃ لا تملك الا باحد معان ثلثة احدها شرط التعجیل فی نفس العقد والثانی التعجیل من غیر شرط والثالث استیفاء المعقود علیه۔" (۳۹/۶)

ترجمہ: بس حاصل کلام یہ ہے کہ اجرت ملک میں نہیں آتی مگر تین امور میں سے ایک کے ساتھ ان میں ایک امر یہ ہے کہ عقد اجارہ میں اجرت کی تعجیل اور ایڈوانس ہونے کی شرط ہونے کا ذکر ہو دوم بغیر شرط اجرت معجل اور ایڈوانس دے دی جائے سوم معقود علیہ یعنی عمل اور منفعت جس کی اجرت طے ہوئی تھی، کا استیفاء اور حصول ہو جائے۔

- معلوم ہوا عمل کے تمام ہو جانے کے بعد ملازم اپنی اجرت کا مالک ہوتا ہے اور ملازم کے حق میں اجرت مملوک مال ہوتا ہے لہٰذا اجرت کا دین مملوک مال کا دین ہوگا اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔
- بعض علماء نے لکھا منافع اور اعمال احناف کے نزدیک مال نہیں ہوتے خصوصاً آزاد آدمی کے محنت مال نہیں ہوتی لہٰذا اس کا معاوضہ اگر موخر ہو تو دینِ ضعیف ہوگا اور زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ یہ قول بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اجارہ کے ابواب میں محنت اور منافع کو صاحبین اور دیگر آئمہ کی طرح امام اعظم نے بھی مال تسلیم کیا ہے گویا منافع دو قسم کے ہوتے ہیں منافع مؤجرۃ جو کہ ملازم اور مزدور کے اعمال ہوتے ہیں اور منافع غیر موجرۃ جیسے نکاح اور خلع میں منافع غیر موجرۃ کا بدلہ مہر اور خلع کا بدل ہوتا ہے۔ ہماری گفتگو منافع مؤجرۃ میں ہے۔ چنانچہ بدائع میں ہے:

"لان المنافع فی باب الاجارۃ کالمبیع فی باب البیع والاجرۃ فی

الاجارات کالثمن فی البیاعات و للبائع حبس المبیع الی ان یستوفی الثمن فکذا للمواجر حبس المنافع الی ان یستوفی الاجرۃ المعجلۃ۔" (۴۰/۶)

ترجمہ: کیونکہ یقیناً منافع اجارہ کے باب میں، بیع کے باب میں مالِ مبیع کی طرح ہوتے ہیں اور اجرت اجارات میں بیوع میں ثمن کی طرح ہوتی ہے اور جس طرح بائع کے لیے مبیع کو روک لینا جائز حق ہے تاکہ بیع کے ثمن حاصل کرلے، اسی طرح اجیر کو اجرت معجلہ (ایڈوانس) کے لے لینے تک منافع روک لینا جائز ہے۔

- بدائع میں ہے:

"فان شرط فیه تعجیل البدل فعلی المستاجر تعجیلها والابتداء بتسلیمها سواء کان ما وقع علیه الاجارۃ شیئا ینتفع بعینه کالدار والدابة و عبد الخدمة او کان صانعا او عاملا ینتفع بصنعته او عمله کالخیاط والقصار والصباغ والاسکاف لانهما لما شرطا تعجیل البدل لزم اعتبار شرطها لقوله صلی الله علیه و سلم المسلمون عند شروطهم و ملك الآجر البدل حتی یجوز له هبته والتصدق به والابراء عنه والشراء والرهن والکفالة و کل تصرف یملك البائع فی الثمن فی باب البیع۔" (ص:۴۱/۶)

ترجمہ: اگر اجارہ میں بدل کی تعجیل شرط کی گئی ہے مستاجر پر اس کی تعجیل واجب ہے اور اسے اجرت کی تسلیم کی ابتداء کرنا واجب ہے، برابر ہے کہ وہ چیز جس پر اجارہ واقع ہوا اس کے عین کے ساتھ نفع اٹھایا جائے جیسے دار اور دابۃ اور خدمت کا عبد یا اجیر صانع اور کاریگر ہو، اس کی صنعت یا عمل

کے ساتھ نفع اٹھایا جائے جیسے درزی اور دھوبی اور رنگریز اور موچی، اس لیے جب دونوں نے بدل کی تعجیل (ایڈوانس) ہونے کی شرط لگائی ان کی شرط کا اعتبار لازم ہے کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے، مسلمان اپنی شروط کے ساتھ ہیں اور ملازم اور مزدور بدل کا مالک بن جائے گا حتی کہ ملازم اور مزدور کے لیے اجرت کا ہبہ اور صدقہ کرنا اور اجرت سے ابراء اور خریداری اور رہن اور کفالہ جائز ہوں گے پس ثمن میں ہر وہ تصرف جس کا بیع کے باب میں بائع مالک ہو جاتا ہے اجرت میں موجر اس کا مالک ہو جائے گا۔

• معلوم ہوا مزدور اور ملازم اجرت کا تین صورتوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے مالک ہو جاتا ہے، یہ کہ مستاجر بغیر شرط موجر کو اجرت ادا کردے یا اجرت کا معجل ہونا مشروط ہو یا معقود علیہ جس عمل پر عقد ہوا تھا، مکمل کر دیا جائے لہٰذا ملازم اور مزدور عمل مکمل کرنے یا ریٹائرمنٹ کے بعد غیر مقبوض اجرت (جی پی فنڈ) کا مالک ہو گا اور حکومت یا کمپنی پر اجرت کا دین واجب ہو گا جب بیع میں مبیعہ کے اثمان دین ہوں ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو اجارہ میں اجرت دین ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہو گی۔

• فقہاء کی مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا اجارۃ کے معاملات میں منافع کا حکم مال والا ہوتا ہے اور معلوم ہوا اجرۃ کی رقم میں مستاجر کا ملک ثابت ہوتا ہے اور یہ ملک تام ہوتا ہے اگر اجرت دین ہو تو دین پر زکوٰۃ واجب ہو گی اگر اجرت نقود یا مالِ تجارت کا دین ہو تو اس کا حکم دین قوی والا ہو گا۔ پہلے گذر چکا ہے کہ اجرۃ میعادی دین کی طرح ہوتی ہے مثلاً اجرۃ مؤخرہ میں بیس سال کی میعاد ہو، صاحبِ اجرت میعاد سے پہلے اپنی اجرۃ کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ جس طرح دین میعادی میں میعاد اور تاجیل لازم ہوتی ہے مگر دین میعادی پر زکوٰۃ واجب

ہوتی ہے اسی طرح اجرت میعادی پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔

جی پی فنڈ پر زکوٰۃ واجب ہے۔ امام اہلسنّت کا فتویٰ:

• جی پی فنڈ کی ایک صورت مسئولہ میں اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان نے تحریر فرمایا:

• سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان کرام شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عرصہ تقریباً بیس سال سے ریلوے کمپنی کے یہاں ملازم ہے اور ریلوے اپنے قاعدے کے مطابق بشمول دیگر ملازمین زید کی تنخواہ ماہواری سے ایک آنہ چار پائی فی روپیہ بطور ضمانت مجرا کرا لیتی ہے اور بعد چھ ماہ کے اس روپے کو کسی دوسری تجارت وغیرہ میں لگا دیتی ہے اور صورت نفع و نقصان کے رسیدی کمی و بیشی کر کے پھر ششماہی پر رسید دیتی ہے ابتدا میں ایک روپیہ دو آنہ مجرا ہوتا تھا جوں جوں تنخواہ میں ترقی ہوتی گئی اس میں اضافہ ہوتا گیا چنانچہ اب تین روپے ماہوار مجرا کیا جاتا ہے اور اب اصل تعداد پانچ سو کی ہو گئی ہے اور کل تعداد ایک ہزار سے زائد ہو گئی جس وقت زید ملازمت سے علیحدہ ہو گیا اس وقت اس کو اور اس کے ورثاء کو وصول ہو گا بشرطیکہ میعادی ملازمت اچھے طریقہ پر ختم ہو جائے اور کوئی قصور وغیرہ واقع نہ ہو مگر پانچ سو درھم جو اصلی ہے اس میں کسی طرح اندیشہ نہیں سوا اس کے کہ درمیان ملازمت کے روپے وصول کرنا ناممکن ہے جب تک ملازمت سے مستعفی نہ ہو ازروئے شریعت اس روپے پر زکوٰۃ دینا فرض ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس وقت سے دی جائے گی؟ اصلی تعداد پر دی جائے گی یا کل روپے پر اور نصاب زکوٰۃ کس قدر اور اس پر مقدار زکوٰۃ کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

• الجواب: جب سے وہ اصلی روپیہ خود یا مع اور زکوٰتی مال کے جو زید کے پاس ہے قدر نصاب یعنی 56 روپے تک پہنچا اور حوائج اصلیہ سے بچ کر اس پر سال

گذرا اس وقت سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوئی اور سال بسال جدیدہ زکوٰۃ واجب ہوتی رہی ہاں اگلے سال کی جتنی زکوٰۃ واجب ہوئی ہے اس سال جمع میں سے اتنا کم کریں گے کہ اتنا اس پر اللہ تعالی کا دین ہے باقی مع جدید مقدار سال حال پر زکوٰۃ آئے گی تیسرے سال کی جمع میں سے دو برس گذشتہ کی زکوٰۃ واجب شدہ مجرا کریں گے اور سال حال کا اضافہ کریں گے اس قدر پر زکوٰۃ آئے گی چوتھے سال کی جمع میں سے تین سال کی زکوٰۃ مذکور مجرا اور امسال کا اضافہ شامل ہوگا آخیر تک یونہی کریں گے تجارت میں وہ روپیہ اگر اس کی اجازت سے لگایا جاتا ہے تو اس کا منافع شامل ہوگا اس طور پر زکوٰۃ سال بہ سال واجب ہوا کرے گی مگر اس روپیہ کی زکوٰۃ ادا کرنا اس وقت لازم ہوگا جب وہ وصول ہوگا اور جو اضافہ کمپنی سود کے طریقہ پر طے کرتی ہے اس پر کبھی زکوٰۃ نہ ہوگی نہ وہ اس کے ملک ہے نہ اسے سود کی نیت سے کسی طرح جائز ہے ہاں بعد ختم اگر کمپنی بطور خود اضافہ دے اور کمپنی میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو تو یہ اس اضافہ کو اس نیت سے لے سکتا ہے کہ ایک غیر مسلم جماعت ایک مال بخوشی دیتی ہے یوں مال مباح سمجھ کر لے سکتا ہے سود کی نیت نہ ہو۔ واللہ تعالی اعلم

(فتاوی رضویہ۔ جلد: ۱۰۔ ص: ۱۵۸/۱۵۷، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن)

• صاب فتح القدیر اور اعلی حضرت رحمۃ اللہ کے فتویٰ سے معلوم ہوا آزاد آدمی کے عمل اور محنت کی اجرت اور مکان کے سکن اور عبد کی محنت کی اجرت سب کا حکم برابر ہے، ان سب میں منافع کا عوض اجرت ہے۔ یہ نہیں کہ آدمی کی اجرت کا دین ضعیف ہوتا ہے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور مکان اور عبد کی اجرت کا دین قوی ہوتا ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ اگر اجرت میں کرنسی یا دراہم اور دینار طے ہوں تو دین بھی طے شدہ کرنسی اور دراہم اور دنانیر کا ہوگا طے شدہ مال ادا کرنا واجب ہوگا اس کی جگہ دوسرا مال بغیر

اجازت ادا کرنا جائز نہیں ہوگا، لہٰذا کرنسی کا یہ دین دینِ قوی ہوگا، علماء دیوبند کا یہ کہنا کہ ملازم کی محنت کی اجرت کا دین دینِ ضعیف ہوتا ہے، صحیح نہیں ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ملازم کی اجرت بنام جی پی فنڈ پر ملازم کا قبضہ سے پہلے ملکِ تام ہوتا ہے لہٰذا ''زکاۃ'' نامی کتاب کے مصنف کا قول کہ جی پی فنڈ میں ملک تام نہیں ہوتا صحیح نہیں ہے۔ (محمد رفیق حسنی)

امام اہلسنت اور فتح القدیر کی عبارات کا خلاصہ:

• ملازم کی اجرت خواہ کسی پرائیویٹ کمپنی کی جانب سے ہو یا حکومت کے ادارہ کی جانب سے ہو، اگر موجر کو یا ملازم کو اجرت اور مزدوری نقد ادا نہیں کی گئی تو وہ دین قوی ہے خواہ وہ غیر میعادی ہو کہ ملازم جب چاہے طلب کر کے حاصل کر لے یا میعادی ہو کہ باہمی ایگریمنٹ سے تاریخ مقرر ہو، ایگریمنٹ معروف اور مروج ہو یا مشروط اور مصرح ہو اسے دس یا بیس سال کام کے بعد ریٹائرمنٹ کے وقت اجرت ملے یا کسی حادثہ کی وجہ سے پہلے مل جائے اس اجرتِ مؤخرہ پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی سال بہ سال زکوٰۃ کی مقدار وضع کر کے اور مزید اجرۃ اصل میں جمع کر کے زکوٰۃ کے نصاب پر زکوٰۃ واجب ہوگی صرف اتنی اجازت ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی قبضہ کے بعد فرض ہوگی بشرطیکہ ملازم کے پاس دین کے علاوہ زکوٰۃ کا کوئی دوسرا مال نہ ہوا گر ملازم کے پاس پہلے سے دین کے علاوہ زکوٰۃ کا مال اجرۃ کی جنس سے موجود ہے اور مقبوضہ دین نصاب سے کم ہے اس دین کو موجود مال کے ساتھ ضم کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

منافع کی بیع کا ذکر:

• اعلی حضرت رحمہ اللہ کے فتوی سے معلوم ہوا کہ جب ملازم عقد اجارہ کرتا ہے عقد اجارہ میں کام کی نوعیت اور مدت کا معلوم ہونا جس طرح شرط ہے اسی طرح اجرت میں طے شدہ مال کی نوعیت کا تعین اور علم بھی شرط ہے چنانچہ

اجارہ کی تعریف میں ہے:

"هِيَ بَيْعُ مَنْفَعَةٍ مَعْلُوْمَةٍ بِأُجْرَةٍ مَعْلُوْمَةٍ" (ص:۸/۲)

ترجمہ: منفعۃ معلومہ اور معینہ کی اجرۃ معینہ معلومہ کے ساتھ بیع کا ہونا اجارہ ہے۔

- پھر فرمایا:

"وَمَا صَحَّ ثَمَنًا صَحَّ أُجْرَةً لِأَنَّ الْأُجْرَةَ ثَمَنُ الْمَنْفَعَةِ فَتُعْتَبَرُ بِثَمَنِ الْمَبِيْعِ" (ص:۳۸۸)

ترجمہ: جس چیز کا ثمن ہونا صحیح ہے اس چیز کا اجرۃ ہونا صحیح ہے کیونکہ اجرۃ منفعہ کا ثمن ہے پس اس کا مبیع کے ثمن کے ساتھ اعتبار کیا جائے گا۔

- جب اجرت منافع کا ثمن ہے اور ثمن کا ادھار دین قوی ہوتا ہے لہٰذا اجرت دین مبیع کے ثمن کے دین کی طرح دینِ قوی ہوگا۔
- جب اجرت میں سونا اور چاندی طے ہوا تو متاجرہ کمپنی کو سونا چاندی ہی دینا واجب ہوگا یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ سونے اور چاندی کے علاوہ گندم یا چاول یا دیگر چیزیں دی جائیں۔
- تمام فقہاء نے باب الاجارۃ میں اجارہ صحیحہ کے شرائط میں اجرت کے تعین کے شرط ہونے کا ذکر کیا ہے۔ جب کسی آدمی یا کمپنی پر سونا اور چاندی کے درہم یا دینار واجب ہوں مگر نقد نہ ہوں ادھار ہوں وہ دین قوی ہوتا ہے کیونکہ سونے اور چاندی کا دین دینِ قوی ہوتا ہے۔ یہ دین خلقی مالِ تجارت کا بدل ہے اس لئے ملازم پر اجرت کے دین کی زکوٰۃ واجب ہوگی چونکہ زکوٰۃ میں کرنسی کا حکم سونے اور چاندی کا ہوتا ہے اس لئے ملازم کی تنخواہ اگر کرنسی کا دین ہو تب بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

- نیز فقہاء کرام کے نزدیک قرض استہلاک اور خرچ ہونے کے بعد دین میں بدل جاتا ہے اگر کسی آدمی نے دوسرے آدمی کو سونے یا چاندی کے دینار اور دراہم قرض دیئے اور قرض دین میں بدل گیا، جب اس دین کی زکوٰۃ بالاتفاق قرض دہندہ پر واجب ہے تو ملازم کی اجرتِ مؤخرہ پر زکوٰۃ کیوں واجب نہیں۔
- بعض علماء دیوبند کی یہ منطق کہ دین مال نہیں ہوتا یہ ایک حق ہوتا ہے اس لئے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، یہ منطق صحیح نہیں ہے کیونکہ دین مبہم حق نہیں ہوتا جس کا کسی مال سے تعلق نہ ہو بلکہ دین کا تعلق اس مال کے ساتھ ہوتا ہے جو باہم طے شدہ ہو، اسی لئے فقہاء کرام نے دین کو بھی مال کہا ہے جب دین مال ہے تو اس پر زکوٰۃ کیوں واجب نہیں ہوگی اگر دین مال نہیں اور اس پر زکوٰۃ واجب نہیں تو قرض بھی استہلاک کے بعد دین ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ کیوں واجب ہے۔

ملازم کی اجرت کا دین (جی پی فنڈ) مال ضمار نہیں ہے:

- مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ملازم کی اجرتِ مؤخرہ مال ضمار نہیں ہے اگرچہ حکومت پر دین ہو اور ریٹائر ہونے سے پہلے نہ مل سکے کیونکہ مال ضمار کی تعریف، گذر چکی ہے کہ اس مال میں مالک کا ملک باقی ہو زائل نہ ہو مگر مالک کو حالاً یا مآلاً بلاواسطہ یا بالواسطہ اس میں تصرف اور قبضہ کی قدرت کی اُمید نہ رہے اور اس کے حصول کی امید نہ ہو یہاں تو ملازم کی اجرت (جی پی فنڈ) کے حصول کا قطعی یقین ہوتا ہے حتی کہ اگر ملازم ریٹائر ہونے سے پہلے کسی حادثہ میں اچانک فوت ہو جائے یا اس کی طبعی موت واقع ہو جائے پھر بھی اجرت ضائع نہیں ہوتی ملازم کے وارثوں کو مل جاتی ہے لہٰذا ملازم کی اجرت طے شدہ کام اور ملازمت کی مدت مکمل ہو جانے کے بعد دین میعادی کی طرح دین ہو جاتی ہے۔ اجرۃ مؤخرہ کا مشروط مدت سے پہلے مطالبہ نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح دین میعادی میں بھی میعاد لازم ہو جاتی ہے اور صاحب دین میعاد سے پہلے دین کا مطالبہ نہیں

کر سکتا جب دین میعادی پر بالاتفاق زکٰوۃ واجب ہوتی ہے تو اجرۃ مؤخرہ پر بھی زکٰوۃ واجب ہوگی۔ چنانچہ فتح المعین میں ہے:

''وَقَوْلُهٗ عَيْنًا كَانَ اَوْ دَيْنًا قِيْلَ اِنْ كَانَتِ الْاُجْرَةُ عَيْنًا لَا تُمْلَكُ بِنَفْسِ الْعَقْدِ وَاِنْ كَانَتْ دَيْنًا تُمْلَكُ بِنَفْسِ الْعَقْدِ وَيَكُوْنُ بِمَنْزِلَةِ الدَّيْنِ الْمُؤَجَّلِ'' (ص:۲۳۲/۳)

ترجمہ: بعض علماء نے کہا اجرۃ اگر عین ہے تو نفس عقد کے ساتھ قبضہ سے پہلے اس میں ملک نہیں آئے گا اور اگر دین ہے تو نفس عقد کے ساتھ اس میں ملک آجائے گا اور اجرت دین مؤجل کی طرح دین ہوگی اور چونکہ دین مؤجل پر مالک کا ملک تام ہوتا ہے لہٰذا ملازم کا اپنی اجرت پر ملک تام ہوگا جس طرح دین مؤجل کا صاحب دین مالک ہوتا ہے اور اس پر مالک کا ملک تام ہوتا ہے اور زکٰوۃ واجب ہو جاتی ہے اسی طرح اجرت کے دین پر زکٰوۃ واجب ہوگی۔

- مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاویٰ میں کتبِ فقہ سے تقریباً چھیاسٹھ عبارات نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ ملازم قبضہ سے پہلے اپنی اجرت کا مالک ہوتا ہے پھر اپنے بڑوں کا دفاع کرنے کے لئے (جنہوں نے لکھا تھا ملازم قبضہ سے پہلے اجرۃ کا مالک نہیں ہوتا) آخر میں لکھ دیا ملازم اجرت کا مالک نہیں ہوتا اور اجرت کی رقم جی پی فنڈ پر زکٰوۃ واجب نہیں ہوتی۔ مفتی صاحب نے مبہم اور منطقی اصطلاح میں لکھا کہ اجرت میں ''الملک المطلق نہیں ہوتا، مطلق الملک ہوتا ہے، اس لیے اس پر زکٰوۃ واجب نہیں ہوتی۔'' مفتی رشید احمد صاحب نے اپنے اور اپنے اکابر کے فتویٰ کی لاج رکھنے کے لئے یہ مبہم الفاظ لکھ دیئے۔ انہوں نے سمجھا قارئین کو منطقی اصطلاح الشیٔ المطلق اور مطلق الشیٔ کا فرق معلوم نہیں ہوگا اور میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ جبکہ ہمارے مدرسوں کے طلباء بھی اس

منطقی اصطلاح کو جانتے ہیں۔ (الحمدللہ) ہمارا مفتی صاحب سے سوال ہے کیا دین مؤجل اور قرض میں الملک المطلق ہوتا ہے یا مطلق الملک؟ اگر الملک المطلق دین مؤجل اور قرض میں بھی نہیں ہوتا، ان کی زکٰوۃ مالک پر کیوں واجب ہوتی ہے؟ جب آپ کے نزدیک اجرت میں ملازم کا ملک ثابت ہے اور وہ ملک کامل ہے کیونکہ مقررہ میعاد کے بعد اس کا قبضہ یقینی ہے اس کو دین ضعیف قرار دے کر زکٰوۃ سے مستثنیٰ کیوں کرتے ہیں۔

اگر غور کیا جائے تو مفتی صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ملازم کو اپنی اجرت پر الملک المطلق حاصل ہوتا ہے کیونکہ الملک المطلق کا مفہوم یہ ہے کہ ''يُطْلِقُ تَصَرُّفَ الْمِلْكِ كَيْفَ شَاءَ وَيَمْنَعُ غَيْرَهٗ فِيْهِ'' (ص:۱۱۳، شرح عنایہ) یعنی (مالک اپنی مشیت اور ارادہ کے مطابق مملوک میں تصرف کر سکے اور غیر کو اس میں تصرف کرنے سے روک سکے۔ یہ ملک تو ملازم کو حاصل ہے ملازم نے اپنی مشیت اور اختیار سے اجرت مؤخر کی ہے۔ جس طرح دین مؤجل میں مالک مطالبہ مؤخر کرتا ہے اور مدت کے بعد اس میں حسب مشیت تصرف کرتا ہے۔ ملازم بھی ایک مقررہ مدت کے بعد حسبِ مشیت اجرت میں تصرف کرتا ہے۔

جی پی فنڈ میں الملک المطلق ہونے کے دلائل:

- (۱) فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

''قَالَ الْاِمَامُ بُرْهَانُ الدِّيْنِ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى فِي الْمُحِيْطِ فَاِنْ كَانَ هٰذِهِ التَّصَرُّفَاتُ (اَلْاِبْرَاءُ وَالْهِبَةُ لِلْمُسْتَاجِرِ) مِنَ الْمُوْجِرِ بَعْدَ اِسْتِيْفَاءِ الْمَنْفِعَةِ جَازَتْ بِلَا خِلَافٍ''(ہندیہ۔ ص:۴۱۷/۴)

ترجمہ: امام برہان الدین نے محیط میں ذکر کیا ہے کہ اگر اجرت میں یہ تصرفات (ابراء اور ہبہ مستاجر کے لئے) منفعت کے حاصل ہو جانے کے بعد ہوں تو بلا اختلاف جائز ہیں۔

● (۲) اگر آجر اور مستاجر اجرت میں بیع صرف کرتے ہیں آجر نے دراہم کے معاوضہ میں دنانیر لے لئے اگر بیع صرف استیفاء منفعت کے بعد ہے یا اجرت میں تعجیل شرط تھی حتٰی کہ اجرت واجب ہوگئی تھی تو بیع صرف جائز ہے۔(ص:۴۱۷۔ہندیہ)

● (۳):''وَاِنْ كَانَتِ الْاُجْرَةُ شَيْئًا مِنَ الْمَكِيْلِ وَالْمَوْزُوْنِ بِغَيْرِ عَيْنِهٖ مَوْصُوْفًا فَلَا بَاْسَ بِاَنْ يَبِيْعَهٗ مِنَ الْمُسْتَاجِرِ قَبْلَ اَنْ يَقْبِضَهٗ وَهٰذَا اِذَا وَجَبَتْ بِالْاِسْتِيْفَاءِ اَوْبِاشْتِرَاطِ التَّعْجِيْلِ''
(ص:۴۱۸۔ہندیہ)

ترجمہ: اگر اجرت مکیلی یا موزونی غیر معین شئ تھی لیکن اس کی صفات بیان کی گئی تھی اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ موجر قبضہ سے پہلے مستاجر کو فروخت کردے یہ اس وقت ہے جب اجرت عمل کے استیفاء اور مکمل ہوجانے کے بعد واجب ہوچکی ہو یا تعجیل اور ایڈوانس کی شرط کے ساتھ واجب ہوچکی ہو۔

● مفتی رشید احمد صاحب اجرت میں ملک ثابت ہونے کے لئے فقہ کی عبارات کی طویل فہرست پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں خود علامہ شامی نے ثمن اور دیگر سب دیون میں ہر قسم کے تصرفات کو جائز قرار دیا ہے''وَقَدْ مَرَّ نَصُّهٗ''
(ردالمحتار۔ص:۲ج۵)بحوالہ احسن الفتاویٰ۔)

● بطور نمونہ ہم نے بحوالہ احسن الفتاویٰ چند عبارتوں کا تذکرہ کیا ہے اور طوالت کے خوف سے باقی چھوڑ دیا ہے ان عبارات سے ثابت ہوتا ہے کہ ملازم اپنی اجرت متاخرہ کا مالک ہوتا ہے اور اس میں اسے ملکیت کاملہ اور تامہ یعنی الملک المطلق حاصل ہوتا ہے اور اجرت متاخرہ دین مؤجل کی طرح ہوتی ہے۔جب ایسا ہے تو اس کی زکٰوۃ واجب ہوگی۔

جی پی فنڈ میں عدم تصرف کا شبہ:

● یہ شبہ کہ ملازم کو جی پی فنڈ میں مطلقاً تصرف کی اجازت نہیں ہوتی یہ مسلم نہیں کیونکہ ملازم اگر چاہے تو یہ رقم بیمہ کمپنی کو منتقل کرسکتا ہے۔ملازم جب ملازمت قبول کرتا ہے تو شرائط کے مطابق اسے عمل کرنا لازم ہوتا ہے یعنی ملازم نے یہاں خود ایک مدت تک تصرّفات اپنے اختیارات اور حقوق ساقط کئے ہیں جو اسے حاصل تھے چنانچہ حدیث شریف میں گذرچکا: ''اَلْمُسْلِمُوْنَ عِنْدَ شُرُوْطِهِمْ'' (مسلمانوں پر شرطیں لازم ہیں)۔ اجرت کی ملکیت کے مسئلہ میں امام شافعی کا جواب دیتے ہوئے بحر الرائق کے تکملہ میں مذکور ہے:

''اِذَا عَجَّلَهَا اَوِ اشْتَرَطَ تَعْجِيْلَهَا فَقَدْ اِلْتَزَمَهٗ بِنَفْسِهٖ وَاَبْطَلَ الْمُسَاوَاةَ الَّتِيْ اِقْتَضَاهَا الْعَقْدُ''(ص:۵)

ترجمہ: اور جب موجر کو مستاجر اجرۃ ایڈوانس دے دے یا موجر کی ایڈوانس کی شرط قبول کرلے تو مستاجر نے خود اپنے اوپر اس کا التزام کیا اور عقد کے مقتضٰی مساواۃ کو باطل کیا پس یہ اس کا حق تھا۔

جی پی فنڈ پر ہر ملازم کو ملک تام حاصل ہوتا ہے:

● میں (مفتی رفیق) کہتا ہوں مستاجر کی طرح ملازم کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ اپنے اوپر لازم کرلے کہ وہ مدۃ معینہ تک شرائط کے مطابق اجرۃ نہیں لے گا لہٰذا یہ کہنا کہ ملازم کو اجرت پر ملک تام حاصل نہیں ہوتا یہ صحیح نہیں ہے۔ اجرت متاخرہ کی مثال دین مؤجل (میعادی) ہے صاحب دین مقررہ میعاد سے پہلے دین میں براہِ راست تصرف نہیں کرسکتا اور مطالبہ بھی نہیں کرسکتا ہے پھر بھی اسے ملک کامل حاصل ہوتا ہے کیونکہ ملازم کے جی پی فنڈ کا حکومت کا ادارہ مدیون ہوتا ہے اور مدیون ماذون کے تصرفات درحقیقت صاحبِ دین کے تصرفات ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس پر ہر سال کی زکٰوۃ واجب ہوتی ہے اور قبضہ کے بعد

اسے گذشتہ سالوں کی زکٰوۃ ادا کرنا واجب ہوگی۔

نتیجہ:

● سابقہ تحقیقات سے معلوم ہوا جی پی فنڈ یا پراویڈنٹ فنڈ کمپنی پر ملازم کا دینِ میعادی ہوتا ہے۔ یہ فنڈ مال ضمار نہیں ہوتا کیونکہ اس کے واپس ملنے کی امید بلکہ یقین ہوتا ہے اور یہ فنڈ رہن بھی نہیں ہوتا کیونکہ رہن میں راہن اور مرتہن دونوں کو تصرف کا حق نہیں ہوتا اور اس فنڈ میں مالک کی اجازت سے کمپنی تصرفات کی ماذون ہوتی ہے جو کہ مالک کی طرف سے تصرف میں وکالت رکھتی ہے اور اس فنڈ پر ملازم کا ملک کامل ہوتا ہے کیونکہ کمپنی کے ذریعہ ملازم اس فنڈ میں بالواسطہ متصرف ہوتا ہے۔ اور یہ فنڈ دین ضعیف بھی نہیں ہوتا کیونکہ محنت اور عمل کی اجرت کا دین دوسرے آئمہ کی طرح احناف کے نزدیک بھی دینِ قوی ہوتا ہے لہٰذا اس فنڈ پر زکٰوۃ واجب ہوگی۔ ہذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم۔ (محمد رفیق حسنی)

● اسی طرح مال مغصوب جس پر گواہ موجود ہوں مالک اس میں تصرف نہیں کرسکتا مگر مالک کو اس مال پر ملک کامل حاصل ہوتا ہے اور زکٰوۃ بھی واجب ہوتی ہے، بالفعل قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی زکٰوۃ دینا ہوگی۔

● اسی طرح معسر (تنگ دست) پر دین میں صاحب دین تصرف نہیں کرسکتا کیونکہ معسر کے پاس مال ہی نہیں ہوتا لیکن اس دین کی بھی صاحب دین پر زکٰوۃ واجب ہوتی ہے اور قبضہ کے بعد گذشتہ سالوں کی زکٰوۃ دینا ہوگی۔

● اسی طرح مفلس (دیوالیہ) جس کو عدالت نے دیوالیہ ہونے کا حق دے کر دیون سے بری کر دیا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس مفلس کے دیون کی زکٰوۃ اصحاب دیون پر واجب ہوتی ہے، جب مال آئے گا سابقہ سالوں کی زکٰوۃ ادا کرنا ہوگی، حالانکہ اصحاب دیون مفلس پر دین میں تصرف نہیں کرسکتے مذکورہ صورتوں میں اگر دیون پر اصحابِ دیون کا ملک کامل ہے اور یقینا کامل ہے تو ملازم کو

بھی اجرت کے دین پر ملک کامل حاصل ہے، ماضی کی زکٰوۃ ملازم پر واجب ہوگی لہٰذا پراویڈنٹ فنڈ ہو یا جی پی فنڈ پر ملازم کا ملک کامل ہوتا ہے اور یہ دین قوی ہوتا ہے۔ اس لئے امام اہلسنت اعلیٰ حضرت نے اس پر زکٰوۃ کے واجب ہونے کا فتوی دیا ہے۔

● ہو سکتا ہے علماء دیوبند میں سے مولوی اشرف علی تھانوی اور مفتی محمد شفیع اور مفتی رشید احمد اور دیگر نے جی پی فنڈ اور پراویڈنٹ فنڈ پر زکٰوۃ کے عدم وجوب کا فتوی مولانا احمد رضا خان کے فتوی کے خلاف اسی لئے دیا ہو کہ ان علماء کا عقائد کے اختلاف کی وجہ سے امام اہلسنت کے ساتھ سخت عناد تھا اور نہ اجرت کے دین کو دینِ قوی سمجھنا، یہ مسئلہ مشکل نہیں تھا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

● اور یہ بھی امکان ہے کہ امام اہلسنت نے صاحبین کا قول اختیار فرمایا ہو اور آپ کے پیش نظر فقراء کی خیر مقصود ہو جیسا کہ زکٰوۃ کے نصاب میں فقہاء نے فقراء کا لحاظ کرتے ہوئے چاندی کے نصاب کو معیار قرار دیا۔ کیونکہ صاحبین کے مذہب پر ملازم کی اجرت کا دین قوی ہوتا ہے۔ اِن کے قول پر دین پر اضافے سے سود لازم آتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک احکام میں سارے دیون دین قوی ہوتے ہیں، ان کے نزدیک احکام میں دین کے تین قسم نہیں ہیں صرف ایک ہی قسم دین قوی ہے اور صاحب دین کا دین پر ملک کامل ہوتا ہے اور سب دیون پر زکٰوۃ واجب ہوتی ہے اور اس پر مشروط زیادتی سود ہوتی ہے اور سود حرام ہوتا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ امام اہلسنت نے امام ابو حنیفہؒ کے قول پر اجرت کے دین کو قوی قرار دیا اور زکٰوۃ کے وجوب کا فتویٰ دیا کیونکہ اجارہ کے ابواب میں اجرت کا دین امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی قوی ہوتا ہے۔

کرنسی نوٹوں کا حکم:

● آج کل عرف کی وجہ سے کرنسی نوٹوں کا حکم سونے اور چاندی کے دراہم اور

دیناروں جیسا ہے۔ کرنسی نوٹ عرف اور تعامل کی وجہ سے مستقل مال اور ثمن ہیں۔ چنانچہ مسند امام احمد کے مرتب اور شارح علامہ احمد ساعاتی فرماتے ہیں:

"فالذی اراہ حقا وادین اللہ علیه ان حکم الورق المالی کحکم النقدین فی الزکوۃ سواء بسواء لانه یتعامل به کالنقدین تماما ولان مالکه یمکنه صرفه وقضاء مصالحه به فی ای وقت شاء فمن ملك النصاب من الورق المالی ومکث عنده حولا کاملا وجب علیه زکوته (شرح الفتح الربانی للساعاتی آخر زکاۃ الذهب والفضه"

(ص:۲۵۱/۸)بحوالہ عربی مقالہ (مولانا محمد تقی عثمانی)

ترجمہ: میرے نزدیک حق بات جس پر اللہ تعالیٰ کو جواب دہ ہوں کہ زکوٰۃ کے وجوب اور ادائیگی میں کاغذی نوٹوں کا حکم سونے اور چاندی جیسا ہے بالکل برابر برابر کیونکہ لوگ کاغذی نوٹوں کے ساتھ سونے اور چاندی کے طرح تمام معاملات میں ان کو استعمال کرر ہے ہیں اور اس لئے کہ ان کاغذی نوٹوں کے مالک کے لئے ممکن ہے کہ ان نوٹوں کو خرچ کرے اور اپنے حاجات پوری کرے جس وقت چاہے جو شخص کاغذی مال کے نصاب کا مالک ہو اور وہ اس کے پاس سال بھر رہیں اس پر ان کی زکوٰۃ واجب ہے۔

- علامہ زحیلی کی مشہور کتاب 'الفقہ الاسلامی' میں مذکور ہے جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ پانچ ہیں:

"اَلنَّقْدَانِ وَلَوْغَیْرَ مَضْرُوْبَیْنِ وَ (مَا یَحِلُّ) مَحَلَّهُمَا مِنَ الْاَوْرَاقِ النَّقْدِیَّةِ" پھر فرمایا "وَالْحَقُّ وُجُوبُ الزَّکَاةِ فِیْهَا لِاَنَّهَا اَصْبَحَتْ هِیَ اَثْمَانُ الْاَشْیَاءِ وَامْتَنَعَ التَّعَامُلُ بِالذَّهَبِ (اِلٰی)فَیَجِبُ

قَطْعًا اَنْ تُزَکّٰی النُّقُوْدُ الْوَرَقِیَّةُ زَکَاةَ الدَّیْنِ الْمَالِیِّ عَلٰی مَلِیٍّ"

(ص:۱۸۳۴/۱)

ترجمہ: سونا اور چاندی اگرچہ سکے نہ ہوں اور وہ نوٹ مروج جو ان دونوں کے قائم مقام ہیں اور حق یہ ہے ان نقدی نوٹوں میں زکوٰۃ واجب ہے اس لیے بیشک نوٹ یہ اشیاء کے ثمن ہو گئے ہیں اور سونے کے ساتھ لین دین رک گیا ہے (تا) پس یقیناً واجب ہے کہ نقدی کاغذی نوٹوں کی زکوٰۃ دی جائے جیسے غنی پر دین مالی ہوتا ہے۔

- مذکورہ عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ ملازم کی متاخرہ اجرت دین قوی ہوتا ہے کیونکہ کرنسی نوٹوں کا دین سونے اور چاندی کے دین جیسا ہوتا ہے اس لئے قبضہ کے بعد سابقہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہو گی۔
- قارئین پڑھ چکے ہیں صاحبین کے نزدیک دین قوی ہو یا ضعیف یا متوسط سب پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے مگر امام اعظمؒ کے نزدیک دین ضعیف پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی قبضہ کے ایک سال بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے بشرطیکہ نصاب قائم ہو اور فتح القدیر اور فتاویٰ رضویہ کی نقل کردہ عبارات سے معلوم ہوا ملازم کی اجرت دین قوی ہوتی ہے دین ضعیف نہیں ہوتی جیسا کہ بعض علماء دیوبند نے فتویٰ دیا ہے۔
- ایک شبہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ملازم کی اجرت منافع اور اعمال کا بدل ہوتی ہے قبضہ سے پہلے ملازم اس کا مالک نہیں ہوتا اس لئے اس کا دین ضعیف ہوتا ہے مگر یہ شبہ وہم ہے کیونکہ احناف کے نزدیک اجارۃ کے ابواب میں منافع کا بدل مال کے بدل کے حکم میں ہوتا ہے یعنی منافع کو مال کا حکم دیا جاتا ہے لہٰذا ملازم کی اجرت کا دین دینِ قوی ہو گا نیز منافع کا بدل نقود ہوتے ہیں اور نقود کا دین دینِ قوی ہو گا۔

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم:

● ذکر کردہ تفصیلی منقولہ روایات سے معلوم ہوا پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے کیونکہ پرائیوٹ کمپنی یا ادارہ پر ملازم کی اجرت دین قوی ہوتی ہے۔ کمپنی یا ادارہ صاحبِ اجرت کی جانب سے اجرت کے مال میں تصرفات کا ماذون ہوتا ہے۔ تصرفات میں اذن کی وجہ سے کمپنی اور ادارہ ملازم کی نیابت میں تصرفات کر رہے ہوتے ہیں اور نائب کے تصرفات کا حکم اصل کے تصرفات کا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پر سال بہ سال زکوٰۃ واجب ہوتی رہتی ہے اور ادائیگی قبضہ کے بعد واجب ہوتی ہے اس کی مثال میعادی دین ہے اجرۃ مقدمۃ ایڈوانس ہو یا مؤخرہ، اجرت مکان کی ہو یا انسان کے عمل اور مزدوری کی اجرت ہے، اگر طے شدہ اجرت نقدین میں ہے وہ بغیر نیت مال تجارت ہے اور اگر اجرت نقدی کا غیر ہے مگر تجارت کے مکان یا دوکان یا تجارت کے عبد کی اجرت ہے تو بھی اجرت بغیر نیت مالِ تجارت ہے کیونکہ مال تجات کی اجرت مالِ تجارت کے ثمن کی طرح ہوتی ہے اور ثمن مالِ تجارت ہے اور اگر طے شدہ اجرت ایسے مکان کی ہے جو تجارت کا نہیں ہے یا خدمت کے لئے مقرر عبد کی اجرت ہے اگر عقد اجارۃ کے وقت صاحب مکان یا عبد کے مالک نے ان کی اجرت کو تجارت کے لئے استعمال کرنے کی نیت کی ہے تو وہ بھی مالِ تجارت ہے اور اگر اپنی حوائج میں استعمال کرنے کی نیت کی ہے تو وہ مالِ تجارت نہیں ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اگر تجارت کے عبد یا مکان کی اجرت نقود نہیں عروض میں ہے اور مالک نے اجرت کو حوائج اصلیہ میں خرچ کرنے کی نیت کرلی ہے تو وہ اجرت بھی مالِ تجارت نہیں ہوگی اور اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

تجارت کی تعریف کے لیے ابتدائیہ:

● بحر الرائق میں مذکور ہے:

''حَاصِلُهٗ اَنَّهَا قِسْمَانِ خِلْقِيٌّ وَ فِعْلِيٌّ فَالْخِلْقِي الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ

لِاَنَّهَا تَصْلَحُ لِلْاِنْتِفَاعِ بِاَعْيَانِهَا فِيْ دَفْعِ الْحَوَائِجِ الْاَصْلِيَّةِ فَلَا حَاجَةَ اِلَى الْاِعْدَادِ مِنَ الْعَبْدِ لِلتِّجَارَةِ بِالنِّيَّةِ اِذِا لِنِّيَّةُ لِلتَّعْيِيْنِ وَهِيَ مُتَعَيِّنَةٌ لِلتِّجَارَةِ بِاَصْلِ الْخِلْقَةِ فَتَجِبُ الزَّكَاةَ فِيْهَا نَوَى التِّجَارَةِ اَوْ لَمْ يَنْوِ اَصْلًا اَوْ نَوَى النَّفْقَةَ وَالْفِعْلِيُّ مَاسِوَاهُمَا فَاِنَّمَا يَكُوْنُ الْاِعْدَادُ فِيْهَا لِلتِّجَارَةِ بِالنِّيَّةِ اِذَا كَانَتْ عُرُوْضًا وَكَذَا فِي الْمَوَاشِيْ لَابُدَّ فِيْهَا مِنْ نِيَّةِ الْاِسَامَةِ لِاَنَّهَا كَمَا تَصْلَحُ لِلدُّرِّ وَالنَّسْلِ تَصْلَحُ لِلْحَمْلِ وَلِلرُّكُوْبِ ثُمَّ نِيَّتُ التِّجَارَةِ وِالْاِسَامَةِ لَا تُعْتَبَرُ مَالَمْ تَتَّصِلْ بِفِعْلِ التِّجَارَةِ وَالْاِسَامَةِ ثُمَّ نِيَّتُ التِّجَارَةِ قَدْ تَكُوْنُ صَرِيْحًا وَقَدْ تَكُوْنُ دَلَالَةً فَالصَّرِيْحُ اَن يَّنْوِيَ عِنْدَ عَقْدِ التِّجَارَةِ اَن يَّكُوْنَ الْمَمْلُوْكُ بِهٖ لِلتِّجَارَةِ سَوَاءً كَانَ ذَالِكَ الْعَقْدُ شِرَاءً اَوْ اِجَارَةً وَسَوَاءً كَانَ ذَالِكَ الثَّمَنُ مِنَ النُّقُوْدِ اَوْ مِنَ الْعُرُوْضِ فَلَوْ نَوٰى اَن يَّكُوْنَ لِلْبَذْلَةِ لَايَكُوْنُ لِلتِّجَارَةِ وَاِنْ كَانَ الثَّمَنُ مِنَ النُّقُوْدِ فَخَرَجَ مِلْكُهٗ بِغَيْرِ عَقْدٍ كَالْمِيْرَاثِ فَلَا تَصِحُّ فِيْهِ نِيَّتُ التِّجَارَتِ اِذَا كَانَ مِنْ غَيْرِ النُّقُوْدِ اِلَّا اِذَا تَصَرَّفَ فِيْهِ فَحِيْنَئِذٍ تَجِبُ الزَّكَاةُ كَذَا فِيْ شَرْحِ الْمَجْمَعِ لِلْمُصَنِّفِ'' (ص: ۲/۲۰۸۔ بحر)

ترجمہ: بحث کا حاصل یہ ہے کہ اموال تجارت دو قسم کے ہیں خلقی یعنی طبعی اور پیدائشی غیر اختیاری اور فعلی یعنی اختیاری اور غیر طبعی خلقی جیسے سونا (گولڈ) اور چاندی کیونکہ سونا اور چاندی کے عین اور ذات کے ساتھ حوائج اصلیہ میں نفع اٹھانے کی صلاحیت ہے پس آدمی کی طرف سے تجارت کی نیت کرکے ان کو تجارت کے لئے بنانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ نیت تعیین کے لئے ہوتی ہے اور سونا اور چاندی

اصل پیدائش اور تخلیق کے دن سے تجارت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور متعین ہیں۔ سونے اور چاندی میں زکوٰۃ واجب ہے تجارت کی نیت ہو یا بالکل نیت نہ ہو یا سونے اور چاندی کو حوائج اصلیہ میں خرچ کرنے کی نیت ہو اور اموال تجارت فعلی یا عملی ان دو (سونے چاندی) کے ماسوا دوسرے اموال ہیں یہ اموال تجارت کے لئے ہونے میں نیت کے محتاج ہیں جبکہ عروض ہوں اور تجارت کا مال ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں اسی طرح حیوانات سائمۃ میں اسامہ (چراگاہوں میں چرانے کی) نیت ضروری ہے کیونکہ حیوانات جیسے دودھ اور توالد کی صلاحیت رکھتے ہیں اسی طرح باربرداری اور سواری کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں پھر اموال میں تجارت اور حیوانات میں اسامۃ کی نیت اس وقت معتبر ہوتی ہے جب نیت تجارت کے عمل اور اسامۃ کے ساتھ متصل ہو ورنہ صرف نیت معتبر نہیں ہوتی پھر تجارت کی نیت کبھی صراحۃً ہوتی ہے اور کبھی دلالۃً اور ضمنا ہوتی ہے صریح نیت یہ ہے کہ عقد کے وقت نیت ہو کہ وہ مال جو خرید کردہ مملوک ہے وہ تجارت کے لئے ہوگا خواہ عقد مال کا خریدنا ہو یا اجارہ ہو خواہ اس مال کا ثمن یعنی ملک میں آنے والے مال کا ثمن نقود (سونا چاندی یا رقم) ہو یا عروض اور دیگر اموال ہوں اور اگر کوئی شخص نیت کرے کہ خرید کردہ عروض گھر کے لئے خرچ ہوں گے وہ عروض تجارت کے لئے نہیں ہوں گے اگرچہ خرید کردہ عروض کے ثمن نقود ہوں اور عقد تجارت کی تعریف میں لفظ عقد سے وہ مال مالِ تجارت سے خارج ہو گیا جس کا آدمی بغیر عقد کے مالک بن جائے جیسے میراث کے مال میں تجارت کی نیت صحیح نہیں ہے بشرطیکہ میراث کا مال غیر نقود ہوں کیونکہ نقود بغیر عقد بھی حاصل

ہوں وہ مالِ تجارت ہیں مگر میراث میں نقود کے علاوہ دوسرے اموال تجارت کی نیت سے تصرف کرنے کے وقت سے تجارت کا مال ہو جائیں گے پس اس وقت ان اموال میں زکوٰۃ واجب ہوگی اسی طرح مصنف کی کتاب مجمع میں ہے (ص: ۲/۲۰۹۔ بحر)

ضمنی مسئلہ:

- عشر ادا شدہ گندم اور دیگر اجناس کا حکم بھی میراث میں ملنے والے مال جیسا ہے۔ مثلاً جو زمین میراث میں حاصل ہوئی اس سے حاصل فصل کی قیمت نصاب دو سو درہم کو پہنچتی ہے مالک نے عشر کے بعد اپنے لئے اسے اسٹور کر لیا اور اس پر سال گذر گیا اس گندم یا فصل پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیونکہ فصل میں بیع کا تصرف نہ ہونے کی وجہ سے اسٹور شدہ فصل مالِ تجارت نہیں بن سکے گی اور تجارت کی نیت سے خرید کردہ اجناس کا بیج اگر زمین میں کاشت کر دیا، خرید کردہ بیج پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ کاشت کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس نے تجارت کے مال میں تجارت کی نیت ترک کر دی ہے۔ ان دو صورتوں میں فرق اس لیے ہے کہ در حقیقت غیر تجارتی مال تجارت کے لئے تب بنتا ہے کہ عمل کے ساتھ ساتھ تجارت کی نیت بھی ہو یعنی عمل شرط ہے کیونکہ تجارت عمل کا نام ہے اور تجارتی مال میں تجارت کی نیت کا ترک تجارتی مال کو غیر تجارتی بنا دیتا ہے کیونکہ تجارت کے ترک کے لئے عمل شرط نہیں ہے صرف نیت کافی ہے۔
- بحر الرائق میں ہے:

"وَلَوِ اشْتَرٰی عُرُوْضًا لِلْبِذْلَةِ وَالْمِهْنَةِ ثُمَّ نَوٰی اَنْ تَكُوْنَ لِلتِّجَارَةِ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا تَصِيْرُ لِلتِّجَارَةِ مَالَمْ يَبِعْهَا فَيَكُوْنُ بَدَلُهَا لِلتِّجَارَةِ لِاَنَّ التِّجَارَةَ عَمَلٌ فَلَا تَتِمُّ بِمُجَرَّدِ النِّيَّةِ بِخِلَافِ مَا اِذَا كَانَ لِلتِّجَارَةِ فَنَوٰی اَنْ تَكُوْنَ لِلْبِذْلَةِ خَرَجَ عَنِ التِّجَارَةِ

بِالنِّیَّۃِ وَاِنْ لَّمْ یَسْتَعْمِلْہُ لِاَنَّھَا تَرْکُ الْعَمَلِ فَتَتِمُّ بِھَا"
(ص:۲۹۹/۵)

ترجمہ: اور اگر آدمی عروض خرچ کرنے اور استعمال کرنے کے لئے خریدے پھر اس کے بعد تجارت کی نیت کرلے وہ عروض تجارت کے لئے نہیں ہوں گے جب تک ان کو فروخت نہ کرے جب انہیں فروخت کرے گا ان کا بدل تجارت کے لئے ہوگا کیونکہ تجارت عمل ہے فقط نیت سے تام نہیں ہوتا بخلاف اس کے جب عروض تجارت کے لئے ہوں پھر آدمی خرچ کرنے اور استعمال کرنے کی نیت کرلے تو وہ عروض صرف نیت کرنے سے تجارت سے خارج ہوجائیں گے اگرچہ آدمی ان کو استعمال نہ کرے اس لئے یہ ترک عمل ہے اور صرف ترک کی نیت سے مکمل ہوجائے گا۔

• تجارت کی تعریف سے وہ مال خارج ہوگیا جس میں عقد تو ہے مگر وہ مال کا بدل نہیں جیسے ہبہ اور وصیت اور صدقہ میں حاصل مال کسی چیز کا بدل نہیں ہوتا لہٰذا ہبہ اور صدقہ اور وصیت سے حاصل مال تجارت کا مال نہیں ہوگا اور مالِ تجارت سے وہ مال بھی خارج ہوگیا جہاں عقد تو ہے مگر مال غیر مال کا بدل ہے جیسے مہر اور بدل الخلع اور قتل عمد میں بدل الصلح اور بدل العتق ان اموال میں صحیح روایت کے مطابق تجارت کی نیت معتبر نہیں ہے کیونکہ تجارت کی تعریف اس طرح ہے:

"کسب المال ببدل ھو مال والقبول ھنا اکتساب المال بغیر بدل اصلا فلم یکن من باب التجارۃ فلم یکن النیۃ مقارنۃ لعمل التجارۃ (کذا فی الخانیۃ)" (ص:۲۰۹)

ترجمہ: تجارت یہ ہے کہ مال کے بدلے مال حاصل کرنا اور یہاں صرف قبول ہوتا ہے اور قبول بغیر بدل کے مال حاصل کرنا ہوتا ہے پس یہ تجارت

کے ابواب سے نہیں ہوگا لہٰذا ان حاصل شدہ اموال میں تجارت کے عمل کے ساتھ نیت مقارن نہیں ہوئی اسی طرح خانیہ میں ہے۔

• تنبیہ: نقود میں تجارت کی نیت کی ضرورت نہیں ہے نقود ہر صورت مالِ تجارت ہوتے ہیں خواہ مال کا بدل ہوں یا مزدور کے عمل کا بدل ہوں یا ملازم کی اجرت یا مکان یا دوکان کا کرایہ ہوں۔ دوسرا مال نیت اور عمل سے مالِ تجارت بن سکتا ہے اور ان دونوں نقود اور مالِ تجارت کا دین دین قوی ہوتا ہے در مختار میں ہے:

"اَوْ نِیَّۃُ التِّجَارَۃِ فِی الْعُرُوْضِ اِمَّا صَرِیْحًا وَلَا بُدَّ مِنْ مُقَارَنَتِھَا لِعَقْدِ التِّجَارَۃِ کَمَا سَیَجِیْ اَوْ دَلَالَۃً بِاَنْ یَشْتَرِیَ عَیْنًا بِعَرْضِ التِّجَارَۃِ اَوْ یُوَاجِرُ دَارَہُ الَّتِیْ لِلتِّجَارَۃِ بِعَرَضٍ فَتَصِیْرُ لِلتِّجَارَۃِ بِلَا نِیَّۃٍ صَرِیْحًا" (ص:۱۸۶/۲۔ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: یا عروض میں تجارت کی نیت ہو صراحۃً اور ضروری ہے کہ نیت عقدِ تجارت کے ساتھ مقارن ہو جیسے عنقریب ذکر کیا جائے گا۔ یا نیت دلالۃً ہو، وہ یہ کہ آدمی کوئی مال تجارت کے مال کے معاوضہ میں خریدے یا آدمی تجارت کے لیے اپنی دار عروض کے معاوضہ میں کرایہ پر دے پس کرایہ صریح نیت کے بغیر تجارت کا مال ہوگا۔

• مصنف نے پہلے نقود کا ذکر کیا اور لکھا "فَتَلْزَمُ الزَّکٰوۃُ کَیْفَمَا اَمْسَکَھُمَا وَلَوْ لِلنَّفَقَۃِ" (ص:۲۰۹/۲) یعنی سونے اور چاندی پر زکوٰۃ واجب ہوگی جس غرض کے لئے ہوں اگرچہ نفقہ کے لئے ان میں تجارت کی نیت ضروری نہیں پھر فرمایا عروض میں وجوب زکوٰۃ کے لئے تجارت کی نیت ضروری ہے صراحۃً ہو اس وقت نیت کا عقد تجارت کے ساتھ مقارن ہونا ضروری ہے جیسے عنقریب آئے گا یا دلالۃً نیت ہو جیسے آدمی کوئی معین مال تجارتی مال کے

معاوضہ میں خرید کرے یا وہ دار جو تجارت کے لئے ہے اس کو عرض اور غیر نقود کے معاوضہ میں اجرت پر دے وہ عرض تجارت کے لئے ہو جائے گا
اس پر علامہ شامی نے فرمایا:

"قید بقوله التی للتجارة اذا لو كانت للسكنی مثلاً لاتصير بدلها للتجارة بدون النية فاذا نوی يصح ويكون من قسم الصريح" (ص:۱۸۶/۲)

شارح صاحب در مختار نے دار کو تجارت کی قید کے ساتھ مقید کیا کیونکہ اگر دار اور مکان رہائش کے لئے ہو مثلاً تو اس کا کرایہ اور اجرۃ بغیر نیت کے تجارت کے لئے نہیں ہو گی اور جب اجرۃ میں تجارۃ کی نیت کرے گا تو یہ صحیح ہے اور یہ اجرۃ صریح نیت سے ہونے والے مالِ تجارت کی قسم بن جائے گی۔

• سابقہ عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر عبد خدمت کے لئے اور دار رہائش کے لئے ہو اور ان کی اجرۃ نقود ہوں تو بغیر نیت وہ تجارت کا مال ہوں گے اور اگر نقود میں طے اجرت دین ہے تو دین قوی ہو گا اور اگر عبد اور دار تجارت کے لئے ہے اور ان کی اجرۃ غیر نقدی مال ہے وہ اجرت بھی بغیر صریح نیت کے مالِ تجارت ہو جائیگی اور اگر غیر نقدی اجرت کا مال دین ہو نقد نہ ہو تو مختار مذہب پر ان کی اجرت کا دین دینِ قوی ہو گا اور زکوٰۃ واجب ہو گی اور اگر عبد یا دار تجارت کے لئے نہ ہوں اور ان کی اجرت غیر نقدی مال ہو اور دین اور ادھار نہ ہو اور اس اجرت میں تجارت کی نیت کر لی گئی تو وہ بھی مالِ تجارت ہو گا اور اگر عبد یا دار تجارت کے لئے ہو اور ان کی اجرۃ غیر نقدی مال ہو،اس مال کو استعمال کرنے اور حوائج اصلیہ میں صرف کرنے کی نیت ہو تو وہ اجرت تجارت کا مال نہیں ہو گی اور یہ اجرت اگر دین ہو تو یہ دین ضعیف ہو گا اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی اور اگر

عبد یا دار غیر تجارت کے لئے ہوں ان کی اجرت دین ہو اور اس میں تجارت کی نیت نہ ہو وہ دین ضعیف ہو گا۔

میراث میں ملنے والے مال کا حکم:

• بحر کی عبارت میں "اذا كان من غير النقود الا اذا تصرف" نقود کے استثناء سے معلوم ہوا اگر ورثاء کی میراث میں ورثاء کو نقود حاصل ہوں، ورثاء پر سال بعد ان کی زکوٰۃ واجب ہو گی۔ میراث میں نقود کا حصول کسی مال یا عمل کے معاوضہ اور بدلے میں نہیں ہے پھر بھی زکوٰۃ واجب ہو گی کیونکہ یہ خلقی مالِ تجارت ہیں۔ اس عبارت سے معلوم ہوا میراث میں ملنے والے دیگر اموال میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہو گی جب قبضہ کے بعد ان میں تجارت کے لئے تصرف ہو گا مگر نقود میں قبضہ اور تصرف کے بعد سال گذرنے کی شرط نہیں لہٰذا صاحبین کے قول نقود دین ہوں یا مقبوضہ ہوں دونوں صورتوں میں نقود کی زکوٰۃ واجب ہو گی۔ جب وراثت کے نقود کسی عمل کا بدل نہیں ہوتے اور ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جبکہ ملازم کی اجرۃ میں نقود ملازم کے عمل کا معاوضہ بھی ہوتے ہیں تو اس اجرت پر بطریق اولیٰ زکوٰۃ واجب ہونا چاہیے۔

• اور گذشتہ عبارت سے معلوم ہوا ملازم کی اجرت نقود جو کہ ملازم کے عمل اور کام کا بدل ہے ملازم اس کا مالک ہوتا ہے اور اس اجرۃ پر ملازم کو ملک تام حاصل ہوتا ہے اور اگر اجرت دین ہو اس پر زکوٰۃ بھی واجب ہو گی۔ اجرت کا دین قرض کی طرح دین قوی ہوتا ہے لہٰذا ماضی کے سالوں کی زکوٰۃ بھی واجب ہو گی اسی لئے امام اہلسنت اعلیٰ حضرت نے سائل کے جواب میں ملازم کی اجرت متاخرہ دین یعنی جی پی فنڈ پر زکوٰۃ واجب ہونے کا جواب عنایت فرمایا اللہ تعالیٰ آپکی قبر انور پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔

جی پی فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم

● ذکر کردہ بحر الرائق اور فتاوی اعلی حضرت ؒ اور شامی اور فتح القدیر کی عبارات سے معلوم ہوا کرایہ کے مکان کی اجرت اور ملازم کی اجرت متاخرہ یعنی جی پی فنڈ میں ملازم کی مکمل ملکیت ہوتی ہے اور منافع معقودہ کا بدل ہونے کی وجہ سے اجرت دین ضعیف بھی نہیں ہوتی لہٰذا اس فنڈ پر ہر سال زکوٰۃ فرض ہے مالک سال بسال زکوٰۃ ادا کرے یا فنڈ ملنے کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے دونوں صورتیں اس کے لئے جائز ہیں جیسا کہ امام اہلسنت ؒ نے فرمایا ''جزاھم اللّٰہ خیرا'' جی پی فنڈ اور پراویڈنٹ فنڈ کی نظیر میعادی دین ہے کیونکہ یہ امر واضح ہے کہ میعادی دین میں میعاد لازم ہوتی ہے صاحب دین میعاد سے پہلے دین کا مطالبہ نہیں کر سکتا جیسے آج کل بنک میعادی قرض دیتے ہیں، شیڈول کے مطابق طے شدہ میعاد سے پہلے واپسی کا مطالبہ نہیں کرتے اور میعادی دین کی زکوٰۃ صاحب دین پر بالاتفاق واجب ہے کیونکہ میعادی دین پر صاحب دین کا ملک تام اور مکمل ہوتا ہے۔ ملکِ تام کا مفہوم یہ ہے کہ صاحبِ دین کو مال میں تصرف کی قدرت بلاواسطہ ہو یا نائب کے واسطہ سے ہو، مدیون صاحبِ دین کا نائب ہوتا ہے یا یوں کہا جائے کہ دین پر قدرت حالاً یا مآلاً ممکن ہو یعنی حال میں یا مستقبل میں اس پر قبضہ اور تصرف کا یقین ہو یہاں جی پی فنڈ یا پراویڈنٹ فنڈ میں بھی میعاد کے بعد قبضہ اور تصرف کی قدرت بالفعل حاصل ہو جاتی ہے اور ملک تام میں ضروری ہوتا ہے کہ خود مالک یا اس کے نائب کو ملک ید حال میں یا مآل میں حاصل ہو لہٰذا یہ کہنا کہ پراویڈنٹ فنڈ یا جی پی فنڈ پر صاحب دین کا ملک تام نہیں ہوتا صحیح نہیں ہے اگر ایسا ہے تو پھر میعادی دین پر بھی ملک تام نہیں ہونا چاہئے اور زکوٰۃ واجب نہیں ہونی چاہئے آخر میعادی دین اور پراویڈنٹ اور جی پی فنڈ میں فرق کیوں ہے کہ میعادی دین پر زکوٰۃ واجب ہو اور پراویڈنٹ فنڈ یا جی پی فنڈ پر زکوٰۃ واجب نہ ہو۔

بعض علماء کے فتاوی کا ذکر اور ان پر عدم اطمینان:

● پراویڈنٹ فنڈ نامی رسالہ میں پراویڈنٹ فنڈ اور جی پی فنڈ کو دین ضعیف قرار دے کر زکوٰۃ واجب نہ ہونے کا فتوی دیا گیا ہے اور سود کو اجرت کا حصہ قرار دیا گیا ہے اور سود کو سود تسلیم نہیں کیا گیا اور ہمارے ایک دوست عالم نے زکوٰۃ نامی کتاب میں اس فنڈ پر ملک تام نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہ ہونے کا حکم تحریر فرمایا ہے اور امام اہلسنت اعلیٰ حضرت ؒ کے فتویٰ کی وجہ ملازم کی اجرت میں حکومتی قانون سے ناواقفیت پر محمول فرمایا ہے مجھے ان دونوں حضرات کے فتاویٰ پر اطمینان نہیں تھا اور اعلیٰحضرت جیسی علمی شخصیت پر ناواقفیت کے الزام سے دل مضطرب تھا میں نے اس مسئلہ کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے کافی مطالعہ اور غور و فکر کیا، معلوم ہوا امام اہلسنت اعلیٰحضرت کا فتویٰ صواب اور حق ہے اور ان دونوں مخالف حضرات کی رائے غلط ہے اس لئے میں نے ان علماء سے علمی اختلاف کیا اور اعلیٰ حضرت کے فتوی کی تائید بلکہ تصدیق کی ہے اور فتاویٰ نوریہ میں حضرت مفتی نور اللہ صاحب ؒ نے بھی اعلیٰ حضرت کے فتوی کے خلاف جی پی فنڈ پر زکوٰۃ کے واجب نہ ہونے کا فتوی دیا ہے۔ مولانا نور اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوی میں آدھی آدھی روایات کا ذکر کیا ہے جس سے عام قاری سمجھتا ہے کسی دین پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، نہ دین قوی پر نہ متوسط اور نہ دین ضعیف پر حالانکہ دین قوی پر زکوٰۃ کے وجوب پر ائمہ ثلٰثہ کا اتفاق ہے اور دین متوسط پر امام صاحب سے ایک روایت ہے کہ اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے اور صاحبین کا قول بھی یہی ہے کہ اس دین کی زکوٰۃ مالک پر واجب ہے۔

● حضرت نور اللہ بصیر پوری صاحب لکھتے ہیں، دَین مال ہی نہیں ہوتا ہے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ تو مال پر واجب ہوتی ہے اگر دین مال نہیں ہوتا اور وصف محض ہوتا ہے تو دین قوی پر زکوٰۃ کا قول کیوں کیا گیا ہے؟ دراصل دَین حکماً مال ہوتا ہے

اس لیے اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

● بدائع الصنائع کی جن عبارتوں کا حضرت بصیر پوری صاحب نے ذکر فرمایا ان کی مکمل عبارت درجِ ذیل ہے:

"بل هو مال حكمي فى الذمّة و ما فى الذمّة لا يمكن قبضه فلم يكن مالا مملوكًا رقبة ويدًا فلا تجب الزكوٰة كمال الضمار"۔

ترجمہ: دین ذمہ میں حکماً مال ہے اور جو چیز ذمہ ہوتی ہے اس کا قبضہ ممکن نہیں ہوگا پس وہ ایسا مال نہیں ہوگا جو رقبہ اور ید کے لحاظ سے مال ہو پس اس میں زکوٰۃ واجب نہیں جیسے ضمار کا مال ہوتا ہے۔

"فقياس هذا ان لا تجب الزكاة فى الديون كلها لنقصان الملك بفوات اليد لكن دين الذى هو بدل مال التجارة التحق بالعين فى احتمال القبض لكونه بدل مال التجارة قابل القبض والبدل يقام مقام المبدل والمبدل عين قائمة قابلة للقبض فكذا ما يقوم مقامهٗ"۔(ص:۳۹۳۔ج:۲۔کتاب الزکاۃ۔مطبوعہ مکہ مکرمہ)

ترجمہ: پس قیاس یہ تھا کہ سارے دیون میں زکوٰۃ واجب نہ ہو، ملک میں نقصان قبضہ کے فوت ہونے کی وجہ سے لیکن وہ دین جو مالِ تجارت کا بدل ہے اس کو مال کے عین کے ساتھ لاحق کیا گیا قبضہ کے احتمال میں اس لیے کہ وہ قابل قبض مال تجارت کا بدل ہے اور بدل مبدل کے قائم مقام ہوتا ہے اور بعدل عین موجود قابل قبض ہے۔ پس اسی طرح جو چیز اس کے قائم مقام ہے۔

اس سے پہلے بدائع میں صفحہ: ۳۹۲ پر مذکور ہے:

"اما القوى الذى وجب بدلا عن مال التجارة كثمن عرض التجارة من ثياب التجارة و عبيد التجارة او غلة مال التجارة

ولا خلاف فى وجوب الزكاة فيه...الخ" (ص:۳۹۲۔ج:۲)

ترجمہ: اور دین قوی وہ جو مالِ تجارت کے بدلے میں واجب ہو جیسے تجارت کے مال سے تجارت کے لیے کپڑے اور تجارت کے لیے عبید اور تجارت کے لیے غلہ کے مال کے ثمن۔ اس دین قوی کی زکوٰۃ کے واجب ہونے میں کوئی خلاف نہیں۔

● ان عبارتوں سے معلوم ہوا دَینِ قوی کی زکوٰۃ بالاتفاق واجب ہوتی ہے۔ ہمارے خیال میں میعادی اجرت کا دَین بھی دَین قوی ہوتا ہے۔ اجرت کے دین کو بدل الخلع اور بدل الصلح پر قیاس کرنا اور اجرت کے دین کو ضعیف قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

● حضرت نے ان عبارتوں کو اپنے فتوی میں نقل نہیں فرمایا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دین بھی حکماً مال ہے۔ بدائع الصنائع کی صرف ابتدائی عبارت نقل کرنے سے عام قاری سمجھتا ہے کہ کسی دین کی زکوٰۃ رب الدین پر واجب نہیں ہوتی اور دین ایک مبہم حق کا نام ہے اس کا کسی مال کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا لہٰذا یہ مال نہیں اور نصاب نہیں اور جب مال نہیں تو اس میں ملک بھی نہیں اس لئے اس کی زکوٰۃ رب الدین پر واجب نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور علمائے دیوبند اجرت مؤخرہ کو دین تسلیم کرتے ہیں مگر اجرت کے دین کو بدل الخلع اور بدل الصلح پر قیاس کرتے ہیں اور امام اہلسنت اور صاحب فتح القدیر اور جملہ فقہاء کرام اجرت کے دین کو دینِ قوی کہتے ہیں۔

● اصل مسئلہ یہ ہے کہ کیا آزاد آدمی کی محنت اور عمل کی اجرت نقد نہ ہو تو کیا طے شدہ اجرت دین ہے یا نہ؟ اگر دین نہ ہو تو یہ صراحۃً غلط ہے اور اگر دین ہے تو یہ کون سا دین ہے ہم نے مختلف حوالوں سے ثابت کیا کہ آزاد آدمی کی محنت کی طے شدہ اجرت مال متعین ہوتی ہے اور ان کا دین دین قوی ہوتا ہے، اس کو بدل الخلع اور بدل الصلح پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس میں تعین نوعی ہوتا ہے جس طرح بیع

سلم میں خرید کردہ مال دین ہوتا ہے مگر اس کا معلوم الوصف اور معلوم النوع اور معلوم المدۃ ہونا ضروری ہوتا ہے اگر وہ دین مجہول الذات ہو تو مدیون اور دائن میں سخت نزاع واقع ہو جائے اور دین کا باب بند ہو جائے۔ آج لاکھوں کروڑوں کے اموال تجارت کی بیع سلم ہوتی ہے اگر بیع سلم میں اموال تجارت اور ملازمین پر زکوٰۃ واجب نہ ہو تو فقراء کا حق کیسے ادا ہوگا۔ (۱) قرض کسی منفعت یا مال کے معاوضہ میں نہیں دیا جاتا لیکن قرض کا دین قوی ہوتا ہے۔ (۲) تجارت کے عبد اور مکان کے منفعت کی اجرت دین قوی ہوتی ہے۔ (۳) سونے اور چاندی اگر بطور قرض دیئے جائیں ان کا دین قوی ہوتا ہے اور وراثت میں سونا اور چاندی حاصل ہوں تو ان کا دین دین قوی ہوتا ہے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے اور آئندہ بھی ذکر کریں گے کہ محنت اور عمل کی اجرت کا دین بھی دینِ قوی ہوتا ہے کیونکہ اجارہ کے ابواب میں منفعت کے بدلے ملنے والے نوٹوں کا حکم اثمان کا ہوتا ہے۔

• مفتی رشید احمد لکھتے ہیں اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ پراویڈنٹ فنڈ میں جمع شدہ رقم ملازم کی ملک ہے۔ لہٰذا وصول سے قبل اس پر زکوٰۃ نہیں اور اس پر ملنے والے تمام اضافات حلال ہیں سود کی تعریف میں نہیں آتے۔

(احسن الفتاوی، ص: ۷/ ۵۰)

• اس میں پراویڈنٹ فنڈ نامی رسالہ کے مصنّف بدائع الصنائع کی ایک عبارۃ کا حوالہ دیتے ہیں جس میں دین کی تین قسموں کا ذکر ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں اس عبارت میں مالِ تجارت کے بدل کو دین قوی کہا گیا ہے۔

• ہم کہتے ہیں مولانا کو سونے اور چاندی اور کرنسی کے جو کہ خلقی مالِ تجارت ہیں ان کے بدل کا خیال کیوں نہیں آیا؟

• اہل علم پر واضح ہے کہ جب عمل کے بعد ملازم کی روکی گئی تنخواہ بالاتفاق ملازم کا ملک ہونا احسن الفتاوی کے مصنف کے نزدیک مسلم ہے اور ہم نے ثابت

کیا کہ یہ دین ہے اور اس دین میں ملک کامل ہوتا ہے جس طرح دین مؤجل میں ملک کامل ہوتا ہے تو پھر عدم وجوب زکوٰۃ کا حکم لگانا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ دراصل غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ بعض علماء نے مطلق منافع اور اعمال کے بدل کے دین کو دینِ ضعیف قرار دے دیا حالانکہ بعض منافع کو ظاہر الروایت میں مال اور ان کی اجرت کو دینِ قوی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ شامی میں محیط سے منقول ہے:

"اجرۃ دار او عبد للتجارۃ قال ان فیہا روایتین (الی) و فی ظاہر الروایت تجب الزکوٰۃ و یجب الاداء اذا قبض نصابا لان المنافع مال حقیقۃ لکنہا لیست بمحل لوجوب الزکوٰۃ لانہا لا تصلح نصابا اذلا تبقی سنۃ۔" (ص: ۵/ ۵۷۳، مکتبہ دمشق)

ترجمہ: تجارت کی دار اور عبد کی اجرت، انہوں نے کہا اس میں دو روایتیں ہیں اور ظاہر الروایت میں زکوٰۃ واجب ہے اور ادا جب نصاب پر قبضہ کر لے گا، واجب ہے کیونکہ منافع حقیقتاً مال ہیں لیکن وجوبِ زکوٰۃ کے لیے محل نہیں ہیں نصاب کی صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ سال بھر باقی نہیں رہتے۔

معلوم ہوا جب منافع حقیقۃً مال ہیں اور ان کی اجرت پر زکوٰۃ واجب ہے، جب تجارت کے مال کے منافع کی اجرت پر زکوٰۃ واجب ہو تو ملازم کی اجرت بھی منافع کا بدل ہے لہٰذا اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہو گی۔

• ہبہ اور وصیت اور وراثت میں حاصل مال بلا معاوضہ ہوتا ہے۔ ہبہ میں موہوب لہ مال کا کامل مالک تب ہوتا ہے جب اس کا مال پر قبضہ ہو کیونکہ ہبہ میں ملک کے کے لیے موہوب لہ یا اس کے وکیل کا قبضہ کرنا ہبہ کا رکن ہے، اس لیے اگر کوئی شخص ہبہ کر دے اور موہوب لہ کو قبضہ نہ دے، موہوب لہ اس کا مالک نہیں بنے گا۔ قبضہ سے پہلے ملک ناقص ہوتا ہے جب قبضہ ہو گا موہوب لہ اس کا مالک

ہوجائے گا اور اگر ہبہ عروض کا تھا اور عروض پر موہوب لہ نے قبضہ کرلیا، موہوب لہ نے عروض میں مالِ تجارت کی نیت کرلی، صرف نیت سے عروض مالِ تجارت نہیں ہوں گے کیونکہ تجارت عمل کا نام ہے۔ جب موہوب لہ عروض کو تجارت کی نیت سے فروخت کرے گا اس وقت عروض تجارت کا مال بنیں گے، پھر ایک سال تک ان عروض کے بدل کے ملک میں رہنے اور نصاب ہونے کی شرط پر عروض کے بدل پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور اگر موہوب لہ کو نقود کا ہبہ کیا گیا، قبضہ سے پہلے موہوب لہ کو نقود پر ملک تام حاصل نہیں ہوگا اور یہ دین ضعیف ہوگا۔ جب قبضہ ہوگا نقود قبضہ کے دن سے ملک تام پائے جانے اور طبعی مال تجارت ہونے کی وجہ سے بلانیت تجارت کا مال ہوں گے اور قبضہ کے بعد سال گذرنے پر ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہبہ میں ملک کے لیے قبضہ رکن ہے، ہبہ کے ایجاب اور قبول کے بعد قبضہ سے پہلے ہبہ شدہ مال کا دین دینِ ضعیف ہوتا ہے، اس پر ملکِ تام نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ یہی صورت وصیت اور وراثت اور دیت اور خلع اور صلح اور صلح کے بدل اور کتابت اور سعایہ کے بدل میں ہوتی ہے۔ جب ان امور میں قبضہ سے پہلے ملکِ تام حاصل نہیں ہوتا، ان کا دین ضعیف ہوتا ہے یعنی ان اموال کو ہبہ کے ساتھ مشابہت ہے اور یہی حال مہر کا ہوتا ہے۔ مہر اگرچہ بضع کے منافع کا معاوضہ ہوتا ہے مگر مہر من وجہ تبرع اور احسان ہوتا ہے۔ ایک روایت پر بیوی کا مہر پر قبضہ سے پہلے ملکِ تام نہیں ہوتا اور یہ دین دینِ ضعیف ہوگا۔ بیوی پر اس کی زکوٰۃ قبضہ کے بعد واجب ہوگی مگر مذکورہ امور میں بدل کسی منفعت کی قیمت اور اجرت نہیں اس لیے قبضہ سے پہلے اس میں ملک نہیں آتا اور ملازم کی اجرت منافع کی قیمت اور اجرت ہوتی ہے۔ دیگر آئمہ تو ہر منفعت کو مال کہتے ہیں مگر احناف بعض منافع کو مال قرار دیتے ہیں، ان منافع میں ملازم کی محنت اور عمل بھی ہے لہٰذا ملازم کی اجرت مال کا بدل

ہونے کی وجہ سے اگر دین ہوگا تو یہ دینِ قوی ہوگا۔ (محمد رفیق حسنی)

- صاحبین کے نزدیک مالِ تجارت کے دین پر زکوٰۃ کی علت یہ ہے کہ اگر دین کی جگہ عین ہو تو عین پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے لہٰذا اس کا دین دین قوی ہوگا دین پر زکوٰۃ واجب ہوگی یہ علت ملازم کی اجرت کے دین میں بھی پائی جاتی ہے کہ اگر اجرت میں دین کی جگہ عین یعنی خود کرنسی یا دراہم یا دینار نقد ہوتے تو زکوٰۃ واجب ہوتی لہٰذا اجرت کے دین پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ صاحبینؒ کی دلیل نہایت قوی ہے۔ صاحبین کے قول پر فتویٰ ہونا چاہیے۔
- علامہ شامی نے غایت البیان سے نقل فرمایا انہوں نے مال کے بدل کی دو قسمیں ذکر کی ہیں فرمایا:

"اِمَّا اَنْ یَکُوْنَ ذَالِكَ الْمَالُ لَوْبَقِیَ فِیْ یَدِہٖ تَجِبُ زَکَاتُہٗ اَوْلَایَکُوْنَ کَذَالِكَ (الخ) فَبَدْلُ الْقِسْمِ الْاَوَّلِ ھُوَ الدَّیْنُ الْقَوِیُّ وَیَدْخَلُ فِیْہِ ثَمَنُ السَّائِمَۃِ لِاَنَّھَا لَوْبَقِیَتْ فِیْ یَدِہٖ یَجِبُ زَکَاتُھَا وَ کَذَاقَوْلُہٗ فِی الْمُحِیْطِ الدَّیْنُ الْقَوِیُّ مَا یَمْلِکُہٗ بَدْلاً عَنْ مَالِ الزَّکَاۃِ فَتَاَمَّلَ" (ص:۳/۲۳۷)

ترجمہ: یاتو مال اگر مالک کے ہاتھ اور قبضہ میں باقی رہے اس پر زکوٰۃ واجب ہو یا اس طرح نہیں ہو (الخ) پس پہلی قسم کا بدل دین قوی ہے اور اس میں سائمہ جانوروں کے ثمن بھی داخل ہوجائیں گے کیونکہ اگر جانور مالکوں کے قبضہ میں باقی رہیں تو ان کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح ان کا محیط میں قول ہے کہ دین قوی وہ ہوتا ہے جس کا آدمی زکوٰۃ کے مال کے بدلے میں مالک ہو۔

- معلوم ہوا زکوٰۃ کے مال کا بدل دین قوی ہوتا ہے اور آدمی اس کا مالک ہوتا ہے اور مالِ تجارت اور نقود کا دین بھی دین قوی ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر مالِ تجارت اور

نقود ہاتھ اور قبضہ میں باقی ہوں، ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے لہٰذا بدائع کی عبارت میں تجارت کے مال کا بدل دین قوی ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ کسی دوسرے مال کا بدل دین قوی نہیں ہو سکتا۔ (محمد رفیق حسنی)

دین پر سُود کا حکم:

• احسن الفتاوی میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ پر دیا گیا سود، سود نہیں ہے مولانا کا یہ قول بھی باطل ہو گیا کیونکہ جب پراویڈنٹ فنڈ دین قوی اور قرض کی طرح دین ہے اور قرض پر سود شرعًا سود ہوتا ہے جی پی فنڈ اور پراویڈنٹ فنڈ پر مشروط اضافہ سود کیوں نہیں ہو گا، یقیناً پراویڈنٹ فنڈ پر مشروط اضافہ سود ہے۔ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کا ملازم کی اجرت پر سود کو سود کہنا صحیح ہے مفتی رشید احمد لکھتے ہیں کہ پراویڈنٹ فنڈ کے اضافات کو اسی لئے سود نہیں کہا جا سکتا کہ اصل تنخواہ سے زائد اجل کا بدل یا اجرت مملوکہ پر زیادتی نہیں بلکہ ابتداءعقد ہی سے بوجہ اجل تنخواہ میں اضافہ ہے اور کل اضافات اصل تنخواہ میں شمار ہو کر سب کا مجموع ابتداءعقد ہی سے بدل عمل ہے بوجہ تاجیل بدل میں اضافہ بلاشبہ جائز ہے۔(ص:۷/۵۰۔احسن الفتاویٰ) مفتی رشید احمد کے منطق سے نہایت تعجب ہوتا ہے کہ خود ملازم اور کمپنی مالکان اور اقوام عالم کے عرف میں ملازم کی طے شدہ اجرت پر اضافات کو (سود) کہا اور سمجھا جاتا ہے اور اجرت کے دین میں تاخیر کی شرط کی وجہ سے دین پر اضافات ہوتے ہیں اور عاقدین خود بھی ان اضافات کو سود سمجھتے ہیں اور سود کی تعریف بھی ان اضافات پر صادق آتی ہے پھر مفتی صاحب کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ کہیں یہ اضافات ربا اور سود نہیں ہیں اور عمل کے بدل میں تاخیر کی وجہ سے عمل کی اجرت میں اضافہ ہے، یہ اضافہ اجل کا عوض نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو سب دیون میں اضافات جائز ہونے چاہیں اس

تاویل سے تو دین قوی اور قرض پر اضافات مشروطہ بھی سود نہیں رہیں گے مثلاً صاحب دین مدیون سے کہے کہ اگر آپ نے ایک سال تک مبیعہ کا دین اور قرض ادا نہ کیا تو دس فیصد زیادہ دینا ہو گا اگر دو سال تک دین اور قرض واپس نہ کیا تو مزید اضافہ کے ساتھ ساری رقم پر دس فیصد زیادہ دینا ہو گا علیٰ ہذاالقیاس۔ جب یہ یقیناً سود ہے اور پراویڈنٹ فنڈ میں بھی یہی ہوتا ہے۔ اگر یہ سود نہیں تو پھر سود کس کو کہتے ہیں اگر سود کا دروازہ اس طرح کھول دیا جائے تو پھر کسی قرض میں سود نہیں ہو گا کیونکہ قرض بھی دیے گئے مال کے بدل کا دین ہوتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان کا فتویٰ صحیح اور نہایت قابل قیاس ہے کہ ملازم کی طے شدہ اجرت سے زائد مشروط رقم سود ہو گا اور اس کے احکام سود والے ہوں گے۔

قبضہ سے پہلے ملازم اپنی اجرت کا مالک ہوتا ہے:

• یہ سمجھنا کہ قبضہ سے پہلے ملازم اپنی اجرت کا مالک نہیں ہوتا، یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ مفتی رشید احمد نے اپنے فتاویٰ میں بیسیوں روایات ذکر کی ہیں کہ ملازم اپنی اجرۃ متاخرۃ کا مالک ہوتا ہے اور جب میعادی دینِ قوی جو مالِ تجارت کا بدل ہوتا ہے، پر مالک کا قبضہ کئی سال بعد ہوتا ہے مگر قبضہ سے پہلے اس دین پر مالک کا ملکِ کامل ثابت ہے اور اس پر سود شرعًا سود ہوتا ہے تو ملازم کی اجرت جو دین قوی ہے اس پر قبضہ سے پہلے ملک کا نہ ہونا کس طرح تسلیم کیا جائے؟

• یہ امر تو واضح ہے کہ مال کے معاوضہ میں نقود سونے اور چاندی اور کرنسی کا بدل دین قوی ہوتا ہے اگر نقود کا دین میراث ہو مورث نے جائیداد میں نقود (سونا اور چاندی یا کرنسی) کا دین چھوڑا وارث تک بوجوہ ایک سال بعد نقود کا حصہ، جو نصاب بنتا ہے، پہنچا یہ ایک سال دین رہا مگر وارث اس کا مالک ہوتا ہے تو ملازم کی اجرت کے دین میں ملک کیوں نہیں ہوتا اور بحر الرائق کی گذشتہ روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہے حالانکہ یہاں نقود کے حصول اور

ملک میں آنے کے لئے کسی عمل کو دخل نہیں ہے جب میراث میں نقود بذاتہا مالِ تجارت ہونے کی وجہ سے ان کا دین دینِ مملوک ہوتا ہے تو ملازم کی اجرت جو عقد اجارہ میں طے شدہ کرنسی عمل اور محنت کے معاوضہ ہونے کی وجہ سے ملک میں آئی اور وہ اجرت شرعًا اور عرفًا نقود میں سے ہے تو اس کا دین دینِ مملوک اور قوی کیوں نہیں ہوتا!

• تجارت کی دوکان یا مکان کا کرایہ اور اجرت اور تجارت کے عبد کی اجرت اور مزدوری بھی منفعت کا بدل ہونے کے باوجود بغیر نیت مالِ تجارت ہوتے ہیں اور اس اجرت کا حکم ثمن والا ہوتا ہے اور ان اجرتوں کا دین مختار قول پر دین قوی ہوتا ہے اور رہائشی مکان کا کرایہ اور اجرت اگرچہ نقود کا غیر مال ہو، وہ تجارت کی نیت سے مالِ تجارت ہو جاتا ہے جیسا کہ شامی سے گذرا ہے حالانکہ یہ کرایہ بھی منفعت کا بدل ہے تو پھر ملازم کے کام اور محنت کی اجرت نقود طے ہوں جن میں خلقۃً مالِ تجارت ہونا ہے اور تجارت کی نیت کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ وہ اجرت مالِ تجارت کیوں نہیں بنتی؟

• فائدہ: معلوم ہوا تجارت کی تعریف ''کسب المال بالمال...الخ'' (مال کے بدلے مال حاصل کرنا) میں حاصل ہونے والے مال میں تجارتی مال خواہ شراء سے حاصل ہو یا اجرۃ سے حاصل ہو سے مراد نقود کا غیر ہے کیونکہ نقود اگرچہ مال کے بدلے حاصل نہ ہوں وراثت سے حاصل ہوں ہبہ سے حاصل ہوں وصیت اور صدقہ سے حاصل ہوں نکاح یا خلع کے بدلے یا صلح کے بدلے میں نقد حاصل ہوں وہ مالِ تجارت ہوتے ہیں۔ اسی طرح نقود منفعۃ موجرۃ کے بدلے ہوں یا مالِ تجارت کا بدل ہوں یا ذاتی استعمال کے مال کے بدلے ہوں یا مالِ تجارت کا بدل ہوں، نقود ہر حال میں مالِ تجارت ہوتے ہیں۔ جیسا کہ شامی اور بحر الرائق سے گذر چکا ہے کہ نقود ہر صورت میں مالِ تجارت ہوتے ہیں۔ شامی میں ہے:

''لِتَعَیُّنِہِمَا لِلتِّجَارَۃِ بِأَصْلِ الْخِلْقَۃِ فَتَلْزَمُ الزَّکٰوۃُ کَیْفَمَا أَمْسَکَہُمَا وَلَوْ لِلنَّفْقَۃِ''(ص:۱۸۶)

ترجمہ: سونا اور چاندی اصل خلقت میں تجارت کے لئے متعین ہیں پس زکوٰۃ لازم ہے جس طرح مالک ان کو روکے رکھے اگرچہ گھر کے نفقہ کے لئے۔

معلوم ہوا ملازم کی اجرت کرنسی جس کا حکم سونے اور چاندی کا ہے اگرچہ مال کا بدل نہ ہو بلکہ منفعت کا بدل ہو وہ مالِ تجارت ہے اور اس کا دین دینِ قوی ہوگا اس پر زکوٰۃ واجب ہے کما قال الامام الشاہ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ۔ لہٰذا بعض علماء کا یہ کہنا کہ ملازم کی اجرت منافع اور عمل کے معاوضہ میں ہونے کی وجہ سے دین ضعیف ہوگا، صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ تجارت کی نیت کے حوالہ سے دار کے منافع کے متعلق درمختار میں ہے:

''أَوْ یُؤَاجِرَ دَارَہُ الَّتِیْ لِلتِّجَارَۃِ بِعَرْضٍ فَتَصِیْرُ لِلتِّجَارَۃِ بِلَا نِیَّۃٍ صَرِیْحًا''(ص:۱۸۶)

ترجمہ: یا آدمی اپنی تجارت کی دار (مکان) عرض (غیر نقدی) کے معاوضہ میں اجرت پر دے وہ عرض (غیر نقدی مال) بلانیت تجارت کا مال ہو جائے گا۔

جب منافع کا بدل عرض بھی مالِ تجارت ہو جاتا ہے اگر تجارت کی دار کے منافع کا کرایہ نقود سونا اور چاندی یا کرنسی ہوں تو کیا وہ تجارت کا مال بغیر نیت نہیں ہوگا؟ یقیناً ہوگا اور دار کی منفعت کا بدل مالِ تجارت ہو اور تجارت کے مکان کی منفعت کا بدل دراہم اور دنانیر مالِ تجارت ہوں لیکن ملازم کی منفعت کا بدل دراہم اور دنانیر مالِ تجارت نہ ہوں، فرق کیوں ہے؟ لہٰذا فقہاء کرام نے جو دین ضعیف کے متعلق ذکر کیا ''ھو بدل غیر مال کمھر و دیۃ...الخ'' (ترجمہ: دینِ

ضعیف غیر مال کا بدل ہوتا ہے) سے ایسے حقوق یا منافع مراد ہیں جن کی اجرت طے نہیں ہوتی چنانچہ ہبہ اور وصیت اور میراث کسی عمل کی اجرت نہیں ہوتے اور کسی چیز کا بدل نہیں ہوتے اور مہر کی رقم من وجہ ہبہ ہوتی ہے، اجرت نہیں ہوتی اور خلع اور دیت اور قتل میں صلح کی رقم حقوق کا بدل ہے، اجرت نہیں ہے۔ غیر مال سے وہ منافع مراد نہیں جن کو فروخت کیا جاتا ہے یعنی ملازم کی اجرت، تجارتی مکانوں کے کرائے۔ (محمد رفیق حسنی)

اجرت کے اقسام:

• طے کردہ مدت کے اعتبار سے اجرت کے متعدد اقسام ہیں کبھی اجرت معجلۃ (ایڈوانس) ہوتی ہے اور کبھی مؤجلہ (کام کے بعد) ہوتی ہے اور کبھی منجمہ (قسطوں) میں ہوتی ہے اور کبھی مسکوت عنہا یعنی کسی مدت کا ذکر نہیں ہوتا اگر اجرت معجلہ اور ایڈوانس ہو موجر اجرت معجلہ کا مالک ہوتا ہے اور موجر کا حق ہے کہ مستاجر سے اس کا مطالبہ کرے اور اگر اجرت مؤجلہ (مؤخرۃ ہو) اس کا مطالبہ طے کردہ اجل سے پہلے جائز نہیں ہے وہ اجرت مستاجر پر دین مؤجل ہوگی اور اگر اجرت قسطوں میں طے ہوئی تھی تو موجر کا ہر قسط کے ادا کے وقت مطالبہ کرنا جائز ہے اور وقت سے پہلے جائز نہیں اور اگر اجرت میں مدت کا ذکر نہیں تھا تو عرف کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ (ص:۵/۸۔ بحر الرائق)

• اجرت تعیین کے اعتبار سے فریقین (مؤجر اور مستاجر) کے درمیان طے شدہ مال ہوگا جو چیز فروخت شدہ چیزوں کا ثمن بن سکتی ہے وہ منافع اور محنت کی اجرت بن سکتی ہے مگر اس کا عکس کلی نہیں ہو سکتا کہ جو چیز منافع اور محنت کی اجرت بن سکتی ہو وہ مبیع کا ثمن ہونے کی صلاحیت بھی رکھے مثلاً مختلف الجنس اشیاء کی منفعت ایک دوسرے کی اجرت بن سکتی ہیں مگر منفعت ثمن نہیں بن سکتی اور حیوانات قیمی ہیں مثلی نہیں، متعین ہوں تو اجرت بن سکتے ہیں مگر

ثمن نہیں بن سکتے اور حیوانات کا باہم تبادلہ ہو سکتا ہے جس کو بیع مقائضہ کہتے ہیں اس بیع میں دونوں جانب عین اور شخصی جانور یا اشیاء ہوتی ہیں یہ جائز ہے لہٰذا اجرت میں اگر کوئی کیلی یا وزنی چیز طے ہوئی ہے تو وہی چیز واجب ہوگی اور اگر مروج کرنسی طے ہوئی یا سونا چاندی تو وہی اجرت واجب ہوگی۔ یعنی تعیین شخصی نہیں ہوگی نوعی تعیین معتبر ہے۔

اجرت حق مبہم یا وصف مبہم نہیں ہوتی:

• بحر الرائق میں ہے:

"اِذَا کَانَتِ الْاُجْرَۃُ فَلْسًا فَغَلَا اَوْ رَخَّصَ قَبْلَ الْقَبْضِ فَالْاُجْرَۃُ الْفَلْسُ لَا غَیْرُ وَ اِنْ کَسَدَتْ فَعَلَیْہِ قِیْمَۃَ الْمَنْفِعَۃَ...الخ" (ص:۸/۳)

ترجمہ: جب طے شدہ اجرت فلس (مروج کرنسی) ہو قبضہ سے پہلے کرنسی مہنگی ہو جائے یا سستی ہو جائے وہی کرنسی واجب ہوگی اس کا غیر واجب نہیں ہوگا اور اگر کرنسی کھوٹی ہو جائے اور اس کا رواج ختم ہو جائے تو منفعۃ کی قیمت واجب ہوگی۔ معلوم ہوا اجرت حق مبہم یا وصف مبہم نہیں ہوتی اس میں تعین نوعی ہوتا ہے۔

• اجرۃ اگر کام سے پہلے ایڈوانس ادا کر دی جائے تو مؤجر اس کا مالک ہو جاتا ہے اور اگر اجرت مؤخرۃ ہو موجر اس کے دین کا مالک ہو جاتا ہے چنانچہ بحر الرائق اور شامی میں ہے:

"اَلْاُجْرَۃُ لَا تُمْلَکُ بِالْعَقْدِ بَلْ بِالتَّعْجِیْلِ اَوْ بِشَرْطِہٖ اَوْ بِالْاِسْتِیْفَاءِ اَوْ بِالتَّمَکُّنِ مِنْہُ" (ص:۸/۴۔ بحر)

یعنی اجرۃ فقط عقد اجارہ کے ساتھ موجر کے ملک میں نہیں آتی بلکہ تعجیل (ایڈوانس) دینے کے ساتھ یا تعجیل کی شرط کرنے کے ساتھ یا

منفعۃ اور محنت حاصل ہو جانے کے بعد یا منفعۃ پر قدرت ہو جانے کے بعد ملازم کے ملک میں آجاتی ہے۔

● پھر فرمایا:

"اَلْاُجْرَۃُ لَا تُمْلَکُ بِنَفْسِ الْعَقْدِ سَوَاءٌ کَانَتْ عَیْنًا اَوْ دَیْنًا وَاِنَّمَا تُمْلَکُ بِالتَّعْجِیْلِ اَوْ بِشَرْطِہٖ اَوْ بِالْاِسْتِیْفَاءِ اَوْ بِالتَّمَکُّنِ مِنْہُ...الخ"

یعنی اجرۃ عقد اجارہ میں صرف ایجاب اور قبول کے ساتھ واجب نہیں ہو جاتی خواہ اجرۃ عین ہو یا دین بلکہ اس کا ملک چار امور کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ تعجیل یا شرط تعجیل یا استیفاء پر قدرت کے ساتھ اجرت موجر کے ملک میں آجاتی ہے خواہ معقود علیہ موجر کی محنت اور عمل ہو یا کسی دوسری چیز کی منفعت ہو۔

علماء دیو بند اور دار العلوم نعیمیہ کے فتویٰ سے اختلاف:

● اس عبارت سے معلوم ہوا ملازم کی اجرت (پراویڈنٹ فنڈ یا جی پی فنڈ) جو حسب معاہدہ موجر اور مستاجر منفعت اور طے شدہ کام حاصل ہو جانے کے بعد مالک کے ملک میں آجاتی ہے اور اچانک حادثہ یا وفات کے بعد دی جاتی ہے یہ اجرت دین ہوتی ہے اور ملازم اس اجرت کا مالک ہوتا ہے اور ملازم کا اس پر ملک کامل رہا ہے اور ہے جیسا کہ ہم ملک کامل کی تعریف سے ثابت کر چکے ہیں اور چونکہ آج کل حسب معاہدہ اجرت مروج کرنسی میں طے ہوتی ہے جو کہ سونے اور چاندی کا بدل ہے یا رسید ہے یا خود ثمن ہے جو بھی ہو واضح ہے کہ کرنسی کا دین جب منافع موجرہ کا دین ہو وہ قوی ہوتا ہے لہٰذا جی پی فنڈ / پراویڈنٹ فنڈ دین قوی ہو گا اور جی پی فنڈ یا پراویڈنٹ فنڈ کی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ملازم پر واجب ہو گی لہٰذا علماء دیو بند کا پراویڈنٹ فنڈ اور جی پی فنڈ کو دینِ ضعیف قرار دینا یا مطلق ملک کی

نفی کرنا اور دار العلوم نعیمیہ کے مفتی صاحب کا ملک ناقص قرار دے کر زکوٰۃ کی نفی اور اس پر سود کی نفی کرنا صحیح نہیں ہے۔ آج اربوں بلکہ کھربوں کی مقدار میں جی پی فنڈ اور پراویڈنٹ فنڈ کے روپے متعلقہ اداروں میں محفوظ ہوں گے، ان کی زکوٰۃ نہ دینا فقراء پر نہایت ظلم ہو گا۔

تجارت کے ابواب میں ایک غلط فہمی کا ازالہ:

● زکوٰۃ کے ابواب میں آلات المحترفین کے تحت فقہاء کرام کی کتابوں میں مذکور ہے کہ آلات المحترفین (حرفت اور پیشہ کے آلات) دو قسم کے ہوتے ہیں ایک یہ کہ آلات انتفاع اور نفع اٹھانے سے فنا نہیں ہوتے جیسے تیشہ اور کلہاڑا وغیرہ ان آلات پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ دوم، نفع اٹھانے سے آلات فنا ہو جاتے ہیں مگر پھر فنا ہونے والے آلات کے دو قسم ہوتے ہیں ایک یہ کہ ان کا اثر باقی نہیں رہتا جیسے صابن یا سرف اور کپڑے صاف کرنے والے پاؤڈر یا لیکویڈ (سیال/کیمیکل) وغیرہ۔ جب ان کو استعمال کیا جاتا ہے ان کا اثر باقی نہیں رہتا اور فنا ہو جاتے ہیں اور دوم جن کا اثر باقی رہتا ہے جیسے رنگ کی مختلف اقسام رنگریز استعمال کرتا ہے کپڑے میں رنگ کا اثر باقی رہتا ہے۔ ان کے احکام یہ ہیں کہ اگر دھوبی نے صابن یا سرف وغیرہا کپڑوں کے لئے اتنی رقم سے خریدا جس کا مقدار زکوٰۃ کا نصاب بنتا ہے اور صابن یا سرف وغیرہ ایک سال تک دھوبی کے پاس رہا صابن اور سرف وغیرہا کی زکوٰۃ دھوبی یا ڈرائی کلینر کے مالک پر واجب نہیں ہو گی اور اگر رنگ کرنے کا پاؤڈر وغیرہا رنگریز کے پاس نصاب کی مقدار سال بھر باقی رہا ہے اس رنگ کی زکوٰۃ رنگریز پر واجب ہو گی۔ فقہاء کرام اس فرق کی وجہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ صابن اور سرف اور فنا ہو جانے والے پاؤڈر مالِ تجارت نہیں ہیں کیونکہ ڈرائی کلینر کا مالک یا دھوبی جو اجرت لیتا ہے وہ صابن اور سرف کی نہیں ہوتی بلکہ وہ کام کرنے اور منفعت کی ہوتی ہے اور اگر اجرت صابن اور

سرف کی قیمت ہوتی تو صابن اور صرف مالِ تجارت ہوتا اور رنگریز جو اجرت لیتا ہے وہ رنگ کے پیسے ہوتے ہیں کام اور منفعت کے نہیں ہوتے لہٰذا اگر رنگ کے ڈرموں کا نصاب سال بھر رنگریز کے پاس رہے تو رنگ کی زکوٰۃ مالک پر واجب ہوگی۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

"فَلَوِ اشْتَرَاهُ الْغَسَّالُ صَابُوْنًا لِغَسْلِ الثِّيَابِ اَوْ حَرْضًا يُسَاوِيْ نِصَابًا وَحَالَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ لَا تَجِبُ فِيْهِ فَاِنْ مَا يَاْخُذُهٗ مِنَ الْاُجْرَةِ بِمُقَابَلَةِ الْعَمَلِ وَلَوِاشْتَرَى الصَّبَّاغُ عُصْفُرًا اَوْ زَعْفَرَانًا يُسَاوِيْ نُصُبًا لِلصَّبْغِ اَوِ الدَّبَّاغُ دُهْنًا اَوْ عُصْفًا لِلدَّبَاغَةِ وَحَالَ عَلَيْهِ الْحَوْلَ تَجِبُ فِيْهِ لِاَنَّ الْمَاخُوْذَةَ بِمُقَابَلِةِ الْعَيْنِ"

(ص: ۲/۱۸۴۔ مطبوعہ بیروت)

اگر دھوبی نے کپڑے دھونے کے لئے صابن خریدا یا کپڑے دھونے کا پاؤڈر خریدا جو زکوٰۃ کے نصاب کے مساوی تھا اور اس پر سال گذر گیا اس صابن یا حرض (کھار) کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ اس نے جو اجرت لی ہے وہ عمل اور کام کے مقابلہ میں ہے (صابن یا سرف کے مقابلہ میں نہیں) اور اگر رنگریز نے کپڑے رنگنے کے لیے عصفر یا زعفران خریدا جو کہ کئی نصابوں کے مساوی ہے یا دباغ نے تیل یا عصف (کوئی کیمیکل) دباغت کے لئے خریدا اور اس پر سال گذر گیا، اس دباغ پر رنگ یا تیل وغیرہ کی زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ صباغ یا دباغ نے جو اجرت لی ہے وہ عین مال کے مقابلہ میں ہے۔

● فتح القدیر کی اس عبارت میں آلات حرفت (پیشہ) پر زکوٰۃ یا عدم زکوٰۃ کا ذکر ہے اس سے یہ سمجھنا کہ اجرت منفعت اور عمل کے مقابلہ میں ہو تو اس اجرت پر زکوٰۃ نہیں ہوگی غلط ہے۔ کیونکہ یہاں نقد اجرت کا ذکر ہے اور نقد

اجرت اگر منافع اور عمل کی ہو، اس پر بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ شامی اور فتح القدیر کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ مکان یا دوکان کا کرایہ یا عبد سے نفع اٹھانے کی اجرت منافع کی اجرت ہوتی ہے مگر اس پر زکوٰۃ واجب ہے لہٰذا وجہ فرق یہ ہے کہ فنا ہو جانے والے آلات جن کی کوئی علامت باقی نہ رہتی ہو وہ اس غسال کے پاس مالِ تجارت نہیں ہوتے اس لئے ایسے مال کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور تاجر کے پاس یہ مالِ تجارت ہوتے ہیں۔ ان کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

● اجرت کے سلسلے میں بحر الرائق سے گذر چکا ہے کہ نقود (سونا اور چاندی اور نوٹ) اگرچہ میراث میں حاصل ہوں ان پر ملک کے دن سے حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے حالانکہ وراثت میں نقود نہ وارث کے عمل کا بدل ہیں اور نہ کسی دوسرے مال کا لہٰذا اجرۃ میں دیے گئے مال کو دیکھا جائے گا کہ اگر مال نقود ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی خواہ تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو کیونکہ نقود بلا نیت مالِ تجارت ہوتے ہیں اور اگر اجرت کا مال نقود کے علاوہ دوسرا مال طے ہوا تو اگر اجرت تجارت کے عبد یا مکان کی ہے تو صحیح قول پر اجرت بغیر نیت مالِ تجارت ہوگی کیونکہ تجارت کے مال کی اجرت کی مثال مال کے ثمن کی ہوتی ہے ہاں اگر صاحب اجرت اس مال کو اپنے حوائج میں صرف کرنے کا ارادہ کرلے تو اجرت مالِ تجارت کا مال نہیں رہے گا اور اگر اجرت تجارت کے عبد یا مکان کی نہیں بلکہ رہائشی مکان یا خدمت کے عبد کی ہے اگر اجرت کا مالک عقد اجارہ کے وقت اس میں تجارت کی نیت کرتا ہے تو وہ بھی تجارت کا مال ہو جائے گی اور زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ وہ اجرت تجارت کا مال نہیں ہوگی لہٰذا منفعت کو مال کے تجارت اور غیر تجارت ہونے میں دخل نہیں ہوتا پھر اگر اجرت نقود یا مالِ تجارت ہو نقد نہ ہو ادھار ہو تو یہ دین قوی ہوگا کیونکہ نقود اور مالِ تجارت کا دین دین قوی ہوتا ہے۔

غلط فہمی کا ازالہ:

● چار چھ سال پہلے فقہاء کرام نے فقہ کی کتابیں تحریر فرمائیں، اس وقت عموماً اجرتیں اجناس اور عروض میں ہوتی تھیں اور اجناس اور عروض بنیادی طور پر مالِ تجارت نہیں ہیں، ان میں نیت اور تجارتی تصرف ہو تب یہ عروض اور اجناس تجارت کا مال بنتے ہیں اس لیے منافع کی اجرت کو مالِ تجارت نہیں کہا گیا ورنہ یہ امر بدیہی ہے کہ اگر منافع کی اجرت نقود ہوں تو یہ مالِ تجارت ہوتے ہیں کیونکہ نقود طبعاً مالِ تجارت ہیں، ان میں نیت اور تجارتی عمل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بالفرض ملازم یا مزدور کو ایک لاکھ روپے یا ایک لاکھ روپے کی چاندی دے دی جائے تو کوئی فقیہہ کیسے کہہ سکتا ہے یہ تجارت کا مال نہیں لہٰذا اس پر زکوٰۃ نہیں۔ اگر یہ ہو جائے تو دنیا بھر کے ملازموں اور مزدوری کرنے والوں کی لاکھوں کروڑوں روپے تنخواہوں پر زکوٰۃ واجب نہ ہو کیونکہ یہ روپے منافع کی اجرت ہیں۔ عام طور پر بعض علماء کو فقہاء کی عبارتوں سے غلط فہمی ہوتی ہے، وہ منافع کی اجرت عروض اور نقود میں فرق نہیں کرتے۔ چنانچہ فتح القدیر کے حاشیہ میں بھی اسی قسم کی ایک عبارت موجود ہے۔ صابن اور سرف میں زکوٰۃ نہ ہونے کی وجہ ذکر کرتے ہوئے صاحبِ حاشیہ لکھتے ہیں:

"لِكَوْنِ الْأَجْرِ حِيْنَئِذٍ مُقَابَلًا بِالْمَنْفَعَةِ فَلَا يُعَدُّ مِنْ مَالِ التِّجَارَةِ" (ص: ۱۸۳/۳)

ترجمہ: اس وقت اجرت منافع کے مقابلے میں ہوتی ہے، اس اجرت کو مالِ تجارت شمار نہیں کیا جاتا ہے۔

یعنی اس وقت اجرت منفعہ کے مقابلہ میں ہوتی ہے لہٰذا صابن اور سرف وغیرہ آلات حرفت کی اجرت میں زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ اس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ منفعت کے مقابل اجرت مالِ تجارت نہیں ہوتی جب وہ اجرت نقود سے نہ ہو۔

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

● چونکہ احناف کے نزدیک ملازمین اور مزدوروں کا عمل اور کام کرنا عین اور مادی چیز نہیں ہے اس لئے احناف کے نزدیک اعمال اور منافع مال نہیں ہیں اور ان کے مقابلہ میں اجرت کو بعض علماء مالِ تجارت نہیں کہتے اور اس اجرت کے دین کو دین ضعیف کہتے ہیں اور مہر وغیرہ پر قیاس کرتے ہیں۔ یہ اوّلاً اس وقت ہے جب اجرت میں طے شدہ مال نقود کے علاوہ دوسرے اموال ہوں جیسا کہ ہم نے بار بار ذکر کیا ہے۔ ثانیاً اجارۃ کے ابواب میں احناف کے نزدیک بھی منافع کا حکم اموال کا ہوتا ہے لہٰذا ملازمین کے اعمال اور کام کی اجرت کا دین دین قوی ہوگا۔ انشاءاللہ اس کی مزید وضاحت کی جائے گی۔

اظہارِ تعجب:

● فقراء کے فقر کا تقاضہ تو یہ تھا کہ آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کے قول پر بھی پراویڈنٹ فنڈ یا جی پی فنڈ پر زکوٰۃ واجب ہو سکتی تھی تو زکوٰۃ کے وجوب کا فتوی دیا جاتا تاکہ فقراء کو فائدہ پہنچے جبکہ اس فنڈ پر زکوٰۃ کے حوالے سے اولاً امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا قول موجود ہے کہ منافع اور اعمال بھی مال میں داخل ہیں۔ ثانیاً احناف کے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک منافع اور اعمال کی اجرت کا دین دین قوی ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک زکوٰۃ کے حوالے سے دین کی تین قسمیں نہیں ہیں صرف ایک قسم ہے لہٰذا ہر دین کی زکوٰۃ صاحب دین پر واجب ہوگی۔ ثالثاً احناف کے نزدیک اجارہ کے ابواب میں منافع اور اعمال کا حکم مال کا ہوتا ہے جس طرح حقوق متاکدہ حق شرب الارض اور حق مرور اور حق قرار وغیرہا معنوی امور ہیں مگر ان حقوق کا حکم مال کا ہوتا ہے اور مال کی اجرت مال ہو تو اس کا دین دین ضعیف نہیں ہوتا۔ رابعًا تجارت کے مکانات اور تجارت کے عبد کی خدمات اور منافع کا حکم احناف کے نزدیک مالِ تجارت کی طرح ہوتا ہے مکانات کا کرایہ اور عبد کی خدمت کی اجرت کا دین دینِ قوی ہوتا ہے۔ یہ اجرت میں عروض

طے ہونے کی صورتوں کا حکم ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ آزاد ملازم کی خدمات کا معاوضہ اور اجرت عروض نہ ہوں بلکہ سونا اور چاندی اور کرنسی یا مالِ تجارت طے ہوا اس کا دین دین ضعیف ہو؟ دین ضعیف اور ملک ناقص کا قول کرنے والے علماء حضرات نے سرمایہ داروں کا خیال تو کیا فقراء کا کیوں نہیں کیا؟ اربوں اور کھربوں کے پراویڈنٹ فنڈ اور جی پی فنڈ کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کا فتوی کیوں جاری کیا؟ (محمد رفیق حسنی)

زرضمانت پر زکوٰۃ واجب ہے:

• کرایہ جات میں ایڈوانس ڈپازٹ کا حکم مکان اور دوکانیں اور فلیٹس وغیرہا کے کرایہ میں مالک کو دیا گیا زر ضمانت (ڈیپازٹ) مال ضمار اور رہن نہیں ہوتا بلکہ دین اور قرض ہوتا ہے لہٰذا اس زر ضمانت اور ڈپازٹ کی زکوٰۃ زر ضمانت کے مال کے مالک یعنی کرایہ دار پر واجب ہے کیونکہ اجارہ کے فسخ یا اختتام پر زر ضمانت کرایہ دار کو واپس مل جاتا ہے اور یہ زر ضمانت دین مجحود (انکار) کردہ کی طرح بھی نہیں ہے کیونکہ اس زر ضمانت کا انکار نہیں کیا جاتا اور دستاویزی ثبوت موجود ہوتے ہیں لہٰذا زر ضمانت ضمار یا رہن کا مال نہیں ہے۔

• آج کل کے رواج کے مطابق اسکول اور کالج یا یونیورسٹی میں بچوں کے داخلے کے لئے زر ضمانت (ڈیپازٹ) ادا کرنا ہوتا ہے جو کہ ہزاروں سے لاکھوں تک ہوتا ہے یہ بھی مال ضمار یا رہن نہیں ہوتا اور نہ دین مجحود یا مجہول ہوتا ہے کیونکہ زر ضمانت ممکن الوصول اور ممکن الانتفاع ہوتا ہے اور دستاویزی ثبوت موجود ہوتے ہیں، زر ضمانت کے مالک پر زکوٰۃ واجب ہے اور صاحب اسکول مدیون ہے، اس دین کو زکوٰۃ کے اموال سے وضع کر کے باقی مال کی زکوٰۃ دے گا کیونکہ یہ زر ضمانت قرض غیر مؤجل کی طرح ہوتا ہے جب طالب علم تعلیم ترک یا مکمل کرے گا وہ اپنا ڈیپازٹ واپس لے سکتا ہے اگرچہ ایگریمنٹ میں میعاد مقرر کی گئی

ہو کیونکہ یہ تعلیم کے جاری رکھنے کے ساتھ مشروط ہوتا ہے اور قرض غیر میعادی ہوتا ہے اور اگر میعادی بھی ہو یہ دین قوی ہو گا پھر بھی اس کی زکوٰۃ واجب ہو گی۔

تعلیمی اداروں میں بطور سیکورٹی جمع شدہ رقم کا حکم:

• **بعض علماء کی غلط فہمی کا ازالہ:** ہمارے ایک دوست مفتی صاحب نے اسکول میں جمع کرائے گئے زر ضمانت کو مال مرہون (رہن) شمار کیا ہے اور فرمایا کہ اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ (کتاب الزکوٰۃ۔ ص:۶۱) چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا:

"تعلیمی اداروں میں داخلے کے وقت طلباء سیکورٹی فیس کے طور پر کچھ رقم جمع کراتے ہیں پرائیویٹ اسکولوں اور یونیورسٹیوں الخ (تا) جس طرح رہن رکھی ہوئی رقم قابل زکوٰۃ نہیں اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ رقم جب تک ادارے کے پاس رہے گی قابل زکوٰۃ شمار نہیں ہو گی ملنے کے بعد ان پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں ہے۔" (بعینہ۔ ص:۶۱)

• ہمارے خیال میں یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ رہن اس مال کا نام ہوتا ہے جو قرض حاصل کرنے کی شرط پر بطور زر ضمانت قرض دہندہ کے پاس بطور امانت رکھا جاتا ہے جس میں مرتہن کو تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہوتی اور رہن سے مرتہن کا نفع اٹھانا سود ہوتا ہے اور یہ مال مرہون مضمون بالدین اور مالک کے قبضہ اور تصرف میں نہ ہونے کی وجہ سے قابل زکوٰۃ نہیں ہوتا گویا رہن کا مال قرض اور واجبات کے معاوضہ میں واجب الوصول کے امکان کی وجہ سے متردد الحصول ہوتا ہے، واپسی یقینی نہیں ہوتی اس لئے مالک پر مال مرہون کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی نیز زر ضمانت کسی مال کے معاوضہ میں نہیں ہوتا اور رہن مال کے معاوضہ میں ہوتا ہے اور زر ضمانت میں اسکول کے مالک کو تصرف کی اجازت ہوتی ہے اور جس مال میں تصرف کی اجازت ہو وہ قرض ہوتا ہے، رہن نہیں ہوتا۔ اگر ماہانہ

فیس کی ادائیگی نہ ہو سکی ہو تو یہ رقم فیس میں وضع کی جائے گی۔ یہ قرض ممکن الوصول ہوتا ہے جو کہ اسکول پر دین قوی ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یہ رقم نہ رہن ہوتی ہے اور نہ مال ضمار۔ لہٰذا تعلیمی اداروں میں بطور ضمانت جمع کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی کتاب الزکوٰۃ کے مصنف خود لکھ رہے ہیں کہ زر ضمانت فراغت کے وقت یقینی طور پر واپس مل جاتا ہے مگر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی آخر کیوں؟ جبکہ اس زر ضمانت پر رہن اور مال ضمار کی تعریف صادق نہیں آتی اسے رہن اور مالِ ضمار کہنا صحیح نہیں ہے۔

بطور ضمانت جمع کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے:

• ٹیلیفون، گیس، بجلی کی کمپنیوں کے پاس کچھ ضمانت کی رقم جمع کرائی جاتی ہے اسی طرح کرایہ دار مکان یا دوکان کے مالک کے پاس زر ضمانت جمع کراتا ہے اس زر ضمانت میں کمپنیوں کو اور مکان اور دکان کے مالکان کو تصرف کی اجازت ہوتی ہے اور یہ زر ضمانت قابل واپسی ہوتا ہے باقاعدہ تحریری معاہدہ ہوتا ہے جب معاہدہ کا وقت ختم ہوتا ہے یا معاہدہ کینسل ہوتا ہے تو لین دین کا حساب کر کے رقم واپس کر دی جاتی ہے اگر کوئی خلاف معاہدہ زر ضمانت واپس کرنے سے انکار کرتا ہے تو اس کے لئے زر ضمانت جمع کروانے والا عدالت کی طرف رجوع کر سکتا ہے لہٰذا زر ضمانت چونکہ کرایہ دار یا ٹیلیفون اور گیس اور بجلی استعمال کرنے والے کی جانب سے کمپنیوں کے مالکان پر قرض اور دین قوی ہوتا ہے لہٰذا زر ضمانت میں رکھے گئے فنڈ کی واپسی پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ زر ضمانت کو رہن یا مالِ ضمار پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے چونکہ زر ضمانت مال ضمار بھی نہیں اور رہن بھی نہیں۔ مال ضمار کی واپسی کی امید نہیں ہوتی اور مرتہن کا رہن میں تصرف جائز نہیں ہوتا بلکہ سود ہوتا ہے لہٰذا بعض حضرات کا یہ کہنا کہ بطور زر ضمانت جمع کی ہوئی رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں جیسا کہ کتاب الزکوٰۃ، ص: ۶۰

پر لکھا گیا، صحیح نہیں ہے۔

بطور بیعانہ دی گئی ایڈوانس رقم پر زکوٰۃ کا حکم:

• زمینوں اور مکانوں اور فلیٹوں کے فروخت کرنے والوں کو خریدار ایڈوانس اور پیشگی بیعانہ کی رقم جمع کراتے ہیں فروخت کنندہ تعمیراتی کمپنیوں کے مالکان کے پاس بیعانہ کے کروڑوں روپے جمع ہو جاتے ہیں اور نا قابل واپسی ہوتے ہیں اگر خریدار منحرف ہو جائے تو بیعانہ ضبط کر لیا جاتا ہے اگر انحراف نہ ہو تو بیعانہ کی رقم مکانات کی قیمت کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ خریدار پر بقیہ رقم واجب ہوتی ہے اور فروخت کنندہ پر حسبِ معاہدہ مکان کا قبضہ اور تسلیم کرنا واجب ہوتا ہے لہٰذا بیعانہ میں دی گئی رقم زر ضمانت اور قرض نہیں ہوتی جب تک باہم رضامندی سے بیع فسخ نہ ہو، بیع قائم رہتی ہے اور جب بیع باہم رضامندی سے فسخ ہو جائے تو بیعانہ کے نام سے دی گئی مبیعہ کی قیمت واپس کرنا ہوگی لہٰذا بیعانہ میں جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ فروخت کنندہ کمپنیوں کے مالکان یا افراد پر واجب ہوگی کیونکہ وہ اس جمع شدہ رقم کے مالک ہوتے ہیں۔

تعمیر سے پہلے مکانات کی فروخت کا حکم:

• خریداروں نے اگر مکانات یا فلیٹس وغیرہا تجارت کی نیت سے بک کرائے ہیں تو ہر سال ان مکانوں کی ویلیو کے مطابق خریداروں پر زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ خریدار تعمیر سے پہلے خرید کردہ مکانات اور فلیٹس کے مالک ہو جاتے ہیں حتّٰی کہ خریداروں کو بُک شدہ مکانات فروخت کرنے کا حق بھی حاصل ہوتا ہے اور نقشہ کے مطابق ایگریمنٹ کے کاغذات کی فائلیں دوسرے آدمی کو دیکر وہ مکان دوسرے آدمی کے ملک میں چلا جاتا ہے۔ ان میں وراثت بھی جاری ہوتی ہے۔ آج کا عرف اور تعامل یہی ہے، ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ عرف اور رواج قیاس پر مقدم ہوتا ہے اور بعض مرتبہ عرف کی وجہ سے احادیث اور آیات کی

تاویل کرنا جائز ہوتا ہے اگرچہ عرف قرآن اور احادیث سے مؤخر ہوتا ہے۔ لہٰذا فضاؤں میں تعمیر ہونے والے مکانات تعمیر سے پہلے قابل فروخت ہونے کی وجہ سے مالِ تجارت کی تعریف میں داخل ہیں ان کی زکوٰۃ مالکان پر واجب ہوگی اور اگر خرید کردہ فلیٹس اور مکانات رہائش یا کرایہ کے لئے خریدے گئے ہیں، ان کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پگڑی کی بیع کا حکم:

- پگڑی کی بیع عرف اور تعامل کی وجہ سے جائز ہے چنانچہ شامی میں "الاشباہ والنظائر" سے منقول ہے:

"وَيَنْبَغِيْ اَنْ يُّفْتٰى بِاَنَّ مَاوَقَعَ فِيْ بَعْضِ اَسْوَاقِ الْقَاهِرَةِ مِنْ خُلُوِّ الْحَوَانِيْتِ لَازِمٌ وَيَصِيْرُ الْخُلُوُّ فِي الْحَانُوْتِ حَقًّا لَهٗ فَلَا يَمْلِكُ صَاحِبُ الْحَانُوْتِ اِخْرَاجَهٗ مِنْهَا وَلَااِجَارَتُهَا مِنْ غَيْرِهٖ وَلَوْ كَانَتْ وَقْفًا" (ص:۴/۴۷)

ترجمہ: مناسب ہے کہ فتویٰ دیا جائے جو قاہرہ کے بازاروں میں دوکانوں کا خلو واقع ہے وہ لازم ہے اور حانوت میں خلو خریدار کا حق ہو جائے گا دوکان کا مالک اس کو نکالنے اور اس دوکان کو دوسرے کو اجرت دینے کا مالک نہیں ہوگا اگرچہ دوکان وقف کی ہے۔

- خلو سے مراد حقِ سکنیٰ اور قبضہ کی خریداری ہے۔ چنانچہ سلطان غوری نے دوکانیں بنوا کر تاجروں کو دیں۔ اشباہ ونظائر میں ہے:

"و جعل بکل حانوت قدرا احدہ منھم و کتب ذالك بمکتوب الوقف۔ اھ"

ترجمہ: ہر دوکان کے عوض سلطان نے رقم کی ایک مقدار مقرر دوکانداروں سے لے لی اور اسے وقف کے خط میں لکھ دیا۔

- علامہ شامی نے "مطلب فی خلو الحوانیت" کے عنوان میں خلو، جس کا مفہوم تقریباً ہمارے ملک میں پگڑی والا بنتا ہے، پوری بحث ذکر فرمائی ہے۔ نیز باب الکفالۃ سے پہلے "الاشباہ والنظائر" کی عبارتوں کا حاصل بیان کرتے ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں:

"ان العرف العام یعتبر ما لم یخالف نصا و بہ یعلم حکم بیع الوفاء و بیع الخلو لابتناھما علی العرف۔" (ص:۷/۵۵۱)

ترجمہ: عرف عام معتبر ہوتا ہے جب تک نص کے خلاف نہ ہو اور اس سے بیع الوفاء اور بیع الخلو کا حکم معلوم ہو گیا کیونکہ ان دونوں کی بنیاد عرف ہے۔

- معلوم ہوا لوگوں کے رواج اور عرف کی وجہ سے پگڑی کی بیع جائز ہے عرف قیاس پر مقدم ہوتا ہے۔ جب حق الشرب اور حق المرور اور دیگر حقوقِ متاکدہ کی بیع اور شراء عرف کی وجہ سے جائز ہے تو حق قرار اور حق تصرف کی بیع بھی جائز، جس کو پگڑی کہا جاتا ہے۔ شامی میں مذکور ہے:

"ان عدم جواز الاعتیاض عن الحق لیس علی اطلاقہ و رئیت بخط بعض العلماء عن المفتی ابی سعود انہ افتی بجواز اخذ العوض فی حق القرار والتصرف و عدم صحت الرجوع و بالجملہ فالمسئلۃ ظنیۃ والنظائر متشابھۃ وللبحث فیہ مجال"

(ص:۴/۱۵)

ترجمہ: بیشک حق کے معاوضہ لینے کا عدم جواز اپنے اطلاق پر نہیں۔ میں نے بعض علماء کے خط سے مفتی ابو سعود سے نقل شدہ تحریر دیکھی، انہوں نے حقِ قرار اور حقِ تصرف کے معاوضہ لینے کے جواز اور رجوع کی عدم صحت کا فتوی دیا۔ حاصل کلام یہ کہ یہ مسئلہ ظنیہ ہے اور نظائر باہم متشابہ

ہیں اور اس میں بحث کرنے کی گنجائش نہیں۔

• نیز عرف کی وجہ سے پگڑی کی بیع کے جواز کی توجیہہ اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ پگڑی کی بیع میں زمین کا مالک ٹھیکیدار کو مارکیٹ ویلیو سے کم قیمت پر زمین فروخت کرتا ہے ٹھیکیدار اس پلاٹ پر فلیٹس تیار کر کے فروخت کرتا ہے یا کرایہ پر دیتا ہے اور دونوں صورتوں میں زمین کے مالک کا اذن ضروری ہوتا ہے اور کرایہ میں حاصل کچھ رقم زمین کے مالک کو اس وقت تک ملتی رہتی ہے جب تک وہ اپنے حقوق کسی دوسرے آدمی کو فروخت نہ کرے مذکورہ صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے زمین کی قیمت کے دو حصہ ہیں ایک نقد اور معجل اور دوسرا ادھار اور غیر معجل خریدار پہلے نقد رقم ادا کرتا ہے اور فلیٹ لے لیتا ہے اور ادھار کی رقم کرایہ کی صورت میں مالک کو ملتی رہتی ہے چونکہ پلاٹ کے اوپر مکان اور فلیٹس خریدار کے ہوتے ہیں اور پلاٹ مالک کا ہوتا ہے لہٰذا مشترکہ بلڈنگ میں مالک اور خریدار اپنے اپنے حصہ کی قیمت یا کرایہ وصول کرتے ہیں فقہاء کرام نے لکھا پلاٹ کے مالک کے اذن سے دوسرا آدمی اس پلاٹ پر مکان بنا سکتا ہے۔ مشترکہ مکان اور پلاٹ کی وجہ سے مکان کے ساتھ دونوں کا حق معلق ہو جاتا ہے۔ ہر ایک کو اپنے حصہ سے نفع اٹھانے کا حق ہے اس لئے یہ بیع جائز ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) لہٰذا پگڑی کی بیع سے حاصل رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ڈوبے ہوئے قرض پر زکوٰۃ نہیں ہے اور وہ قرض زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہو سکتا:

• ڈوب جانے والے قرض پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ وہ ہلاک شدہ مال یا مالِ ضمار کی طرح ہوتا ہے نیز قرض میں ڈوبی اور پھنسی ہوئی رقم میں یہ نیت کر لینا کہ وہ زکوٰۃ کی مد میں شمار ہو اور زکوٰۃ ادا ہو جائے جائز نہیں ہے۔ نیز اگر کسی فقیر پر صاحبِ مال کا دین ہو اور صاحبِ مال زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کا دین ساقط کر دے زکوٰۃ ادا نہیں

ہوگی کیونکہ زکوٰۃ کی ادا میں تملیکِ فقیر یعنی قبضہ دینا شرط بلکہ رکن ہے اور دین سے اسقاط اور ابراء میں قبضہ ممکن نہیں کیونکہ دین وصف ہوتا ہے لہٰذا ان سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ البتہ صاحب زکوٰۃ یہ کر سکتا ہے کہ فقیر کو مزید زکوٰۃ کی رقم دے کر پھر فقیر پر واجب دَین کی مد میں واپس کر لے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور فقیر کا دین بھی ادا ہو جائے گا۔ عنقریب زکوٰۃ کی مصارف میں اس کا ذکر آئے گا۔

حصص و شیئرز کی زکوٰۃ:

• بنکوں اور سودی کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے حصص کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے وہ لوگ جو غیر سودی کمپنیوں کے غیر سودی حصص کا کاروبار بطور تجارت کرتے ہیں ان پر مالِ تجارت کی طرح حصص کی مارکیٹ ویلیو کے مطابق قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے اور کمپنیوں کے مالکان پر کمپنی کے جامد اثاثہ جات کے علاوہ حاصل ذاتی آمدنی کے مقدار پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

پرائز بانڈز پر زکوٰۃ کا حکم:

• پرائز بانڈز کا کاروبار جائز ہے اور اس میں حاصل انعام بھی جائز ہے۔ اور حلال ہے ہم نے رفیق الفقہاء میں اس مسئلہ کو تفصیل سے تحریر کیا ہے لہٰذا پرائز بانڈز پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

مکانات اور دوکانوں اور فلیٹوں پر زکوٰۃ کا حکم:

• تجارت کی نیت سے خرید کردہ یا تیار کردہ مکانوں اور دوکانوں اور فلیٹوں کے مالکان پر ہر سال مارکیٹ ویلیو قیمت کے مطابق زکوٰۃ واجب ہے اور تجارتی مکانوں اور دوکانوں اور فلیٹوں سے حاصل کرایہ پر زکوٰۃ واجب ہے اور ذاتی رہائش کے مکانات اور فلیٹس کی ویلیو قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ آج کل کے عرف اور تعامل کی وجہ سے تجارت کی نیت سے خرید کردہ غیر تیار شدہ مکانوں اور دوکانوں اور فلیٹوں کی مالیت پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اگرچہ

ابھی تک ان کی تعمیر مکمل نہیں ہوئی۔ رجسٹریشن فائل پر قبضہ خرید کردہ مال پر قبضہ ہوتا ہے کیونکہ آج کل یہ کاروبار سرمایہ کاری اور تجارت اور مال بڑھانے کا نہایت نفع بخش اور محفوظ طریقہ ہے۔ کہ تعمیر سے پہلے بکنگ کرا کے مکان اور فلیٹ وغیرہ خرید کرلیا جائے اس لئے ان کی ہر سال مارکیٹ ویلیوز پر زکٰوۃ فرض ہو گی۔

جواہرات کی زکٰوۃ کا حکم:

- قیمتی ہیرے اور جواہرات اگر گھر میں استعمال کے لئے ہیں ان پر زکٰوۃ واجب نہیں ہے کیونکہ وہ مالِ تجارت نہیں ہیں اور اگر بطور تجارت ہیں، ان کی زکٰوۃ واجب ہے۔اور اگر کسی نے جواہر استعمال کرنے کے لئے خریدے مگر اس کی نیت میں ہے اگر ان میں قیمتِ خرید سے زیادہ نفع ملنے لگا تو ان کو فروخت کردونگا، ایسے جواہر پر زکٰوۃ واجب نہیں ہے۔ درمختار میں ہے: ''اِشْتَرٰی شَیْئًا لِلْقِنْیَۃِ نَاوِیًا اِنْ وَجَدَ رِبْحًا بَاعَہٗ لَا زَکٰوۃَ عَلَیْہِ'' (درمختار) یعنی کسی شخص نے استعمال کے لئے کوئی چیز خریدی اس نیت سے کہ اگر نفع پائے گا تو اسے فروخت کردے گا اس پر زکٰوۃ نہیں ہے، کیونکہ وہ مالِ تجارت نہیں ہے مالِ تجارت میں شرط یہ ہے کہ عقد بیع یا اجارہ کے وقت کنفرم نیت کرلی جائے کہ خرید کردہ شے کو نفع پر فروخت کیا جائے گا وہ مالِ تجارت ہوتا ہے۔ مشکوک نیت سے خرید کردہ مال تجارتی نہیں ہوتا اور اس پر زکٰوۃ واجب نہیں ہوتی۔ اگر عزم اور کنفرم نیت سے تجارت کے لئے خرید کردہ مال یا پلاٹ اس امید پر اپنے پاس دس سال تک محفوظ رکھا جائے کہ ابھی منافع کم ملے گا جب نفع زیادہ ملے گا اس مال کو فروخت کردوں گا، ہر سال اس مال کی زکٰوۃ واجب ہوگی۔ بلکہ اگر اس تجارتی مال کو بالتبع استعمال بھی کرتا رہے پھر بھی زکٰوۃ واجب ہوگی۔ جیسا کہ ہم نے شامی سے نقل کیا ہے۔ لہٰذا شوروموں میں تجارتی گاڑیوں کو اگر مالک استعمال بھی کرتا رہے ان کی زکٰوۃ

مالک پر واجب ہوگی۔ (نوٹ: قنیہ کا معنی استعمال کرنا ہے، اسٹور میں رکھنا نہیں۔)

جہیز کے لئے تیار زیورات کی زکٰوۃ کا حکم:

- آج کل رواج اور لوگوں کا تعامل ہے غیر شادی شدہ اولاد کے لئے سونے چاندی کے زیورات شادی سے پہلے بنوالیتے ہیں اگر والدین نے تیار کردہ زیورات یا خام سونے کا اولاد کو مالک بنادیا ہے۔ یہ کہ اولاد کو اختیار ہے اولاد چاہے تو انہیں فروخت کردے اور چاہے تو محفوظ رکھے اور والدین اولاد کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف نہ کرسکیں کیونکہ مالک بنانے کا یہی مفہوم ہے، ان زیورات کی زکٰوۃ والدین پر واجب نہیں ہوگی کیونکہ والدین تیار کردہ یا خرید کردہ زیورات اولاد کو گفٹ کرنے کے بعد زیورات کے مالک نہیں رہے پھر اگر اولاد بالغ ہے ان پر اپنے زیوراتِ مملوکہ کی زکٰوۃ واجب ہوگی اور اگر بچے نابالغ ہیں تو ان پر زکٰوۃ واجب نہیں ہوگی۔
- یاد رہے کہ تیار کردہ یا خرید کردہ زیورات بچوں کی طرف صرف نسبت کرنے سے والدین کے ملک سے خارج نہیں ہوتے، والدین پر ان کی زکٰوۃ ہر سال واجب ہوتی رہے گی۔ یہی حکم محفوظ کرنسی کا ہے مگر زیورات اور کرنسی کے علاوہ جہیز کے لئے تیار شدہ کپڑے اور صوفے وغیرہ پر زکٰوۃ نہیں ہے۔

حج کے لئے محفوظ رقم کی زکٰوۃ کا حکم:

- حج کے لئے محفوظ رقم پر اگر سال گذر چکا ہے، اس پر زکٰوۃ واجب ہے جب تک حاجی کا سفر شروع نہیں ہوتا اس وقت تک حج کے لئے حکومت یا ٹریول ایجنٹوں کے پاس رقم بطور قرض ہوتی ہے۔ اس میں حکومت اور ایجنٹوں کو مالک کی جانب سے سفر شروع ہونے سے پہلے تصرف کی اجازت ہوتی ہے۔ جس مال میں دوسرے آدمی کو تصرف کی اجازت ہو وہ قرض ہوتا ہے یہ امانت نہیں ہوتی۔ اگر

یہ رقم امانت ہوتی اور تلف ہو جاتی تو اس کی ضمان واجب نہ ہوتی حالانکہ حاجی سفر نہ کر سکے تو اس کی رقم اسے واپس ملتی ہے اور اگر حکومت یا ایجنٹوں سے ضائع ہو جائے پھر بھی رقم واپس ملتی ہے لہٰذا حاجی پر اس رقم کی زکوٰۃ واجب ہو گی۔

زکوٰۃ کے وجوب کا چھٹا سبب:

• زکوٰۃ کے وجوب کے ظاہری اسباب سے چھٹا سبب مال کا نامی ہونا ہے یعنی وہ مال بڑھنے والا ہو پھر بڑھوتری (نمو) کی دو قسمیں ہیں نمو حقیقی اور نمو تقدیری، نمو حقیقی تین اموال میں ہوتا ہے حیواناتِ سائمہ (چراگاہوں میں چرنے والے جانور اور مالِ تجارت اور نقود) جانوروں میں توالد اور تناسل سے اضافہ ہوتا رہتا ہے اور مالِ تجارت میں منافع بڑھنے سے اضافہ ہوتا ہے اور نقدین اور سونا اور چاندی اور کرنسی میں قیمت بڑھنے سے اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور نمو تقدیری یہ کہ مال میں اضافہ اور بڑھوتری پر قدرت حاصل ہو خواہ وہ مال مالک کے قبضہ میں بالفعل ہو یا مستقبل میں اس کے قبضہ میں آئے۔ اس کی مثال دین میعادی اور غیر میعادی کے ساتھ دی جاتی ہے کیونکہ مدیون کے قبضہ میں ہونے والے دین پر مالک کو تقدیراً قدرت حاصل ہوتی ہے کہ اگر دین غیر میعادی ہے تو اس کو کسی وقت واپس لیکر بڑھا سکتا ہے اور اگر میعادی ہے میعاد کے بعد واپس لے کر بڑھا سکتا ہے اس لئے دین کی زکوٰۃ مالک پر واجب ہو گی کیونکہ دین مال نامی ہے مال مفقود اور دین مجحود جس کا کوئی ثبوت نہیں اور غیر معروف آدمی کے پاس امانت یہ کہ اجنبی آدمی اور انجان آدمی کو کہا جائے یہ مال اپنے پاس رکھیں، فلاں تاریخ کو واپس آکر لے لوں گا اور اجنبی آدمی نہ ملے اور اس کا پتہ نہ چلے اور مالک اس سے مایوس ہو جائے اور ظالم حاکم کے پاس غصب شدہ مال کی طرح دین نہیں ہے۔ یہ سب اموال غیر نامی اور اموالِ ضمار ہیں اس لئے ان اموال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے مگر دین مالِ نامی میں داخل ہے، مالِ ضمار نہیں، اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

• آج کل بڑے بڑے شہروں کراچی لاہور اسلام آباد وغیرہا میں لینڈ مافیا کا دور ہے لوگوں کے ذاتی پلاٹوں اور مکانوں پر اسلحہ کے ذریعے جبراً قبضہ کر لیا جاتا ہے اور مالکوں کے پاس ان پلاٹوں اور مکانوں کے مالک ہونے کے گواہ اور الاٹمنٹ کے دستاویزی ثبوت بھی موجود ہوتے ہیں مگر غریب مالکوں کا وڈیروں اور جاگیرداروں سے عدالت کے ذریعے بھی پلاٹ یا مکان واپس لینا ناممکن ہوتا ہے اگر مالکان کو پلاٹ یا مکان واپس ملنے کی امید نہ ہو اور یہ پلاٹ یا مکان تجارت کے ہوں تو مقبوضہ مکان یا پلاٹ مال ضمار میں شمار ہوں گے اگر اتفاق سے واپس مل جائیں، مالکوں پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی، واپسی کے بعد نئے سال مکمل ہونے پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔

بینکوں میں رہن رکھے پلاٹوں کا حکم:

• آج کل غیر منقولہ اثاثوں مکان پلاٹ جائیداد وغیرہا اوریجنل اور اصلی کاغذات بنکوں میں بطور رہن اور زرِ ضمانت رکھ کر قرضے حاصل کئے جاتے ہیں مگر جائیداد مالک کے تصرف میں رہتی ہے، بنکوں کو قبضہ نہیں دیا جاتا۔ ایگریمنٹ شرائط کے مطابق صرف ان جائیدادوں کو قرض واپس کرنے کی مدت تک بنک کی اجازت کے بغیر فروخت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کاغذات بنک کے پاس ہوتے ہیں اگر غیر منقولہ اثاثے جن کے کاغذات بنکوں میں رکھوائے گئے ہیں تجارتی پلاٹ یا مکان ہوں اور مالک کے قبضہ اور تصرف میں ہوں، شرعاً یہ رہن نہیں ہوں گے۔ ان کی زکوٰۃ مالک پر واجب ہو گی کیونکہ ایسے معاملات میں اثاثے مال ضمار نہیں بنتے اور نہ ہی انہیں حقیقی رہن کہا جائے گا کیونکہ عقد رہن میں مرہونہ اشیاء مالک اور راہن کے قبضہ میں نہیں ہوتیں بلکہ راہن مرہونہ اشیاء کو مرتہن کے قبضہ میں دے دیتا ہے راہن (مالک) ان سے نفع نہیں اٹھا سکتا۔ یہاں تو اثاثے خود مالک کے قبضہ میں ہیں، وہ نفع بھی اٹھا رہا ہے۔ اگر قرض واپس نہ کیا جا سکے تو بینک

● ہدایہ میں ہے:

"وَلَوْ كَانَ الدَّيْنُ عَلٰى مُقِرٍّ مَلِيْئٍ اَوْ مُعْسِرٍ تَجِبُ الزَّكٰوةُ لِاِمْكَانِ الْوُصُوْلِ اِلَيْهِ اِبْتِدًا اَوْ بِوَاسِطَةِ التَّحْصِيْلِ"

(ہدایہ مع فتح القدیر، مکتبہ سکھر۔ ص:۲/۱۲۳)

یعنی اگر دین غنی پر واجب ہو اور وہ اس کا اقرار کرتا ہے یا تنگ دست اور فقیر پر دین واجب ہے اور وہ اقرار کرتا ہے اس دین کی زکوٰۃ مالک پر واجب ہوگی۔

(بشرطیکہ نصاب بنتا ہو یا دوسرے مال کے ساتھ مل کر نصاب بن جائے) کیونکہ غنی پر دین تک مالک ابتدا میں پہنچ سکتا ہے اور فقیر تنگ دست پر دین تک مالک کا پہنچنا بھی ممکن ہے کیونکہ فقیر کسب وغیرہ سے دین ادا کرنے کی طاقت حاصل کرلے گا لہٰذا غنی یا فقیر پر واجب دین کی قبضہ کے بعد صاحب دین پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی واجب ہوگی بشرطیکہ وہ دین قوی ہو یا متوسط ہو کیونکہ دین ضعیف میں گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

زکوٰۃ واجب ہو مگر قربانی واجب نہ ہو:

● دین پر زکوٰۃ کے وجوب کی علت (امکان حصول یا تحصیل) کے متعلق صاحب عنایہ لکھتے ہیں، علامہ تمرتاشی نے کہا ہے کہ صاحب ہدایہ نے زکوٰۃ کے وجوب کی علت امکانِ حصول تو ذکر کردی ہے مگر اس علت کی وجہ سے قربانی کے وجوب کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ بعض علماء نے کہا ایسے مدیون پر قربانی واجب نہیں ہوگی جس کے پاس دین مملوک کے علاوہ غنا کے معیار کا نصاب نہیں ہے۔ زکوٰۃ کے وجوب اور قربانی کے عدم وجوب کے متعلق صاحب عنایہ تحریر فرماتے ہیں:

"لِاَنَّ الْمِلْكَ يَكْفِيْ لِوُجُوْبِهَا مَعَ وُجُوْدِ التَّمَكُّنِ مِنَ الْوُصُوْلِ

عدالت کے ذریعہ ان اثاثوں کو فروخت کرکے قرض کی رقم حاصل کرسکتا ہے گویا یہ اثاثے زرِ ضمانت کی طرح محبوس بالدین ہوتے ہیں مگر ان اثاثوں میں زکوٰۃ کے اموال بھی ہوتے ہیں ان کے مالکان پر ان کی زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ وہ مرہونہ اشیاء کی طرح نہیں ہوتے۔

بینکوں میں رکھی گئی منقولہ اشیاء کا حکم:

● منقولہ اشیاء سونا یا چاندی بھی بینکوں میں رکھ کر قرض لیا جاتا ہے یہ عام رواج اور عرف ہوگیا ہے۔ بنکوں میں بطور زرِ ضمانت رکھے گئے سونے اور چاندی کا حکم رہن والا ہوگا۔ بنکوں میں رکھے گئے سونے اور چاندی کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہیں ہوگی مگر اس سونے یا چاندی کی ضمان پر حاصل کردہ قرض کی قرض دہندہ بنکوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ اس کا نصاب دین سے زائد ہو۔ سونا اور چاندی اگر رہن ہو تو محبوس بالدین ہونے کی وجہ سے کالعدم ہوتا ہے، راہن پر اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ چنانچہ فتح القدیر میں علامہ ابن ہمام نے ذکر فرمایا کہ سونا اور چاندی خلقی مالِ تجارت ہیں، اگر رہن بھی ہوں، ان پر زکوٰۃ واجب ہونی چاہئے تھی۔ آپ نے فرمایا، مگر رہن ہونے کی صورت میں سونا اور چاندی کالعدم ہوتا ہے اور معدوم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی چونکہ بنکوں میں رکھے گئے سونے اور چاندی کے زیورات میں بنکوں کو تصرف کی اجازت نہیں ہوتی اس لئے زیورات قرض نہیں ہوتے بلکہ امانت اور رہن ہوتے ہیں اور رہن پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔

انکار شدہ دین کا حکم:

● اگر مدیون نے دین کا انکار کردیا تھا اور اس پر گواہ یا دستاویزی ثبوت موجود نہیں تھے مدت کے بعد مدیون نے اقرار کرلیا یہ دین بھی مال ضمار میں شمار ہوگا کیونکہ اس کے واپس ملنے کی امید نہیں تھی اور ملک باقی تھا لہٰذا اس دین پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ (در مختار)

اِلَیْہِ کَابْنِ السَّبِیْلِ وِفِی الْاُضْحِیَّۃِ لَا یَکْفِیْ بِدَلِیْلِ ابْنِ السَّبِیْلِ فَاِنَّہَا لَاتَجِبُ عَلَیْہِ" (ص: ۱۲۳ حاشیہ)

ترجمہ: کیونکہ زکٰوۃ کے وجوب کے لئے مال کا مالک ہونا کافی ہوتا ہے جب مال تک پہنچنے اور وصول کی قدرت موجود ہو جیسے مسافر کے لئے اور قربانی میں صرف ملک اور وصول کی قدرت کافی نہیں ہوتی اس کی دلیل بھی مسافر ہے۔ مسافر (اگرچہ غنی ہو) اس پر قربانی واجب نہیں ہوتی لہٰذا صرف دین کے نصاب کے مالک پر قربانی واجب نہیں ہوگی اور زکٰوۃ واجب ہوگی۔ دین کی وجہ سے وہ شخص ایسا غنی نہیں ہوگا جس پر قربانی واجب ہو۔

ملک رقبہ اور ید کا مفہوم:

● وصول اور تحصیل کے کلمات سے معلوم ہوا کہ ملک رقبہ کا مفہوم یہ ہے کہ مال آدمی کے ملک میں ہو اور ملک ید کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی مال کا حقیقی مالک ہونے کے ساتھ ساتھ مال خود متصرف ہو یا اس کے اذن سے مدیون متصرف ہو اور مال تک وصول کی قدرت بھی حاصل ہو اسی کو ملک تام کہتے ہیں جیسے مسافر کے مال کا مسئلہ ہے کہ مسافر کے قبضہ میں مال نہیں ہوتا مگر مسافر کو اس مال پر ملک ید حاصل ہوتا ہے کیونکہ مال مسافر کے نائبین کے تصرف میں ہوتا ہے اور مال تک مالک کا پہنچنا ممکن ہے۔ لہٰذا مسافر کو اپنے مال پر ملکِ کامل حاصل ہوتا ہے اور اگر مال کے حصول کے امکان کی امید نہ ہو وہ مالِ ضمار ہوتا ہے، اگر امید ہو وہ مالِ ضمار نہیں ہوتا۔ اسی لئے فقیر پر دین بھی مال ضمار میں داخل نہیں ہوتا۔

● لہٰذا بعض علماء کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ جی پی یا پراویڈنٹ فنڈ پر مالک کا ملک تام اور ملک ید نہیں ہوتا کیونکہ ملک ید (قبضہ) کا مفہوم یہ نہیں کہ قبضہ بالفعل اور بلا واسطہ ہو بلکہ مفہوم یہ ہے کہ مال تک وصول ممکن ہو حالاً یا مآلاً (حال میں یا

مستقبل میں) حالاً جیسے غنی میں ہوتا ہے اور مآلاً جیسے فقیر یا مفلس پر دین میں ہوتا ہے اور مال خود مالک یا اس کے ماذون کے تصرف میں ہو۔

دیوالیہ کے دین کا حکم:

● اگر فقیر کو قاضی (جج) نے دیوالیہ قرار دیا اس میں امام محمد کا قول یہ ہے مفلس (دیوالیہ قرار دیا گیا) کے دین میں صاحبِ دین پر گذشتہ سالوں کی زکٰوۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ دیوالیہ قرار دیے گئے دین کی واپسی کی امید ختم ہوگئی ہے لہٰذا یہ دین مال ضمار کی طرح ہوگا مگر امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ قاضی کا فیصلہ فلاں آدمی دیوالیہ اور مفلس ہے کوئی چیز نہیں، دیوالیہ پر دین کی زکٰوۃ دین کے صاحب پر واجب ہوگی کیونکہ مال غاد اور رائح ہوتا ہے یعنی مال صبح چلا جاتا ہے اور شام کو آجاتا ہے مال آنی جانی چیز کا نام ہے۔ مفلس کے دین پر وجوب زکٰوۃ میں ابو یوسف امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہیں۔

● صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں قاضی کی جانب سے تفلس اگرچہ متحقق ہے مگر دین کا محل ذمہ ہے مال نہیں اور مطالب موجود ہیں حتی کہ صاحب دین کو مفلس کے ساتھ لازم اور چمٹے رہنے کا حق حاصل ہے ملازمۃ کے حق کا باقی رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ دیوالیہ پر دین باقی ہے لہٰذا جب صاحب دین مفلس سے دین پر قبضہ کرے گا اسے سابقہ سالوں کی زکٰوۃ دینا ہوگی۔ (ص: ۲/۱۲۴۔ باب الزکٰوۃ)

● اگر دین جاہد اور منکر پر لازم ہے اس پر گواہ نہیں اور دستاویزی ثبوت بھی نہیں ہیں اور انکار پر قاضی کی عدالت میں قسم اٹھالیتا ہے ایسا دین اگر واپس مل جائے اس دین پر گذشتہ سالوں کی زکٰوۃ واجب نہیں ہوگی اور اگر گواہ موجود ہوں یا قاضی کو علم ہے کہ فلاں آدمی پر فلاں کا دین واجب ہے امام محمد کے قول پر ایسا دین مل جائے تو گذشتہ سالوں کی زکٰوۃ واجب نہیں ہوگی۔ علامہ شامی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ ہر قاضی عدل کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ گواہ عادل میسر

ہوتے ہیں عدالتوں کی تذلیل سے بچنے کے لئے بہت لوگ صاحب حق ہونے
کے باوجود عدالتوں کارخ نہیں کرتے لہٰذا یہ دین بھی مال ضمار کی طرح ہے قبضہ
کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی مگر شیخین کے قول پر گذشتہ
سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

• غنی اور فقیر اور مفلس پر دین میں صاحبِ دین پر وصول کے بعد گذشتہ سالوں
کی زکوٰۃ تب واجب ہوگی جب یہ دین قوی ہو یا متوسط ہو اور اگر دین ضعیف ہو تو
اس دین کی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

ایک عجیب صورت:

• اگر کسی غنی کا فقیر پر ایک ہزار دینار دین لازم ہے فقیر ایک دینار سے ایک
ہزار دینار کا دین خرید کر لے اور پھر غنی ایک دینار لیکر فقیر کو ہبہ کردے پھر بھی
غنی پر ایک ہزار دینار کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ غنی کا دین کے بدل ایک دینار
پر قبضہ گویا ایک ہزار پر قبضہ ہے لہٰذا غنی پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی واجب
ہوگی کیونکہ دین وصول ہوگیا (شامی)

• اگر غنی کا دوسرے آدمی پر دین واجب تھا غنی نے دین کسی دوسرے آدمی کو
ہبہ کردیا اور اسے قبضہ کا وکیل بنالیا، موہوب لہ نے دین پر قبضہ کرلیا دین ہبہ
کرنے والے مالک پر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ وکیل کا قبضہ مالک
کا قبضہ ہوتا ہے لہٰذا دین تک وصول ہوگیا۔ (ص:۳/۱۸۵۔دارالباز)

• ذکر کردہ دین کی سب صورتوں میں دین کے وصول کے بعد صاحبِ دین کو
گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب ہوگا۔ اگرچہ نفس وجوب ہر سال مکمل
ہونے پر لازم ہوجاتا ہے اور اگر دین کے وصول اور قبضہ سے پہلے کوئی شخص
واجب دین کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو پھر بھی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔

دین کے استہلاک کا حکم:

• استہلاک یعنی دین کو سال کے بعد قصداً اپنے ملک سے نکالنے کا حکم بھی
وصول اور قبضہ کا ہوتا ہے مثلاً کسی آدمی پر دین کی کئی سالوں کی زکوٰۃ واجب تھی
اس نے مدیون کو دین سے بری کردیا یعنی اسے دین معاف کردیا، دین کے صاحب
کو گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی کیونکہ صاحب دین کی طرف سے
مدیون کو بری کرنا استہلاک اور تعدی ہے جو کہ قبضہ کے حکم میں ہے۔
(شامی، ص:۳/۱۸۵)

ملک تام اور ملک ید کی مزید توضیح:

• سابقہ مسائل سے ملک ید حقیقی اور اصلی اور ملک ید تقدیری اور نمو تحقیقی
اور نمو تقدیری کے مفہوم کا ذکر ہوچکا ہے مگر اس کی توضیح یہ ہے کہ ملک ید
حقیقی اور اصلی یہ ہے کہ مال بالفعل مالک کے قبضہ اور تصرف میں ہو یعنی مال
مالک حقیقی کے پاس ہو اور ملک ید تقدیری یہ ہے کہ مال مالک کے قبضہ اور
تصرف میں بالفعل نہ ہو بلکہ مدیون کے تصرف میں ہو۔ چونکہ مدیون کا قبضہ اور
تصرف صاحبِ دین کی اجازت سے ہوتا ہے اس لیے مدیون کا تصرف اور قبضہ
بالواسطہ مالک کا قبضہ اور تصرف ہوتا ہے۔ اگر دین ممکن الوصول اور ممکن الانتفاع
ہو، یہ بھی ملک ید ہوتا ہے، جس کی مثال دین ممکن الحصول کی سابقہ صورتوں
میں مذکور ہے اس میں دین معجل قوی یا متوسط اور دین مؤجل (میعادی اور
غیر میعادی) کی سب صورتیں داخل ہیں اگر کوئی شخص دین کا حقیقی مالک ہے
اور دین ممکن الحصول ہے، صاحبِ دین اور مالک کو اس دین پر ملک تام حاصل
ہوتا ہے اگرچہ دین میعادی ہو اور میعاد چالیس سال بھی ہو، اسی کو ملک تام کہتے
ہیں۔ کیونکہ یہ دین صاحبِ دین کے نائب مدیون کے تصرف میں ہے اور ممکن
الحصول ہے اس دین کی گذشتہ سالوں سے ہر سال کی زکوٰۃ صاحب دین پر واجب
ہوگی لہٰذا اسے دین کے وصول کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب

ہوگا کیونکہ صاحب دین کو دین پر ملک ید یعنی ملک تام حاصل تھا جیسے مسافر کا اپنے مال پر بالفعل قبضہ نہیں ہوتا مگر اس پر مسافر کا ملک تام ہوتا ہے۔

• امام زفر اور امام شافعی کے نزدیک تو مال مفقود اور ساقط فی البحر وغیرہا جو کہ مال ضمار ہیں، پر بھی زکٰوۃ واجب ہوتی ہے۔ صاحب فتح القدیر حنفی ان اماموں کا عقلی جواب دیتے ہیں کہ مال ضمار میں نہ نمو تحقیقی ہے اور نہ تقدیری اور زکٰوۃ کا سبب مال کا نامی ہونا ہے، تحقیقًا نامی ہو یا تقدیرًا کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ جواہر نفیسہ اگرچہ کروڑوں کے ہوں مگر تجارت کے لئے نہ ہوں، ان کی زکٰوۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ جواہر مال نامی نہیں ہیں۔ تجارت کی حقیقت کا اثبات ولایت ید سے (قبضہ سے) ہوتا ہے، جب ضمار کے مال پر حالاً اور مآلاً قبضہ نہیں تو استنماء (نمو) تحقیقی متصور نہیں ہو سکتا۔ جب ضمار کے مال میں نمو تحقیقی متصور اور ممکن نہیں تو نمو تقدیری بھی متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ جہاں تحقیقی استنماء ممکن ہو سکے وہاں تقدیری ہو سکتا ہے لہٰذا نقدین سونا اور چاندی بھی مال ضمار ہوں تو ان میں استنماء تقدیری نہیں ہوگا (حالانکہ) سونے اور چاندی میں استنماء طبعی اور خلقی اور تقدیری ہوتا ہے۔ (ص:۲/۱۲۳) لہٰذا ضمار کے مال میں زکاۃ کا قول صحیح نہیں۔

• معلوم ہوا جس دین کے حصول کا امکان ہو اس دین میں (استنماء) نمو تحقیقی متصور ہو سکتا ہے لہٰذا اس دین میں استنماء تقدیری کا وجود بھی ضروری ہوگا۔ اگر نمو تحقیقی نہ ہو تو تقدیری ہوگا جس کی وجہ سے دین ممکن الحصول پر زکٰوۃ واجب ہوگی وجوب زکٰوۃ کے لئے بالفعل قبضہ ضروری نہیں ہوگا۔

• صاحب فتح القدیر نے فرمایا:

"وَعَنْ هٰذَا انْتَفٰى فِي النَّقْدَيْنِ اَيْضًا لِانْتِفَاءِ نُمَائِهِمَا التَّقْدِيْرِيِّ بِانْتِفَاءِ تَصَوُّرِ التَّحْقِيْقِيِّ بِانْتِفَاءِ الْيَدِ فَصَارَ بِانْتِفَائِهَا كَالتَّاوِيْ" (ص:۲/۱۲۳)

ترجمہ: اسی بنیاد پر ضمار کے سونے اور چاندی میں بھی استنماء کی نفی ہوگی کیونکہ نقدین میں نمو تقدیری کی نفی نمو تحقیقی کے تصور اور امکان کی نفی انتفاء ید کی وجہ سے ہوتی ہے لہٰذا نقدین اگر مالِ ضمار ہوں، ان میں استنماء تقدیری بھی نہیں ہوگا، پس مال ضمار انتفاء ید کی وجہ سے ہلاک شدہ مال کی طرح ہو جائے گا اور اس پر زکٰوۃ واجب نہیں ہوگی۔

لہٰذا امام زفر اور شافعی کا قول صحیح نہیں ہے یعنی استنماء تقدیری بالفعل اس مال میں ہوتا ہے جہاں استنماء تحقیقی کا امکان ہو اور اگر استنماء تحقیقی کا امکان نہیں تو استنماء تقدیری جو اس کا خلف اور نائب ہے وہ بھی نہیں ہوگا یہی تفصیل ید تحقیقی (بالفعل) اور ید تقدیری (بالقوۃ) میں ہوگی جس مال میں حصول کی امید ہوگی وہاں ید تقدیری کا وجود ہوگا اور زکٰوۃ بھی واجب ہوگی۔ جس مال کے حصول کی امید نہیں ہوگی وہاں نہ ید تحقیقی ہوگا اور نہ تقدیری، جس طرح ضمار کے مال میں ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

• ہمارا ان علماء سے سوال ہے جو جی پی فنڈ پر زکٰوۃ کے وجوب کی نفی کرتے ہیں: کیا ہم جی پی فنڈ اور پراویڈنٹ فنڈ کو ہالک کہہ سکتے ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہ دونوں فنڈ مالِ ضمار کی طرح نہیں ہیں، ان میں ملازم پر زکٰوۃ واجب ہے۔

زکٰوۃ کی ادائیگی فرض ہونے کا سبب حقیقی:

• زکٰوۃ کے فرضیت میں دو امر ہوتے ہیں زکاۃ کا نفس وجوب اور زکٰوۃ کی ادا کا وجوب جس طرح نماز کا نفس وجوب علیحدہ ہے اور ادا کا وجوب علیحدہ امر ہے اسی طرح زکٰوۃ میں بھی دو امر ہوتے ہیں نفس وجوب کی شرائط کا ذکر ابتدا میں گذر چکا ہے یعنی عقل اور اسلام اور بلوغ وغیرہا اور زکٰوۃ کے ادا کے فرض ہونے کے چھ ظاہری غیر حقیقی اسباب اور ان پر تفریعات کا ذکر بھی گذر چکا ہے مگر

زکوٰۃ کی ادا کا حقیقی سبب صرف ایک ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کا خطاب:

"وَاَقِیۡمُوۡا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوۡا الزَّکٰوۃَ" (آیت: ۴۳۔بقرہ)

ترجمہ: نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

زکوٰۃ کی ادا فرض ہونے کی شرائط کا ذکر:

- زکوٰۃ کی ادا کا سبب اور ادا کے شرائط دو الگ امر ہیں، لہٰذا ادا فرض ہونے کی چار شرطیں ہیں: اوّل، حولانِ حول یعنی ایک مالک کے ملک میں مالِ مملوک پر ایک سال مکمل ہو۔ دوم، مال میں ثمنیۃ ہو یعنی اشیاء خریدنے میں اس مال کے استعمال کرنے کے کا رواج ہو جیسے قدیم زمانہ میں دینار اور درہم سونے اور چاندی کے سکے چلتے تھے اور ہمارے زمانہ میں کرنسی نوٹ لہٰذا ان میں ثمنیۃ ہے۔ سوم، مال میں اسامۃ ہو۔ چہارم، نقود کے علاوہ دوسرے اموال میں تجارت کی نیت ہو۔
- فائدہ: فقہاء کرام دراہم اور دنانیر اور خام سونے اور چاندی سب کو ثمن خلقی کہتے ہیں اور کرنسی نوٹوں کو عرفی ثمن کہتے ہیں ثمن خلقی اور عرفی اور حیوانات کے علاوہ اموال کو عروض کہتے ہیں۔

شرائط کی تفصیل:

(ا) پہلی شرط

- ایک ملک میں مالِ مملوک پر سال مکمل ہو یعنی مال سال بھر ایک آدمی کے ملک میں رہے اور اس مال پر سال مکمل ہو جائے۔ یہاں چند امور قابل غور ہیں۔

ملکِ تام کا مفہوم:

- اوّل یہ کہ یہاں ملک سے ملک تام اور کامل مراد ہے اگر مال پر آدمی کا ملک ناقص ہے تو اس مال کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہیں ہو گی ملک تام کی پہلے وضاحت ہو چکی ہے ملک تام یہ ہے کہ حال یا مستقبل میں مال میں قبضہ اور تصرف کی

قدرت کی امید ہو اور ملک ناقص صرف اس مال میں ہوتا ہے جو مال ضمار کی تعریف میں آتا ہے یعنی مال میں مالک کا ملک تو باقی ہو لیکن اس کے واپس ملنے کی امید نہ ہو یا ملک ناقص مال مرہون میں ہوتا ہے کیونکہ مرتہن کو مرہون میں شرعاً تصرف کی اجازت نہیں ہوتی لہٰذا مرتہن قبضہ اور تصرف میں راہن کا نائب نہیں ہوتا۔ چونکہ مالک کو مرہون مال میں براہِ راست اور بالواسطہ نائب تصرف کا حق نہیں ہوتا، اس لیے مالک کا ید مرہون مال پر ناقص ہوتا ہے نیز مرہون مال مالک کی جانب سے اپنے اختیاری التزام کی وجہ سے مضمون بالدین ہوتا ہے یعنی مرہون مال کے عوض لئے گئے قرض اور دین کا تعلق مرہون مال کے عین کے ساتھ ہوتا ہے قرض خواہ اور مقروض کے دوسرے اموال کے ساتھ نہیں ہوتا اس وجہ سے مرہون مال کے ملک میں مکاتب کے مال کی طرح تردد واقع ہو جاتا ہے کہ اگر قرض واپس کر دیا گیا تو مرہونہ اشیاء مالک کو واپس ملیں گے اور قرض خواہ اور مقروض نے قرض واپس نہ کیا تو مرہونہ اشیاء مالک کو واپس نہیں ملیں گی اسلئے مرہونہ مال میں مالک کا ملک ناقص ہوتا ہے۔

- یہی حال مکاتب کے مال میں ہوتا ہے کہ اگر اس نے بدل کتابت ادا کر دیا تو مکاتب آزاد ہو کر مال کا مالک سمجھا جائے گا اور اگر بدل کتابت ادا نہ کر سکا تو مکاتب کے مال کا مولی مالک ہو گا، مکاتب نہیں ہو گا۔ لہٰذا مکاتب کے مال میں مکاتب کے مالک کا ملک ناقص ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ شامی اور دیگر فقہاء کرام نے ملک تام کے لفظ کے تحت جو کہ زکوٰۃ کے فرض ہونے کے اسباب میں ذکر کیا جاتا ہے مکاتب کے مال اور مال ضمار کی صورتوں کی مثالیں اکٹھے ذکر کیں کہ ان میں ملک ناقص ہوتا ہے چنانچہ در مختار میں "تَامٌّ بِالرَّفۡعِ صِفَۃُ مِلۡکٍ خَرَجَ بِہٖ مَالُ الۡمُکَاتَبِ" (ص:۱۷۵/۳) یعنی تام کا لفظ ملک کی صفت ہے اس سے مکاتب کا مال خارج ہو گیا۔ اور علامہ شامی نے

فرمایا: ''قُلْتُ وَ خَرَجَ اَیْضًا نَحْوُ الْمَالِ الْمَفْقُوْدِ وَالسَّاقِطُ فِی بَحْرٍ'' (ص:۱۷۵/۳) ترجمہ: میں کہتا ہوں تام کے لفظ سے مال مفقود اور سمندر میں ساقط مال خارج ہو گیا یعنی ملک ناقص یا تو اس مال میں ہوتا ہے جس میں مالک کے ملک میں آنے میں تردد اور شک ہو جیسے مکاتب کا مال یا اس مال میں ملک ناقص ہوتا ہے جس میں مالک کا ملک کالعدم اور کالھلاک ہوتا ہے جیسے ضمار کا مال جس میں واپسی کی امید نہیں ہوتی اگر ایسا مال نہ ہو تو اس مال میں ملک تام اور کامل ہوتا ہے اگرچہ وہ دین ہو خواہ میعادی ہو یا غیر میعادی اسلئے ہر دین کی زکوٰۃ مالک اور صاحبِ دین پر واجب ہوتی ہے کیونکہ دین کے ملک میں نہ تردد ہوتا ہے اور نہ وہ کالعدم ہوتا ہے بلکہ مالک کے اذن سے مدیون کا دین پر قبضہ اور تصرف بالواسطہ مالک کا قبضہ اور تصرف ہوتا ہے۔اِلاّ یہ کہ ایسا دین ہو جس کی واپسی کی امید نہ ہو جیسے دین مجحود جس پر گواہ نہ ہوں۔یا مال مغصوب جس میں غاصب کا اقرار نہ ہو اور گواہ بھی نہ ہوں، مالک پر ان کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

بعض معاصر علماء سے اختلاف:

• فقہاء کرام کی اصطلاح میں ملک رقبہ اور ملک ید کا مفہوم گذشتہ تفصیل کے تناظر میں متعین کیا جانا چاہیے۔بعض علماء نے ملک ید کا معنی بالفعل قبضہ کے ساتھ کیا ہے اگر یہ مفہوم ہو تو یہ مفہوم کسی دین پر صادق نہیں آتا بلکہ مسافر کے مال پر بھی صادق نہیں آتا لہٰذا ملک ید کا مفہوم بالفعل قبضہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ ملک حقیقی کے بقاء کے ساتھ ساتھ اس مال کے ملک میں تردد نہ ہو اور اس مال میں ملک معدوم کی طرح نہ ہو۔یعنی مال پر بلاواسطہ تصرف کی قدرت ہو یا بالواسطہ مال پر قبضہ ہو اور تصرف ہو حال میں قبضہ ہو یا مستقبل میں قبضہ کی قوی اُمید ہو۔دونوں صورتوں میں ملکِ تام ہوتا ہے۔

• دوم، یہ کہ حولانِ حول سے مراد یہ ہے کہ مال کا نصاب سال کے اول اور آخر

میں کامل اور قائم ہو درمیان سال نقصان سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی جیسا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

ادا کی دوسری شرط —مال میں ثمنیت ہونا:

• دوسری شرط یہ ہے کہ مال میں ثمنیۃ ہو خرید کردہ مال کے عوض ہر وہ چیز جس کا وزن کیا جا سکتا ہے یا کیل ہو سکتا ہے وہ ثمن ہو سکتی ہے مگر یہاں ثمن سے مراد سکہ رائج الوقت ہے یعنی کرنسی اور دراہم اور دینار اور خام سونا اور چاندی ثمن ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے زمین کی تخلیق کے ساتھ سونا اور چاندی کو تجارت کے لئے پیدا کیا گیا لہٰذا سونا، چاندی اور ان کے سکے ثمنیۃ کے لئے متعین ہوتے ہیں ان کی زکوٰۃ لازم ہے جس طرح بھی مالک اپنے پاس رکھے اگرچہ گھر کے اخراجات اور حاجات کے لئے ہوں اور یہی حکم کرنسی نوٹوں کا ہے۔ (ردالمحتار، ص:۱۸۶/۳)

ادا کی تیسری شرط —حیوانات میں اسامت کا پایا جانا:

• تیسری شرط، اگر مال حیواناتِ سائمہ ہوں ان میں اسامۃ پایا جائے یعنی توالد اور تناسل کی نیت سے انہیں چھ ماہ سے زیادہ سرکاری یا فری چراگاہوں سے مفت اور فری چارہ فراہم ہو چونکہ حیوانات میں باربرداری اور سواری اور دیگر اعمال میں استعمال ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے اس لئے حیوانات میں زکوٰۃ تب واجب ہو گی کہ اسامۃ کی نیت کی جائے یا عمل اسامۃ بالفعل پایا جائے لہٰذا سواری اور باربرداری کے لئے رکھے گئے حیوانات سیکڑوں بھی ہوں ان کی زکوٰۃ مالکان پر واجب نہیں ہو گی، تفصیل حیوانات کی زکوٰۃ میں ذکر کی جائے گی۔ (ص:۱۸۶/۳۔شامی)

ادا کی چوتھی شرط —مالِ عروض میں تجارت کی نیت کا ہونا:

• چوتھی شرط، اگر مال عروض ہوں تو ان میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرط یہ

ہے کہ ان میں تجارت کی نیت ہو یا تو صراحت کے ساتھ نیت ہو جیسے کسی مال کے خریدنے کے وقت خریدار یہ کہے کہ یہ مال میں مالِ تجارت کی نیت سے خرید رہا ہوں ایسا مال واجب الزکاۃ ہوگا یا نیت دلالت اور قرائن اور عرف کی وجہ سے ہو مثلاً تجارت کے مال کے عوض مال بعینہ خریدا جائے تو خرید شدہ مال بغیر نیت تجارت کا مال شمار ہوگا یا تجارت کا مکان عروض کے معاوضہ میں کرایہ پر دے دیا جائے تو وہ عروض جو کرایہ میں مکان کی منفعت اور رہائش حاصل کرنے کے عوض حاصل ہوئے وہ بھی بلا نیت صریحۃً تجارت کے ہوں گے مثلاً کسی مالک کے پاس تجارت اور نفع پر فروخت کرنے کے لئے خرید شدہ مکان موجود تھا مگر مالک نے کرنسی نوٹوں یا سونے اور چاندی کی بجائے عروض کے عوض کرایہ پر دے دیا وہ مال جو کرایہ میں حاصل ہوگا وہ خود بلا نیت تجارت کا مال ہوگا لہٰذا تجارتی مکان کی مالیت اور کرایہ دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

- اس سلسلے میں تنویر الابصار اور در مختار کی عبارت اس طرح ہے:

"اَوْنِيَّتُ التِّجَارَةِ فِي الْعُرُوْضِ (تا) اَوْ يُؤَاجِرُ دَارَهُ الَّتِيْ لِلتِّجَارَةِ بِعَرْضٍ فَتَصِيْرُ لِلتِّجَارَةِ بِلَانِيَّةٍ صَرِيْحًا"

(ص: ۱۸۶/۳۔ مطبوعہ مکہ المکرمہ)

ترجمہ: عروض میں تجارت کی نیت ہو صراحۃ یا دلالۃ (تا) جیسے آدمی اپنی دار (مکان) جو کہ تجارت کے لئے ہے وہ عرض (غیر نقود) کے عوض کرایہ پر دے وہ عرض (مال) بلا نیت صریحًا تجارت کے لئے ہوگا۔

- علامہ شامی نے قال فی البحر سے بحث نقل کرتے ہوئے ذکر فرمایا کہ بدائع الصنائع میں مذکور ہے کہ وہ عین/مکان جو تجارت کے لئے ہے، اس مکان کے منافع کے بدل میں مبسوط کی روایت کے مطابق صریح نیت کے بغیر اس بدل کے مالِ تجارت ہونے کا ذکر ہے اور الجامع کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ

بدل میں نیت کرنے سے ہی وہ مالِ تجارت ہوگا مشائخ علماء نے جامع کی روایات کی تصحیح کی ہے کیونکہ عین یعنی مکان اگرچہ تجارت کے لئے ہے مگر کبھی کبھار اس کے منافع کے بدل (عرض) سے تجارت کی نیت نہیں کی جاتی مثلاً تجارت کا جانور عروض کے معاوضہ میں کرایہ پر دیا جاتا ہے اور نیت یہ ہوتی ہے کرایہ میں حاصل مال اسی جانور کی اصلاح پر خرچ کیا جائے گا اسی طرح مکان کرایہ پر دیا جاتا ہے اور نیت یہ ہوتی ہے کہ کرایہ سے مکان کی اصلاح کی جائے گی لہٰذا تجارت کے مکان کا کرایہ تردد کی وجہ سے نیت کے بغیر تجارت کا مال نہیں ہوگا۔

- علامہ شامی فرماتے ہیں:

"وَقَيَّدَ بِقَوْلِهٖ "الَّتِيْ لِلتِّجَارَةِ" اِذَا كَانَتْ لِلسُّكْنٰى....الخ"

یعنی شارح نے دار کو "التی للتجارۃ" کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ اگر مکان رہائش کے لئے ہو تو اس کا بدل اور کرایہ بغیر نیت تجارت کے لئے نہیں ہوگا۔

- پھر فرمایا:

"فَاِذَا نَوٰى يَصِحُّ وَيَكُوْنُ مِنْ قِسْمِ الصَّرِيْحِ" (ص: ۱۸۶/۲)۔

پس جس وقت آدمی نے رہائشی مکان کے کرایہ میں تجارت کی نیت کر لی تو یہ صحیح ہے اور یہ مال بھی صریح نیت والے مالِ تجارت میں داخل ہوگا۔

- معلوم ہوا مکان تجارت کا ہو یا رہائش کے لئے ہو اور اس کا کرایہ عروض ہوں اس میں تجارت کی نیت کرنا صحیح ہے اور عروض تجارت کا مال ہوں گے اور ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔
- در مختار کی عبارت میں بِعَرْضٍ کے لفظ کا فائدہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر تجارت

کامکان یا رہائش کا مکان نقود (کرنسی یا سونے اور چاندی) کے معاوضہ میں کرائے پر دیا جائے تو بالاتفاق کرایہ میں حاصل نقود بغیر نیت تجارت کا مال ہوں گے نیت کی ضرورت اس مال تجارت میں ہوتی ہے جس میں مالِ تجارت ہونے اور مالِ تجارت نہ ہونے کے دونوں احتمال ہوں اور نقود خلقی مالِ تجارت میں اسلئے ان میں نیت کی ضرورت نہیں ہے۔

● معلوم ہوا منافع کا بدل بھی مالِ تجارت ہو سکتا ہے اور اگر منافع کا بدل مالِ تجارت ہو، نقد نہ ہو دین ہو تو وہ دین قوی ہوگا لہٰذا ملازم کی اجرت جو کہ منافع کا بدل ہوتی ہے اور آج کل کرنسی ہوتی ہے اگر نقد نہ ہو تو وہ دین قوی ہوگا اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مضارب کے مال کا حکم:

● مضارب جس کو مال اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ تجارت کرے اس کو دیا گیا مال بلا نیت تجارت کا ہوگا۔

اسٹور شدہ عشری اجناس پر زکوٰۃ کا حکم:

● عشری اور اجرت پر لی گئی اور عاریۃ لی گئی زمین کی فصل پر عشر واجب ہوتا ہے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ مثلاً گندم کی فصل ہے اور مالک نے عشر کے بعد اسے اسٹور میں رکھ دیا ہے کہ اسے فروخت کروں گا اور وہ گندم نصاب کا مقدار بنتی ہے اور ایک سال مالک کے پاس رکھی رہی اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جس وقت اسے تجارت کی نیت سے فروخت کیا جائے گا اس کے بعد اس کے بدل پر سال گذرے گا تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

● اگر آدمی کسی مال کا بغیر عقد شراء یا عقد اجرت عقد ہبہ یا وراثت کے ذریعے مالک ہو جائے اور مالک بنتے ہی آدمی نے اس مال میں تجارت کی نیت کر لی کہ اسے نفع پر فروخت کروں گا وہ مالِ تجارت کا نہیں بنے گا کیونکہ بغیر بدل حاصل

مال عقد کے بغیر صرف نیت کر لینے سے مالِ تجارت نہیں ہوتا البتہ نقود (نوٹ سونا چاندی) کا آدمی خواہ بغیر عقد ہبہ اور وراثت کے ذریعہ مالک ہو یا عقد کے ساتھ ان کی زکوٰۃ ہر صورت واجب ہوگی کیونکہ یہ مال خلقی طور پر تجارت ہیں۔ در مختار میں ہے:

"لَامَاوَرَثَهُ وَنَوَاهُ لَهَا اِلَّا الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَالسَّائِمَةَ" (ص:۲/۱۹۲)

ترجمہ: وہ تجارت کا مال نہیں ہوگا جس کا آدمی وارث ہوا اور اس میں تجارت کی نیت کر لی مگر (وراثت میں ملنے والا) سونا اور چاندی اور حیواناتِ سائمہ بغیر نیت تجارت کے ہوں گے۔

● زمین کی فصل پر عشر واجب ہوتا ہے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اگر زکوٰۃ بھی واجب ہو تو ایک چیز پر دو حق واجب ہو جائیں گے مگر تجارت کے مکان کے کرایہ اور مکان دونوں پر الگ الگ زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ تجارتی مکان کا کرایہ مستقل مالِ تجارت کے کی طرح ہوتا ہے اور اصل مالِ تجارت اور اس کے نفع کے دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یہاں اجتماع حقّین لازم نہیں آتا۔

(رفیق حسنی)

● اگر تجارت کے لئے کسی فصل کا بیج خریدا مگر اس بیج کو اجرت پر لی گئی عشری زمین میں کاشت کر دیا اس میں صرف عشر واجب ہوگا کیونکہ کاشت کرنے سے بیج مالِ تجارت نہیں رہتا۔

فصل کا عشر مستاجر اور مستعیر پر واجب ہوتا ہے:

● عشری زمین میں فصل کا عشر مستاجر اور مستعیر (بطور عاریہ لینے والے) پر واجب ہوتا ہے، زمین کے مالک موجر اور معیر (بطور عاریہ دینے والے) پر واجب نہیں ہوتا۔ (شامی۔ص:۱۸۷)

● اگر عشری زمین تجارت کی نیت سے خریدی مگر اسے کاشت کرتا رہا، یہ زمین

کاشت کی وجہ سے تجارت کے مال سے خارج ہوگئی تو اس زمین میں عشر ہوگا اور اگر اسے کاشت نہ کیا تو وہ زمین مالِ تجارت ہوگی اور اس کی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ عنقریب مالِ تجارت کی تعریف میں تفصیل ذکر کی جائے گی۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کی صحت کی شرط:

• زکوٰۃ کی ادا صحیح واقع ہونے کے لئے تین امور میں سے ایک کا ہونا شرط ہے اوّل، یہ کہ صاحب زکوٰۃ کی زکوٰۃ کا مال فقیر کو دیتے وقت زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت ہو۔ دوم، یا واجب الاداء زکوٰۃ کی مقدار دوسرے مال سے الگ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت ہو۔ سوم، یا پورے نصاب کا صدقہ کردے تو اس نصاب میں جو مقدار زکوٰۃ ہے وہ ادا ہو جائے گی۔

• تفصیل: نیت دل کے ارادے کا نام ہے بدنی عبادات ادا کرتے وقت جس طرح نیت شرط ہوتی ہے اسی طرح مالی عبادات میں بھی نیت شرط ہوتی ہے لہٰذا زکوٰۃ ادا کرتے وقت دل میں نیت کرنا شرط ہے زبان سے نیت کرنا شرط نہیں۔

• اگر کسی شخص نے دل سے زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کی اور زبان سے ہبہ (گفٹ) یا قرض یا عیدی وغیرہا کہہ دیا ، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ نیت دل کے ارادے کا نام ہے اور وہ موجود ہے۔

• اگر کسی شخص نے فقیر کو مال دیتے وقت زکوٰۃ اور نفلی صدقہ دونوں کی نیت کرلی تو زکوٰۃ ہی ادا ہوگی کیونکہ فرض نفل سے اقوی ہوتا ہے۔ (ص:۳/۱۸۷، ردالمحتار)

• اگر فقیر نے مالک کے علم کے بغیر مالک کے مال سے کچھ مال اٹھالیا، زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ نیت نہیں پائی گئی اور اگر مالک نے زکوٰۃ کا مال الگ کرکے رکھ دیا تھا اور فقیر نے مالک کے علم کے بغیر اٹھالیا یا چوری کرلیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک یعنی دیانت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی لیکن قضاء میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی دوبارہ زکوٰۃ دینا ہوگی۔ (ردالمحتار۔ ص:۳/۱۸۷)

• اگر اموال باطنیہ کی زکوٰۃ اسلامی حکومت نے جبراً لے لی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور اگر اموال ظاہر یہ یعنی حیوانات کی زکوٰۃ جبراً لے لی تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔
(ص:۳/۱۸۷۔ردالمحتار)

• فرق کی وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ اسلامی حکومت کو اموال ظاہر یہ (حیوانات) کی زکوٰۃ لینے کا حق ہے اگر جبر کے وقت زکوٰۃ دہندہ زکوٰۃ کی نیت کرلے تو صحیح ہے اور اموال باطنیہ کی زکوٰۃ لینے کا حق حکومت کو نہیں ہے اس لئے جبر کے وقت نیت کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

• موجودہ دور ۱۴۳۵ھ بمطابق ۲۰۱۴ء سے صدیوں پہلے صحیح اسلامی حکومتیں ختم ہوچکی ہیں۔ اگر کسی ملک کی حکومت بنکوں کے ذریعے جبراً زکوٰۃ کاٹ لے اور مستحقین تک نہ پہنچائے، زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اکثر ممالک میں فقراء اور مستحقین تک زکوٰۃ نہیں پہنچتی بلکہ بیت المال میں جمع شدہ زکوٰۃ کا اکثر حصہ حکمران تقسیم کرلیتے ہیں۔ جیسا کہ پاکستان میں ہمارا مشاہدہ ہے لہٰذا بنکوں کے ذریعہ دی گئی زکوٰۃ دوبارہ دینا ہوگی، تفصیل مصارف میں ذکر کی جائے گی۔

• نیت کے شرط ہونے سے معلوم ہوا اگر میت پر زکوٰۃ واجب الاداء تھی اور اس نے زکوٰۃ ادا کرنے کی وصیت نہیں کی تھی اس کے ترکہ سے زکوٰۃ ادا نہیں کی جائے گی اور اگر وصیت کی تھی تو صرف ثلث (تیسرے حصّہ) سے وصیت کردہ مقدار ادا کی جائے گی، کل مال سے ادا نہیں کی جائے گی، یہ صدقہ نفلی ہوگا۔ کیونکہ میت کی نیت نہیں پائی گئی، یہ زکوٰۃ نہیں ہوگی، وصیت کے حکم میں ہوگی اور اگر وارث اپنی جانب سے اپنے مال سے مرحوم کی زکوٰۃ ادا کردے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمالے۔ (درمختار۔ ص:۳/۱۸۷)

زکوٰۃ کی ادا اور نیت کا اتصال ضروری ہے:

• زکوٰۃ کی نیت کا ادا کے عمل کے ساتھ مقارن اور متصل ہونا ضروری ہے اگر

مالک نے فقیر کو زکوٰۃ کا مال دینے سے پہلے نیت کرلی، نیت کے بعد دوسرے کاموں میں مصروف ہوگیا پھر مال دے دیا مگر فقیر کو مال دیتے وقت دوبارہ نیت نہیں کی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ اسی طرح فقیر کو مال دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہیں کی اور مال دے دیا اور فقیر نے وہ مال خرچ کردیا پھر نیت کی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور اگر فقیر نے مال خرچ نہیں کیا تھا اور مالک نے زکوٰۃ کی نیت کرلی تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔

• دفع حرج کے لئے زکوٰۃ کی رقم مال سے الگ کرتے وقت بھی نیت کے وجود کا اعتبار کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کا مقدار مال سے الگ کرتے وقت نیت کافی ہے علیحدہ کئے گئے مال سے مختلف اوقات میں بار بار زکوٰۃ کی رقم فقراء کو دیتے وقت دوبارہ نیت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

زکوٰۃ میں وکالت کے مسائل:

• نیت کرنے کی دو صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ آدمی خود فقراء کو زکوٰۃ ادا کرے۔ اس میں نیت کا ادا کے ساتھ مقارن ہونا شرط ہے اور نیت کی مقارنت کے دو قسم ہوتے ہیں مقارنت حقیقی، یہ کہ مالک فقیر کو زکوٰۃ دیتے وقت زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کرے۔ اور مقارنت حکمی، اس کی ایک صورت یہ ہے کہ مالک نے زکوٰۃ کا مال بغیر نیت فقیر کو دے دیا ابھی فقیر نے وہ مال خرچ نہیں کیا تھا اور فقیر کے ملک میں باقی تھا مالک نے زکوٰۃ کی نیت کرلی تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اور اگر وہ مال فقیر کے ملک میں نہیں رہا تھا اور مالک نے زکوٰۃ کی نیت کرلی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

• دوسری صورت یہ کہ مالک نے اپنے وکیل کو زکوٰۃ کا مال دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرلی اور مال وکیل کو دے دیا۔ وکیل کے لیے فقراء کو زکوٰۃ دیتے وقت نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وکیل کی نیت کے بغیر زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

(ردالمحتار۔ ص:۳/۱۸۷)

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

• اگر مالک نے غیر مسلم ذمی کو وکیل بناکر زکوٰۃ کا مال دیا تاکہ وہ مسلم فقراء کو زکوٰۃ ادا کردے اور مالک نے غیر مسلم وکیل کو زکوٰۃ دیتے وقت نیت کرلی تھی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر کسی نے حج بدل کے لیے کافر کو وکیل بنایا اور کافر نے حج کرلیا، حج ادا نہیں ہوگا کیونکہ کافر ذمی نیت کا اہل نہیں۔ (ردالمختار۔ ص:۳/۱۸۷)

• **فائدہ:** حج اور زکوٰۃ میں فرق یہ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں مسلمان کافر ذمی کو زکوٰۃ میں وکیل اور نائب بنا سکتا ہے۔ کیونکہ ذمی زکوٰۃ تقسیم کرسکتا ہے زکوٰۃ صرف مالی عبادت ہے اس میں صرف آمر اور موکل کی نیت شرط ہے وکیل اور مامور کی نیت شرط نہیں اور حج میں کافر ذمی کو نائب اور وکیل نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ حج بدنی اور مالی عبادۃ سے مرکب ہے اس میں مامور اور وکیل کی نیت شرط ہے بدنی عبادت میں کافر کی نیت کا شرعا اعتبار نہیں ہوتا لہٰذا ذمی کافر حج بدل نہیں کرسکتا۔

• ذمی کافر اور مسلمان غنی کو زکوٰۃ کی تقسیم میں وکیل بنانا جائز ہے بشرطیکہ ان پر اعتماد ہو کہ وہ مستحقین میں زکوٰۃ تقسیم کردیں گے اگر اعتماد نہ ہو بلکہ علم ہو کہ وکیل خائن ہے اور مالک نے اس کو زکوٰۃ کا مال دے دیا تو مالک کو دوبارہ زکوٰۃ دینا ہوگی اگر کافر یا غنی مسلم خائن نہیں تو وکیل بنانا جائز ہے مگر کسی کافر یا مسلمان غنی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے جیسا کہ زکوٰۃ کے مصارف میں ذکر کیا جائے گا۔

• اگر وکیل کو زکوٰۃ دیتے وقت مالک نے کہا یہ نفلی صدقہ ہے یا میرے کفارہ کا مال ہے پھر مالک نے زکوٰۃ کی نیت کرلی مگر وکیل کو اس نیت کا علم نہیں اگر مالک کی نیت کے وقت زکوٰۃ کا مال وکیل کے پاس موجود تھا اور ابھی اس نے تقسیم نہیں کیا تھا تو مالک کی نیت صحیح ہے۔ بعد میں اگر وکیل نے وہ مال فقیر کو نفل یا کفارہ کی نیت سے بھی دے دیا تو زکاۃ ادا ہو جائے گی اور اگر وکیل نے مالک کی

نیت سے پہلے نفلی صدقہ یا کفارہ کا مال غنی کو دے دیا تو زکٰوۃ ادا نہیں ہوگی مالک کو دوبارہ زکوۃ دینا ہوگی اور اگر وکیل کو علم ہوگیا تھا کہ مالک نے زکٰوۃ کی نیت کرلی ہے اور وکیل نے غنی کو وہ مال دے دیا تو وکیل ضامن ہوگا۔

زکٰوۃ میں وکالت کی صورتیں:

- پہلی صورت یہ ہے کہ وکیل صرف زکٰوۃ دہندہ کا وکیل ہو دوسری صورت یہ ہے کہ وکیل صرف فقراء کا وکیل ہو سوم یہ کہ وکیل زکٰوۃ دہندہ اور فقیر دونوں کا وکیل ہو جس طرح نکاح میں دونوں کا ایک آدمی وکیل ہو۔
- وکیل مؤکل کا نائب ہوتا ہے اور وکیل کا وہی حکم ہوتا ہے جو مؤکل کا حکم ہوتا ہے اگر وہ فقیر کا وکیل ہے تو اس کے احکام فقیر والے ہوں گے اور اگر زکٰوۃ دہندہ کا وکیل ہے تو اس کے احکام زکٰوۃ دہندہ کے ہوں گے اور وکیل مؤکل کے مال میں ان تصرفات کا مجاز ہوتا ہے جن کا مؤکل نے وکیل کو صراحۃً اذن دیا ہو یا وکیل کو دلالۃً اور عرفاً اذن ہو اور مؤکل عرف اور رواج کو جانتا ہو۔

زکٰوۃ میں معین فقیر کا حکم:

- اگر وکیل صرف زکٰوۃ دہندہ کا وکیل ہے فقراء کا وکیل نہیں ہے زکٰوۃ دہندہ نے اسے جس معین فقیر یا جن فقراء کے لئے وکالت دی ہے وکیل اس فقیر یا فقراء کو زکٰوۃ دینے کا پابند ہے اگر اس نے کسی دوسرے فقیر یا فقراء کو زکٰوۃ دے دی تو وکیل زکٰوۃ کے مال کا ضامن ہوگا جب تک اپنے مال سے مؤکل کے نامزد فقراء کو مال نہیں دے گا اس وقت تک مالک کی زکٰوۃ ادا نہیں ہوگی۔

چنانچہ ردالمحتار میں بحرالرائق کا رد کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

"الوکیل انما یستفید التصرف من المؤکل وقد امرہ بالدفع الی فلاں فلا یملک الدفع الی غیرہ کمالو اوصی لِزَیْدٍ بکذا لیس للوصی الدفع لغیرہ فتامل" (ص:۱۸۹/۳)

ترجمہ: وکیل موکل سے تصرفات کا استفادہ کرتا ہے اور موکل نے اسے امر کیا تھا کہ زکوۃ فلاں کو دی جائے لٰہذا وکیل اس کے غیر کو دینے کا مالک نہیں ہے جیسے کوئی شخص زید کے لئے مال دینے کی وصیت کرے تو وصی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ زید کے غیر کو مال دے دے پس غور کرو۔

نذر میں زمان اور مکان اور فقیر کی تعیین ضروری نہیں ہوتی:

- چونکہ صاحب بحر نے زکٰوۃ کے مال کو نذر کے مال پر قیاس کیا تھا کہ نذر میں معین فقیر یا فقراء ضروری نہیں ہوتے اور صاحبِ بحر نے مؤکل کی جانب سے نامزد فقیر کے غیر کو زکٰوۃ دینے میں زکٰوۃ ادا ہوجانے کا جواز ذکر کیا تھا۔ علامہ ابن عابدین شامی نے فرمایا:

"فِیْهِ نَظْرٌ لِاَنَّ تَعْیِینَ الزَّمَانِ وَالْمَکَانِ وَالدَّرَاهِمِ وَالْفَقِیْرِ غَیْرُ مُعْتَبَرٍ فِی النَّذَرِ لِاَنَّ الدَّاخِلَ تَحْتَهٗ مَاهُوَ قُرْبَةٌ وَهُوَ اَصْلُ التَّصَدُّقِ دُوْنَ التَّعْیِیْنِ فَیَبْطُلُ وَتَلْزَمُ الْقُرْبَةُ کَمَا صَرَّحُوْا بِهٖ" (ص:۱۸۹/۳۔ مطبوعہ مکہ مکرمہ)

ترجمہ: بحرالرائق کے قول میں اعتراض ہے کیونکہ نذر میں زمان اور مکان اور درہم اور فقیر کی تعیین معتبر نہیں ہوتی کیونکہ نذر میں جو امر نذر کے تحت داخل ہے وہ قربۃ اور عبادت کرنا ہے اور قربۃ صدقہ کرنے کا اصل ہے تعیین نہیں ہے لٰہذا ناذر کی جانب سے تعیین باطل ہوجائے گی اور قربۃ لازم ہوگی جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے۔

● معلوم ہوا صرف نذر میں تعیین فقراء باطل ہے زکوٰۃ کے موکل کی جانب سے نامزد فقیر یا فقراء کی تعیین وکیل پر لازم ہے۔

ایک مدرسہ کے لیے دی گئی زکوٰۃ دوسرے مدرسہ میں نہیں دی جاسکتی:

● معلوم ہوا اگر زکوٰۃ دہندہ آدمی یا لوگوں نے کسی معین مدرسہ کے طلباء کے لئے زکوٰۃ دی ہے مدرسہ کا ناظم جو کہ زکوٰۃ دینے والوں کا وکیل ہوتا ہے، زکوٰۃ دوسرے مدرسے کے طلباء یا فقراء کو دینے کا مجاز نہیں ہے البتہ مسجد کا امام وخطیب یا مدرسہ کا ناظم اگر مطلق مدارس کے لئے زکوٰۃ وصول کرنے کا اعلان کرے اور لوگ زکوٰۃ دے دیں یا خود زکوٰۃ دہندہ کہے کہ آپ کسی بھی مدرسے کے طلباء کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں تو ایسی صورت میں ناظم یا خطیب زکوٰۃ کی رقم اپنی صوابدید کے مطابق مختلف مدارس کے طلباء کے ناظم کو دے سکتا ہے۔

● اور نذر کی وجہ سے واجب الاداء رقم میں ناذر کے نامزد فقیر کو زکوٰۃ دینا ضروری نہیں کسی نے نذر مانی تھی کہ فلاں مدرسہ یا خانقاہ کے طلباء یا فقراء کو نذر کی رقم دوں گا وہ خود یا اس کا وکیل دوسرے مدرسہ یا خانقاہ کے طلباء یا فقراء کو رقم دے سکتا ہے اور نذر پوری ہوجائے گی جیسا ہم نے اپنی کتاب ''رفیق الصائمین'' میں تحریر کیا ہے۔

زکوٰۃ دہندوں کے وکیل کے پاس کروڑوں روپے جمع ہوسکتے ہیں:

● اگر زکوٰۃ دہندہ یا دہندگان کسی آدمی کو زکوٰۃ جمع کرکے تقسیم کرنے کا وکیل بنائیں اور وہ آدمی فقراء کا وکیل نہ ہو اس وکیل کے لئے زکوٰۃ کی رقم کی مقدار کا کوئی تعین نہیں ہے اس کے پاس لاکھوں کروڑوں روپے ہوجانے میں کوئی حرج نہیں مگر اس وکیل کو سال سے پہلے جمع شدہ زکوٰۃ فقراء میں تقسیم کرنا ضروری ہے اگر سال تک زکوٰۃ تقسیم نہ ہوئی تو وکیل کے پاس جمع شدہ رقم پر

مزید زکوٰۃ لازم ہوجائے گی کیونکہ وکیل کے پاس رقم کا ہونا گویا مؤکل کے پاس موجود ہونا ہے لہٰذا مزید زکوٰۃ واجب ہوجائے گی وکیل مؤکل کی اضافی زکوٰۃ کا ضامن ہوگا کیونکہ اس نے زکوٰۃ فقراء کو نہیں دی۔ ردالمحتار میں ہے:

''وَ اِمَّا اِذَا لَمۡ یَکُنِ الۡاٰخِذُ وَکِیۡلًا عَنۡهُمۡ فَتَجۡزِیۡ وَ اِنۡ بَلَغَ الۡمَقۡبُوۡضُ نُصُبًا کَثِیۡرَۃً لِاَنَّهُمۡ لَمۡ یَمۡلِکُوۡا شَیۡئًا مِمَّا فِیۡ یَدِہٖ''
(ص:۱۸۸/۳)

ترجمہ: لیکن جب زکوٰۃ کا مال لینے والا فقراء کا وکیل نہ ہو اسے زکوٰۃ کا مال جمع رکھنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ مال مقبوض کثیر نصابوں کو پہنچتا ہو کیونکہ فقراء وکیل کے قبضہ میں موجود جمع شدہ مال زکوٰۃ میں سے کسی شئ کے مالک نہیں ہیں۔

وکیل اپنے بیٹے اور بیوی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے:

● اگر مؤکلین نے کسی آدمی کو غیر متعین مطلق مستحقین کو زکوٰۃ ادا کرنے کا وکیل بنایا۔ وکیل حسب خواہش کسی بھی مستحق کو زکوٰۃ دے سکتا ہے حتیٰ کہ اگر وکیل کا اپنا بیٹا یا بیٹی یا بیوی فقیر ہے، اسے بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے خود بلاواسطہ استعمال نہیں کرسکتا مگر یہ کہ ربّ المال کہے (ضَعۡهَا حَیۡثُ شِئۡتَ) زکوٰۃ کو جہاں چاہو وہاں رکھو اگر وکیل خود فقیر ہے تو اس صورت میں وکیل زکوٰۃ کا مال خود بھی رکھ سکتا ہے۔ (ص:۱۸۹/۳۔ در مختار)

زکوٰۃ اپنے مال سے دے کر مالِ زکوٰۃ کو روکنا جائز ہے:

● اگر مؤکل کی زکوٰۃ وکیل کے قبضہ میں موجود ہے وکیل نے اپنی ذاتی رقم فقراء کو ادا کردی کہ میں زکوٰۃ کی رقم سے اتنی مقدار اس کے عوض اٹھالوں گا تو یہ جائز ہے۔ (ردالمحتار)

● اور اگر وکیل نے مذکورہ زکوٰۃ اپنے حوائج میں خرچ کردی پھر اپنے مال سے

خرچ شدہ رقم کی مقدار فقراء کو دے دی تو مالک کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی وکیل اپنے مال میں متبرع ہوگا زکوٰۃ کی رقم اس پر دین ہوگی۔(ص:۱۸۸/۳)

مؤکل کی اجازت سے وکیل اپنے مال سے زکوٰۃ ادا کرسکتا ہے:

• اگر مؤکل کی جانب سے وکیل کو اجازت ہو کہ وہ دی گئی زکوٰۃ کی رقم اپنے مصارف میں خرچ کرسکتا ہے اور اس کے عوض مناسب وقت پر میری طرف سے اپنے مال سے زکوٰۃ ادا کردے اور اس کا معاوضہ میری رقم کے دین سے وضع کرے تو یہ جائز ہے مؤکل کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی کیونکہ مؤکل کی اجازت سے موکل کی زکوٰۃ دوسرا آدمی ادا کرسکتا ہے۔شامی میں ہے:

"لٰكِنْ قَدْ يُقَالُ تَجْزِيْ عَنِ الْاٰمِرِ مُطْلَقًا لِبَقَاءِ الْاِذْنِ وَ بِالدَّفْعِ قَالَ فِي الْبَحْرِ وَلَوْ تَصَدَّقَ عَنْهُ بِاَمْرِهٖ جَازَ وَ يَرْجِعُ بِمَا دَفَعَ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا يَرْجِعُ اِلَّا بِشَرْطِ الرُّجُوْعِ (الخ) فَتَاَمَّلْ"
(۱۸۸/۳)

ترجمہ: لیکن کبھی کہا جاتا ہے جس وکیل نے مختلف موکلین کی زکوٰۃ باہم مکس کردی اور پھر فقراء کو ادا کردی ہے آمر کی جانب سے اسے مکس اور ملانے کا اذن ہو یا نہ ہو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی کیونکہ اصل اذن باقی ہے کہ زکوٰۃ دے دی جائے۔صاحبِ بحر نے بحر میں کہا اور اگر کسی شخص نے صاحبِ مال کے امر سے اس کی طرف سے اپنے مال سے زکوٰۃ ادا کردی تو جائز ہے۔ابو یوسف کے نزدیک جتنا مال فقراء کو دیا تھا اتنا مال صاحبِ زکوٰۃ سے واپس لے لے اور امام محمد کے نزدیک اگر واپس لے لینے کی شرط تھی تو واپس لے ورنہ نہ لے۔پس غور کر۔

• موکلین (اصحابِ زکوٰۃ) کی رقم موکلین کے اذن کے بغیر باہم مکس کرنے کی وجہ سے وکیل خود اس زکوٰۃ کے مال کا مالک ہوجاتا ہے کیونکہ وکیل نے تعدی کی ہے۔

اور موکلین کے لئے زکوٰۃ کے مال کا ضامن ہوتا ہے۔اس طرح وکیل مؤکل کی زکوٰۃ کے مال کو اپنے مال میں بغیر اجازت مکس کرنے یا اپنے مصارف میں خرچ کرلینے سے زکوٰۃ کے مال کا مالک ہوجاتا ہے۔اور اس مال کی ضمان اور تاوان اس پر واجب ہوتی ہے۔علامہ ابن عابدین نے مکس اور خلط کے مسئلے پر بحر الرائق کے حوالہ سے ذکر فرمایا ہے کہ صاحب مال کی زکوٰۃ اگر دوسرا آدمی اس کے اذن سے ادا کردے تو اس کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی مگر اسے صاحبِ مال کے مال میں رجوع کا حق حاصل ہے یا نہیں؟اس میں امام ابو یوسف کے نزدیک رجوع کا حق حاصل ہے اور امام محمد کے نزدیک اگر شرط ہو تو رجوع کا حق حاصل ہے۔

• اس مسئلہ سے معلوم ہوا کہ مالک کے اذن کے بعد کہ میری طرف سے زکوٰۃ ادا کردو مکس اور خلط کی صورت ہو یا اپنے مصارف میں خرچ لینے کی ہو۔اگر وکیل اپنے مال سے فقراء کو زکوٰۃ ادا کردے تو صاحبِ مال کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی مگر مؤکل کی دی گئی زکوٰۃ کی مقدار وکیل پر دین ہوگئی وکیل ادا کردہ مال کا عوض زکوٰۃ کے مال کے دین سے وضع کرلے۔

وکالت کی مزید متعدد صورتیں:

• ایک یہ کہ کوئی اجنبی شخص اپنے مال سے دوسرے آدمی کی زکوٰۃ اس کے اذن اور اجازت کے بغیر ادا کردے ایسی صورت میں مالک کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔اور اپنے مال سے زکوٰۃ ادا کرنے والے کی جانب سے تبرع اور احسان اور صدقہ نفلی ہوگا۔مالک کو دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

• دوسری صورت یہ ہے کہ صاحبِ مال نے دوسرے آدمی سے کہا تم اپنے مال سے میرے مال کی زکوٰۃ ادا کردو دوسرے آدمی نے اپنے مال سے زکوٰۃ ادا کردی زکوٰۃ ادا ہوگئی زکوٰۃ کی مقدار صاحبِ مال پر قرض ہے اسے وکیل کو قرض ادا کرنا ہوگا۔تیسری صورت یہ ہے کہ صاحب زکوٰۃ نے دوسرے آدمی کو زکوٰۃ کی رقم دی

اور فقراء کو دینے کا وکیل بنایا۔ مگر اس وکیل نے زکٰوۃ کی رقم اپنے پاس رکھ لی اور اپنے مال سے مقررہ مقدار زکٰوۃ فقراء کو ادا کردی جب کہ صاحب زکٰوۃ کی رقم موجود تھی اسے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ تو بھی صاحبِ مال کی زکٰوۃ ادا ہو گئی۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے:

"قَوْلَهُ وَ لَوْ تَصَدَّقَ اَيِ الْوَكِيْلُ بدفع الزكوٰة اذا امسك دَرَاهِمَ الْمُؤَكِلِ و دَفَعَ من ماله ليرجع ببدلها فى دراهم المؤكل صح بخلاف ما اذا انفقها اَوَّلاً علىٰ نفسه مثلاثم دفع من ماله فهو تبرع" (۱۸۹/۳)

ترجمہ: یعنی زکٰوۃ فقراء کو دینے کا وکیل جب مؤکل کے دراہم روک لے اور اپنے مال سے زکٰوۃ دے دے تاکہ مؤکل کے دراہم سے ان کے بدلے رقم وصول کرے تو یہ صحیح ہے بخلاف اس کے کہ جب پہلے اپنے نفس پر مؤکل کے دیئے گئے زکٰوۃ کے دراہم خرچ کردے اور پھر اپنے مال سے مؤکل کی زکٰوۃ ادا کردے تو وکیل اپنے مال سے متبرع ہو گا اور مؤکل کی زکٰوۃ کا ضامن ہو گا۔

زکٰوۃ میں موجودہ زمانے کا عرف عام مطلق اجازت ہوتی ہے:

- اس جگہ یہ کہنا غلط نہیں کہ موجودہ دور میں عرف یہ ہے کہ وکیل کو زکٰوۃ دینے والوں کی طرف سے پابندی نہیں ہوتی کہ زکٰوۃ کے لئے دی گئی رقم بعینہٖ فقراء کو دی جائے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وکیل زکٰوۃ کی معین مقدار فقراء کو مناسب وقت پر ادا کردے اگر وکیل مقبوضہ رقم حوائج میں خرچ کردے اور اپنے مال سے بوقتِ مناسب فقراء کو صاحبِ مال کی جانب سے زکٰوۃ دیتا رہے تو مالکان اس پر اعتراض نہیں کرتے مثلاً مدارس کے ناظمین اگر زکٰوۃ اپنے حوائج میں خرچ کرلیں اور اتنی رقم سال بھر طلباء کے اخراجات کے لئے اپنے مال سے زکٰوۃ کی نیت

سے ادا کرتے رہیں تو کسی کو اعتراض نہیں ہوتا گویا مدرسہ کا ناظم صاحبِ مال کا زکٰوۃ کی رقم خرچ کرنے کے بعد مدیون ہوتا ہے، مالک کے اذن سے دین کی رقم فقراء کو ادا کرتا رہتا ہے۔ اس لئے کوئی شخص اعتراض نہیں کرتا اس طریقہ سے وکیل یا ناظم کا اپنے مال سے تبرع نہیں ہو گا بلکہ دین کی رقم فقراء کو دینا ہو گا اور یہ جائز ہے۔

(محمد رفیق حسنی)

گھر والوں پر خرچ کرنے کے وکیل کا حکم:

- معلوم ہوا اہل وعیال پر خرچ کرنے کا وکیل مثلاً زوج یا گھر کا سرپرست کسی آدمی کو رقم دے کر اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کا وکیل بنائے یا دین ادا کرنے کے لئے کسی آدمی کو صاحب دین رقم دے کہ اس رقم سے فلاں کا قرض ادا کردو یا کسی چیز کے خریدنے کے لئے کسی آدمی کو خریدار وکیل بنائے کہ اس رقم سے فلاں چیز خرید کر لے آؤ۔ ان سب صورتوں میں وکیل مؤکلین کی رقم اپنے حوائج میں خرچ کر کے اپنے رقم کے عین سے یا دین سے اپنا مال خرچ کرے اور مؤکلین کے لئے اشیاء خریدے تو یہ جائز ہے کیونکہ وکیل کو ان تصرفات کا دلالۃً اذن ہوتا ہے۔ آج کل یہی عرف عام ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"فيه اشارة الى انه لا يشترط الدفع من عين ماله الزكوٰة ولو امر غيره بالدفع عنه جاز" (۱۸۹/۳)

یعنی اس متن کی عبارت 'ولو تصدق' میں اشارہ ہے کہ زکٰوۃ کے مال کے عین اور ذات سے وکیل کا فقراء کے سپرد کرنا شرط نہیں ہے اس لئے صاحبِ مال اگر غیر کو اپنے مال سے زکٰوۃ ادا کردینے کا امر کرے تو جائز ہے۔

- چوتھی صورت یہ ہے کہ صاحب زکٰوۃ نے زکٰوۃ کی رقم وکیل کو دی اور وکیل کو صراحۃً اجازت دی کہ یہ رقم آپ بے شک اپنے مصارف میں خرچ کرلیں مگر

اپنے مال سے میری زکوٰۃ دے دیناوکیل نے اپنے مصارف میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کردی پھر اپنے مال سے مؤکل کی زکوٰۃ ادا کردی، اس صورت میں بھی زکوٰۃ ادا ہوگئی وکیل کی مثال مدیون کی ہوگئی اور صاحب دین اگر مدیون کو کہے میرے دین کی رقم سے فقراء کو زکوٰۃ دے دیناتوزکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔(ردالمختار)

• پانچویں صورت یہ ہے کہ صاحب زکوٰۃ نے وکیل کو زکوٰۃ کی رقم دی اور اسے اپنے مصارف میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی مگر اس نے زکوٰۃ اپنے مصارف میں خرچ کرلی پھر اپنے مال سے صاحب زکوٰۃ کی جانب سے فقراء کو زکوٰۃ ادا کردی ایسی صورت میں فقہاء نے ذکر فرمایا صاحب زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اسے وکیل سے پیسے واپس لینے کا حق ہے جیسا کہ ہم نے تیسری صورت میں شامی سے نقل کیا ہے مگر خلط پر قیاس کرتے ہوئے اگر کہا جائے کہ صاحب زکوٰۃ نے چونکہ وکیل کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا تھا اور اس نے حکم کی تعمیل اپنے مال سے کردی لہٰذا اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی اسے رجوع کا حق حاصل نہیں ہے، تو غلط نہیں ہے۔ (محمد رفیق حسنی)

• اگر متعدد مالکان نے ایک وکیل کو زکوٰۃ کی رقم دی اور ان کی جانب سے اموالِ زکوٰۃ خلط اور مکس اور ایک اکاؤنٹ رکھنے کی صراحۃً اجازت تھی یا عرف عام تھا، وکیل نے سب کی رقم باہم مکس کرکے ایک اکاؤنٹ میں جمع رکھی پھر حسبِ ضرورت فقراء کو تقسیم کی تو یہ جائز ہے عرف اور رواج کا حکم صریح اذن کی طرح ہوتا ہے۔علامہ ابن عابدین نے تاتارخانیہ سے بحرالرائق کی نقل کردہ عبارت ذکر فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ کے اموال خلط کرنے کا عرف اور عادت ہو تو یہ بھی جائز ہے جیسے گندم کی فصل کے ارباب کی عادت ہے کہ محصلات کے ثمن مکس کرکے ملا دیتے ہیں، یہ جائز ہے۔

• اور اگر عرف نہ ہو جیسے مختلف اوقاف کا متولی اوقاف کی آمدنی کو مکس کردیتا ہے، وہ ضامن ہوگا کیونکہ مختلف اوقاف کی آمدنی باہم ملا دینے کا عرف نہیں ہے،

عرف کی وجہ سے خریداروں کا وکیل اور دلال فروخت کردہ اموال کے ثمن مکس کردیتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر عرف نہ ہو وہ ضامن ہوگا اور اسی طرح مال فروخت کرنے والوں کا وکیل ان کے اموال مکس کردیتا ہے، عرف نہ ہو تو ضامن ہوگا۔

• اگر مختلف فقراء کے لئے کوئی وکیل مختلف اشیاء کا سوال کرتا ہے اور حاصل شدہ اموال مکس کردیتا ہے وہ بھی ضامن ہوگا، یعنی مختلف مالکوں کے وکلاء کو اگر مالکوں کے مختلف اموال مکس کرنے کی اجازت نہیں اور عرف بھی نہیں اور وہ مکس کردیتے ہیں، وکلاء اموال کے ضامن ہوں گے۔علامہ شامی فرماتے ہیں ”یعنی میں کہتا ہوں اگر عرف اور عادت ہو تو وکیل پر کوئی ضمان نہیں ہے مگر مالکان کو اس عرف کا علم ہونا ضروری ہے“۔ (۱۸۸/۳)

• زکوٰۃ میں صاحبِ مال کا وکیل اگر موکل کے اذن کے بغیر دوسرے آدمی کو وکیل بنادے تو یہ بھی جائز ہے جیسا کہ باب الوکالت میں کتاب کے متن میں آئے گا کہ زکوٰۃ کے ابواب میں وکیل دوسرے آدمی کو وکیل بنا سکتا ہے کیونکہ موکل کا یہ مقصود ہوتا ہے کہ زکوٰۃ مستحقین تک پہنچ جائے۔

مختلف مدارس اور مساجد کے لیے چندہ مکس کرنا جائز ہے:

• آج کل مختلف مدات کی رقوم مدارس اور اداروں کے ناظم مکس کردیتے ہیں مثلاً مسجد اور مدرسہ کے چندہ کی رقم یا تعمیرات اور دیگر اخراجات کے لئے چندہ کی رقم اور یہ عرف عام ہے اور مالکان چندہ دینے والوں کو اس کا علم ہوتا ہے لہٰذا ناظمین کے لئے مختلف مدات کے لئے حاصل رقم کا مکس کرنا اور ایک ہی اکاؤنٹ میں جمع کرنا جائز ہے مگر ہر مد میں اس مد کے لئے حاصل رقم کا مقدار خرچ کرنا ضروری ہے۔اگر مسجد کا چندہ پندرہ فیصد ہے اور مدرسہ کا چندہ پچاسی فیصد ہے، مسجد کے اخراجات کے لیے پندرہ فیصد اور مدرسہ کے اخراجات کے لیے پچاسی

فیصد خرچ کرنا لازم ہے۔

● آج کل رمضان المبارک میں مسجد کے اخراجات اور مسجد کے ملازمین کی تنخواہوں اور ستائیسویں شب کی مٹھائی اور قاری اور سامع کی خدمات کے لئے حاصل چندہ کی رقم ایک جگہ جمع کرلی جاتی ہے یہ جائز ہے مگر مکس رقم سے امام اور خطیب اور قاری اور موذن اور مٹھائی کے لئے ہر مد میں اتنا مقدار خرچ کیا جائے جتنا اس مد کے لئے لوگوں سے الگ الگ رقم جمع ہوئی اِلاّ یہ کہ چندہ دینے والوں کا صراحۃً یا دلالۃً اذن عام ہو کہ مسجد کمیٹی کو کلی اختیار ہے جس طرح چاہے تقسیم کرے اور تصرف کرے تو کمیٹی حسبِ منشا اس چندہ میں تصرف کرسکتی ہے۔

فقراء کے وکیل کے مسائل:

● فقراء کی جانب سے وکلاء کی دو قسمیں ہوتی ہیں حقیقی اور عرفی۔ حقیقی یہ کہ خود فقراء کسی آدمی کو زکوٰۃ وصول کرنے کا وکیل مقرر کریں۔ عرفی یہ کہ خود آدمی فقراء کے لئے زکوٰۃ وصول کرے فقراء کی طرف سے صریح اذن یا امر نہ ہو مگر اسے عرف اور رواج کی وجہ سے دلالۃً اذن ہو جس طرح مدارس اور دیگر فلاحی اداروں کے ناظمین غیر معین طلباء اور فقراء کے لئے زکوٰۃ اور صدقات وصول کرنے کے وکیل ہوتے ہیں، یہ ناظمین عرفی وکلا ہوتے ہیں اور بیت المال کے متولی کی جانب سے ساعی (اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرنے والا آدمی) بھی غیر معین فقراء کے لیے زکوٰۃ وصول کرتا ہے، ساعی بھی عرفی وکیل ہوتا ہے۔ مدارس میں مستحق طلباء کی طرف سے ناظمین کو فرداً فرداً ہر طالب علم کا اذن یا امر تو نہیں ہوتا لیکن مجموعی طور پر مدرسہ میں قیام پذیر طلباء اور مستحقین کی جانب سے مدرسہ کا ناظم وکیل ہوتا ہے، اسے طلباء کی جانب سے اذن ہوتا ہے کہ وہ زکوٰۃ جمع کرے اور طلباء کے مصارف اور حاجات میں خرچ کرے۔ لہٰذا اسے مدرسہ میں مقیم طلباء کی حاجات کے لئے اور لوازمات کے لئے زکوٰۃ کی رقم جمع اور خرچ

کرنا جائز ہے۔

● اس کی مثال سیّدہ بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعہ سے دی جاسکتی ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت بریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے صدقہ کا گوشت وصول کیا حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انہیں عرفاً اور دلالۃً اذن تھا کہ وہ اسے لے کر صرف کرے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس گوشت کو پکانا شروع کیا اور سرور دوعالم ﷺ گھر تشریف لے آئے، آپ ﷺ کو گھر میں گوشت کے علاوہ تیار روٹی اور سالن پیش کیا گیا آپ ﷺ نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ گوشت پک رہا ہے اور مجھے دوسرا سالن دیا گیا ہے؟ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ گوشت بریرۃ پر صدقہ کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ" او کما قال۔ یعنی یہ بریرہ کے لئے صدقہ ہے اور اس کی طرف سے ہمارے لئے ہدیہ ہے۔ آپ ﷺ نے ایک قاعدہ اور اصل بیان فرمادیا کہ ملک کی تبدیلی سے حکم تبدیل ہوجاتا ہے۔ اسی قاعدہ کی وجہ سے مدرسہ کے طلباء کے لئے جمع شدہ صدقات اور زکوٰۃ میں ناظمین کے تصرفات جائز ہوتے ہیں کہ طلباء کے لئے زکوٰۃ کا مال زکوٰۃ ہوتا ہے، جب طلباء کا وکیل مدرسہ کا مہتمم صدقات اور زکوٰۃ پر قبضہ کرلیتا ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی پھر جب طلباء کی اجازت سے ناظم خرچ کرتا ہے، طلباء کی طرف سے ہدیہ میں تصرف ہوتا ہے گویا وکیل کے تصرفات خود طلباء کے تصرفات ہوتے ہیں اور اسی رقم سے تعمیرات، تنخواہیں اور مہمانوں کے خورد ونوش کے اخراجات ادا کئے جاتے ہیں۔

● اس واقعہ سے معلوم ہوا مدارس کے لئے جمع شدہ زکوٰۃ میں حیلہ کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ طلباء کا وکیل طلباء کے اذن سے ان کے لئے جمع شدہ زکوٰۃ ان کے حوائج میں خرچ کررہا ہوتا ہے۔

● اگر آدمی متعدد فقراء کا وکیل ہے اسے زکوٰۃ کے اموال کو ایک اکاؤنٹ میں رکھنا جائز ہے اختلاط کی وجہ سے اس پر ضمان لازم نہیں ہوگی کیونکہ وکیل کا حکم موکل والا ہوتا ہے جب فقراء کے وکیل نے زکوٰۃ کے اموال پر قبضہ کیا گویا یہ فقراء کا قبضہ ہے اور فقراء اموال کے مالک ہوگئے۔ شامی میں ہے:

"لِاَنَّہٗ کُلَّمَا قَبَضَ شَیْئًا وَ صَارَ خَالِطًا مَالَھُمْ بَعْضَھُمْ بِبَعْضِھِمْ وَ وَقَعَ زَکوٰۃً عَنِ الدَّافِعِ" (۱۸۳/۳)

ترجمہ: اس لئے جب وکیل نے کسی شئ پر قبضہ کیا (فقراء اس کے مالک ہوگئے) اور وکیل فقراء کے بعض مال کا بعض کے ساتھ ملانے والا ہوگیا اور موکل کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔

زکوٰۃ کا مال چوری ہوجائے تو ضمان نہیں:

● اگر فقراء کے وکیل کے پاس جمع شدہ زکوٰۃ کا مال بغیر خیانت ضائع یا چوری ہوجائے، وکیل پر کوئی ضمان نہیں ہوگی اور مؤکل کی زکوٰۃ ادا ہوگئی کیونکہ وکیل کا قبضہ فقراء کا قبضہ ہوتا ہے، گویا یہ مال فقراء کے ہاتھ سے ضائع ہوا۔ اور اگر صاحبِ مال کے وکیل کے پاس زکوٰۃ کا مال بغیر خیانت ضائع ہوجائے، صاحبِ مال کے وکیل پر ضمان تو نہیں ہوگی مگر موکل کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، مؤکل کو دوبارہ زکوٰۃ دینا ہوگی کیونکہ وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ ہوتا ہے گویا یہ مال خود موکل کے ہاتھ سے ضائع ہوا۔

● اگر فقراء کی تعداد معین ہے، وکیل دو فقیروں کا وکیل ہے جب زکوٰۃ کی رقم دو نصابوں تک پہنچ جائے گی ان کا وکیل مزید زکوٰۃ نہیں لے سکے گا کیونکہ اب اس وکیل کے فقیر موکل غنی ہوگئے ہیں اور اگر وکیل کی وکالت غیر معدود لیکن محدود فقراء کی طرف سے ہے، وکیل کے پاس زکوٰۃ کا مال جتنا بھی ہوجائے جمع ہوسکتا ہے۔ جس طرح بیت المال کے فقراء کا سفیر کروڑوں روپے کا مال جمع کر کے بیت

المال کے اکاؤنٹ میں جمع کرواسکتا ہے۔

صاحبِ مال اور فقراء کا مشترکہ وکیل:

● اگر صاحبِ مال اور فقراء دونوں نے کسی ایک آدمی کو وکیل مقرر کیا ہے یہ بھی جائز ہے جس طرح نکاح میں دولہا اور دلہن اور بیع شراء میں دونوں بائع اور مشتری ایک آدمی کو وکیل بنادیں تو یہ جائز ہوتا ہے زکوٰۃ میں دونوں جانب کا وکیل جب صاحبِ مال سے زکوٰۃ قبضہ میں لے گا اسی وقت اس کے قبضہ کا حکم فقراء کے قبضہ کا ہوگا اور وکیل کے تصرفات فقراء کے تصرفات کے حکم میں ہوں گے اگر زکوٰۃ کا مال وکیل سے بغیر خیانت ضائع ہوگیا گویا یہ فقراء سے ضائع ہوا صاحبِ مال کی زکوٰۃ ادا ہوگئی اور تعدی نہ ہونے کی وجہ سے وکیل پر اس کی ضمان واجب نہیں ہوگی۔

● وکیل اور موکل آمر اور مامور ہوتے ہیں لہٰذا وکیل فقراء کے عرفی یا صریحی امر اور اذن کے بغیر زکوٰۃ کا مال خرچ کرے گا تو اس کو خیانت کہا جائے گا اور وکیل اس مال کا ضامن ہوگا۔

● فقراء اور طلباء کی اجازت سے مدرسہ کے ناظم کا زکوٰۃ کی رقم فقراء کے روزمرہ مصارف کے حاجات کے علاوہ طلباء کی تعلیم و تربیت اور خدمت کے ملازمین اور ان کی رہائش کے لئے مکانات کی تعمیر اور ان کی اجازت سے زکوٰۃ کے مال سے اغنیاء اور سادات اور غیر مسلم افراد کو طعام اور وظائف دینا جائز ہوگا کیونکہ زکوٰۃ کا مال فقراء کے ملک میں آجانے کے بعد ان کی اجازت سے دوسروں کے لیے ہدیہ ہوگا جیسے سیدۃ بریرہؓ کے لئے صدقہ کا گوشت سرور دو عالم ﷺ کے لئے ہدیہ تھا فقراء اپنے وکیل کو ہر قسم کے اخراجات کی اجازت دے سکتے ہیں اور مدارس کے عرف میں طلباء کی اجازت ہوتی ہے۔

● دینی مدارس کے ناظمین حضرات مدارس میں قیام پذیر مسافر اور فقراء طلباء و

طالبات کے وکیل ہوتے ہیں اور طلباء کی جانب سے دلالۃً اور عرفاً ناظمین کو اذن ہوتا ہے کہ ان کے لئے جمع شدہ مال سے جو طلباء سیّد یا غنی ہیں یا نابالغ بچے ہیں مگر اغنیاء کی اولاد ہیں ان کے مصارف اور طعام و قیام کے اخراجات اور ان کے لئے تعلیم و تربیت اور خدمت کے لئے اساتذہ اور ملازمین کے وظائف اور ہاسٹل میں آنے والے مہمانوں کی تواضع کریں لہٰذا یہ ناظمین کے ایسے تصرفات جائز ہوں گے کیونکہ مدارس کے مستحق طلباء نے ناظمین پر ان مصارف میں زکوٰۃ کے خرچ ہونے پر اعتراض نہیں کیا، یہ اذن کی علامت ہے۔ مزید تفصیل مصارف میں ذکر کی جائیگی۔

زکوٰۃ کا مقدار اپنے مال سے الگ کرتے وقت نیت کرنے کے مسائل:

• زکوٰۃ ادا کرتے وقت یا اپنے وکیل کو دیتے وقت یا زکوٰۃ کا مقدار اپنے مال سے الگ کرتے وقت زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کرنا ضروری ہے بغیر نیت زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

• اگر کسی شخص نے اپنے مال کے نصاب سے زکوٰۃ کی مقدار رقم الگ کردی اور فقراء کو دے دی مگر زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور اگر الگ کرتے وقت یا فقراء یا ان کے وکیل کو دیتے وقت نیت کرلی تھی تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی بشرطیکہ زکوٰۃ فقراء یا ان کے وکیل کے قبضہ میں دے دی جائے۔

• اگر کسی شخص نے زکوٰۃ کی رقم الگ کرکے اپنے پاس رکھ لی تھی اور ضائع ہوگئی مثلاً چوری ہوگئی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اسے دوبارہ زکوٰۃ دینا ہوگی کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں فقیر کو یا اس کے وکیل کو زکوٰۃ کے مال کا قبضہ دینا شرط ہے۔

• اگر کسی شخص نے زکوٰۃ کا مال زکوٰۃ کی نیت سے دوسرے مال سے الگ کردیا تھا لیکن فقراء یا ان کے وکیل کے قبضہ میں نہیں دیا تھا اور فوت ہوگیا زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی وہ مال میراث ہوگیا۔ اور یہی حکم اس مال کا ہے جو صاحب زکوٰۃ کے وکیل کے

پاس ہو اور فقراء کو ادا کرنے سے پہلے صاحبِ مال فوت ہوجائے۔

• اگر زکوٰۃ کا مال فقراء کے وکیل اور سفیر یا حکومت کی جانب سے متعین وکیل اور سفیر کو دے دیا گیا اور مال ضائع ہوگیا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی شامی میں ہے "لان یدہ ید الفقراء"۔ یعنی وکیل کا قبضہ فقراء کا قبضہ ہے۔

زکوٰۃ کے ادا ہونے کی تیسری صورت:

• اگر صاحبِ مال سال کے گذرنے کے بعد سارے نصاب کا فقیر پر صدقہ کردے نفلی صدقہ کی نیت کرے یا کوئی نیت نہ کرے اس نصاب میں زکوٰۃ کا مقدار صاحبِ مال سے ساقط ہوگیا اور زکوٰۃ ادا ہوگئی کیونکہ زکوٰۃ کا مقدار سارے نصاب کا جزء ہے کل کے صدقہ سے جزء ساقط ہوگیا اگرچہ اس نے نیت نہیں کی تھی مثلاً ایک لاکھ روپے کا مالک پورے ایک لاکھ کا صدقہ کردے اور اس کے پاس اس کے علاوہ نقود یا مالِ تجارت میں سے کوئی مال نہ ہو، زکوٰۃ ادا ہوگئی اور اگر صاحبِ مال کے ملک میں صدقہ کردیے گئے نصاب کے علاوہ اس جنس سے مال مثلاً نقود یا مالِ تجارت موجود ہے تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی باقی ماندہ مال سے صدقہ کئے گئے مال کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی کیونکہ اب صدقہ کرنا استہلاک اور تعدی میں شمار ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے: "فتجب زکٰوتہ و زکوٰۃ الباقی" یعنی پس صدقہ کئے گئے مال اور باقی کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

• **فائدہ:** اس مسئلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد کا اختلاف ہے علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں صاحب در مختار نے اپنی عبارت میں امام ابو یوسف کے قول کو پہلے ذکر کرکے اشارہ کیا کہ امام ابو یوسف کا قول معتمد علیہ ہے یہی طریقہ قاضی خان کا ہے قاضی خان کے نزدیک جو قول مختار ہو اس کو وہ پہلے ذکر کرتا ہے اور صاحب ہدایہ کی عادت ہے اپنے مختار قول اور اس کی دلیل کو آخر میں ذکر کرتا ہے (۱۸۹/۳)

• سارے نصاب کا صدقہ کرنے والے آدمی نے اگر نذر واجب یا کسی دوسرے

مالی واجب کی نیت سے صدقہ کر دیا جس واجب کی نیت کر لی تھی وہی ادا ہوا، زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی دوبارہ ادا کرنا ہوگی کیونکہ فرض کا مزاحم فرض موجود ہو تو جس فرض کی نیت کی جائے وہی فرض ادا ہوتا ہے،(۱۸۹/۳)

• زکوٰۃ کے سقوط میں عین اور دین مساوی ہیں اگر کسی فقیر پر ایک نصاب دین تھا اور اس پر ایک سال گذر گیا، صاحبِ دین نے فقیر کو دین سے بری کر دیا، دین میں موجود زکوٰۃ کا مقدار ساقط ہو گیا اور اگر سال کے بعد غنی پر واجب دین کو صاحب دین نے اسی غنی کو ہبہ کر دیا اصح روایت کے مطابق دین کے نصاب میں زکوٰۃ کا مقدار ساقط نہیں ہوگا کیونکہ یہ صاحب دین کی جانب سے استہلاک اور تعدی کے حکم میں ہوگا (در مختار، ردالمختار ۱۶۰/۳)

• اگر فقیر پر دین کے نصاب میں سے صاحبِ مال نے بعض دین کا فقیر پر صدقہ کیا مثلاً سال کے بعد آدھا نصاب فقیر پر صدقہ کر دیا تو دین پر واجب زکوٰۃ کے مقدار کا آدھا ساقط ہو جائے گا۔(ردالمحتار ۱۹۰/۳)

دین کے معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا ہونے کے مسائل:

• یہاں عین اور دین مساوی ہونے کے قول میں دین سے مراد زکوٰۃ کے مال کا دین ہے جو مدیون کے ذمہ واجب ہوتا ہے مثلاً سونا چاندی کرنسی اور مالِ تجارت زکوٰۃ کا مال ہیں، ان اموال کا دین مدیون پر واجب ہو اور صاحبِ مال کے بالفعل قبضہ میں نہ ہو صاحبِ مال صاحب دین کہلاتا ہے اور عین سے مراد وہ مال ہے جو مالک کے بالفعل قبضہ میں ہو جیسے نقود اور عروض تجارت خود مالک کے قبضہ میں ہوں۔ اور قبضہ سے مراد جس کی وجہ سے آدمی پر مال کی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے اور جس کو ملک تام کہا جاتا ہے، ملکِ تام یہ ہے کہ مال کے مالک کو اپنے مال میں تصرف کی اصالۃً یا نیابۃً حالاً یا مآلاً یقیناً قدرت حاصل ہو۔ قبضہ کی اس تعریف کے لحاظ سے دین مؤجل (میعادی) اور غیر مؤجل (غیر میعادی) قبضہ اور ملک تام میں

داخل ہیں اگرچہ دین پر صاحبِ دین اور مالک کا قبضہ بالفعل نہیں ہوتا بالقوۃ ہوتا ہے کیونکہ مستقبل میں اس میں تصرف کرنے کی صاحبِ دین کو قدرت حاصل ہوتی ہے اور اگر مال صاحبِ مال کے پاس بالفعل موجود ہو تو اس پر اصالۃً قدرت حاصل ہوتی ہے اور اگر صاحبِ مال مسافر اور غیب ہو تو مال پر اس کا قبضہ اور اس کے نائبین کا قبضہ بالفعل ہوتا ہے۔

• لہٰذا ملک تام کی جامع اور مانع تعریف یہ ہے کہ مال پر صاحبِ مال کو اصالۃً یا نیابۃً حالاً یا مآلاً تصرف کی قدرت کا یقین ہو۔ اس تعریف سے ضمار کا مال اور مال مرہون خارج ہو جائے گا کیونکہ صاحبِ مال کو ضمار اور رہن کے مال پر مستقبل میں تصرف کی قدرت کا یقین نہیں ہوتا۔ (محمد رفیق حسنی)

زکوٰۃ کے ادا کرنے کی پانچ صورتیں:

• زکوٰۃ کے ادا کرنے میں پانچ صورتیں ہو سکتی ہیں:

• (۱) پہلی صورت: ''اداء دین عن الدین'' یہ کہ دین کی زکوٰۃ دین سے ادا ہو جیسے فقیر مدیون کو کل نصاب سے بری کر دیا جائے۔ یہ جائز ہے، مدیون پر دین کے نصاب کی زکوٰۃ ادا ہو گئی۔

• (۲) دوسری صورت: ''اداء العین عن العین'' یہ کہ مال کا عین مال کے عین کی زکوٰۃ میں دیا جائے جیسے نقود کی زکوٰۃ نقود سے اور مالِ تجارت یا حیواناتِ سائمہ کی زکوٰۃ مال کے عین سے ادا کی جائے۔ یہ بھی جائز ہے۔

• (۳) تیسری صورت: ''اداء العین عن الدین'' یہ کہ مدیون پر واجب دین کی زکوٰۃ صاحب دین اپنے مال کے عین سے ادا کرے۔ یہ بھی جائز ہے۔

• (۴) چوتھی صورت: ''اداء الدین عن العین'' یہ کہ فقیر مدیون پر واجب دین سے صاحب دین اپنے پاس مال موجود اور حاضر کی زکوٰۃ ادا کرے کہ فقیر کو دین معاف کر دے تاکہ صاحبِ مال کے موجودہ مال کی زکوٰۃ ادا ہو جائے۔

یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں تملیک نہیں ہے۔ تملیک مال کے عین پر قبضہ دینے کا نام ہے اور صاحب دین اگر غنی مدیون پر واجب دین سے صاحبِ دین اپنے مال حاضر کی زکوٰۃ اس طرح ادا کرے کہ مدیون کو کہے فلاں فقیر کو میرے دین کے مال سے اتنی مقدار زکوٰۃ میں دے دو اور فقیر کو امر کرے کہ میرے فلان مدیون سے زکوٰۃ کی مد میں اتنی مقدار رقم لے لو، تو یہ جائز ہے، زکوٰۃ ادا ہو گئی۔

• (۵) پانچویں صورت: ''اداء الدین عن دین سیقبض'' یہ کہ صاحبِ دین فقیر مدیون کو نصاب کے ایک حصّہ سے اس نیت سے بری کرے کہ باقی دین کی زکوٰۃ ادا ہو جائے جس دین کو بعد میں مدیون واپس کرے گا، تو یہ ناجائز ہے کیونکہ جب باقی دین پر صاحب دین قبضہ کرے گا تو وہ عین ہو گا لازم آئے گا ''اداء الدین عن العین'' جو کہ چوتھی صورت تھی اس لئے یہ بھی ناجائز ہو گا۔ (درمختار مع ردالمحتار۔ ص:۳/۱۹۰۔ مطبوعہ مکۃالمکرمہ) لہٰذا درحقیقت ادا کے چار قسم ہیں پانچویں قسم چوتھی قسم میں داخل ہے تین جائز ہیں اور ایک ناجائز ہے۔

مدیون پر دین سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حیلہ:

• اگر صاحب دین چاہتا ہے کہ فقیر مدیون پر واجب دین زکوٰۃ کی مد میں شمار ہو جائے اور دین واپس ہو جائے کیونکہ فقیر فقر کی وجہ سے دین واپس کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تو صاحب دین اپنے پاس موجود مال کی زکوٰۃ مثلاً دس ہزار روپے نقد فقیر مدیون کو دے دے اور پھر دین کے بدلے میں فقیر سے دس ہزار روپے واپس لے لے فقیر کا دین ادا ہو گیا۔ صاحب دین کی زکوٰۃ ادا ہو گئی۔

(دراورد ۳/۱۹۰)

• اگر مدیون دس ہزار پر قبضہ کے بعد واپس کرنے پر آمادہ نہیں تو صاحب دین دس ہزار مدیون سے جبراً زبردستی واپس لے لے کیونکہ کوئی شخص اپنے حق کے ہم جنس مال پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے تو اُسے اجازت ہے۔ صاحبِ دین

مدیون کے مال پر بغیر رضا بلکہ بغیر اذن قبضہ کر سکتا ہے اگر فقیر رکاوٹ بنے تو صاحب دین جج اور قاضی کی عدالت طرف رجوع کرے، یہ بھی جائز ہے۔ دین کے مسئلہ میں مالِ تجارت اور دراہم اور دنانیر اور کرنسی ایک جنس ہیں۔ (۳/۱۹۱)

• حیلہ کی دوسری صورت جو پہلی صورت سے زیادہ بے خطر ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے اگر حیلہ کی پہلی صورت میں خطرہ ہو تو مدیون کو کہا جائے صاحب دین کے خادم کو اپنے لئے زکوٰۃ وصول کرنے کا وکیل بنا لو پھر اسی رقم سے دین ادا کر دو یعنی خادم دو چیزوں میں وصول اور ادا میں وکیل بنا دو مدیون نے صاحب دین کے خادم کو وکیل بنا لیا صاحب دین مدیون کے وکیل کو زکوٰۃ کی رقم دے دے وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ ہوتا ہے، فقیر کا قبضہ ہو گیا، زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ صاحبِ دین اپنے خادم سے وہی دی گئی رقم واپس لے لے، فقیر دین سے بری ہو گیا اور صاحبِ دین کا دین واپس مل گیا اور اگر صاحب دین کو خطرہ ہو کہ وکیل کے قبضہ کے بعد اور دین کی رقم واپس کرنے سے پہلے مدیون صاحبِ دین کے خادم کو وکالت سے معزول کر دے گا تا کہ رقم واپس نہ کر سکے تو صاحب دین وکیل کو زکوٰۃ کی رقم اس وقت دے جب مدیون فقیر موجود نہ ہو اور اسے معلوم نہ ہو سکے کہ میرے وکیل کو صاحب دین نے زکوٰۃ دے کر واپس لے لی ہے لہٰذا اب کوئی خطرہ نہیں ہو گا اور حیلہ مکمل ہو جائے گا۔

• حیلہ بوقت ضرورت جائز ہوتا ہے اگر صاحب دین فقیر کو دین معاف یا مؤخر نہیں کر سکتا اور اپنی زکوٰۃ کے ذریعہ دین واپس لینا چاہتا ہے تو حیلہ جائز ہے۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

تکفین، تدفین، تعمیر مسجد اور تعمیر مدرسہ کے لئے حیلہ:

• زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے زکوٰۃ کے مستحق کو زکوٰۃ کے مال کا قبضہ دے کر مالک بنانا شرط ہے جسے مختصر لفظوں میں تملیک مستحق کہتے ہیں۔

• میت کے کفن اور دفن اور قبر کے اخراجات اور مسجد کی عمارت اور مدرسہ کی عمارت میں براہ راست زکوٰۃ نہیں لگتی کیونکہ یہاں تملیک کا تصور نہیں ہوسکتا کفن اور دفن کے اخراجات میں میت کو مالک نہیں بنایا جاسکتا ہے کیونکہ موت کے بعد مالک ہونا متصور نہیں ہوسکتا۔ جب موت سے اپنی مملوکہ اشیاء کا ملک بھی ختم ہوجاتا ہے دوسروں کے مال کا مالک ہونا کیسے متصور ہوسکتا ہے مدرسہ اور مسجد اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں ان کا نہ کوئی فقیر مالک ہے اور نہ غنی اس لئے مسجد اور مدرسہ کے پلاٹ یا عمارت میں براہ راست زکوٰۃ نہیں لگتی اسی طرح مسافر خانے اور روڈ اور دریاؤں پر پل اور قبرستان وغیرہا جو کسی شخص کی ملکیت میں نہیں ہوتے ان پر بھی زکوٰۃ نہیں لگتی کیونکہ ان مصارف میں فقیر کی تملیک کا تصور نہیں ہوسکتا۔

(عام کتب فقہ)

• ان مصارف میں زکوٰۃ لگانے کا حیلہ اس وقت جائز ہے جب زکوٰۃ کی رقم کے علاوہ آمدنی کا کوئی دوسرا ذریعہ نہ ہو مثلاً مسجد قائم کرنا واجب ہوجائے، کسی گاؤں کی آبادی میں مسجد نہیں ہے اور مسجد کا ہونا ضروری ہے۔ مسجد کے لئے زمین بھی نہیں ہے اور گاؤں میں یا گاؤں سے باہر کوئی آدمی ایسا نہیں ہے کہ وہ مسجد کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ دوسرا مال صدقہ کرے، ایسی صورت میں مسجد کے لئے حیلہ کرنا جائز ہے۔ مدارس اور مسافر خانے کی براہِ راست تعمیر کے لیے بھی ایسی صورت میں حیلہ جائز ہوگا۔

• تکفین اور تجہیز کے لئے حیلہ کی صورت یہ کہ صاحب مال زکوٰۃ کی رقم کا فقیر کو یا فقیر کے وکیل کو مالک بنادے اور فقیر یا اس کا وکیل ماذون اس رقم سے تکفین اور تدفین کا انتظام کرے۔

• مسجد کے پلاٹ یا عمارت کے لیے زکوٰۃ کے مال کا فقیر کو مالک بنادیا جائے۔ فقیر خوشی اور رضا سے حاصل کردہ ساری رقم یا بعض مسجد کے لیے ہدیہ کردے۔

• مدارس کی تعمیر وغیرہ کا حل آسان ہے کیونکہ وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ ہوتا ہے مدرسہ میں مسافر اور مقیم طلباء جو زکوٰۃ کے مستحق ہوتے ہیں مدرسہ کا ناظم ان طلباء کا وکیل ہوتا ہے اور طلباء کی جانب سے اسے دلالۃً اذن ہوتا ہے کہ ناظم زکوٰۃ کے مال سے طلباء کے لئے مدرسہ کی تعمیر کرائے اس لئے مدرسہ کے زکوٰۃ فنڈ سے مدرسہ کی تعمیر اور دیگر اخراجات بھی جائز ہیں اور اخراجات کے لیے رقم طلباء کی جانب سے ہدیہ ہوگی۔

• حیلہ میں زکوٰۃ کی رقم پر جب فقیر قبضہ کرے اس کے لئے جائز ہے کہ صاحب زکوٰۃ کے مشورہ یا حکم پر عمل نہ کرے اور زکوٰۃ کی رقم اپنے پاس رکھ لے اور اپنی ضروریات پر خرچ کرے کیونکہ فقیر زکوٰۃ کی رقم کا مالک ہوگیا ہے اور مالک کو کسی مد میں اپنا مال صرف کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

• اصحاب اموال زکوٰۃ کی رقم سے اپنے نوکروں یا جاننے والے فقیروں کو عمرہ یا حج کراتے ہیں اگر اصحابِ مال نے زکوٰۃ کی رقم نوکروں یا فقیروں کو دے دی یا ان کے نام پر بنک میں جمع کرادی زکوٰۃ ادا ہوگئی مگر وہ نوکروں یا فقیروں کو عمرہ یا حج پر جانے کے لئے مجبور نہیں کرسکتے اور نہ اُن سے رقم واپس لے سکتے ہیں اگر کوئی نوکر وہی رقم نکال کر اپنی بیٹی کی شادی پر خرچ کرے یا اپنے دیگر حوائج میں خرچ کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ شامی میں ہے:

"و الظاهر له ان يخالف امره لانه مقتضى صحة التملك كما سيأتى فى باب المصرف" (۱۹۱/۳)

ترجمہ: اور ظاہر یہ ہے کہ اس فقیر کے لئے جائز ہے کہ صاحب زکوٰۃ کے امر کی مخالفت کرے کیونکہ مالک ہونے کی صحت کا یہی تقاضا ہے جیسا کہ عنقریب مصرف کے باب میں ذکر کیا جائے گا۔

صحیح حیلہ میں دُگنا ثواب:

● حیلہ میں صاحب زکوٰۃ اور فقیر دونوں کو ثواب ملے گا زکوٰۃ کا ثواب صاحب زکوٰۃ کو اور مدرسہ اور تکفین تدفین کا ثواب فقیر کو ملے گا۔ مگر بعض علماء فرماتے ہیں یہاں صاحب زکوٰۃ کو دو ثواب ملیں گے ایک زکوٰۃ کا اور دوسرا مدرسہ کی تعمیر اور تکفین و تدفین کا اور فقیر کو صرف ایک ثواب مدرسہ کی تعمیر اور تدفین اور تکفین کا ملے گا۔ صاحب زکوٰۃ چونکہ دال علی الخیر ہے اس کو دو ثواب ملیں گے اگرچہ تعداد اور کیفیت کے لحاظ سے ثواب مختلف ہوتا ہے دال کو کم اور اصل کو زیادہ ملتا ہے۔ علامہ شامی اس جگہ ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ امام سیوطی نے جامع صغیر میں روایت کیا ہے:

"لو مرت الصدقة علی ید مأۃٍ لکان لھم من الاجر مثل اجر المبتدی من غیر ان ینقص من اجرہ شیء" (۱۹۱/۳)

یعنی اگر صدقہ سو ہاتھ پر گذرے ہر ایک کے لئے مبتدی اور اہل جیسا اجر ہوگا بغیر اس کے کچھ مبتدی کے اجر سے کم ہو۔ یہی حکم مدارس کی عمارت وغیرہا کے لیے حیلہ میں ہے۔ اصحابِ زکوٰۃ کو بھی ثواب ملے گا اور طلباء کو بھی ثواب ملے گا اور ناظم کو بھی ثواب ملے گا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

● معلوم ہوا بوقت ضرورت نیت صحیح ہو تو حیلہ میں حیلہ کرنے والوں کو مکمل ثواب ملتا ہے کچھ لوگ فقیر کو زکوٰۃ کا مال دے کر واپس لے لیتے ہیں اور زکوٰۃ خود استعمال کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں زکوٰۃ ادا ہوگئی اور اس حیلہ سے زکوٰۃ اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یہ تصور غلط اور باعث غضب الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ امان عطا فرمائے۔

زکوٰۃ فوراً ادا کرنا واجب ہے:

● زکوٰۃ ادا کرنا تو فرض ہے لیکن مال پر سال مکمل ہونے کے بعد فوراً فقراء یا ان کے وکیل کو زکوٰۃ دے دینا واجب ہے یہی مفتی بہ قول ہے لہٰذا اگر کوئی شخص بلا عذر زکوٰۃ کی ادا مؤخر کرتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا اور اس کی شہادۃ کا قاضی پر قبول کرنا

واجب نہیں ہوگا۔ (در مختار اور رد المحتار)

● تاخیر کی وجہ سے گناہ کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ ادا کے ممکنہ اوقات میں سے پہلے وقت ادا کرنا واجب ہے مثلاً فقیر موجود ہے اس تک زکوٰۃ پہنچانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اس صورت میں ایک دو دن کی تاخیر کی وجہ سے بھی صاحب زکوٰۃ گنہگار ہو جائے گا۔ اس قول میں نہایت تنگی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ایک سال تک تاخیر کرنے سے صاحب زکوٰۃ مردود الشہادۃ اور فاسق ہو جائے گا۔ ایک سال کی زکوٰۃ دوسرے سال سے پہلے ادا کردے تو مردود الشہادۃ اور فاسق نہیں ہوگا۔ (شامی بحوالہ بدائع۔ ۱۹۲/۳)

● موجودہ زمانہ میں بعض حضرات زکوٰۃ کی رقم باقی مال سے الگ کر کے رکھ لیتے ہیں اور حسب خواہش مستحقین کو وقتاً فوقتاً زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں ان پر واجب ہے کہ سال کے ختم ہونے اور دوسری زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کردیں ورنہ گنہگار ہوں گے اور اگر صاحبِ مال زکوٰۃ کی رقم اپنے وکیل کو دے دے کہ فقراء کو ادا کردے وکیل پر واجب ہے کہ سال کے اختتام سے پہلے زکوٰۃ اپنے قبضہ سے نکال دے وکیل فقیروں یا فقیروں کے وکلاء کو سال سے پہلے زکوٰۃ ادا کردے۔

● بعض تنظیمیں لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے زکوٰۃ کے مال سے مکانات تیار کرواتی ہیں اور مستحقین کو ایک عرصہ کے لئے بغیر کرایہ مکان دے کر پھر مکان واپس کر لیتی ہیں ایسی صورت میں اصحاب زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور سالہا سال مؤخر ہونے کی وجہ سے اصحاب زکوٰۃ اور وکلا تنظیمیں گنہگار ہوتی رہیں گی۔

(محمد رفیق حسنی)

تجارتی مال کے احکام:

● کرنسی، سونا اور چاندی اور حیواناتِ سائمہ بغیر نیت مالِ تجارت ہوتے ہیں ان کے علاوہ دیگر اموال موتی، یاقوت، زمرد وغیرہا اور پلاٹ اور زمین اور غیر منقولہ

جائیداد اور حیوانات علوفہ (گھر میں رہنے والے جانور) اور عبید (غلام) اور لونڈیاں اور کپڑے اور دیگر منقولہ سامان یہ سب تجارت کی نیت اور عمل سے تجارت کا مال ہو جاتے ہیں اور ان پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے اور اگر ان مذکورہ اموال میں تجارت کی نیت نہ ہو یہ اموال غیر تجارتی رہتے ہیں ان کی قیمت لاکھوں اور کروڑوں میں بھی ہو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے پھر غیر تجارتی اموال اگر حاجات اصلیہ اور بنیادی ضروریات میں شمار ہوتے ہوں، ان اموال پر کوئی شرعی حکم نہیں لگایا جاتا ان کا ہونا نہ ہونے کی طرح ہوتا ہے اور اگر غیر تجارتی اموال حاجات اصلیہ سے زائد ہوں، ان کی قیمت دوسو درہم (ساڑھے باون تولہ یعنی 612.36 گرام چاندی) یا زائد بنتی ہے، ان کے مالک پر قربانی اور فطرہ واجب ہو جاتا ہے کیونکہ ایسے اموال کا مالک غنی ہوتا ہے اسے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہوتا اور اگر حاجات اصلیہ کے علاوہ غیر تجارتی اموال یا تجارتی اموال کی قیمت حج کے مصارف کے لئے کافی ہو تو آدمی پر حج بھی فرض ہوتا ہے۔

• سونا اور چاندی خام ہو یا دراہم اور دنانیر کے سکے ہوں اور موجودہ دور کے کرنسی نوٹ اور حیواناتِ سائمہ بغیر نیت مالِ تجارت ہوتے ہیں اگر ان اموال کا نصاب پایا جائے، مالک پر ان کی زکوٰۃ واجب ہوگی، تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو ہر صورت نقود اور حیواناتِ سائمہ کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ نقود اور حیواناتِ سائمہ کے علاوہ دوسرے اموال کا تجارتی مال ہونا یقینی نہیں ہوتا اس لئے ان اموال کو مالِ تجارت بنانے کے لئے تجارت کی نیت اور عمل شرط ہے اور تجارت کی نیت اس وقت ضروری ہوتی ہے جب ان اموال کی تجارت کے لیے خرید یا فروخت کیا جائے اگر عقد کے وقت تجارت کی نیت نہ ہو تو وہ تجارت کا مال نہیں ہوں گے۔

عقد تجارت کی تعریف:

"ھو کسب المال بالمال بعقد شراءٍ او اجارۃ او استقراضٍ"

(در مختار۔ ص: ۳/۱۹۴)

ترجمہ: مال کے بدلے مال حاصل کرنا عقد کے ساتھ وہ عقد شراء اور خریدنا ہو یا عقد اجارہ ہو یا قرض حاصل کرنا ہو۔

• نوٹ: تجارت کی یہ تعریف نقود اور حیواناتِ سائمہ کے علاوہ باقی مال کے عقد تجارت کی ہے جن کے مالِ تجارت ہونے میں نیت شرط ہوتی ہے نقود اور حیواناتِ سائمہ میں زکوٰۃ ہر صورت واجب ہوتی ہے نیت کی شرط نہیں ہوتی۔

• تجارت کی تعریف میں تین اموال کا ذکر ہے۔ اوّل، عقد شراء اور خرید سے حاصل مال۔

دوم، عقد اجارہ سے حاصل مال۔

سوم، قرض سے حاصل مال۔

یہ تینوں اموال عقد شراء کے وقت تجارت کی نیت سے مالِ تجارت ہو جاتے ہیں اور استعمال یا کسی دوسری نیت سے مالِ تجارت نہیں ہوتے۔

اوّل: عقد شراء کی توضیح:

• عقد شراء کو عقد بیع لازم ہے دونوں فریق مشتری اور بائع دونوں مال حاصل کرتے ہیں بیع کی تعریف گذر چکی ہے کہ مال کا مال سے تبادلہ باہمی رضامندی سے ہو اسی کو بیع کہتے ہیں مال فروخت کرنے والا بائع ہوتا ہے اور مال خرید کرنے والا مشتری کہلاتا ہے۔

عقد شراء کی مثال:

• کسی شخص نے کپڑا خریدا قیمت ادا کی خریدار نے کپڑا خریدتے وقت تجارت اور آئندہ نفع پر فروخت کر دینے کی نیت کی، یہ کپڑا تجارت کا مال ہوگا اور اگر خریدتے وقت اپنے استعمال کے لئے نیت کی تو یہ کپڑا تجارت کا مال نہیں ہوگا۔

• اگر خریدار نے کپڑا خریدتے وقت کسی دوسرے کو فروخت کرنے کی نیت نہیں

کی تھی خرید لیا اور پھر بعد میں آگے فروخت کرنے کی نیت کی یہ کپڑا مالِ تجارت نہیں ہو گا کیونکہ خریدنے کے عمل کے ساتھ نیت کا مقارن ہونا شرط ہے مگر جب وہ شخص کپڑے کو فروخت کردے اور اس کے بدلے میں جو چیز خرید کرے اس میں تجارت کی نیت کرے، حاصل مال تجارت کا ہو گا۔

● اگر کپڑا فروخت کرنے والے شخص نے نقود کے علاوہ کوئی جنس یا سامان کپڑے کے معاوضہ میں وصول کیا اور اس حاصل مال کو آگے فروخت کرنے کی نیت کی تھی، اس کے پاس حاصل مال تجارت کا ہو گا جیسے کاروباری لوگ مال کے بدلے مال کی خرید وفروخت کرتے ہیں۔ دونوں فریق بائع اور مشتری ہوتے ہیں، دونوں کا مال تجارت کے لیے ہو گا۔

● سونا اور چاندی اور ہر دور کی مروج کرنسی بلا نیت مالِ تجارت ہیں ان میں تجارت کی نیت ہو یا استعمال کی نیت ہو ہر صورت یہ مالِ تجارت ہیں اگر کسی نے زر گرسے خام سونا یا چاندی کرنسی نوٹوں کے بدلے خریدا یا سونے اور چاندی کے زیورات استعمال کے لئے خریدے دونوں صورتوں میں سونا اور چاندی بلانیت مالِ تجارت ہیں اور فروخت کنندہ نے جو نوٹ حاصل کیے وہ بھی بلانیت مالِ تجارت ہیں دونوں کے نصاب پر سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہو گی۔

● سونے اور چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں کی خرید وفروخت میں مالِ تجارت ہونے یا مالِ تجارت نہ ہونے میں خریدار اور فروخت کنندہ کی اس نیت کا اعتبار ہو گا جو خرید وفروخت کے وقت کی تھی، اگر تجارت کی نیت ہے تو وہ مالِ تجارت ہو گا اور اگر استعمال کی نیت ہے یا کسی کو ہدیہ دینے کی نیت ہے تو وہ مالِ تجارت نہیں ہو گا۔

● آج کل سونے اور چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں کے زیورات کی خرید و فروخت بھی ہوتی ہے ان زیورات کا مالِ تجارت ہونا تجارت کی نیت پر موقوف

ہو گا۔

● الغرض نقود کے علاوہ سامانِ زندگی سوئی، جھاڑو سے لے کر مہنگے مہنگے جواہر اور مکان اور پلازے اور حیوانات سب اشیاء کا مالِ تجارت ہونے اور مالِ تجارت نہ ہونے کی مدار نیت اور عقد پر ہے۔ (محمد رفیق حسنی)

● اگر کسی نے تجارت کی نیت سے مال خریدا پھر اس نے ترکِ تجارت کی نیت کرلی یا اپنے استعمال کے لئے نیت کرلی وہ مال تجارت کا مال نہیں رہے گا۔

● در مختار میں عبد کی مثال ذکر کی گئی ہے کہ ایک شخص نے تجارت کی نیت سے عبد خریدا پھر اس عبد سے خدمت لینے کی نیت کرلی یعنی ترکِ تجارت کی نیت کرلی وہ عبد فقط نیت کرلینے سے خدمت کا عبد ہو جائے گا، تجارت کا مال نہیں رہے گا اور دوبارہ پھر صرف تجارت کی نیت کرنے سے عبد تجارت کا مال نہیں بنے گا جب تک اس کو تجارت کی نیت سے فروخت نہ کیا جائے۔

● اگر اسی غیر تجارتی عبد کو ایسے مال کے معاوضہ میں تجارت کی نیت سے فروخت کیا جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس عبد کا بدل مالِ تجارت ہو گا اور وہ عبد بھی مالِ تجارت ہو جائے گا یا اسی غیر تجارتی عبد کو تجارت کی نیت سے اجرت پر دے دیا تو اس کا بدل اجرت مالِ تجارت ہو گی۔ دونوں صورتوں میں اگر عبد کا بدل نقد نہ ہوا تو دین متوسط ہو گا کیونکہ غیر تجارتی اموال کا بدل تجارت کی نیت سے مالِ تجارت ہو جاتا ہے مگر اس کا دین دین متوسط ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

● نوٹ: در مختار کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر تجارتی عبد فروخت کے بعد تجارت کا مال ہو جائے گا اور مالِ تجارت کا بدل مالِ تجارت ہوتا ہے اِلّا یہ کہ اس میں ترکِ تجارت کی نیت ہو لیکن در حقیقت غیر تجارتی عبد یا غیر تجارتی مال کا بدل یا کرایہ تجارت کی نیت سے مالِ تجارت تو ہو جاتا ہے مگر فروخت شدہ غیر تجارتی مال ضروری نہیں کہ وہ بھی مالِ تجارت ہو جائے۔ (محمد رفیق حسنی)

• عبد کا ذکر بطور مثال ہے ورنہ سب مالوں کا یہی حکم ہے کہ تجارت کی نیت سے خریدنے کے بعد نیت تبدیل کرلی، فقط نیت تبدیل ہونے سے وہ تجارت کا مال نہیں رہتا پھر غیر تجارتی مال صرف نیت سے تجارت کا مال نہیں ہوتا جب تک عقد شراء یا اجارہ کے ساتھ نیت نہ ہو۔ فرق کی وجہ یہ ہے کہ تجارت عمل کا نام ہے صرف نیت کرلینے سے عمل کا وجود نہیں ہوتا اور ترکِ تجارت عدم عمل ہے، اس میں فقط نیت کافی ہوتی ہے۔

• علامہ شامی نے اس کی بعض مثالیں تحریر فرمائیں کہ مقیم صرف سفر کی نیت سے مسافر نہیں بن جاتا کیونکہ سفر ایک عمل ہے، سفر کرنے سے مسافر بنے گا لیکن مسافر صرف ترکِ سفر کی نیت سے مقیم ہو جاتا ہے۔ صائم صرف نیت سے صائم نہیں ہو جاتا کیونکہ صوم مفطرات ثلثہ سے اجتناب کا نام ہے لیکن صائم صرف ترکِ صوم کی نیت سے غیر صائم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کافر فقط اسلام لانے کی نیت سے مسلمان نہیں ہوگا جب تک اسلام قبول نہ کرے مگر مسلم ترک اسلام کی نیت سے کافر ہو جاتا ہے۔ جانور صرف نیت سے سائمہ نہیں ہو جاتے بلکہ عمل اسامۃ شرط ہے اور ترک اسامۃ کی نیت سے ہی غیر سائم ہو جاتے ہیں۔ شامی میں ہے: "لان التروك كلها يكتفى فيها بالنية" (ترجمہ: ترک کی ساری اقسام میں صرف نیت کے ساتھ اکتفاء کیا جاتا ہے) یعنی تجارت اور عدم تجارت میں فرق یہ ہے کہ تجارۃ عمل ہے فقط نیت سے مکمل نہیں ہوگی بخلاف خدمت کے کیونکہ خدمت ترکِ عمل ہے اور ترکِ عمل صرف نیت کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے کیونکہ ترک کے تمام اقسام میں نیت کے ساتھ اکتفاء کیا جاتا ہے۔ (۳/۱۹۸)

• اگر کسی شخص نے تجارت کے مال میں ترکِ تجارت کی نیت نہیں کی اور اس مالِ تجارت کو اپنے پاس کئی سالوں تک روکے رکھا اور نفع بھی اٹھاتا رہا وہ مالِ تجارتی مال سے خارج نہیں ہوگا، اس مال کی ہر سال زکوٰۃ دینا ہوگی مثلاً تجارت کی نیت سے

مکان خریدا اور اس میں رہائش رکھ لی یا کرایہ پر دے دیا یا گاڑی خریدی پھر اسے استعمال کرتا رہا یا کرایہ پر دے دیا یا جانور تجارت کی نیت سے خریدے اور اُن کو اپنے پاس روک لیا اور ان کا دودھ وغیرہ استعمال کرتا رہا۔ مذکورہ تجارتی اموال میں آدمی فروخت کرنے کی نیت پر قائم رہا کہ جب موقع ملے گا فروخت کردوں گا وہ مکان اور جانور وغیرہا تجارت کے مال سے خارج نہیں ہوں گے، ان کی ہر سال زکوٰۃ دینا ہوگی۔

• آج کل اکثر تجّار اسی طرح کاروبار کرتے ہیں۔ تجارت کے مال سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں گاڑیاں اور مکان اور جانور وغیرہ نفع پر فروخت کرنے کی نیت سے خریدتے ہیں مگر سال سال دو دو سال ان کے زیرِ استعمال رہتی ہیں مہنگائی کا انتظار کرتے رہتے ہیں جب خرید کردہ چیز مہنگی ہو جائے پھر فروخت کردیتے ہیں۔ فروخت تک ترکِ تجارت کی نیت نہیں کرتے، ایسا مال ہمیشہ تجارت کا مال ہوگا۔ شامی میں ہے:

"(قوله فنوى بعد ذالك خدمته) اى و ان لا يبقى للتجارة لما فى الخانية عبد التجارة اذا اراد ان يستخدمه سنتين فاستخدمه فهو للتجارة على حاله الا ان ينوى ان يخرجه من التجارة و يجعله للخدمة" (۳/۱۹۲)

در مختار کی عبارت "فنوی...الخ" (یعنی اس شخص نے اس کے بعد اس عبد تجارۃ کے ساتھ اپنی خدمت کی نیت کرلی) کا مفہوم یہ ہے وہ شخص یہ نیت کرے کہ وہ عبد تجارت اور فروخت کرنے کے لئے باقی نہیں رہا۔ جیسے قاضی خان میں ہے کہ تجارت کا عبد جب مالک ارادہ کرے کہ اس عبد سے وہ دو سال تک خدمت لے گا پھر بیچ دے گا اس عبد سے دو سال خدمت لی پس وہ عبد تجارت کے لئے ہوگا اپنے حال پر مگر یہ کہ مالک نیت

کرے کہ اس عبد کو تجارت اور فروخت سے خارج کرنے کی اور اس کو خدمت کے لئے کر دے۔

- معلوم ہوا تجارتی فلیٹ اور مکان اور دوکان اور گاڑی اور جانور وغیرہا چند ماہ یا سال صرف ذاتی استعمال سے یا کرایہ پر دینے سے تجارت سے خارج نہیں ہوتے جب تک اخراج کی نیت نہ کی جائے لہٰذا تجارتی فلیٹ یا مکان وغیرہ کرایہ پر دیا گیا ہو، مکان کی مالیت اور کرایہ پر الگ الگ زکوٰۃ واجب ہو گی۔ تجارتی مکان یا دوکان کو تاجر جب تک تجارت سے خارج کرنے کی نیت نہیں کرے گا اس وقت تک وہ تجارت کا مال ہوں گی۔
- عشری اور خراجی زمین جب تک اس میں فصل کاشت ہوتی رہے وہ عشری اور خراجی رہتی ہے اور صرف تجارت کی نیت سے زمین خریدنے سے تجارت کی زمین نہیں بنتی اس میں عشر اور خراج واجب ہوتا ہے اور اگر تجارت کی نیت سے عشری زمین خریدی اور اس میں فصل کاشت کرنا چھوڑ دی وہ زمین تجارت کا مال ہو جائے گی، اس زمین کی ویلیو قیمت پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔ مزید تفصیل آئندہ ذکر کی جائے گی۔(۱۹۲/۳)

وراثت کے مال کے احکام:

- جو مال تجارت کی نیت سے خریدا جائے وہ تجارت کے لئے ہو جاتا ہے مگر وراثت میں ملنے والا نقود کے علاوہ دوسرا مالِ تجارت کا نہیں ہوتا اگرچہ وارث اس میں تجارت کی نیت کرے اور مورث کے پاس بھی وہ مال تجارت کا ہو کیونکہ تجارت کے لیے نیت کے ساتھ عقد شراء یا اجرت کا ہونا شرط ہے۔ مثلاً مرحوم تاجر تھا اور اس کے پاس کروڑوں روپے کا تجارتی مال تھا، فوت ہو گیا اور وہ مال وارثوں کے ملک میں آگیا وہ مالِ تجارت کا نہیں ہو گا اگر اسی حال میں اس پر سال گزر جائے اور وارث اس مال میں خرید و فروخت نہ کرے، اس مال پر زکوٰۃ واجب

نہیں ہو گی کیونکہ وراثت میں کوئی عقد نہیں ہے اور وارث کا مال موروث میں ملک غیر اختیاری ہے لہٰذا تجارتی پلاٹ، مکان، وغیرہ وراثت میں حاصل ہوں، وارث پر ان کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی اگرچہ وارث تجارت کی نیت کرے۔

- در مختار میں ہے:

"و ما اشتراہ لھا ای للتجارۃ کان لھا لمقارنۃ النیۃ لعقد التجارۃ لا ما ورثہ و نواہ لھا لعدم العقد الا اذا تصرف فیہ ناویا فتجب الزکاۃ لاقتران النیۃ" (۱۹۳/۳)

ترجمہ: وہ مال جس کو کسی شخص نے تجارت کے لئے خرید او ہ تجارت کے لئے ہی ہو گا کیونکہ عقد تجارۃ کے ساتھ نیت مقارن ہے مگر وہ مال تجارت کا نہیں ہو گا جس کا کوئی شخص وارث ہوا اور اس مال میں اس نے تجارت کی نیت کر لی کیونکہ یہاں عقد نہیں ہے مگر جب وارث اس مال میں تصرف کرتے وقت تجارت کی نیت کرے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی کیونکہ تصرف کے ساتھ نیت مقترن ہے۔

- اگر کوئی شخص وراثت میں سونے یا چاندی یا حیواناتِ سائمہ کا وارث ہوا۔ وارث پر ہر صورت ایک سال بعد زکوٰۃ واجب ہو گی تجارت کی نیت ہو یا نہ۔
- در مختار میں ہے: "الا الذھب والفضۃ والسائمۃ" (۱۹۲/۳) ترجمہ: مگر سونا اور چاندی اور حیواناتِ سائمہ (اور کرنسی نوٹوں کا بھی یہی حکم ہے) نقود وراثت میں حاصل ہوں ان کی زکوٰۃ واجب ہو گی کیونکہ سونا چاندی پیدائشی اور کرنسی نوٹ عرفی مالِ تجارت ہیں۔
- وراثت کے حکم میں زمین کی فصل بھی داخل ہے اگر کسی آدمی نے عشر ادا کردہ فصل گندم، جَو، وغیرہا۔ ایک سال تک فروخت کرنے کی نیت سے اپنے پاس محفوظ رکھی اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی کیونکہ یہاں کوئی عقد موجود نہیں ہے،

انسان اپنی فصل کا بغیر عقد مالک بن جاتا ہے۔(ص:۴/۱۹۳)

• اگر آدمی وراثت کے مال میں ایسا تصرف اور عمل کرے جس میں تجارت کی نیت صحیح ہوتی ہو، اس مال کے بدل میں زکوٰۃ واجب ہوگی مثلاً عشری یا خراجی زمین کے فصل کے علاوہ وراثت کے مال کو وارث تجارت کی نیت سے فروخت کرے، فروخت کرنے میں جو بدل حاصل ہوگا وہ مالِ تجارت ہوگا۔ در مختار میں ہے: "الا اذا تصرف فیہ ناویًا فتجب الزکوٰۃ لاقتران النیۃ بالعمل" (۴/۱۹۳) مگر جب وراثت کے مال میں تجارت کی نیت کرتے ہوئے تصرف کرے پس زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ نیت عمل کے ساتھ مقارن ہے۔ مقارنۃ شرط ہے۔ شامی میں ہے:

"قولہ ناویًا قال فی النہر یعنی نوی وقت البیع مثلاً ان یکون بدلہ للتجارۃ و لا تکفیہ النیۃ السابقۃ کما ھو ظاہر ما فی البحر" (۴/۱۹۳)

یعنی در مختار کے قول 'ناویًا' کے متعلق نہر الفائق میں ہے، وراثت کے مال میں وارث بیع اور فروخت کے وقت نیت کرے کہ اس کا بدل مالِ تجارت ہوگا اور سابقہ نیت کافی نہیں جیسا کہ بحر الرائق کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

بیع اور شراء اور وراثت کے ماسوا حاصل مال کا حکم:

• ملک میں آنے والا مال جس میں بیع اور شراء اور اجارہ کے عقد کا واسطہ نہیں ہوتا وہ دو قسم کا مال ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ آدمی وراثت کے ذریعہ مال کا مالک ہو، جس کا حکم بیان ہو چکا۔ دوسرا وہ مال جو ایک فریق کی طرف سے ایجاب ہو اور دوسری طرف سے قبول ہو، عقد کا واسطہ نہ ہو اور ملک میں آجائے۔ مثلاً ہبہ، مہر، وصیت، نکاح، خلع، طلاق، دیت اور قصاص میں صلح کے ذریعے آدمی کو حاصل

ہونے والا، ان اموال میں اگر مالک قبول کرتے وقت تجارت کی نیت کرے، اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ ان ذرائع سے حاصل مال تجارت کا ہو جائے گا اور اس مال میں سال کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی اور امام محمد اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ مالِ تجارت کا مال نہیں ہوگا اس مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور اس مال میں تجارت کی نیت لغو ہے۔ یہی اصح اور مفتی بہ قول ہے۔(۴/۱۹۴)

• لیکن نقود یعنی سونے اور چاندی اور کرنسی نوٹوں کا حکم ہمیشہ مالِ تجارت کا ہوتا ہے خواہ نکاح کا مہر ہو یا خلع اور قصاص کا بدل، ہدیہ ہو یا وصیت مگر یہ کہ نقود مال ضمار ہوں یا مرہون ہوں تو مالِ تجارت نہیں ہوں گے لہٰذا اگر کوئی آدمی ہبہ یا وصیت یا نکاح یا خلع یا قصاص کی صلح کے ذریعہ نقود کا مالک ہوگا، سال کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ہبہ اور وصیت اور مہر کی زکوٰۃ میں آئمہ کا اختلاف:

• مذکورہ عقود، ہبہ اور وصیت وغیرہ میں نیت کے باوجود حاصل مال طرفین کے نزدیک تجارت کا مال نہیں بنتا، ان پر تجارت کی تعریف صادق نہیں آتی کیونکہ تجارت کی تعریف کہ (مال کا حصول مال کے بدلے عقد شراء یا عقد اجارۃ یا عقد استقراض کے ذریعہ ہو) یہ تعریف ہبہ اور وصیت وغیرہا عقود پر صادق نہیں آتی یہ عقود صرف قبول پر موقوف ہیں یہاں مال کا مبادلہ مال کے ساتھ نہیں ہوتا۔ ہبہ اور صدقہ اور وصیت میں تبادلہ ہی نہیں ہے صرف قبول ہے اور مہر اور خلع اور صلح کے بدل میں مبادلہ تو ہے لیکن مال کا غیر مال سے تبادلہ ہے۔ طرفین فرماتے ہیں:

"لان التجارۃ کسب المال ببدل ھو مال والقبول اکتساب بغیر بدل اصلا...الخ"

ترجمہ: کیونکہ تجارت مال کا مال کے بدلے حاصل کرنا ہے اور قبول بغیر

بدل اکتساب ہے۔

● علامہ شامی نے نکاح اور خلع کے بدل کے متعلق فرمایا:

''لو تزوجها علی عبد مثلاً فَنَوَتْ کونه للتجارة اَوْ خَالَعَتْهُ علیه فنوی کذالك'' (۱۹۳/۳)

ترجمہ: اگر عورت نے عبد کے مہر ہونے پر نکاح کیا اور اس نے عبد میں تجارت اور نفع پر فروخت کرنے کی نیت کرلی یا عورت نے شوہر سے عبد پر خلع کیا اور شوہر نے حاصل عبد میں تجارت کی نیت کرلی، یہ عبد تجارت کا مال نہیں بنے گا۔ جب تک وہ دوبارہ اس کو تجارت کی نیت سے فروخت نہ کرے کیونکہ دونوں صورتوں میں صرف قبول ہے اور ایک طرف سے مال ہے دوسری طرف سے مال نہیں ہے بلکہ نکاح میں بضع کے منافع بدل میں اور خلع میں منافع کا زوال ہے۔

● سید ابن عابدین شامی نے مہر میں عبد کے ساتھ مثال دی اور نقود کی ساتھ مثال نہیں دی کیونکہ اگر مہر میں سونا چاندی یا نوٹ عورت قبول کرے تو یہ بالاتفاق اور بغیر نیت مالِ تجارت ہوں گے اور ان پر زکٰوۃ واجب ہوگی جیسا کہ سابقہ مسائل میں مکان اور دوکان اور دار کے منافع میں زکٰوۃ کے وجوب کا ذکر ہوچکا ہے۔ لہٰذا نقود منافع کا بدل ہوں تو بھی زکٰوۃ واجب ہوتی ہے خواہ وہ منافع آزاد آدمی کے ہوں یا کسی مال کے ہوں جب حرۃ عورت کے بضع کے منافع کا بدل نقود ہوں بالاتفاق وہ مالِ تجارت ہوتے ہیں تو حر آدمی ملازم کے منافع کی اجرت نقود ہوں، وہ بھی تجارتی مال ہوں گے۔ شامی کے حاشیہ میں ہے:

''(قول الشارح او اجارة) فعقد الاجارة من عقود التجارة لان المنفعه فیها مال'' (۵/۷۰۴۔ مطبوعہ دار الثقافۃ والتراث۔ دمشق)

ترجمہ: یعنی عقد اجارۃ عقود التجارۃ سے ہے کیونکہ عقد اجارۃ میں منفعت مال ہوتا ہے۔

● جب منفعت مال ہے تو ملازم کی اجرت مال کا بدل ہوگا اور اجارۃ عقود تجارت سے ہے لہٰذا اجرت مالِ تجارت ہوگی اور مالِ تجارت کا دین دینِ قوی ہوتا ہے، اس پر زکٰوۃ واجب ہوتی ہے لہٰذا پراویڈنٹ فنڈ اور جی پی فنڈ پر زکٰوۃ واجب ہوگی۔ علمائے دیوبند کو اپنے فتویٰ سے رجوع کرنا چاہیے۔

● اگر کسی کے تجارت کے عبد کو بلا ارادہ دوسرے عبد نے قتل کیا اور فیصلہ میں عبد قاتل مقتول کے وارثوں کو دے دیا گیا۔ مقتول کے عوض ملنے والا عبد بغیر نیت تجارت کا عبد ہوگا۔ شامی میں ہے: ''ای بلا نیة (ح) و ذالك لانه بدل عن المقتول و قد کان المقتول للتجارة فکذا بدله'' (۱۹۴) یعنی مقتول کے عوض دیا گیا عبد بغیر نیت تجارت کا ہوگا (ح) اور یہ اس لئے کہ یہ عبد مقتول کا بدل ہے اور مقتول عبد تجارت کے لئے تھا اس لئے اس کا بدل بغیر نیت تجارت کا ہوگا۔

● معلوم ہوا ہر وہ مال جو تجارت کے مال کا بدل ہوگا وہ بغیر نیت مالِ تجارت ہوگا۔ در مختار میں ہے:

''کل ما قوبض به مال التجارة فانه یکون لها بلا نیة کما مر'' (۱۹۴/۳)

ترجمہ: ہر وہ مال جو مالِ تجارت کے عوض قبضہ میں آئے وہ مالِ تجارت ہوتا ہے جیسے پہلے گذر چکا ہے۔

مزید بحث غنم (بکریوں) کی زکٰوۃ کے باب میں ذکر کی جائے گی۔

● سونے اور چاندی (اور کرنسی نوٹوں) اور حیواناتِ سائمہ کے علاوہ جواہر اور موتیوں اور عمارات (زمین اور پلاٹ اور مکان وغیرہ) اور حیوانات علوفہ (گھر میں ذاتی چارہ کھانے والے جانور) اور غلام اور کپڑے اور دیگر سامان میں زکٰوۃ نہیں ہے اگرچہ ان اموال کی قیمت لاکھوں اور کروڑوں روپے ہو اور اگر جواہر موتی

اور یاقوت اور زمرد وغیرہا اور دیگر اموالِ تجارت کی نیت سے خرید کردہ ہوں اور آئندہ فروخت کے لئے ہوں، یہ اموالِ تجارت ہوں گے اور مالک پر ان کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (ردالمحتار مع درمختار ۳/۱۹۴) جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

زکوٰۃ میں تکرار جائز نہیں:

- درمختار میں ہے:

"والاصل ان ما عدا الحجرین والسوائم انما یزکی بنیت التجارۃ بشرط عدم المانع المؤدی الی الثنی" (۳/۱۹۴)

ترجمہ: اور اصل یہ ہے کہ سونے اور چاندی اور حیواناتِ سائمہ کے علاوہ اموال میں تجارت کی نیت ہو تو زکوٰۃ دی جاتی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ زکوٰۃ سے کوئی مانع اور رکاوٹ نہ ہو، یہ کہ ایک مالِ معین میں زکوٰۃ کا تکرار لازم نہ آئے۔

- حدیث شریف میں ہے: "لا ثنی فی الصدقۃ" یعنی صدقہ میں تکرار جائز نہیں ہے۔
- مثلاً کسی شخص نے خراجی زمین تجارت کی نیت سے خریدی، اس میں فصل کاشت ہو یا نہ یا عشری زمین تجارت کی نیت سے خریدی مگر اس زمین میں فصل کاشت کردی خراجی زمین میں خراج اور عشری زمین میں تاجر پر صرف عشر واجب ہوگا زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اگر اس زمین کی مالیت پر زکوٰۃ بھی واجب ہو کہ مالِ تجارت ہے اور تجارت کی نیت سے خریدی گئی ہے تو زکوٰۃ کا تکرار لازم آئے گا کیونکہ عشر اور خراج بھی زکوٰۃ کے حکم میں ہے۔ شامی میں ہے: "لان العشر والخراج زکوٰۃ ایضاً" کیونکہ عشر اور خراج بھی زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ کے تکرار کی وجہ سے عشری اور خراجی زمین میں تجارت کی نیت لغو ہو جائے گی۔ یہی حکم کسی بھی فصل کے بیج کا ہے کہ بیج تجارت کے لئے خریدا پھر اسے کاشت کردیا تو بیج

تجارت کا نہیں رہے گا۔ درمختار میں ہے:

"وکما لو شری ارضا خراجیۃ ناویا للتجارۃ او عشریۃ وزرعھا او بذرًا للتجارۃ وزرعہ لا یکون للتجارۃ لقیام المانع" (۳/۱۹۵)

ترجمہ: اور جس طرح کسی آدمی نے تجارت کی نیت کرتے ہوئے خراجی زمین خریدی (اس میں کاشت ہو یا نہ) یا عشری زمین تجارت کی نیت سے خریدی اور اس میں فصل کاشت کردی یا بیج تجارت کی نیت سے خریدا اور اسے کاشت کردیا، یہ تجارت کے لئے نہیں ہوں گے کیونکہ مانع موجود ہے (جو کہ تکرارِ زکوٰۃ ہے)۔

- اگر عشری زمین تجارت کی نیت سے خریدی جائے اور اس میں فصل کاشت نہ کی جائے وہ زمین تجارت کی ہو جاتی ہے۔ شامی میں ہے:

"مفھومہ انہ اذا لم یزرعھا تجب زکوٰۃ التجارۃ فیھا لعدم وجوب العشر فلم یوجد المانع واما الخراجیۃ فالمانع موجود وھو الثنی وان عطلت" (۳/۱۹۶)

ترجمہ: درمختار کی عبارۃ "زرعھا" کا مفہوم یہ ہے کہ اگر خرید کردہ تجارتی زمین کو خریدار نے کاشت نہ کیا، وہ زمین تجارت کی ہوگی، اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ اس زمین میں فصل نہ ہونے سے عشر واجب نہیں پس مانع نہیں پایا گیا لیکن خراجیہ میں مانع موجود ہے وہ مانع وظیفہ کا تکرار ہے اگرچہ زمین معطل ہو۔

- اور خراجی زمین (جس پر خراج (ٹیکس) مقرر ہے) تجارت کی نیت سے خریدی جائے وہ زمین تجارت کے مال میں تبدیل نہیں ہوتی کیونکہ خراج کا تعلق فصل کے ساتھ نہیں ہوتا، کچھ پیدا ہو یا نہ ہو خراج (ٹیکس) لازم ہوتا ہے ٹیکس اور زکوٰۃ ڈبل وظیفہ ایک ہی زمین پر جائز نہیں ہے البتہ خراج مقاسمہ یعنی خراج

فصل کے کسی حصے پر طے ہونے والا ہو تو وہ زمین کی پیداوار پر لازم ہوگا پیداوار نہ ہو تو خراج مقاسمۃ لازم نہیں ہوگا۔ اور خراج موظف (متعین) ہر صورت واجب ہوتا ہے۔(۳/۱۹۴)

• غیر تجارتی عشری زمین میں تو عشر متعین ہوتا ہے اور تجارت کے لئے خرید کردہ بیج بحر الرائق کی ترجیح کے مطابق غیر تجارتی زمین میں کاشت ہونے پر غیر تجارتی ہو جاتا ہے۔ اس بیج پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ تجارتی بیج کو کاشت کا عمل تجارت سے نکال دیتا ہے۔ (۳/۱۹۶)

• نوٹ: امام محمدؒ کے نزدیک تجارت کی نیت سے خرید کردہ زمین کی مالیت پر ہر صورت زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ عشر کا تعلق فصل کے ساتھ ہوتا ہے اور زکوٰۃ کا تعلق زمین کے ساتھ ہوتا ہے۔ دو حقوق کا ایک مال میں جمع ہونا لازم نہیں آئے گا مگر فتویٰ شیخین کے قول پر ہے کیونکہ وجوبِ زکوٰۃ کا سبب دونوں زمین اور فصل میں ایک ہی حق اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق جن کا تعلق زکوٰۃ کے اموال کے ساتھ ہوتا ہے ان میں دو حق جمع نہیں ہوتے۔ جیسے تجارت کے حیواناتِ سائمہ میں صرف تجارت کی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔(۱۹۶/۳)

تجارت کی نیت کے احکام:

• نقود اور حیواناتِ سائمہ کے علاوہ دوسرے اموال کی خرید و فروخت اور اجارہ اور استقراض میں وجوبِ زکوٰۃ کے لیے تجارت کی نیت کا عقد کے ساتھ متصل ہونا شرط ہے۔ اگر نیت نہ کی یا مال خرید لینے کے بعد تجارت کی نیت کرلی یا گھر میں استعمال کے لئے کوئی چیز خریدی اس نیت کے ساتھ کہ اگر اس چیز میں نفع ملا تو اسے فروخت کردوں گا۔ ایسے اموال مالِ تجارت نہیں ہوں گے اور ان کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہیں ہوگی۔ در مختار میں ہے:

"ولو نوی التجارۃ بعد العقد او اشتری شیئا للقنیۃ ناویا انہ ان

وجد ربحًا باعہ لا زکوٰۃ علیہ" (۱۹۵/۳)

ترجمہ: اگر کسی شخص نے عقد اجارہ یا شراء کے بعد تجارت کی نیت کی یا کوئی چیز استعمال کرنے کے لئے خریدی یہ نیت کرتے ہوئے کہ اگر نفع ملے گا اس کو بیچ دوں گا ایسے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

• در مختار کی عبارت میں 'قنیۃ' کے لفظ کا معنی استعمال کرنا ہے اور اس کا معنی حفاظت نہیں ہے کیونکہ ہم شامی سے نقل کرچکے ہیں کہ اگر کسی شخص نے تجارت کی نیت سے کوئی چیز خریدی اور اُسے دو سال یا زائد کے لیے اپنے پاس محفوظ کیے رکھا اگر مالک اس خرید کردہ چیز استعمال کرتا رہے یا اس کو کرایہ پر بھی دے دے وہ مالِ تجارت کا رہتا ہے، تاجر حضرات تجارت کا مال اسٹوروں میں بحفاظت رکھ دیتے ہیں اور پلاٹ اور مکان تجارت کی نیت سے خرید کر مہنگا ہونے پر فروخت کرنے کے انتظار میں بیس بیس سال تک رکھ دیتے ہیں۔ ان محفوظ پلاٹوں اور اموال پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ چنانچہ الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

"لا یقصد بالمال القنیۃ (امساکہ للانتفاع بہ و عدم الاتجار)۔(۱۸۶۹/۱)

یعنی زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس سے قنیہ مقصود نہ ہو یعنی مال کے ساتھ نفع اٹھانے کے لئے اسے روکنا اور اس مال کے ساتھ تجارت نہ کرنا مقصد ہو پھر تجارت کی نیت کرلی جائے۔ (احناف کی نزدیک اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔)

• معلوم ہوا بعض علماء کا 'قنیۃ' کے لفظ کا یہ ترجمہ کرنا کہ ایک چیز مال محفوظ رکھنے کے لئے اس نیت کے ساتھ خریدی کہ اگر نفع ملے گا تو اسے بیچ دوں گا تو اس پر فی الوقت زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (ص:۶۳۔ زکوٰۃ) صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ تجارتی مال پر زکوٰۃ کے وجوب کے لیے محفوظ نہ رکھنے کی شرط نہیں ہے۔

مکان کے کرایہ کا حکم:

● مثلاً کسی شخص نے اپنا مکان (نقود کے علاوہ) دوسرے مال کے معاوضہ میں تجارت کی نیت سے کرایہ پر دیا کرایہ میں حاصل مال تجارت کا مال ہوگا۔ اگر کرایہ پر دیا گیا مکان تجارت کا ہو، بغیر نیت اس کا بدل (کرایہ میں حاصل مال) تجارت کا مال ہوگا کیونکہ مالِ تجارت میں دلالۃ تجارت کی نیت بھی معتبر ہوتی ہے۔

(درمختار اور ردالمحتار)

● اگر مکان تجارت کے لئے نہیں تھا مگر اس مکان کو مالک نے تجارت کی نیت سے کرایہ پر دے دیا کہ کرایہ میں حاصل مال کو نفع پر بیچوں گا تو تجارت کی نیت کی وجہ سے اس مکان کا کرایہ تجارت کا مال ہوگا۔

● مکان تجارت کا ہو یا غیر تجارت کا دونوں صورتوں میں اگر اس کا کرایہ نقود طے ہوئے نقود بغیر نیت مالِ تجارت ہیں۔ سال بھر مالک کے پاس رہنے پر نقود کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر کرایہ میں عروض یعنی دوسرا مال طے ہوا ہے، کرایہ میں حاصل مال میں تجارت کی نیت کرنے سے کرایہ تجارت کا مال ہوگا خواہ قرائن اور دلالۃ سے نیت ہو جیسے تجارتی مکان یا دوکان کا کرایہ یا صراحۃً نیت ہو جیسے رہائشی مکان یا غیر تجارتی دوکان کے کرایہ میں تجارت کی نیت کی جائے، وہ تجارت کا مال ہوگا۔

● اور اگر کرایہ میں عروض طے ہوئے اور مالک نے عروض میں تجارت نہ ہونے کی نیت کرلی کرایہ میں طے مالِ تجارتی مال نہیں ہوگا۔ مثلاً کرایہ کے مالک نے کرائے کو ذاتی حوائج مکان اور نفقہ وغیرہا میں استعمال کرنے کا ارادہ کیا ایسے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اگرچہ اس پر کئی سال گذر جائیں۔ (کتب فقہ)

● عقد اجارہ میں منافع مال کے حکم میں ہوتے ہیں اس لئے منافع کے معاوضہ میں ملنے والے مال پر بیع اور شراء کی تعریف صادق آتی ہے کہ مال کا تبادلہ مال کے

ساتھ باہم رضامندی سے کیا گیا ہو۔ جیسا کہ ہم شامی کے حاشیہ سے نقل کر چکے ہیں اور کتاب الاجارۃ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

عقد استقراض کے مسائل:

● امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ (طرفین) کے نزدیک قرض کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ قرض تجارت کے لئے لیا جاتا ہے اور ایک یہ کہ قرض غیر تجارتی مقاصد کے لئے لیا جاتا ہے۔ اگر قرض غیر تجارتی مقاصد کے لئے ہو تو وہ مال زکوٰۃ نہیں ہوگا مقروض پر اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اگر تجارتی مقاصد کے لئے ہو، وہ مال زکوٰۃ ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ قرض دین ہوتا ہے اور مقروض پر بقدر دین اور قرض زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ امامین کا قرض کو مالِ تجارت قرار دینے کا کیا فائدہ؟ علامہ شامی نے اس کا جواب دیا کہ بعض صورتوں میں فائدہ ہوتا ہے قاعدہ یہ ہے کہ مالِ تجارت کو نقود کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ دی جاتی ہے اگر قرض کو مالِ تجارت قرار دیں گے نقود کے ساتھ مل کر قرض کے نصاب کو دیکھا جائے گا۔ بعض صورتوں میں اس کا فائدہ ہو مثلاً ایک شخص دو سو درہم چاندی کے نصاب کا مالک ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے لیکن اس نے پانچ بوری گندم قرض لے لی ہے اور اس میں تجارت کی نیت نہیں کی، اسے دو سو درہم کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں رہے گا کیونکہ قرض جو کہ دین ہوتا ہے، کی مقدار پانچ بوری کی قیمت دو سو درہم سے وضع کی جائے گی تو چاندی کا نصاب دو سو درہم باقی نہیں رہے گا۔ قرض اور دین زکوٰۃ کے مال سے وضع کیا جاتا ہے، یہ قرض دو سو درہم سے وضع کیا جائے گا اور اگر پانچ بوری میں قرض لیتے وقت تجارت کی نیت کی تھی تو مالک پر دو سو درہم کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی کیونکہ اب قرض کا مقدار دو سو درہم اور پانچ بوری کے مجموعے سے منہا کیا جائے گا اب دو سو درہم کا نصاب باقی ہوگا اور دو سو درہم کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

• موجودہ دور میں کاروباری لوگوں میں مروج ہے کہ لوگ تجارت کی نیت سے مختلف مصنوعات یا اجناس قرض پر لیتے ہیں ان کے مسائل کو اس صورت کی روشنی میں دیکھا جائے گا۔ قرض کی مالیت وضع کرکے باقی مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

نقود اور عروض کی زکوٰۃ کے احکام:

• نقود سے مراد سونا اور چاندی خام ہو یا زیور کی صورت میں ہو یا سکہ درہم یا دینار کی صورت میں ہو، ہر حال میں مالِ تجارت ہے۔ لاکرز میں ہو یا زمین میں مدفون ہو مگر ان کی جگہ معلوم ہو، استعمال کے لئے ہو یا فروخت کے لئے ہو، مالک پر ان کی زکوٰۃ واجب ہے۔ درمختار میں ہے:

"اللازم (مبتداءٌ) فی مضروب کل منهما و معموله و لو تبرا او حلیا مطلقا مباح الاستعمال اولا و لو للتجمل او النفقة لانهما خلق اثمانا فیزکیهما کیف کانا" (۲۲۷/۳)

ترجمہ: سونے اور چاندی کے مضروب سکے اور سونے اور چاندی سے بنائی گئی اشیاء اگرچہ خام ہوں یا زیورات ہوں مطلقاً مباح الاستعمال ہوں یا نہ اگرچہ زینت اور جمال کے لئے ہوں یا نفقہ کے لئے ہوں سونے اور چاندی کے عشر (دسویں) کا چوتھا (1/4) حصہ یعنی چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کرنا لازم اور واجب ہے۔ کیونکہ سونے اور چاندی کو ثمن پیدا کیا گیا پس مالک ان دونوں کی زکوٰۃ ادا کرے گا سونا اور چاندی کسی حالت اور کیفیت میں ہو۔

• سونا اور چاندی پر زکوٰۃ واجب نہ ہونے کی صرف دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ سونے اور چاندی کو رہن رکھا گیا ہو اور اس کے بدلے کرنسی نوٹ یا اجناس مثلاً گندم وغیرہا قرض لی گئی ہوں۔ مرہون سونے اور چاندی کی نہ مالک پر زکوٰۃ واجب ہے اور نہ مرتہن پر، اس کی علت اور وجہ ملک کامل کا نہ ہونا ہے اور ملک کامل یہ ہے

مملوک مال میں ملک یقینی ہو اور اس مال کا واپس ملنا یقینی ہو یعنی حالاً یا مآلاً اصالۃً یا وکالۃً اس میں تصرف کی قدرت یقینی ہو۔ مرہون مال میں مرتہن کا ملک نہیں ہوتا اور مرہون میں راہن کا ملک متردد الوجود ہوتا ہے۔ مالک اور راہن کی رضا اور خوشنودی کے بغیر مرتہن مرہون مال کا دین کے معاوضہ میں مالک بن سکتا ہے۔ چونکہ مال مرہون مضمون بالدین ہوتا ہے اس کی واپسی کا یقین نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس پر راہن کا ملک کامل اور تام نہیں ہوتا۔ تفصیل گذر چکی ہے۔

• دوم یہ کہ سونا اور چاندی مال ضمار کی کسی صورت میں داخل ہو جائے۔ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں، اس وقت سونا اور چاندی کالہالک (ہلاک شدہ کی طرح) ہو جاتا ہے اور اس کا ملک نہایت کمزور ہو جاتا ہے لہٰذا اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

• مال مرہون اور مال ضمار جب واپس ملیں گے، واپسی کی تاریخ سے سال گذرنے پر ان کی زکوٰۃ مالک پر واجب ہوگی۔

• مال مرہون کے معاوضہ میں لئے گئے قرض کی زکوٰۃ قرض دینے والے (مقرض) مرتہن پر واجب ہوگی مقروض اور راہن پر واجب نہیں ہوگی۔

• سونے کا نصاب بیس مثقال مساوی ساڑھے سات تولہ ہے مروج اوزان کے مطابق ۸۷/۴۸ گرام بنتا ہے اور چاندی کا نصاب دو سو درہم مساوی ساڑھے باون تولہ ہے، مروج اوزان کے مطابق 612.36 گرام بنتا ہے۔

• ہر دور اور ہر ملک کے مروج کرنسی نوٹوں کا حکم سونے اور چاندی جیسا ہوتا ہے۔ کرنسی نوٹوں پر ہر حال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ کرنسی نوٹ عرفی ثمن میں محققین علماء کے نزدیک کرنسی نوٹوں کا حکم سونے اور چاندی جیسا ہے۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ)

• کرنسی نوٹوں کا نصاب چاندی کے نصاب 612.36 گرام کی قیمت کا مقدار ہوگا۔

• جناب سرور دو عالم ﷺ کے دَورِ اقدس میں دو سو درہم چاندی یعنی 612.36 گرام چاندی اور بیس دینار سونے یعنی 87.48 گرام کی مارکیٹ ویلیو برابر ہوتی تھی مگر آہستہ آہستہ ہر آنے والے زمانے میں سونے کی مارکیٹ ویلیو سے چاندی کی ویلیو کم ہوتی گئی۔ آج ۲۰۱۴ء مطابق ۱۴۳۵ھ میں پاکستانی کرنسی نوٹوں کے حساب سے 87.48 گرام سونے کی قیمت تقریباً ساڑھے چار لاکھ روپے بنتی ہے اور 612.36 گرام چاندی کی قیمت تقریباً ساٹھ ہزار روپے بنتی ہے۔ کرنسی نوٹوں اور مالِ تجارت کا نصاب ہمارے علمائے کرام چاندی کے نصاب کے ساتھ جوڑتے آئے ہیں اور اس کی وجہ یہ ذکر فرمائی کہ اس میں فقراء کا دنیاوی فائدہ ہے اور اغنیاء کا اخروی فائدہ ہے کیونکہ علماء سے منصوص اوزان میں کمی بیشی کی جرأت تو نہیں ہوسکتی مگر عقل اجتہادی میں یہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ در مختار میں ہے:

"و لو بلغ باحدھما نصابا دون الآخر تعین ما یبلغ به و لو بلغ باحدھما نصابا و خمسا و بالآخر اقل قومه بالانفع للفقیر"

(سراج، ص:۲۲۹)

ترجمہ: اگر تجارتی مال سونے اور چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کو پہنچتا ہے اور دوسرے کے نصاب کو نہیں پہنچتا، تجارتی مال کے لئے سونے یا چاندی کا نصاب متعین ہوگا جس کو مالِ تجارت پہنچتا ہے اور اگر تجارتی مال سونے اور چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب اور پانچویں حصہ کو پہنچتا ہے اور دوسرے سے کم ہوتا ہے اس تجارتی مال کی قیمت سونے اور چاندی میں سے اس کے ساتھ لگائی جائے گی جو فقیر کے لئے انفع ہو۔

ذکر کردہ عبارت میں خمس کا ذکر ایک مفروضہ صورت کی وجہ سے ہے ورنہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ شامی ملاحظہ فرمائیں۔

• چونکہ ہر دور میں چاندی کا نصاب فقراء کے لئے انفع رہا ہے اس لئے ہر دور کے

علماء نے تجارتی مال اور فطرۃ اور قربانی کے وجوب کے لئے چاندی کے نصاب 612.36 گرام کو معیار قرار دیا اور سونے کے نصاب 87.48 کو معیار قرار نہیں دیا۔

عروض کے احکام:

• زکوٰۃ کے ابواب میں عروض سے نقود کے علاوہ جمیع اموالِ تجارت مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ در مختار میں ہے: "و ھو ھنا ما لیس بنقد" (۲۲۸/۳) ترجمہ: اور یہاں عرض تجارۃ سے مراد وہ مال ہے جو نقد نہ ہو۔ لہٰذا تجارتی مال میں زمین اور جانور اور کیلی اور وزنی اور عددی اشیاء خام ہوں یا مصنوعات سب داخل ہوسکتی ہیں اور سب پر زکوٰۃ واجب ہوسکتی ہے۔

عُشری اور خراجی زمین پر زکوٰۃ واجب ہوسکتی ہے:

• کراچی کے بعض علماء نے فرمایا تھا کہ خراجی زمین اگر تجارت کے لئے خرید کر لی جائے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، یہ غلط ہے کیونکہ خراجی زمین بھی عرض ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہوسکتی ہے۔ در مختار میں ہے کہ خراجی زمین پر زکوٰۃ اس لئے واجب نہیں ہوتی کہ اس میں مانع (تکرار وظیفہ) موجود ہے ورنہ یہ زمین بھی عرض ہے۔ فرمایا:

"لا لان الارض لیست من العرض فتنبه" (۳/۲۲۸)

ترجمہ: اس وجہ سے زکوٰۃ کی نفی نہیں کہ زمین عرض نہیں ہے، پس آگاہ ہو۔

لہٰذا جب خراج نہ لیا جاتا ہو اور زمین تجارت کے لیے خرید شدہ ہو، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

• شامی کی عبارت سے معلوم ہوا عشری زمین بھی عرض ہے لہٰذا تجارت کی نیت سے خرید کردہ عشری زمین پر زکوٰۃ واجب ہوگی لیکن شرط یہ ہے کہ تجارت کی نیت سے خرید کردہ زمین میں فصل کاشت نہ کی جائے۔ اکثر شہروں میں لوگ عشری زمینیں تجارت کی نیت سے خرید کرتے ہیں اور پلاٹ بنا کر فروخت کرتے

ربع العشر یعنی چالیسواں۔امام صاحب کے مذہب کے مطابق نصاب کے مکمل ہونے کے بعد نصاب کے خُمس (پانچواں حصہ تک) زکوٰۃ معاف ہے اور نصاب کے بعد نصاب کے پانچویں حصہ میں زکوٰۃ واجب ہے مگر صاحبین کے نزدیک نصاب کے بعد ہر اضافہ پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ واجب ہے۔اس کا ذکر پہلے کر دیا گیا ہے۔

- تجارتی اموال (عروض) کی زکوٰۃ کے وجوب کے لئے چاندی کے نصاب دو سو درہم (ساڑھے باون تولے) مساوی 612.36 گرام قرار دیا جائے گا۔
- نصاب کے مکمل ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ سال کی ابتداء اور انتہاء میں نصاب مکمل ہو۔ابتداء میں اس لئے تاکہ آدمی کے حق میں نصاب انعقاد کا سبب ہو اور انتہاء اس لئے کہ وجوب کا تحقق ہو۔ بالفرض سال کے درمیان نصاب سے مال کم ہو جائے، زکوٰۃ کا وجوب برقرار رہتا ہے۔انتہاء سے مراد سال کا آخری دن تک ہوتا ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔
- کرنسی نوٹوں کے نصاب کے لیے چاندی کے نصاب کو معیار قرار دیا گیا ہے۔ تجارتی اموال اور سونا اور چاندی اور کرنسی نوٹ زکوٰۃ کے مسائل میں ایک جنس کا مال شمار ہوتے ہیں مثلاً کسی آدمی کے پاس تیس تولے چاندی اور مزید مالیت کا کوئی مال سونا یا کرنسی یا مالِ تجارت جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، موجود ہو اور دونوں کو ملا کر نصاب بن جاتا ہے۔چاندی اور دوسرے مال کی زکوٰۃ مالک پر واجب ہو گی۔

تجارتی ایک بھینس یا گائے پر زکوٰۃ واجب ہو سکتی ہے:

- موجودہ دور ۲۰۱۴ء میں پاکستانی کرنسی نوٹوں سے چاندی کے نصاب کی قیمت ساٹھ ہزار روپے ہو گئی ہے اگر کسی آدمی کے پاس تجارت کے لئے خرید کردہ ایک بھینس یا گائے ہے جس کی قیمت ساٹھ ہزار یا اس سے زائد ہے مالک پر بھینس یا

ہیں۔لہٰذا عشری زمین کے پلاٹوں کے مالکان پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔جب تک عشری زمین میں فصل کاشت ہوتی رہے، اس وقت تک تو عشر واجب ہوتا ہے، زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔کاشت نہ ہونے کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔جب زمین کو پلاٹوں میں تقسیم کر دیا جائے تو کاشت بند ہو جاتی ہے اس لیے تجارتی پلاٹوں پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔

بعض معاصر علماء کی غلط فہمی کا ازالہ:

- کراچی، لاہور، اسلام آباد وغیرہا کے مضافات میں ارد گرد عشری زمینیں تجارتی لوگ خرید کر لیتے ہیں تاکہ مناسب وقت پر پلاٹ بنا کر نفع پر فروخت کیا جائے۔ ایسی زمینیں پلاٹنگ کے بعد مالِ تجارت ہو جاتی ہیں اور ان کی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔اگر تجارت کی نیت سے خرید کردہ عشری زمین میں تاجر نے فصل یا گھاس وغیرہ کاشت کرنے کو جاری رکھا، اس زمین پر عشر واجب ہو گا جب کاشت ترک کرے گا اس زمین کی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہو گی اب عشر واجب نہیں ہو گا کیونکہ تجارت کی نیت سے خرید کردہ عشری زمین کا زکوٰۃ کا مال ہونا اس امر کے ساتھ مشروط ہے کہ اسے کاشت نہ کیا جائے جب تک کاشت جاری رہے گی اس میں صرف عشر واجب ہو گا۔کیونکہ ایک ہی مال پر زکوٰۃ اور عشر دونوں واجب نہیں ہوتے۔یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے۔ہم نے دوبارہ اس لئے ذکر کیا کہ بعض معاصر علماء نے تحریر فرمایا کہ کراچی میں پلاٹ عشری زمین خرید کر کے بنائے گئے ہیں اور عشری زمین کسی صورت میں مالِ تجارت نہیں بنتی لہٰذا کراچی کے تجارتی پلاٹوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔
- اُن حضرات کے علم میں لانے کے لیے ذکر کیا گیا کہ عشری زمین بھی مالِ تجارت ہو سکتی ہے۔
- زکوٰۃ کی مقدار نصاب اور اس کے اضافہ میں چالیسواں حصہ ادا کرنا واجب ہے۔

گائے کی زکوٰۃ واجب ہو گی۔ یہی حال تجارتی بکریوں اور بھیڑوں کا ہے اور اگر کسی آدمی کے پاس سونا اور چاندی یا سونا اور نقد روپے نصاب سے کم ہیں مگر باہم ملانے سے چاندی کا نصاب بن جاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ در مختار میں ہے:

"وَ قِيْمَةُ العرض للتجارة تضم الى الثمنين لان الكل للتجارة وَضْعًا وَ جَعْلًا و يضم الذهب الى الفضة و عكسه بجامع الثمنية قيمةً" (۲۳۴/۳)

ترجمہ: اور تجارت کے مال کی قیمت سونے اور چاندی کے ساتھ ملائی جائے گی کیونکہ کل (تجارتی مال اور سونا اور چاندی) اصل اور عرف کے اعتبار سے تجارت کے لئے ہوتے ہیں اور سونا چاندی کے ساتھ یا چاندی سونے کے ساتھ قیمت کے لحاظ سے ملائی جائے گی کیونکہ ان میں ثمنیت مشترکہ ہے جو کہ انضمام کی علت ہے۔

• ردالمحتار (شامی) میں ہے:

"(قوله و يضم...الخ) اى عند الاجتماع اما عند انفراد احدهما فلا تعتبر القيمة اجماعا (بدائع) لان المعتبر وزنه اداء و وجوبا كما مر" (۲۳۴/۳)

ترجمہ: اور مصنف کا قول یضم۔۔۔الخ، یہ کہ سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا یا بالعکس اس وقت ہے جب دونوں (اپنے اپنے نصاب سے کم) ہوں لیکن ان میں سے کسی ایک کے انفراد کی حالت میں قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا، وزن کا اعتبار ہوگا، اس پر اجماع ہے۔ (بدائع) کیونکہ زکوٰۃ کی اداء اور وجوب میں انفرادیت کے وقت ہر ایک کا وزن معتبر ہوگا، جیسا کہ پہلے گذرا ہے۔

• پھر فرمایا:

"و لكن يجب ان يكون التقويم بما هو انفع للفقراء رواجا...الخ" (۲۳۴/۳)

اور لیکن واجب ہے کہ سونے یا چاندی میں سے قیمت اس کے ساتھ لگائی جائے جس کے رواج میں فقراء کے لئے زیادہ نفع ہو۔

• علامہ شامی نے فرمایا "(قوله قيمته...الخ) اى من جهة القيمة" یعنی چاندی یا سونا اگر نصاب سے کم ہو تو پھر قیمت لگا کر ایک نصاب بنایا جائے گا۔ مثلاً ایک شخص ایک سو درہم (چاندی کا آدھا نصاب) اور پانچ مثقال (سونے کا چوتھائی نصاب) کا مالک ہے اور سونے کے پانچ مثقال کی قیمت ایک سو درہم ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو گی کیونکہ قیمت کے لحاظ سے چاندی کا نصاب مکمل ہو گیا۔ اگر چاندی کا زیور یا برتن ایک سو درہم کے وزن (آدھا نصاب) کا ہے اور زیور یا برتن بنوائی کی وجہ سے اس برتن یا زیور کی قیمت دو سو درہم پورا نصاب ہے یا زیادہ بنتا ہے، اس زیور یا برتن کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی کیونکہ انفرادی حالت میں چاندی کا وزن دیکھا جائے گا۔

• اگر کسی آدمی کے پاس صرف سونا ہے مگر وہ اپنے نصاب 87.48 گرام سے کم ہے اس آدمی کے پاس چاندی یا کرنسی نوٹ یا مالِ تجارت میں سے کوئی مال نہیں ہے اس شخص پر سونے کی زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی اگرچہ سونے کی قیمت چاندی کے نصاب کی قیمت ساٹھ ہزار یا ساٹھ ہزار سے زائد ہو کیونکہ ایک مال کو دوسرے مال سے اس وقت ملایا جاتا ہے جب دو قسم کے اموال ہوں۔ تفصیل گذر چکی ہے۔

غنی کی اقسام اور احکام:

• مگر یہ بات ذہن میں رہے اگر نصاب سے کم سونے کی قیمت چاندی کے نصاب کے برابر ہے، وہ شخص شرعاً غنی ہے، زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتا اور اس پر فطرہ اور قربانی واجب ہے۔ کیونکہ غنی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے ملک میں حاجات

اصلیہ اور بنیادی ضروریات کے سامان کے علاوہ دو سو درہم (612.36 گرام) یا اس سے زائد مالیت کا کوئی بھی مال ہو۔ آج ایک تولہ سونے کی قیمت ساٹھ ہزار روپے سے زائد بنتی ہے لہٰذا صرف ایک تولہ سونا کے مالک پر زکوٰۃ تو واجب نہیں ہوگی کیونکہ انفرادی حالت میں سونے کا وزن ساڑھے سات تولہ معتبر ہوتا ہے مگر قربانی اور فطرہ واجب ہوگا اور وہ شخص زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہوگا اور تجارتی بھینس یا گائے جس کی قیمت ساٹھ ہزار یا زائد ہے یا سونے اور تجارتی مال دونوں کی قیمت ساٹھ ہزار یا زائد بنتی ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ اب قیمت کا اعتبار ہوگا، وزن کا اعتبار نہیں ہوگا۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی نے فرمایا، وہ شخص غنی ہے جو دو سو درہم کی قیمت اور مالیت کے کسی مال کا مالک ہو جو حاجت اصلیہ سے زائد ہے۔

علامہ شامی کی عبارت سے غلط فہمی کا ازالہ:

● سونے کے پورے نصاب کا مالک ہونا فطرہ اور قربانی کے وجوب کے لئے بحر الرائق کا وہم ہے بلکہ بحر الرائق کی عبارت نہ سمجھنے والوں کا وہم ہے۔
(محمد رفیق حسنی)

● مثلاً سونا انیس دینار یعنی 78.48 گرام سے 4.37 گرام کم ہو جس کی قیمت تین سو درہم (نوے ہزار) بنتی ہے، وہ غنی ہے۔ (۱۰۵/۳) اور حدیث شریف میں بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ سرورِ دو عالم ﷺ کو عرض کیا گیا: ''و ما الذی یغنیه قال مأتا درهم او عدلُها'' (۱۰۴/۳) یعنی کیا چیز ہے جو آدمی کو غنی کر دیتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا دو سو درہم یا اس کے مساوی مال۔ معلوم ہوا غنا کے لئے دو سو درہم کی مالیت کا سونا کافی ہے۔ غنی ہونے کے لئے سونے کا وزن معتبر نہیں بلکہ قیمت معتبر ہے۔

فتاوی رضویہ میں غنا کے متعلق سوال وجواب:

● فتاویٰ رضویہ میں ہے، کسی نے سوال کیا کہ ''نصاب کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا بمقدار اس کے روپیہ موجود ہو جب قربانی واجب ہے؟ یا کہ اتنے مقدار کی مالیت ہو چاہے اس کے پاس کاشت ہو یا چوپائے ہوں۔ اگر ایک شخص کے پاس ساٹھ روپے کی بھینس یا بیل ہے تو اس پر قربانی ہے یا نہیں۔۔۔ الخ؟'' (مسئلہ: ۱۹۵)

● نوٹ: سوال میں بیل سے مراد وہ بیل ہے جو عوامل یا حوامل سے نہیں ہے اور حاجت اصلیہ میں داخل نہیں ہے۔ (رفیق حسنی)

● الجواب: قربانی واجب ہونے کے لئے صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ ایامِ قربانی میں اپنی تمام اصلی حاجتوں کے علاوہ ۵۶ روپیہ کا مالک ہو چاہے وہ مال نقد ہو یا بیل (حاجت اصلی سے زائد) یا بھینس یا کاشت، کاشتکار کے ہل بیل اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، ان کا شمار نہ ہوگا۔۔ الخ (ص: ۳۰۷/۲۰، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

آج کل سونے کے ایک تولہ کے مالک پر قربانی واجب ہے:

● چونکہ امام اہلسنت کے زمانہ میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت چھپن روپے تھی اس لئے آپ نے ۵۶ روپے قربانی کا نصاب لکھا اور بھینس اور گائے تجارت کے لئے ہوں یا علوفہ دودھ کے لئے ہوں، دونوں صورتوں میں بھینس اور گائے حاجت اصلیہ میں داخل نہیں ہیں اس لئے اگر بھینس اور گائے کی قیمت چاندی کے نصاب کو پہنچتی ہے تو قربانی واجب ہوگی جواب میں لفظ بیل سے مراد گائے ہے یا پھر تجارت کا بیل یا حاجت اصلیہ سے زائد بیل مراد ہے کیونکہ خود آپ نے لکھا کاشتکار کے ہل اور بیل اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہیں۔ وہ جانور جو عوامل اور حوامل ہوتے ہیں وہ حاجت اصلیہ میں داخل ہوتے ہیں، ان کا اعتبار نہیں ہوتا۔

● عالمگیری میں ہے: ''والزارع بثورین و آلة الفدان لیس بغنی'' (۲۹۲/۵) اور کاشتکار دو بیلوں اور زراعت کے آلہ کی وجہ سے غنی نہیں ہوگا۔ پھر

فرمایا: "ببقرۃ واحدۃ غنی" (۲۹۳/۵) اور آدمی ایک گائے کی وجہ سے غنی ہوگا۔

دودھ والا جانور حاجتِ اصلیہ میں داخل نہیں ہے:

- معلوم ہوا کاشت کے لیے بیل حاجت اصلیہ میں داخل ہیں اور دودھ والا جانور گائے یا بھینس حاجتِ اصلیہ میں داخل نہیں۔ بھینس یا گائے کا مالک غنی ہوگا اس پر قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہوگا۔
- امام اہلسنت کے الفاظ "۵۶ روپے کا مالک ہو چاہے وہ مال نقد ہو" قابل غور ہے کہ اگر سونا ۵۶ روپے قیمت کا موجود ہو مالک پر قربانی واجب ہوگی کیونکہ وہ غنی ہوگا۔ معلوم ہوا قربانی اور فطرہ اور زکوٰۃ کا مصرف نہ ہونے کے لئے ساڑھے سات تولہ سونا کا وزن ہونا ضروری نہیں ہے۔ آج کل ایک تولہ سونا کی قیمت ساٹھ ہزار بنتی ہے اور چاندی کا نصاب پچپن ہزار روپے ہے لہٰذا جس آدمی کے ملک میں صرف ایک تولہ سونا ہوگا اس پر فطرہ اور قربانی واجب ہوں گے اور اسے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہوگا۔ (محمد رفیق حسنی)

غنا کی تین قسمیں:

- غنا کی تین قسمیں ہیں: اوّل یہ کہ آدمی پر زکوٰۃ واجب ہو، زکوٰۃ اس غنی پر واجب ہوگی جس کے ملک میں اموالِ نامیہ کا نصاب پایا جائے۔ اموالِ نامیہ نقود اور تجارتی مال ہوتے ہیں اور حیوانات سائمہ کا مالک، جب حیوانات کے نصاب کا مالک ہو، اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔
- دوم یہ کہ آدمی پر صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہو اور زکوٰۃ کا مصرف نہ ہو۔ ایسا غنی وہ آدمی ہے جس کے ملک میں حاجتِ اصلیہ کے اموال کے علاوہ کوئی مال ہو جس کی قیمت دو سو درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی) ہو۔ عالمگیری میں ہے:

"اما شرائط الوجوب منها اليسار و هو ما يتعلق به وجوب

صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكوٰة" (۲۹۲/۵)

ترجمہ: لیکن قربانی کے وجوب کی شرائط، ان میں یسار ہے وہ یہ کہ جس کے ساتھ صدقۃ الفطر کے وجوب کا تعلق ہو، وجوبِ زکوٰۃ کا تعلق نہ ہو۔

یہ غنا اور یسار چاندی کے دو سو درہم کی مالیت کے مال میں متحقق ہوتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

"والموسر فی ظاهر الروایت من له مئاتا درهم اور عشرون دینارا او شیء یبلغ ذالك (الی) فاما ماعدا ذالك من سائمة او رقیق او خیل او متاع لتجارة او غیرها فانه یعتد من یساره۔" (۲۹۲/۵)

ترجمہ: اور موسر ظاہر الروایت میں وہ شخص ہے جس کے ملک میں دو سو درہم یا بیس دینار یا کوئی شی جس کی قیمت ان کو پہنچتی ہے (تا) لیکن حاجتِ اصلیہ کی اشیاء کے ماسوا جانور یا غلام یا گھوڑے یا سامان تجارت کا ہو یا غیر تجارت کا، پس اس کو آدمی کے غنا اور یسار سے شمار کیا جائے گا۔

- چنانچہ سال بھر کی ضرورت سے فاضل اناج کے لیے عالمگیری میں ہے:

"متی فضل من ذالك قدر مائتی درهم فصاعدا فعلیه الاضحیة و الا فلا كذا فی الظهیرة۔" (۲۹۲/۵)

ترجمہ: جب دو سو درہم یا زائد کی مقدار سال کے اناج سے زائد ہو، اس پر قربانی واجب ہے اور اگر اتنی مقدار نہیں تو قربانی واجب نہیں۔ اسی طرح ظہیریہ میں ہے۔

سوم یہ کہ آدمی پر سوال کرنا حرام ہو، ایسا غنی وہ شخص ہے جس کے پاس پچاس درہم کی مالیت کا کوئی بھی مال ہو۔ جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے۔

جس غنی پر زکوٰۃ واجب ہے اس پر صدقۃ الفطر اور قربانی بھی واجب ہے اور وہ زکوٰۃ

کا مصرف نہیں، اس پر سوال کرنا بھی حرام ہے۔

اور جس غنی پر زکوٰۃ واجب نہیں، صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہے، وہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں اور اس کو سوال کرنا بھی حرام ہے اور جس غنی پر صرف سوال حرام ہے اس پر زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر اور قربانی واجب نہیں اور وہ زکوٰۃ کا مصرف ہے، اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ مزید توضیح میری کتاب "رفیق الخطباء" میں ملاحظہ فرمائیں۔ (محمد رفیق حسنی)

- اگر دوران سال مکمل نصاب ہلاک ہوگیا تو سال باطل ہوگیا نصاب کے حاصل ہونے پر نیا سال نصاب کے دوبارہ حاصل ہونے سے شروع کیا جائے گا۔
- اگر دوران سال دین واجب ہوگیا جس کی وجہ سے نصاب ناقص ہوگیا تو اس نصاب کا ناقص ہوجانا زکوٰۃ کے لئے مانع ہے اور اگر دین مستغرق کی وجہ سے دوران سال نصاب بالکل ختم ہوگیا اور سال کے اختتام سے پہلے دوبارہ نصاب حاصل ہوگیا اس نصاب کی زکوٰۃ دوبارہ نصاب قائم ہونے کے دن سے اگلے سال مکمل ہونے پر ہوگی۔ یہی امام محمد کا قول ہے، وہ فرماتے ہیں دین مستغرق نصاب کے ہلاک ہوجانے کی طرح ہے اور در مختار میں شیخین کا قول ذکر کیا گیا ہے کہ دونوں صورتوں میں زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔ عبارت ملاحظہ ہو:

"واما الدین فلا یقطع ولو مستغرقا" (۲۳۴/۳)

ترجمہ: اور لیکن دین سال کو ختم نہیں کرتا اگرچہ دین مستغرق ہو۔ شیخین کے نزدیک دوران سال قرض یا دین اٹھانا استہلاک اور تعدی ہے اس لئے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

- اموالِ زکوٰۃ میں سے کسی مال کا نصاب سال تک کسی آدمی کے ملکِ میں رہا ہو اس کی زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے۔ وجوبِ زکوٰۃ کے بعد اور زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے اگر نصاب بلا اختیار ہلاک ہوجائے اور ہلاک مال کی جنس سے کوئی چیز باقی نہ رہے تو

اس نصاب کی زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی اور اگر استہلاک ہو یعنی صاحب مال قصداً مال کو ہلاک اور خرچ کردے یعنی اپنے ملک سے مال نکال دے تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔ فرق کی وجہ یہ ہے کہ بغیر ارادہ ہلاک مال میں زکوٰۃ کا مقدار نصاب کا چالیسواں حصہ تھا جب نصاب ہلاک ہوگیا اس کی جزو بھی ہلاک ہوگئی اس لئے مالک پر زکوٰۃ کا تاوان واجب نہیں ہے اور استہلاک میں تعدی ہے اس کی وجہ سے تاوان واجب ہوگا۔ دُرِّ مختار اور تنویر الابصار میں ہے:

"(ولا) فی ھالك بعد وجوبھا بخلاف المستھلك بعد الحول لوجود التعدی" (ص:۳/۲۰۸)

یعنی زکوٰۃ کے وجوب کے بعد ہلاک مال میں زکوٰۃ نہیں ہے بخلاف استہلاک کے، کیونکہ ان میں تعدی ہے۔

زکوٰۃ واجب نہ ہونے دینے کا حیلہ:

- علامہ ابن عابدین شامی نے فرمایا "(و قولہ بعد الحول) اما قبلہ الخ" یعنی متن میں 'بعد الحول' کے قول کے تحت علامہ ابن عابدین نے لکھا اگر کوئی شخص سال سے پہلے جان بوجھ کر قصداً زکوٰۃ کے نصاب کو اپنے ملک سے نکال دے اور اپنی حاجات میں خرچ کرلے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور اگر کسی شخص نے حیلہ کیا کہ مال پر زکوٰۃ واجب نہ ہو مثلاً وہ شخص حیواناتِ سائمہ کے نصاب کی ایک جنس (بکریوں) کو دوسری جنس اونٹوں کے ساتھ سال سے پہلے تبدیل کردے تاکہ زکوٰۃ واجب نہ ہو یا حیواناتِ سائمہ کو سال کی تکمیل سے پہلے اپنے ملک سے نکال دے اور پھر سال کے بعد واپس لے لے تو امام ابو یوسف نے فرمایا یہ حیلہ بلا کراہت جائز ہے کیونکہ یہ امتناع عن الوجوب ہے ابطال حق الغیر نہیں ہے یعنی اس میں مالک نے کسی فقیر کا حق باطل نہیں کیا بلکہ حق واجب نہیں ہونے دیا اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ محیط میں کہا گیا امام ابو یوسف کا قول زیادہ صحیح ہے۔

• امام محمد نے فرمایا یہ حیلہ مکروہ ہے اس قول کو امام حمید الدین ضریری نے اختیار کیا اور فرمایا یہ حیلہ اس لئے مکروہ ہے کہ اس میں فقراء کو ضرر پہنچانا ہے اور سال کے بعد فقراء کے حق واجب ہونے کو باطل کرنے جیسا ہے۔

• یہی اختلاف شفعہ کو وجوب سے پہلے دفع کرنے کے حیلہ میں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا شفعہ میں امام ابو یوسف کے قول پر اور زکوٰۃ میں امام محمد کے قول پر فتوی ہے اور شارح صاحب در مختار نے حج اور آیتِ سجدہ سے سجدۂ تلاوت کے وجوب سے بچنے کے لیے حیلہ میں فرمایا، ان میں بھی یہی اختلاف ہے اگر کوئی شخص حیلہ سے اپنے اوپر حج واجب نہ ہونے دے یا سجدۂ تلاوت واجب نہ ہونے دے تو کراہت نہیں ہے یا ہے دونوں قول موجود ہیں۔(ردالمحتار۔ ص:۲۰۹/۳)

• ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مالِ تجارت اور نقود ایک جنس ہیں اور حیواناتِ سائمہ الگ دوسری جنس ہیں۔ لہٰذا نقود اور مالِ تجارت کے نصاب کے ہلاک یا استہلاک کا حکم اور مفہوم الگ ہوگا اور حیواناتِ سائمہ کے نصاب کے ہلاک یا استہلاک کا حکم الگ ہوگا۔ پھر حیواناتِ سائمہ میں مختلف اجناس کے حیوانات میں زکوٰۃ کے احکام الگ الگ مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً غنم (چھوٹا جانور بکری، بھیڑ، دنبہ) الگ جنس ہے، بقر (گائے، بھینس) الگ جنس ہے اور ابل (اونٹ) الگ جنس ہے۔ اگر غنم کا نصاب چالیس (بکریاں/بھیڑیں/دنبے) سال بعد ہلاک ہو جائیں، زکوٰۃ میں واجب ایک بکری ساقط ہو جائے گی اس کا تاوان جانوروں کی دوسری اجناس سے یا نقود اور مالِ تجارت سے ادا نہیں کیا جائے گا اور اگر مالک نے خود ہلاک کیں یعنی اپنے ملک سے خارج کر دیں تو اُسے زکوٰۃ کی بکری کا تاوان ادا کرنا ہوگا، زکوٰۃ معاف نہیں ہوگی۔ خواہ کسی مال سے ادا کرے۔ اسی طرح سب اجناس کا حکم ہے۔(در مختار)

• اقراض یعنی زکوٰۃ کا نصاب قرض دے دینا ہلاک ہونے کے معنی میں ہوتا ہے

مثلاً مالک نے سال کے بعد کسی مال کا مکمل نصاب کسی کو قرض دے دیا اور وہ قرض مقروض سے ہلاک ہو گیا یا قرض خواہ نے قرض کا انکار کر دیا اور گواہ نہیں ہیں یا قرض خواہ فوت ہو گیا لیکن اس نے ترکہ نہیں چھوڑا تو نصاب ہلاک ہو گیا، لہٰذا ایسے قرض کی زکوٰۃ قرض دہندہ/ مالک سے ساقط ہو گئی۔(دُرِّ مختار اور شامی۔ ص:۲۰۹/۳) یعنی قرض دے دینا ہلاک کے حکم میں ہے، استہلاک اور تعدی کے حکم میں نہیں۔

• اعارۃ یعنی عاریۃً مال دینا بھی ہلاک کے معنی میں ہوتا ہے مثلاً مالک نے تجارت کے کپڑے سال بعد کسی شخص کو عاریۃً دے دیئے جن کی قیمت دو سو درہم تھی، مستعیر نے انکار کر دیا اور گواہ نہیں ہیں یا مستعیر فوت ہو گیا اور اس نے ترکہ نہیں چھوڑا اعاریۃً دیئے گئے مال کی زکوٰۃ ساقط ہو گئی۔(در مختار اور شامی۔ ص:۲۰۹/۳)

تجارتی مال کے استبدال کے احکام:

• اگر کسی شخص نے سال بعد تجارتی مال کے نصاب کو نقود یا دوسرے مالِ تجارت کے ساتھ تبدیل کر دیا اور مالِ تجارت کا بدل نقود یا تجارتی مال ہلاک ہو گیا، اس نصاب کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ یہ استبدال ہلاک کے معنی میں ہوگا اور اگر تجارتی مال کا تبادلہ غیر تجارتی مال کے ساتھ کر لیا یہ استہلاک ہوگا زکوٰۃ واجب ہوگی ساقط نہیں ہوگی۔

• یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے، اس کی توضیح یہ ہے سال کے بعد تجارتی مال کو تجارتی مال یا نقود کے ساتھ تبدیل کر لیا جائے اور بدل اس کے ملک میں رہے یا پھر اس تبدیل شدہ مالِ تجارت کے بدلے ایک اور مالِ تجارت حاصل کر لے، اگرچہ دس مرتبہ تبادلہ ہو، زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی۔ علامہ شامی اس مسئلہ کی توضیح کے لئے بدائع الصنائع سے نقل کرتے ہیں۔ قال فی البدائع۔۔۔الخ یعنی بدائع الصنائع کے مصنّف علامہ کاسانی نے فرمایا اگر تجارت کے مال پر سال گذر جائے اور مالک اس

مال کو دراہم یا دنانیر (سونے اور چاندی) یا کسی دوسرے مالِ تجارت کے ساتھ تبدیل کر دے، اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی، زکوٰۃ کی ضمان واجب نہیں ہو گی کیونکہ مالک نے زکوٰۃ کا مال تلف نہیں کیا بلکہ زکوٰۃ کو ایک محل سے دوسرے مثلی محل کی طرف منتقل کیا ہے۔ فرمایا:

"اذا المعتبر فی مال التجارۃ ھو المعنی ھو المالیۃ لا الصورۃ فکان الاول قائما معنی فیبقی الواجب ببقائمہ و یسقط بھلا کہ" (ص: ۲۰۹/۳)

ترجمہ: کیونکہ مالِ تجارت میں معنی معتبر ہوتا ہے، وہ مالیّہ ہے نہ صورت پس استبدال میں پہلا مالِ تجارت معنی کے لحاظ سے قائم ہو گا پس واجب زکوٰۃ باقی ہو گی مال کے بقاء کی وجہ سے اور ساقط ہو گی مال ساقط ہونے کی وجہ سے۔

• پھر فرمایا:

"لو استبدل مال التجارۃ بمال التجارۃ وھی العروض قبل تمام الحول لا یبطل حکم الحول سواء استبدلھا بجنسھا او بخلافہ بلا خلاف لتعلق وجوب زکاتھا بمعنی المال و ھو المال و القیمۃ و ھو باق و کذا الدراھم والدنانیر اذا باعھا بجنسھا او بخلافہ کدراھم بدراھم او دنانیر۔۔۔الخ" (ص: ۲۰۹/۳)

ترجمہ: اگر کسی آدمی نے تجارت کے مال کو سال کے تمام ہونے سے پہلے دوسرے مالِ تجارت سے تبدیل کیا اور وہ عروض ہیں تو مال کا تسلسل باطل نہیں ہو گا خواہ اس نے مالِ تجارت کو اپنی جنس کے مالِ تجارت سے یا غیر جنس کے مالِ تجارت سے تبدیل کیا بغیر اختلاف کے کیونکہ تجارت کے مال کی زکوٰۃ کے وجوب کا تعلق مال کی صورت کے ساتھ نہیں بلکہ اس کے معنی مالیّہ اور قیمت کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ معنی باقی ہے لہٰذا سال

باطل نہیں ہو گا، اسی طرح اگر آدمی چاندی اور سونے کے دراہم اور دنانیر کو اپنی جنس یا خلاف جنس کے ساتھ فروخت کر دے جیسے دراہم کو دراہم یا دنانیر کے ساتھ تو مال باطل نہیں ہو گا۔

امام شافعی کے نزدیک استبدال سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے:

• امام شافعی کے نزدیک دراہم اور دنانیر کو اگر سال سے پہلے اپنی جنس یا خلاف جنس کے ساتھ فروخت کر دیا جائے تو سال کا تسلسل باطل ہو جاتا ہے۔ امام شافعی کے قول پر جس طرح استعمال کے زیورات پر مطلقاً زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اسی طرح صراف اور زرگر لوگوں کے تجارتی زیورات پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اگرچہ وہ استعمال کے لئے نہ ہوں بشرطیکہ سال سے پہلے فروخت ہوتے رہیں اور ان کا دوسرے مال کے ساتھ تبادلہ ہوتا رہے۔

حیوانات میں تبادلہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے:

• احناف کے نزدیک جیسے سال سے پہلے حیواناتِ سائمہ کے حیواناتِ سائمہ کے ساتھ تبادلے میں سال باطل ہو جاتا ہے اسی طرح شوافع کے نزدیک سونے اور چاندی کے دراہم اور دینار یا زیورات سال سے پہلے فروخت یا تبادلہ میں سال باطل ہو جاتا ہے۔

مگر ہمارے نزدیک دراہم اور دنانیر کا دراہم اور دنانیر کے ساتھ سال سے پہلے تبادلہ ہو یا تجارتی مال کے ساتھ تبادلہ ہو سال جاری رہتا ہے باطل نہیں ہوتا چنانچہ علامہ شامی بدائع سے نقل فرماتے ہیں:

"ولنا ما قلنا ان الوجوب فی الدراھم تتعلق بالمعنی لا بالعین والمعنی قائم بعد الاستبدال فلا یبطل حکم الحول بخلاف استبدال السائمہ بالسائمہ فان الحکم فیھا یتعلق بالعین فیبطل الحول المنعقد علی الاول و یستانف للثانی حولا اھ

فافہم "(ص:۳/۲۰۹)

ترجمہ: اور ہمارے لئے حکم وہ ہے جو ہم نے کہا کہ دراہم میں زکوٰۃ کے وجوب کا تعلق معنی (مالیت اور قیمت) کے ساتھ ہوتا ہے، معینہ دراہم کے عین کے ساتھ نہیں ہوتا اور وہ معنی استبدال کے بعد بھی قائم ہوتا یعنی گویا ایک ہی مال کی رنگ اور گردش جاری ہوتی ہے۔ لہٰذا سال کا حکم باطل نہیں ہوگا بخلاف حیواناتِ سائمہ کے حیوانات کے ساتھ استبدال میں کیونکہ حیوانات میں زکوٰۃ کے وجوب کا تعلق جانوروں کے عین کے ساتھ ہوتا ہے۔ استبدال سے پہلے جانوروں کا سال باطل ہو جائے گا اور دوسرے جانوروں کا سال استبدال کے دن سے شروع ہوگا اھ پس تو اس فرق کو سمجھ لے۔

• معلوم ہوا تجارتی مال اور نقود کے تبادلوں میں سال جاری رہتا ہے مثلاً تجارت کی نیت سے چاول خریدے سال مکمل ہونے سے پہلے ان کو فروخت کر کے کپڑا خرید لیا، پہلا سال جاری رہے گا جب سال مکمل ہوگا زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی۔ دوکانداروں اور تاجروں کے اموال سالہا سال گردش میں رہتے ہیں اس لئے ہر سال، سال کے مکمل ہونے پر جو مال ملک میں موجود ہے اُس کی زکوٰۃ واجب ہوگی، دے دی جائے۔

غیر تجارتی مال سے تبادلہ کا حکم:

• اگر مالک نے سال کے بعد تجارتی مال کا غیر تجارتی مال کے ساتھ تبادلہ کر دیا اور استبدال کے وقت بدلے میں حاصل مال میں تجارت کے ترک کی نیت کر لی یہ استبدال استہلاک کے حکم میں ہوگا اس مال کی زکوٰۃ مالک پر بطور تاوان واجب ہوگی اور اگر استبدال کے وقت حاصل مال میں ترک تجارت کی نیت نہیں کی تو تجارتی مال کا بدل بغیر نیت کے تجارت کا مال ہو جائے گا۔ اب استبدال استہلاک کے حکم

میں نہیں ہوگا بلکہ اصل مال قائم ہوگا اور زکوٰۃ واجب ہوگی گویا مال کی رنگ اور تسلسل قائم ہے لہٰذا استبدال سے مال کا سال منقطع نہیں ہوگا۔ (ص:۳/۲۱۰)

زکوٰۃ کے تاوان کی متعدد صورتیں:

• تمام حول اور سال کے بعد غیر تجارتی مال کے ساتھ استبدال میں بطور تاوان زکوٰۃ کے وجوب کی مختلف صورتیں ہیں۔ اوّل، استبدال ایسی چیز کے ساتھ ہو جو مال نہ ہو مثلاً مالِ تجارت بیوی کے مہر میں دے دیا جائے، بضعہ کے منافع مال نہیں ہیں۔ یا تجارت کے مال پر قتلِ عمد کی صلح ہو جائے یا عورت مالِ تجارت خلع کے بدلے شوہر کو دے دے۔ دوم، استبدال مال کے ساتھ ہو مگر وہ مال، مالِ زکوٰۃ نہ ہو مثلاً تجارتی مال سے خدمت کے غلام یا استعمال کے لئے کپڑے خرید لئے جائیں یا راشن وغیرہ خرید لیا جائے یا تجارتی مال سے ذاتی رہائش کے لئے مکان کرایہ پر لے لیا جائے ان صورتوں میں تجارتی مال کا سال بعد استبدال استہلاک کے حکم میں ہوگا اور زکوٰۃ بطور تاوان ادا کرنا واجب ہوگی۔

• اگر تجارتی مال کے ساتھ حیواناتِ سائمہ خرید لئے جب کہ سائمہ کو سائمہ باقی رکھا جائے استبدال بھی استہلاک کے حکم میں ہوگا ہر ایک تجارتی مال اور حیواناتِ سائمہ کی الگ الگ زکوٰۃ دینا ہوگی کیونکہ واجب مختلف ہیں۔ (ص:۳/۲۱۰)

• **فائدہ:** استبدال میں نقود کا حکم تجارتی مال کا ہوتا ہے شامی میں ہے: "حکم النقود مثل مال التجارۃ" نقود کا حکم تجارتی مال کا ہوگا پھر فتح القدیر سے بعض صورتوں کا ذکر فرمایا۔ اوّل، آدمی کے ملک میں ہزار درہم ہیں اور اس پر سال گذر گیا ہزار درہم کے ساتھ تجارت کی نیت سے عبد خرید کیا اور عبد فوت ہو گیا یا ہزار درہم کے ساتھ تجارتی مال خریدا اور بغیر تعدی وہ ہلاک ہو گیا، ہزار درہم کی زکوٰۃ باطل ہو گئی کیونکہ زکوٰۃ کا مقدار ہزار درہم کا جزو تھا، جب ہزار سے خرید کردہ مال ہلاک ہوا تو ہزار ہلاک ہو گیا، کل ہلاک ہو تو جزو بھی ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہزار

درہم سے خدمت کا عبد خریدا وہ فوت ہو گیا یا حوائج اصلیہ کی کوئی چیز خرید لی اور وہ ہلاک ہو گئی تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہو گی کیونکہ یہ استبدال تعدی کے حکم میں ہے۔(ص:۳/۲۱۰)

• سال کے بعد تجارتی مال کی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے اگر زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلے سارا مال آفتِ سماوی سے ہلاک ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے اور مال کا بعض ہلاک ہو جائے تو اس حصّہ کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ دُرِّ مختار میں ہے:

"وان هلك بعضه سقط حظه" (ص:۳/۲۱۰)

یعنی اگر مال کا بعض ہلاک ہوا تو اس کا حصّہ ساقط ہو گیا۔

• سال بعد حیواناتِ سائمہ کا حیواناتِ سائمہ کے ساتھ استبدال مطلقاً استہلاک اور تعدی کے حکم میں ہوتا ہے خواہ ان کی جنس سے استبدال ہو جیسے اونٹوں کے نصاب کا اونٹوں کے نصاب کے ساتھ استبدال ہو یا غیر جنس سے ہو جیسے اونٹوں کے نصاب کا بکریوں کے نصاب کے ساتھ یا دراہم کے نصاب کے ساتھ ہو یا عروض کے ساتھ استبدال ہو سب صورتوں میں استبدال استہلاک اور تعدی کے حکم میں ہو گا کیونکہ حیواناتِ سائمہ میں زکوٰۃ کا اولاً اور بالذات تعلق جانور کے عین اور ذات کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ تبدیل کر دیا گیا ہے، لہٰذا اگر حیواناتِ سائمہ کا بدل بغیر تعدی ہلاک ہو گا تو بھی زکوٰۃ واجب ہو گی اور اگر مذکورہ صورتوں میں حیوانات کا استبدال سال کے تمام ہونے سے پہلے ہوا تو زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی، حتّٰی کہ بدل پر جدید سال گذر جائے۔

• البتّہ اگر دورانِ سال حیواناتِ سائمہ کو دراہم یا دنانیر یا کرنسی نوٹوں کے ساتھ فروخت کیا تھا ان نقود پر سال جدید کا گذرنا شرط نہیں ہے، اگر حیوانات فروخت کنندہ کے پاس پہلے سے بھی نقود موجود تھے حاصل نقود کو ان کے ساتھ ملا کر مجموعہ کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی، نئے سال کے انتظار کی ضرورت نہیں ہو گی۔ یہ

نقود مالِ مستفاد منافع کی طرح ہوں گے۔ حیواناتِ سائمہ کے مزید مسائل اپنی فصل میں ذکر کئے جائیں گے۔ انشاءاللہ

زکوٰۃ ادا کرنے کے مسائل:

• زکوٰۃ کا مقدار چالیسواں حصّہ زکوٰۃ کے مال کی جنس سے ادا کرنا اصل ہے اور اس کی قیمت ادا کرنا بھی جائز ہے۔ مثلاً چالیس تولہ سونے سے ایک تولہ سونا اور اسّی (۸۰) تولہ چاندی سے دو تولہ چاندی ادا کرنا اصل ہے اور سونے یا چاندی کے اس مقدار کی قیمت ادا کرنا فرع اور جائز ہے۔ اسی طرح عشر اور خراج اور فطرہ اور نذر اور کفّارہ میں واجب مال کا عین ادا کرنا اصل ہے اور اس کی قیمت جو کہ اس کا بدل ہے ادا کرنا بھی جائز ہے۔ بلکہ امام محمد کے نزدیک اصل یا قیمت جو فقیر کے لئے زیادہ نافع ہو وہ دینا بہتر ہے۔ شامی میں ہے:

"ثم ان المعتبر عند محمد الانفع للفقير من القدر و القيمة"

(ص:۳/ ۲۱۱)

پھر بے شک امام محمد کے نزدیک زکوٰۃ کا مقدار اور اس کی قیمت جو فقیر کے لئے زیادہ نافع ہو وہ معتبر ہے اور اسی پر فتویٰ اور عمل ہے۔

• زکوٰۃ کے مال میں زکوٰۃ کی مقدار کی قیمت اس وقت کی معتبر ہو گی جس وقت زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ مفتی بہ قول پر قیمت کے تعین کے لئے زکوٰۃ کے وجوب کا وقت معتبر نہیں ہو گا ادا کا وقت معتبر ہو گا۔ مثلاً رمضان المبارک میں زکوٰۃ کے مال کا سال مکمل ہوا زکوٰۃ واجب ہو گئی اور صاحبِ نصاب دو ماہ بعد زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے رمضان المبارک میں سونے کی قیمت پچاس ہزار روپے تولہ تھی اور دو ماہ بعد ساٹھ ہزار روپے ہو گئی ہے تو زکوٰۃ ساٹھ ہزار روپے کے حساب سے ادا کرنا ہو گی کیونکہ زکوٰۃ میں واجب سونے کی مقدار کا وزن اصل ہے۔ اس وزن کے مقدار کی قیمت ساٹھ ہزار روپے ہو گئی ہے، رمضان میں اصل ایک تولہ زکوٰۃ

واجب تھی، ادا کے وقت اس کی قیمت ساٹھ ہزار ہو چکی ہے لہٰذا ساٹھ ہزار دینا ہوں گے۔

سونے اور چاندی کے مقدار کی قیمت کے تعین کا طریقہ:

• موجودہ دَور میں عرفِ عام اور تعامل ہے کہ سونے اور چاندی اور تجارت کے اموال کی زکوٰۃ کرنسی نوٹوں میں ادا کی جاتی ہے یہ جائز ہے کیونکہ کرنسی نوٹ عرفی ثمن ہیں۔ مگر اس میں بھی دو طریقے ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ خالص سونے کے چالیس تولہ سے ایک تولہ زکوٰۃ بنتی ہے اور ایک تولہ سونا زکوٰۃ میں دینا واجب ہے۔ مالک ایک تولہ سونے کی قیمت کرنسی نوٹوں میں مثلاً پچاس ہزار روپے ادا کردے، اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

• دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مارکیٹ ویلیو کے مطابق ٹوٹل چالیس تولہ سونے کی قیمت کا اندازہ کیا جائے مثلاً چالیس تولہ کی پاکستانی کرنسی نوٹوں میں قیمت بیس (۲۰) لاکھ ہے اور بیس لاکھ میں پچاس ہزار روپے زکوٰۃ بنتی ہے، پچاس ہزار ادا کردینے سے سونے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ یہی تفصیل مالِ تجارت اور چاندی کے نصاب میں ہے۔

• اگر زکوٰۃ کا مال کیلی یا وزنی ہے، کرنسی کے علاوہ، اس مال کی مخالف جنس سے زکوٰۃ کے مقدار کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کرنا بھی جائز ہے مثلاً تجارتی گندم کی زکوٰۃ جو یا باجرہ کے ساتھ یا سونے کی زکوٰۃ چاندی میں قیمت لگا کر دینا جائز ہے اور اگر زکوٰۃ کے مال کی اپنی جنس سے زکوٰۃ ادا کی جائے تو قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ مقدار کیل یا وزن کا اعتبار ہوگا مثلاً تجارتی کھجور کی زکوٰۃ کھجور میں ادا کی جائے تو کھجور کا چالیسواں حصّہ زکوٰۃ میں ادا کیا جائے گا۔ چالیس کلو کھجور سے زکوٰۃ ایک کلو کھجور بنتی ہے تو ایک کلو کھجور ادا کی جائے گی اور اگر قیمت کا اعتبار ہو اور مال کی اپنی جنس سے زکوٰۃ دی جائے۔ مثلاً چالیس کلو اچھی کوالٹی کی کھجور کے ایک کلو کی قیمت میں

ناقص کوالٹی کی دو کلو ناقص کھجور بنتی ہے یعنی اچھی ایک کلو کھجور کی زکوٰۃ دو کلو ردّی کھجور سے ادا کی جائے تو یہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس میں رِبا لازم آئے گا۔ اس لئے ہم جنس مال سے بطور قیمت غیر مساوی مقدار زکوٰۃ میں دینا جائز نہیں ہے۔

شامی میں ہے:

"هذا اذا ادى من جنسه والا فاعتبر هو القيمة اتفاقا لتقوم الجودة فى المال الربوى عند المقابله بخلاف جنسه" (ص:۳/۲۱۰)

یہ اس وقت ہے جب آدمی مال کی جنس سے زکوٰۃ ادا کرے ورنہ زکوٰۃ میں بالاتفاق قیمت معتبر ہوتی ہے کیونکہ ربٰوی مال میں مخالف جنس کے مقابلہ میں صفت جودۃ اور اچھے ہونے کی قیمت بھی ہوتی ہے۔

• زکوٰۃ، عشر، خراج، فطرہ، نذر اور کفّارہ میں واجب الادا مال کی قیمت دینا جائز ہے مثلاً عشر میں ایک بوری گندم یا خراج میں ایک بوری گندم یا فطرہ کی کھجوریں یا نذر کے جانور یا کفّارہ کی گندم کی مارکیٹ قیمت دوسرے اموال اور سونے اور چاندی اور کرنسی نوٹوں میں ادا کرنا جائز ہے کیونکہ ان امور میں مقصود فقراء کی حاجت پوری کرنا ہوتی ہے۔ مذکورہ اموال کی قیمت ادا کرنے سے حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

قربانی اور نذر اور صدقہ میں قیمت ادا کرنے کا حکم:

• ایّامِ قربانی میں قربانی کے جانور کی قیمت ادا کرنا جائز نہیں ہے اگر قربانی کے دن گذر گئے اور قربانی نہیں ہوسکی تو قربانی کے جانور کی قیمت فقراء کو دینا واجب ہے کیونکہ قربانی کے ایام میں اراقۃ الدم واجب ہوتا ہے اس کی قیمت ادا کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوگی۔ (ص:۳/ ۲۱۱)

• اگر کسی شخص نے نذر مانی کہ مخصوص دینار صدقہ کروں گا مگر اس نے مخصوص دینار کی جگہ اس دینار کی قیمت درہم یا کرنسی نوٹ میں ادا کردی، نذر ادا ہو گئی۔

• کسی شخص نے نذر مانی کہ یہ مخصوص روٹی صدقہ کروں گا مگر روٹی کی قیمت ادا کردی تو نذر ادا ہوگئی کیونکہ صدقہ کرنے کی نذر میں مقصود فقیر کی حاجت پوری کرنا ہوتی ہے اور قیمت صدقہ کرنے سے وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ صدقہ کی نذر کا حکم زکوٰۃ، فطرہ اور عشر کی طرح ہوتا ہے، ان سب میں قیمت دی جاسکتی ہے۔

• اگر کسی شخص نے قربانی کی نذر مانی کہ درمیانے قسم کی دو بکریوں کی قربانی کروں گا یعنی ذبح کروں گا پھر اُس نے ان دو درمیانی بکریوں کی قیمت میں ایک بکری قربانی کردی یا دو کی قیمت کی کرنسی یا دوسرا مال دے دیا تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ قربانی میں قربت اور عبادت اور مقصود بالذات جانور کو ذبح کرنا ہوتا ہے، بکریوں کی قیمت ادا کرنے سے قربانی کی نذر ادا نہیں ہوگی اور اگر درمیانی دو بکریوں کے صدقہ کی نذر مان لی ان کی قیمت میں ایک اچھی بکری صدقہ کردی یا اس کے بدلے کرنسی نوٹوں یا دوسرے اموال کا صدقہ کردیا تو نذر ادا ہوجائے گی۔ (ردالمحتار۔ ص:۳/ ۲۱۱)

• اگر کسی آدمی نے نذر مانی کہ ردّی کھجوروں کے چار کلو صدقہ کروں گا پھر اس نے چار کلو ردّی کھجوروں کی قیمت میں اچھی اور جیّد دو کلو کھجور صدقہ کردی تو یہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ ردّی اور جیّد اموال میں جودۃ اور رداءت کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا اور نہ سود لازم آئے گا۔ (ردالمحتار۔ ص:۳/ ۲۱۱)

میلاد اور اعراس کی نذر میں تبدیلی جائز ہے:

• ذکر کردہ مسائل سے معلوم ہوا جو لوگ میلاد اور اعراس میں کھانا بطور صدقہ دینے کی نذر مانتے ہیں یا کسی مزار پر موجود لوگوں کے لئے خاص قسم کا کھانا مثلاً بریانی وغیرہ کی نذر مانتے ہیں، وہ لوگ کھانے کی قیمت بھی فقراء کو دے سکتے ہیں ان کی نذر ادا ہوجائے گی کیونکہ نذر ماننے والوں کا مقصد صدقہ اور ایصالِ ثواب ہوتا ہے کہ میلاد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اعراس میں اولیاء کرام کو ثواب

پہنچے اس لئے انہیں منذور اشیاء کی قیمت کا صدقہ کرنا جائز ہے۔ (رفیق الصائمین)

• قسم میں حانث ہونے اور روزے فاسد کرنے یا بلاارادہ خطاً قتل کے کفّارہ میں عبد کا آزاد کرنا ضروری ہوتا ہے اگر یہ نہ ہوسکے تو مسلسل دو ماہ روزے رکھنا ضروری ہوتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو ساٹھ مسکینوں کو صبح اور شام کا کھانا کھلانا واجب ہوتا ہے۔ مگر عبد کی قیمت کفّارہ میں دینا جائز نہیں ہے کیونکہ عبد کا آزاد کرنا اپنے ملک کا اتلاف اور رقیّتہ کی نفی ہے اور نفی کی قیمت نہیں ہوتی لہٰذا عبد کی جگہ اس کی قیمت سے کفارہ ادا نہیں ہوگا مگر طعام کے کفّارہ میں کھانے کی قیمت دینا جائز ہے لیکن کھانے کی قیمت ساٹھ مسکینوں کو دینا ضروری ہے ساٹھ سے کم افراد کو دینا جائز نہیں ہے، ساٹھ کا عدد ضروری ہے۔ اور قسم کے کفّارہ میں کھانے کی قیمت یا لباسوں کی قیمت دینا جائز ہے مگر دس مسکینوں کو دینا ضروری ہے۔ صرف قیمتی کپڑا ایک مسکین کو دے دینے سے کفّارہ ادا نہیں ہوگا، دس کا عدد ضروری ہے۔ (ردالمحتار۔ ص:۳/ ۲۱۲)

مزید میری کتاب ''رفیق الزوجین'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سال کے درمیان حاصل ہونے والے منافع یا مال کے مسائل:

• تنویر الابصار میں ہے: ''المستفاد وسط الحول یضم الی نصاب من جنسہ'' (ص:۳/ ۲۱۴) ترجمہ: سال کے دوران حاصل مال اپنی جنس کے مال کے ساتھ منضم کیا جائے گا۔ یعنی پہلے سے موجود نصاب کے مال کے ساتھ مستفاد مال کا شمار ہوگا اور کل مال کی زکوٰۃ دینا ہوگی۔

• حیواناتِ سائمہ (جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے) کی تین مختلف جنسیں ہیں (۱) اونٹ (۲) گائے، بھینس (۳) بکری، بھیڑ، دنبہ۔

• اگر دورانِ سال اونٹوں کے نصاب پر اضافہ ہوا مثلاً پانچ اونٹ پہلے سے موجود تھے پھر دورانِ سال مزید پانچ اونٹ وراثت یا گفٹ اور ہبہ یا وصیت سے یا منافع

سے یا ولادت سے حاصل ہوئے یہ پانچ پہلے سے موجود نصاب کے ساتھ ملا کر کل دس اونٹوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی درمیان سال حاصل مال کا جدید اور نیا سال شروع ہونے کا حکم نہیں ہوتا، اسی طرح ہر جنس کے جانور اپنی جنس کے ساتھ ضم ہوں گے مگر دوسری جنس کے ساتھ منضم نہیں ہوں گے۔

• نقود اور سونا اور چاندی اور کرنسی اور مالِ تجارت چاروں ایک جنس ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ شامی میں ہے:

"ان احد النقدین یضم الی الآخر و ان عروض التجارۃ تضم الی النقدین للجنسیة باعتبار قیمتها" (ص: ۳/ ۲۱۴)

ترجمہ: سونا اور چاندی ایک دوسرے کے ساتھ اور عروضِ تجارت نقدین کے ساتھ ضم کیے جائیں گے باعتبار اپنی قیمت کے ایک جنس ہونے کی وجہ سے۔

مثلاً سونے کا نصاب موجود تھا دورانِ سال ہبہ یا وراثت یا وصیت اور منافع وغیرہا سے مزید سونا یا چاندی یا تجارتی مال حاصل ہوا تو پہلے نصاب کے سال کے ساتھ مزید حاصل مال ملا کر کل کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ مزید حاصل مال کے لیے نئے سال کے اختتام کا انتظار نہیں ہوگا۔

سال کے تمام سے اگرچہ ایک دن پہلے مال حاصل ہو، اسے پہلے مال کے ساتھ ملایا جائے گا:

• اگر نصاب ناقص تھا اور سال کے اختتام سے پہلے حاصل ہم جنس مال سے نصاب مکمل ہوگیا تو اب نئے سال کا آغاز نصاب کے مکمل ہونے کے دن سے ہوگا۔ (ردالمحتار)

• مثلاً رمضان المبارک میں ایک شخص کے ملک میں صرف چالیس گرام سونا ہے اس کے ملک میں اس سونے کے علاوہ چاندی یا تجارتی مال یا کرنسی نہیں ہے مذکورہ

سابقہ اسباب میں سے کسی سبب سے ربیع الاوّل میں چاندی یا تجارتی مال یا کرنسی حاصل ہوگئی جس سے کوئی ایک سونے کا یا چاندی کا نصاب مکمل ہوگیا، کل مال پر زکوٰۃ کے سال کا آغاز ربیع الاوّل سے ہوگا۔ اور اگر رمضان میں مال کا نصاب مکمل تھا دورانِ سال مال ہلاک ہونے کی وجہ سے نصاب سے کم ہوگیا پھر سال کے آخر میں اگرچہ سال کے تمام ہونے سے صرف ایک دن پہلے نصاب مکمل ہوگیا تو مال کے سال کا آغاز پہلے نصاب کے آغاز رمضان سے ہوگا۔ چنانچہ شامی میں ہے:

"(وقوله الی نصاب) قید به لانه لو کان النصاب ناقصا و کمل بالمستفاد فان الحول ینعقد علیه عند الکمال بخلاف ما لو هلك بعض النصاب فی اثناء الحول فاستفاد ما یکمله فانه یضم عندنا" (ص: ۳/ ۲۱۴)

ترجمہ: مصنّف نے نصاب کے ساتھ ضم کو مقید اس لئے کیا کہ اگر نصاب ناقص ہو اور مستفاد مال کے ساتھ مکمل ہو، نصاب پر کمال کے وقت سے سال منعقد ہوگا پہلے نہیں ہوگا بخلاف اس کے کہ کامل نصاب کا ایک حصّہ دورانِ سال ہلاک ہوگیا پھر مال حاصل ہوا جس سے وہ نصاب مکمل ہوگیا تو اس کو ہمارے نزدیک پہلے نصاب کے ساتھ ملایا جائے گا۔

• اگر نصاب بالکل ہلاک ہوگیا یا ملک سے خارج ہوگیا اور دورانِ سال پھر اس جنس کا مال کسی وجہ سے حاصل ہوگیا تو زکوٰۃ کے سال کا آغاز دورانِ سال حاصل مال سے ہوگا۔ اور اگر نصاب بالکل ختم نہیں ہوا تھا سال کی تکمیل سے اگرچہ ایک دن پہلے کوئی مال حاصل ہوگیا، کل کی زکوٰۃ پہلے مال کے ساتھ ادا کی جائے گی۔ شامی میں ہے:

"فان وجد منه شیئا قبل الحول و لو بیوم ضمه و زکی الکل" (ص: ۳/۲۱۴)

ترجمہ: اگر آدمی نے اس مال سے کوئی چیز اگرچہ سال کی تکمیل سے ایک دن پہلے پائی اس کو پہلے نصاب کے ساتھ ضم کیا جائے گا اور کل کی زکوٰۃ واجب الادا ہو گی۔

• اگر کسی آدمی کو ایک ہزار درہم ہبہ کیا گیا اور دورانِ سال اسے مزید ہزار درہم حاصل ہو گیا پھر قاضی کے فیصلہ سے ہبہ شدہ ہزار درہم میں واہب نے رجوع کر لیا زکوٰۃ کے سال کا آغاز دورانِ سال حاصل مال سے ہو گا۔ (شامی، ص: ۳/ ۲۱۴)

دین کے نصاب پر اضافہ کا مال دین کا مال ہو گا:

• اگر آدمی کے ملک میں دو سو درہم دین کا نصاب ہو اور صاحبِ دین کے پاس اس کے علاوہ کچھ نہ ہو اسے دورانِ سال ایک سو درہم مزید حاصل ہو گئے، تین سو درہم کی زکوٰۃ دین کے سال کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے۔ (شامی۔ ص: ۳/ ۲۱۴)

• اگر مذکورہ صورت میں مدیون مفلس تھا، فوت ہو گیا، امام صاحب کے نزدیک موجود سو درہم سے دین کے نصاب کی زکوٰۃ ادا نہیں کی جائے گی اور صاحبین کے نزدیک ادا کی جائے گی امام صاحب کا قول یہ ہے کہ دین کی زکوٰۃ اس وقت ادا کرنا واجب ہوتا ہے جب دین پر قبضہ ہو یا دین کے نصاب سے کم از کم پانچویں حصّہ پر قبضہ ہو تو پانچویں حصہ کی زکوٰۃ واجب ہو گی اور یہاں دین واپس نہیں ہوا اور صاحبین کے نزدیک صاحبِ دین پر سو درہم سے مفلس پر سارے دین کی زکوٰۃ واجب ہو گی۔

مستفاد مال کی استثنائی صورتوں کا ذکر:

• یہ ضابطہ ''کہ اگر صاحب نصاب کو سال کے دوران پہلے سے موجود جنس کا مال حاصل ہو جائے اُس کی زکوٰۃ کا سال پہلے سے موجود نصاب کا سال ہو گا۔ اس کو

پہلے نصاب کے ساتھ ملا کر کل کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی'' اس ضابطہ سے بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً ایک شخص نے سال کے بعد نقود کی زکوٰۃ ادا کر دی تھی پھر دورانِ سال اس رقم سے حیواناتِ سائمہ خرید کر لئے، خرید کردہ حیوانات کی زکوٰۃ کا سال پہلے سے موجود حیواناتِ سائمہ کے نصاب کے زکوٰۃ کے سال کے ساتھ شمار نہیں ہو گا کیونکہ اگر خرید کردہ حیواناتِ سائمہ کی زکوٰۃ پہلے سے موجود حیوانات کے نصاب کے سال کے ساتھ ادا کی جائے تو خرید کردہ مال میں دو مرتبہ ایک مال کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم آئے گا۔ چونکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بدل کا حکم مبدل کا ہوتا ہے، مزید خرید کردہ حیواناتِ سائمہ گویا وہی نقد ہیں جن کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی تھی۔ یہی حکم اس کی برعکس صورت کا ہو گا کہ حیواناتِ سائمہ کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی تھی اور دورانِ سال ان کو فروخت کر دیا گیا اب پہلے سے موجود نقود اور فلوس کے نصاب کے ساتھ فروخت کردہ حیوانات کی رقم کو نہیں ملایا جائے گا کیونکہ فروخت کردہ حیوانات کا بدل نقود کا سال فروخت کردہ حیوانات کے سال کی تکمیل پر ہو گا پہلے سے موجود نقود کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ ان دونوں صورتوں میں مال کا مال سے استبدال سال سے پہلے ہے اس لئے دورانِ سال حاصل زکوٰۃ کے مال کا جدید سال معتبر ہو گا کیونکہ یہ استبدال ایک جنس کا دوسری جنس کے مال کے ساتھ ہے لہٰذا پہلا سال منقطع ہو جائے گا۔ (رد المحتار: ۳/۲۱۴)

ایک مال میں زکوٰۃ کا تکرار جائز نہیں مگر عشر میں جائز ہے:

• اگر فصل کا عشر دے دیا تھا پھر اُسے فروخت کر دیا حاصل شدہ رقم کو پہلے سے موجود رقم کے نصاب کے ساتھ ملایا جائے گا کیونکہ عشر کا بدل عشر کے حکم میں نہیں ہوتا الگ جدید مال شمار ہوتا ہے عشر زمین کی فصل کا مستقل مال زکوٰۃ ہے اسی طرح اگر تجارت کے عبد کو خدمت کے لئے رکھ لیا پھر اُسے فروخت کر دیا اس کی

بیع سے حاصل رقم پہلے سے موجود نصاب کے ساتھ ملائی جائے گی کیونکہ غیر تجارتی عبد یا مال کے بدل کا حکم مستقل اور جدید مال کا ہوتا ہے اس کی زکوٰۃ دینے سے دو مرتبہ ایک مال کی زکوٰۃ دینا لازم نہیں آئے گا۔ (ردالمحتار: ۳/۲۱۴)

ظالم حکمرانوں اور باغیوں کی جانب سے وصول شدہ زکوٰۃ کا حکم:

• باغی ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو امام حق اور مسلمانوں کے نامزد شدہ حاکم کی اطاعت سے انکار کردیں اور مسلمانوں کے کسی شہر پر جبراً قبضہ کرلیں۔ جس طرح خارجیوں نے حضرت علیؓ کی اطاعت سے انکار کردیا تھا۔ حضرت علیؓ امام حق تھے مگر خارجیوں نے ان کو امام اور مسلمانوں کا سربراہ ماننے سے انکار کردیا تھا اور ایک علاقہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ امام حق کی اطاعت سے خروج کا نام بغاوت ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

"والبغاۃ قوم مسلمون خرجوا عن طاعۃ الامام الحق بأن ظھروا فاخذوا ذالك (نھر)"

ترجمہ: اور باغی ایک مسلمان قوم ہے جو امام حق کی اطاعت سے خروج کریں اس طرح کہ وہ کسی شہر پر غلبہ اور قبضہ کرلیں اور لوگوں سے زکوٰۃ اور عشر وصول کرے۔

چونکہ زکوٰۃ کے مسائل میں بغاۃ کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے قبضہ اور غلبہ کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ بغاوت میں قبضہ اور غلبہ شرط نہیں ہے۔

امام حسینؓ باغی نہیں تھے:

• ایک فرقہ کے لوگ امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید علیہ ماعلیہ کی بیعت سے انکار اور بصرہ کی طرف روانگی کو یزید علیہ اللعنہ کی اطاعت سے خروج کو بغاوت کہتے ہیں اور سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو (العیاذ باللہ) باغی قرار دے کر ان کی شہادت کو باغی کی ہلاکت قرار دیتے ہیں اور یزید کو امام حق اور اُس کے

کردار کو حق سمجھتے ہیں مگر اہلِ حق کا قول یہ ہے امام عالی مقام کا یزید کی بیعت سے انکار اور بصرہ کی طرف روانگی بغاوت نہیں تھا کیونکہ امام حسینؓ کے نزدیک یزید امام حق نہیں تھا، امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء اس کو امام حق تسلیم نہیں کرتے تھے لہٰذا یزید کے خلاف امام کا خروج بغاوت نہیں تھا۔ یزید بالاتفاق ظالم اور فاسق اور بعض علماء کے نزدیک کافر تھا اور سیّدنا امام حسینؓ مظلوم کی وفات شہادت تھی۔ یزید کے امام حق نہ ہونے پر اہلِ مدینہ اور اہلِ مکّہ کا یزید کی بیعت سے انکار قوی دلیل ہیں کہ یزید امام حق نہیں تھا۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیل تفسیر روح المعانی وغیرہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

حضرت علیؓ امام حق تھے:

• نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ امام حق تھے ام المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر ہزاروں صحابہ کرام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار نہیں کیا تھا صرف حضرت عثمان شہید رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے پہلے قصاص لینا اور پھر بیعت کرنا نزاع کا باعث بن گیا تھا جس کی وجہ سے جنگ جمل اور جنگ صفیّن واقع ہوگئی تھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ام المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مطالبہ تھا کہ قاتل باغیوں سے پہلے قصاص لیا جائے پھر بیعت ہوگی اور حضرت علیؓ فرماتے تھے پہلے آپ لوگ میری بیعت کرلیں پھر قصاص لیا جائے گا۔ اس نزاع کو بغاوت نہیں کہا جاسکتا۔ جمہور اہلِ سنّت کا عقیدہ ہے اس اختلاف کی بنیاد اجتہاد تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ امام حق تھے اور ان کی رائے اور اجتہاد صواب تھا اس لئے انہیں دو نیکیاں ملیں گی اور ام المؤمنین سیّدہ عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ اور ان کے رفقاء کی خطا اجتہادی تھی اس لئے ان کو ایک ثواب ملے گا۔ قرآنی آیت "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ" (ترجمہ: اللہ تعالیٰ سارے

صحابہ سے خوش ہے اور سارے صحابہ اللہ تعالیٰ سے خوش ہیں) سارے صحابہ کرام اور صحابیات کو شامل ہے کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔

باغیوں کو زکوٰۃ لینے کا حق نہیں ہے:

• زکوٰۃ کے مسائل میں مذکور ہے اگر باغی اپنی حکومت قائم کرلیں اور مسلمانوں کے شہر پر قبضہ کرلیں انہیں اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی زکوٰۃ لینے کی ولایت حاصل نہیں ہے بالفرض باغی مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کرلیں، اکثر فقہاء کے نزدیک مسلمانوں کو دیانۃً دوبارہ زکوٰۃ دینا ہوگی ایک تو اس لئے کہ باغی مسلمانوں کا مال بطور صدقہ نہیں لیتے بلکہ جبراً مسلمانوں کا مال چھین لینا حلال سمجھتے ہیں۔ علامہ شامی اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لتعليلهم بان البغاة لا يا خذون بطريق الصدقه بل بطريق الاستحلال فلا يصرفونها الى مصارفها ..اه" (ص:۳/ ۲۱۵)

ترجمہ: فقہاء اس کی علّت ذکر کرتے ہیں کہ باغی مسلمانوں سے مال بطور زکوٰۃ نہیں لیتے بلکہ اس مال کو اپنے لئے حلال سمجھ کر لیتے ہیں پس مال کو زکاۃ کے مصارف میں خرچ نہیں کرتے۔

• اگر حربی کافر مسلمانوں کے کسی شہر یا ملک پر قبضہ کرلیں اور حکومت قائم کرلیں اس شہر یا ملک میں رہنے والے مسلمانوں سے مسلمانوں کی حکومت زکوٰۃ نہیں لے سکتی کیونکہ وہ مسلمان اسلامی حکومت کی حفاظت میں نہیں رہے جنایت حمایت کی وجہ سے ہوتی ہے لہٰذا مسلمان خود زکوٰۃ ادا کریں۔ (ص:۳/ ۲۱۵)

• معلوم ہوا بھارت اور یورپی ممالک جہاں کافروں کی حکومتیں ہیں، حکومتوں کو مسلمانوں سے اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ لینے کا حق نہیں ہے کیونکہ شرعاً کافر مسلمانوں کا حاکم نہیں ہوسکتا لیکن یورپی اور انڈین مسلمانوں پر زکوٰۃ واجب ہے، مسلمان خود زکوٰۃ ادا کریں۔

اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی توضیح:

• زکوٰۃ کے اموال دو قسم کے ہوتے ہیں اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ۔ اموالِ ظاہرہ جیسے حیواناتِ سائمہ اور عشر اور خراج اور وہ مالِ تجارت جو حکومت کی جانب سے زکوٰۃ لینے والے نمائندوں کے راستوں سے گذرے یہ اموالِ ظاہرہ کہلاتے ہیں۔ اور اموالِ باطنہ جیسے نقود اور ایسے تجارتی اموال جن کا گذر حکومت کے نمائندوں پر نہ ہو یہ اموالِ باطنہ کہلاتے ہیں۔ اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ اسلامی حکومت کو لینے کا حق حاصل ہوتا ہے اور اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ آدمی خود ادا کرتا ہے۔ مگر حضرت عثمانؓ کے حکم اور صحابہ کرامؓ کے اجماع سے اموالِ ظاہرہ اور باطنہ سب کی زکوٰۃ خود ادا کرنے کی اجازت ہوگئی تھی اس لئے اب اموالِ ظاہرہ اور باطنہ کی زکوٰۃ خود ادا کرنا ضروری ہے۔

• اگر باغی لوگوں کی حکومت زیرِ تسلط کفار سے خراج اور جزیہ لے لیتی ہے، ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ باوجود بغاوت کے باغی مسلمان بھی اہلِ حرب کافروں سے قتال کرنے کو فرض سمجھتے ہیں اور خراج اور جزیہ اہلِ قتال کا حق ہے اس لئے اس کا اعادہ نہیں ہوگا۔ (ص:۳/ ۲۱۵)

ظالم جبراً زکوٰۃ لے لیں تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی:

• اگر مسلم ظالم حکمران مسلمانوں کے مال سے جبراً زکوٰۃ لے لیں اور زکوٰۃ کا مال زکوٰۃ کے مصارف میں خرچ نہ کریں مسلمانوں کو دوبارہ زکوٰۃ دینی ہوگی اور اگر مصارف میں صرف کریں تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔

• آج کل پاکستان کی حکومت بینکوں میں جمع شدہ لوگوں کی رقوم سے زکوٰۃ کاٹ لیتی ہے اور مشہور یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مصارفِ زکوٰۃ میں خرچ نہیں کرتی لہٰذا لوگوں پر واجب ہے دوبارہ زکوٰۃ ادا کریں۔ (کتاب کی ابتداء میں ان مسائل کا ذکر کردیا گیا ہے۔)

• دس پندرہ سال سے پاکستان کے بڑے شہروں میں بعض ظالم تنظیمیں لوگوں سے گن پوائنٹ پر جبراً بھتہ اور مال لے لیتی ہیں ان میں سے بعض تنظیمیں زکٰوۃ اور فطرہ بھی جبراً وصول کرتی ہیں اور ظاہر ہے ان تنظیموں کو جبراً زکٰوۃ اور فطرہ لینے کا حق نہیں ہے۔ نیز یہ تنظیمیں زکٰوۃ کو زکٰوۃ کے مصارف میں خرچ بھی نہیں کرتیں، مجبور لوگ اگر زکٰوۃ دیتے وقت زکٰوۃ ادا کرنے کی نیت کرلیں تو بھی زکٰوۃ ادا نہیں ہوگی، انہیں دوبارہ زکٰوۃ دینا ہوگی۔

• اگر ملک یا شہر کا سربراہ ظالم ہو لوگوں کے اموال پر ظلم اور جبر کے ساتھ قبضہ کرکے مال چھین لیتا ہو اور لوگ مال دیتے وقت زکٰوۃ کی نیت کرلیں، صحیح یہ ہے کہ زکٰوۃ ادا نہیں ہوگی شامی میں تجنیس سے منقول ہے:

"والصحیح انه لا یجوز و به یفتی لانه لیس للظالم ولایة اخذ الزکاة من الاموال الباطنة۔اھ۔ اقول یعنی اذا لم یکن له ولایة اخذها لم یصح الدفع الیه وان نوی الدافع به التصدق علیه لانعدام الاختیار الصحیح...الخ" (ص:۳/ ۲۱۶)

ترجمہ: اور صحیح یہ ہے کہ (جبراً لی گئی زکٰوۃ) جائز نہیں ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ ظالم کے لئے اموالِ باطنیہ کی زکٰوۃ لینے کی شرعاً ولایت نہیں ہے۔ میں (شامی) کہتا ہوں یعنی جب اموالِ باطنہ میں زکٰوۃ لینے کا حکمرانوں کو حق نہ ہو ان کو زکٰوۃ دینا جائز نہیں ہے اگرچہ زکٰوۃ دہندہ اس ظالم حکمران پر صدقہ اور زکٰوۃ کی نیت کرے اس لئے کہ یہاں زکٰوۃ دہندہ کا صحیح اختیار نہیں ہے (گویا بغیر اختیار ظالم کو زکٰوۃ دی گئی)۔

بخلاف اموالِ ظاہرہ کے کیونکہ اصل میں اموالِ ظاہریہ کی زکٰوۃ لینے کا حکمرانوں کو حق حاصل ہے، اس لیے زکٰوۃ میں اختیار کا نہ ہونا، زکٰوۃ کی ادا میں مضر نہیں ہے۔ اموالِ ظاہرہ کی زکٰوۃ ادا ہوجائے گی خواہ زکٰوۃ دہندہ زکٰوۃ کی نیت کرے یا نہ کرے۔

بشرطیکہ حاکم زکٰوۃ کو زکٰوۃ کے مصارف میں خرچ کرے۔(رفیق حسنی)

• علماء کرام کی مختلف اجتہادی اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ حاکم کے علاوہ کوئی شخص یا تنظیم گن پوائنٹ اور جبر کے ساتھ مسلمانوں سے زکٰوۃ وصول کرے یا بھتہ کی رقم وصول کرے تو زکٰوۃ دہندہ کی زکٰوۃ ادا نہیں ہوگی خواہ زکٰوۃ دہندہ زکٰوۃ کی نیت کرے یا نہ کرے کیونکہ حکومت کے علاوہ کسی فرد یا ادارہ کو شرعاً زکٰوۃ لینے کی ولایت نہیں دی گئی۔

• اور اگر وقت کا ظالم حاکم لوگوں سے جبر اور ظلم کے ساتھ اموال باطنہ سونا اور چاندی اور کرنسی اور مالِ تجارت جو اندرونِ ملک گردش میں رہتا ہے، سے زکٰوۃ لے لے، زکٰوۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ حاکم کو اموالِ باطنیہ کی زکٰوۃ لینے کی ولایت نہیں دی گئی۔

• اور اگر حاکم اموالِ ظاہرہ حیواناتِ سائمہ اور مالِ تجارت جو باہر سے لایا جاتا ہے کی زکٰوۃ لے لے تو ایک قول پر زکٰوۃ ادا ہوجائے گی لیکن ایک قول یہ ہے کہ زکٰوۃ تب ادا ہوگی کہ وہ حاکم زکٰوۃ کی رقم زکٰوۃ کے مصارف میں خرچ کرے اسی پر فتویٰ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ظالم حاکم خود فقیر ہوتا ہے، اس لئے ظلماً لی گئی زکٰوۃ یا دوسرا مال زکٰوۃ میں شمار ہوگا اور مسلمانوں کی اموال ظاہرہ کی زکٰوۃ ادا ہوجائے گی۔

ارب پتی حکمران بھی فقیر ہوتے ہیں:

• ظالم حکمران اگرچہ کروڑوں پتی ہوں وہ فقیر ہوتے ہیں کیونکہ ان کا سارا مال لوگوں کے دین میں غرق ہوتا ہے۔ دین کے اموال کے ماسوا ان کے ملک میں کوئی مال نہیں ہوتا اور مدیون مستغرق فقیر ہوتا ہے لہٰذا لوگوں کی زکٰوۃ کا وہ مصرف ہوتے ہیں مگر یہاں اشکال یہ ہے کہ جب حاکم غاصب لوگوں کی زکٰوۃ کا شرعاً مالک ہوجاتا ہے تو پھر فقیر کس طرح ہوگا؟ لہٰذا اس کو زکٰوۃ کے مستحقین میں شمار نہیں کیا جاسکتا اس لئے فتویٰ یہ ہے کہ اگر ظالم حاکم زکٰوۃ کے مصارف میں زکٰوۃ صرف

کرتا ہے تو زکٰوۃ ادا ہو جائے گی ورنہ ادا نہیں ہو گی۔

بلخ کے امیر اور حاکم کا دلچسپ واقعہ:

• بلخ کے امیر موسیٰ بن عیسیٰ بن ہامان خراسانی نے مفتی محمد ابن سلمہ سے اپنی قسم کے کفّارہ کے متعلق سوال کیا تو مفتی صاحب نے فرمایا تم فقیر ہو تمہارے لئے قسم کا کفّارہ تین روزے ہیں کیونکہ تمہارے ذمہ لوگوں کے ظلم کے دیون اتنے ہیں کہ تمہارے ملک میں مال دیون سے بھی کم ہو گا۔ جب بلخ کے امیر نے فتویٰ پڑھا، روتے ہوئے اپنے لوگوں سے کہا علماء فرماتے ہیں تمہاری گردن پر اتنے مظالم ہیں جن کی مالیت تمہارے مال سے زیادہ ہو گی۔ اب میں کیا کروں؟ معلوم نہیں پھر اس نے قسم کا کفارہ کس طرح دیا۔

• اسی وجہ سے در مختار میں مبسوط سے منقول ہے:

"الاصح الصحة اذا نوی بالدفع لظلمة زماننا الصدقة علیهم لانهم بما علیهم من التبعات فقراء" (ص:۳/ ۲۱۶)

ترجمہ: زیادہ صحیح یہ ہے کہ ظالم حکمرانوں کو زکٰوۃ کی ادائیگی صحیح ہے جب ہمارے زمانہ کے ظالموں کو مال دیتے وقت صاحبِ مال زکٰوۃ کی نیت کرلے کیونکہ وہ ظالم حکمران اپنے ذمہ واجب الاداء مظالم کی وجہ سے فقیر ہوتے ہیں۔

ظالم حکمرانوں کو ادا کردہ مال زکٰوۃ میں شمار ہو سکتا ہے:

• آج ۲۰۱۴ء مطابق ۱۴۳۵ھ ہے۔ ہمارے پاکستان پر مسلّط حکمران ٹیکسوں اور رشوتوں اور فراڈ اور چوری کے ذریعے کھربوں کی کرپشن کر رہے ہیں اور بعض تنظیموں نے باقاعدہ کاروباری تاجروں سے ہر ماہ کے لئے بھتہ مقرر کیا ہوا ہے۔ پولیس اور ڈاکو اور افسرانِ بالا لوگوں سے مال لوٹ رہے ہیں۔ آج اگر یہ فتویٰ جاری کردیا جائے کہ ظالم فقیر ہوتے ہیں لہٰذا ظالموں کو مال دیتے وقت مالکان زکٰوۃ کی

نیت کرلیں تو زکٰوۃ ادا ہو جائے گی، تو غلط نہیں ہو گا۔

• فقہاء کرام کے نزدیک غیر ظالم حکمران اگر جبراً لوگوں کے مال سے زکٰوۃ کاٹ لیں، صرف اموالِ ظاہرہ کی زکٰوۃ ساقط ہو جائے گی بشرطیکہ حکمران اس زکٰوۃ کو اپنے مصارف میں خرچ کریں اور انہیں زکٰوۃ لینے کی شرعی ولایت حاصل ہو اور اموالِ باطنہ کی زکٰوۃ یا جبراً مال لینے والے لوگ حکمران نہ ہوں تو زکٰوۃ ادا نہیں ہو گی۔

غصب کردہ مال کی زکٰوۃ کے احکام:

• امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غاصب غصب کردہ مال کو اگر اپنے ملک میں موجود مال کے ساتھ مکس کرلے تو غاصب غصب کردہ مال کا مالک ہو جاتا ہے مگر اس پر غصب کردہ مال دین ہو جاتا ہے کیونکہ جس آدمی کا مال غصب کیا گیا اس کے ملک کا تعلق مکس شدہ مال کے عین کے ساتھ باقی نہیں رہتا بلکہ غاصب کے ذمہ کے ساتھ ہو جاتا ہے اور غاصب پر مال مغصوب کی ضمان واجب ہوتی ہے لہٰذا ضمان اور دین کے ماسوا مخلوط مال کی زکٰوۃ غاصب پر واجب ہو گی اور جب غاصب فوت ہو گا غصب شدہ مال اس کا ترکہ ہو گا اور وراثت میں تقسیم ہو گا بشرطیکہ میت پر واجب دین پہلے ادا کردیا جائے۔

• مگر صاحبین کے نزدیک غصب شدہ مال کی ضمان واجب نہیں ہوتی بلکہ غصب کردہ مال واپس کرنا واجب ہوتا ہے، غاصب غصب کردہ مال کا مالک نہیں ہوتا اور غصب شدہ مال کا عین واپس کرنا ہو گا۔ (ص:۳/ ۲۱۶)

• واضح ہے کہ غیر کے مال کو اپنے مال کے ساتھ اس طرح مکس کرنا کہ دونوں میں تمیز نہ ہو سکے دوسرے کے مال کو قصداً ہلاک کرنا ہوتا ہے لہٰذا امام صاحب کا قول راجح ہے مگر زکٰوۃ اور وراثت دین کے ماسوا مال میں ہو گی اور زکٰوۃ کی ادا اور وراثت اس وقت ہو گی جب غاصب کے ملک میں غصب شدہ مقدار سے زائد بقدر

نصاب الگ اور منفصل مال موجود ہو تاکہ غاصب اپنے مال سے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر سکے اور اگر غاصب کے ملک میں غصب شدہ مال کے علاوہ کوئی مال نہیں ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیونکہ اب کل مال واجب التصدق ہے یعنی خبیث مال کی مقدار کے علاوہ غاصب کے ملک میں کوئی مال نہیں ہے اور مالک یا اس کے ورثاء کو واپس بھی نہیں ہو سکتا تو اسے کل مال اپنے ملک سے خارج کرنا واجب ہے اور اس میں زکوٰۃ یا صدقہ کی نیت کرنا منع ہے بلکہ کفر ہے۔

غصب شدہ مال فقراء اور مدارس اور مساجد میں صرف کرنا جائز ہے:

• کتب فقہ میں مذکور ہے مغصوب مال مالک یا مالکوں کو واپس کیا جائے اگر مالک فوت ہو گیا ہو تو اس کے وارثوں کو واپس کیا جائے اگر ایسا نہ ہو سکے کہ مالکوں اور ان کے وارثوں کا علم نہیں ہو سکتا یا وہ فوت ہو گئے ہیں تو غاصب مغصوب مال کی مقدار اپنے ملک سے نکال دے اور فقراء پر صدقہ کر دے۔ غاصب کو صدقہ کا ثواب نہیں ہو گا مگر غیر کے مال کو ملک سے نکالنے کا ثواب ہو گا، جس طرح اسے غصب کرنے کے عمل کا گناہ ہوا تھا۔ غاصب اس سے توبہ کرے اور مال کے صدقہ کا ثواب اصل مالکوں کو ملے گا۔

• اور اگر مال مغصوب مالک یا اس کے وارثوں کو واپس نہیں ہو سکتا، مسجد میں یا غنی یا سیّد یا کافر ذمی کو دے دیا جائے اور ثواب کی نیت نہ ہو تو بھی جائز ہے کیونکہ یہ نفلی صدقہ کی طرح ہوتا ہے۔ مگر علم کے بعد کہ حرام مال میں صدقہ کی نیت کرنا کفر ہوتا ہے، قصداً ثواب کی نیت کرنے والا آدمی کافر ہو جائے گا۔ چنانچہ علامہ شامی نے ظہیریہ سے نقل کیا:

"رجل دفع الی فقیر من المال الحرام شیئا یرجو به الثواب یکفر ولو علم الفقیر بذالك فدعا له و آمّن المعطی کفرا جمیعا (تا) قلت الدفع الی الفقیر غیر قید بل مثله فیما یظهر لو بنیٰ من

الحرام بعینه مسجدا و نحوه مما یرجو به التقرب لان العلّة رجاء الثواب فیما فیه العقاب و لا یکون ذالك الا باعتقاد حِلّه"

(ص:۳/ ۲۱۹)

ایک آدمی نے حرام مال سے کوئی چیز فقیر کو دے دی اور اس سے وہ ثواب کی امید رکھتا ہے وہ کافر ہو جائے گا اور اگر فقیر کو اس شی کے حرام ہونے کا علم ہے اس نے دینے والے کو دعا دی اور دینے والے نے آمین کہی تو دونوں کافر ہو جائیں گے (تا) میں کہتا ہوں فقیر کو دینا قید اور شرط نہیں بلکہ اسی طرح کا حکم اس صورت میں ظاہر ہے کہ کوئی شخص حرام بعینہ سے مسجد تعمیر کرے اور مسجد کی مثل جس سے تقرب اور ثواب کی اُمید رکھے کیونکہ کافر ہو جانے کی علّت اس عمل میں ثواب کی امید ہے جس میں عند اللہ عقاب ہے اور یہ تب ہوتا ہے جب وہ شخص حرام کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے۔

حرام قطعی کو حلال اعتقاد کرنے پر کفر لازم آتا ہے:

• اصولِ فقہ کی اصطلاحات کے مطابق حرام کی دو قسم ہیں حرام لعینہٖ اور حرام لغیرہ اگر حرمت کا کسی چیز کی ذات اور عین کے ساتھ تعلق ہو اور اس کی حرمت غیر کی وجہ سے نہ ہو وہ چیز حرام لعینہٖ یا بعینہ ہوتی ہے مثلاً میتہ (مردار جانور) اور خمر اور دم مسفوح و خنزیر کسی مسلمان کے لئے ان کا بغیر اضطرار ایک قطرہ کھانا بھی جائز نہیں ہے، کھانے کے علاوہ نفع اٹھانے میں مجتہدین کا اختلاف ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ آیت مخصوص منہ البعض ہے۔ اور اگر حرمت کا تعلق چیز کی ذات کے ساتھ نہ ہو بلکہ غیر کی وجہ سے ہو وہ چیز حرام لغیرہ ہے جیسے غیر کا مال کہ فی

نفسہ مال حلال ہے اور مالک اسے استعمال کر سکتا ہے مگر دوسرے آدمی کے لئے بغیر اذن اس کا کھانا حرام ہے۔ چنانچہ تلویح شرح توضیح میں ہے:

''هو ان الفعل الحرام نوعان احدهما ما يكون منشاء حرمته عين ذالك المحل كحرمته اكل الميتة و شرب الخمر و يسمى حراما لعينه والثانى ما يكون منشاء الحرمة غير ذالك المحل كحرمة اكل مال الغير فانها ليست بنفس ذالك المال بل لكونه ملك الغير۔ الخ'' (ص: ۲۱۲۔ باب الاحکام)

ترجمہ: وہ یہ کہ حرام فعل کے دو نوع ہیں: ایک یہ کہ اس کی حرمت کی علت اور وجہ اس چیز کا عین اور ذات ہو جیسے میتہ کا کھانا اور شراب کا پینا اس کا حرام لعینہ نام رکھا جاتا ہے اور دوسرا حرام وہ جس کی حرمت کا منشاء اور وجہ اس چیز کا غیر ہو جیسے غیر کے مال کا کھانا کیونکہ حرمت مال کے عین کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ غیر کے ملک کی وجہ سے ہے۔

حرام لعینہ اور لغیرہ، ہر ایک کے دو قسم ہیں:

- پھر حرام لعینہ کی دو قسمیں ہیں حرام لعینہٖ قطعی اور حرام لعینہٖ ظنی اور حرام لغیرہٖ کی بھی دو قسمیں ہیں حرام قطعی اور حرام ظنی۔ حرام لعینہ ہو یا لغیرہ، قطعی حرام وہ ہوتا ہے جس کی حرمت دلیل قطعی، قطعی الدلالۃ قرآن یا حدیث متواتر یا اجماع صحابہ کے صریح قول سے ثابت ہو یعنی دلیل بھی قطعی ہو اور اس کی حرمت پر دلالۃ صریح ہو کسی دوسرے احتمال کی گنجائش نہ ہو۔ اگر کوئی چیز حرام ہو مگر اس کی حرمت دلیل ظنی سے یا دلیل قطعی سے ثابت ہو مگر حرمت پر دلیلِ قطعی کی دلالت قطعی نہ ہو خواہ وہ حرام لعینہ ہو یا حرام لغیرہ وہ حرام ظنی ہوتا ہے۔ (اصول فقہ)
- اگر حرام قطعی لعینہٖ کو حلال اعتقاد کیا جائے یہ بالاتفاق کفر ہے اور ایسے شخص پر

کفر لازم آئے گا مگر فتویٰ کفر یا تکفیر اس وقت دیا جائے گا جب آدمی اختیار اور ارادہ کے ساتھ حلال کہے اور اسے علم ہو کہ یہ چیز قطعی حرام ہے اور اُسے یہ بھی علم ہو کہ حرام قطعی کو حلال اعتقاد کرنا کفر ہوتا ہے ایسا آدمی حقیقی مرتد اور وہ مباح الدم اور مباح المال ہو جاتا ہے۔ اگر آدمی کو حرام قطعی لعینہ کی حرمت قطعی کا علم نہ ہو یا حرام قطعی لعینہ کو حلال سمجھنے سے کافر ہو جانے کا علم نہ ہو یا حرام قطعی لعینہ کو حلال کہنے میں اسے اختیار نہ ہو یا خطاً بلا ارادہ حلال کہنا صادر ہو جائے، ان سب صورتوں میں ایسے آدمی پر مرتد واجب القتل ہو جانے کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا لیکن احتیاطاً تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرایا جائے گا۔ (ملخص بحر اور ردالمحتار)

- اگر حرام لغیرہ حرام قطعی ہو راجح قول پر اس کو حلال اعتقاد کرنا بھی کفر ہے مگر مذکورہ شرائط کے ساتھ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ شامی میں شرح عقائد سے منقول ہے:

''استحلال المعصية كفر اذا ثبت كونها معصية بدليل قطعى (تا) والحاصل ان شرط الكفر على القول الاول شيئان قطعية الدليل و كونه حراما لعينه و على الثانى يشترط الشرط الاول فقط و علمت ترجيحه و ما فى البزازية مبنى عليه'' (ص: ۳ / ۲۲۰)

ترجمہ: معصیت کو حلال اعتقاد کرنا کفر ہے جب اس معصیت کا معصیت ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو (اور حاصل کلام یہ ہے پہلے قول پر کفر کی شرط دو چیزیں ہیں دلیل کا قطعی ہونا اور حرام لعینہ ہونا اور دوسرے قول پر فقط پہلی چیز یعنی دلیل کا قطعی ہونا شرط ہے اور تو اس قول کی ترجیح جان چکا ہے اور بزازیہ کی روایت اسی قول پر مبنی ہے اسی قول کو محقق ابن الفرس نے کہا ''هو الحقيق'' کہ یہی تحقیق ہے لہٰذا اگر کسی شخص نے دوسرے

آدمی کا مال ظلماً کھایا اور اسے حلال سمجھا اس کا مستحل کافر ہوگا اگرچہ وہ مال حرام لغیرہ ہے کیونکہ دوسرے آدمی کے مال کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہے۔ (ردالمحتار)

تصدیق اختیاری ہی ایمان ہے:

• جس طرح تصدیق النبی ﷺ کی دو قسمیں ہیں تصدیق غیر اختیاری اور تصدیق اختیاری اور تصدیق اختیاری ایمان ہے اور تصدیق غیر اختیاری ایمان نہیں ہے ورنہ یہود اور نصاریٰ اور مشرکین مسلمان ہوتے کیونکہ ان کفار میں سے اکثر آپ ﷺ کو صادق رسول مانتے تھے، ان کو آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق حاصل تھی چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

"الذین اٰتیناھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم۔"

(سورہ انعام: ۲۰)

وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ ﷺ کو پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

تصدیق کی طرح تکذیب کے دو قسم ہیں:

• تصدیق کی طرح آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد تکذیب کی بھی دو قسمیں ہیں: تکذیب اختیاری اور یہ بالاتفاق کفر ہے اور اس پر ارتداد حقیقی اور وجوب قتل کا فتویٰ ہے اور ایک غیر اختیاری کہ تکذیب لازم آئے اور آدمی اپنے اختیار سے تکذیب نہ کرے مثلاً آدمی کو کلمہ کفر کے کفر ہونے کا علم نہ ہو تو یہ درحقیقت لزوم کفر ہوتا ہے التزام کفر نہیں ہوتا اس پر کفر کا فتویٰ سدِّ باب کے لئے احتیاطاً لگایا جاتا ہے تاکہ لوگ آئندہ ایسے کفریہ اقوال پر جرأت نہ کریں۔ لہٰذا غیر کا مال ظلماً کھانے والا آدمی اگر اس مال کو حلال اعتقاد کرکے کھاتا ہے اور اُسے معلوم ہے اُس

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

مال کی حرمت کا انکار کفر ہے تو التزام کفر کی وجہ سے وہ کافر مرتد ہے اور واجب القتل ہے اور اگر حرمت کے انکار کا کفر ہونا اسے معلوم نہیں ہے تو لزوم کفر ہے احتیاطاً اس کو تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کرا دیا جائے لیکن اُسے قتل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر ظالم غیر کے مال کو مال حرام سمجھتا ہے اور استعمال کرتا ہے تو وہ فاسق ہے، کافر نہیں ہے۔

التزامِ کفر اور لزومِ کفر میں فرق:

• تنبیہ: لزومِ کفر اور التزامِ کفر میں فرق ہوتا ہے۔ لزومِ کفر حقیقی کفر نہیں ہوتا مگر تنبیہ کے بعد اگر آدمی کفر پر مصر رہے تو التزامِ کفر ہو جاتا ہے۔ یہ التزامِ کفر کا پہلا قسم ہے مگر التزام کفر کے بعد کفر کا فتویٰ اس وقت لگایا جائے گا جب وہ امر تمام علماء اہلسنت کے نزدیک کفر ہو جس طرح شریعت کے احکام کے ساتھ استہزاء یا انبیاء علیہم السلام کی توہین تمام علماء کے نزدیک کفر ہے۔ اور التزام کفر کی دوسری قسم یہ ہے کہ شرع شریف اس امر کا شرعی ہونا بدیہیہ ہو، جیسے نماز اور زکوٰۃ اور حج اور روزے ان شرعی قطعی بدیہی احکام کا انکار بھی التزامِ کفر کے حکم میں ہوتا ہے۔ (کتب فقہ) (محمد رفیق حسنی)

• اگر کسی غاصب نے ایک آدمی سے ایک سو درہم ظلماً چھین لئے اور دوسرے آدمی سے بھی ایک سو درہم ظلماً لے لئے اور ان دراہم کو باہم ملا دیا اور اسی مخلوط مال سے ظالم نے ثواب کی نیت سے صدقہ کیا، ظالم شخص کافر نہیں ہوگا کیونکہ مخلوط مال قطعی حرام نہیں ہوتا۔ امام صاحب کے نزدیک خلط اور استہلاک کے تصرف کی وجہ سے غاصب مغصوب مال کا مالک ہو جاتا ہے اور اس پر اس مال کا تاوان لازم ہو جاتا ہے چونکہ غاصب اس مال کا مالک ہو گیا تھا، اس کے تصدّق سے کافر نہیں ہوگا۔ در مختار میں بزازیہ سے منقول ہے:

"انما یَکْفُر اذا تصدق بالحرام القطعی اما اذا اخذ من انسان مأۃ

و من اخر مأۃ و خلطھا ثم تصدق لا یکفر لانه لیس بحرام بعینه بالقطع لا ستھلا که بالخلط"(ص:۳/ ۲۱۹)

بے شک وہ شخص کافر ہو جائے گا جب حرام قطعی کے عین کے ساتھ صدقہ کرے گا لیکن جب کسی شخص نے ایک انسان سے ایک سو لے لیا اور دوسرے انسان سے بھی سو لے لیا اور ان کو ملا دیا پھر صدقہ کیا تو کافر نہیں ہو گا کیونکہ مخلوط مال بعینہ حرام قطعی نہیں رہا، ہلاک ہو جانے کی وجہ سے خلط کے ساتھ۔

• امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غیر کے غصب شدہ مال کو اپنے مال یا غیر کے غصب کردہ مال کے ساتھ مخلوط اور مکس کرنے سے اور اپنے حوائج میں خرچ کرنے سے غاصب غیر کے مال کا مالک ہو جاتا ہے اور اس پر اس مال کی ضمان واجب ہو جاتی ہے مگر صاحبین کے نزدیک مکس کرنے سے غاصب غیر کے مال کا مالک نہیں بنتا۔ تفصیل مبسوط کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے مگر امام صاحب کا قول عام مسلمانوں کے لئے باعثِ رحمت ہے کیونکہ آج کل بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کے مال میں غصب کردہ مال مکس نہیں ہو گا چنانچہ در مختار میں ہے:" و قوله ارفق اذ قلما یخلو مال عن غصب"(ص:۳/ ۲۱۷) امام صاحب کا قول لوگوں کے لیے آسان اور بہت نرم ہے کیونکہ بہت کم مال غصب سے خالی ہیں اور صاحبین کا مذہب سخت ہے چنانچہ زیر بحث مسئلہ میں صاحبین کے نزدیک غاصب مخلوط مال کے صدقہ کی وجہ سے کافر ہو جائے گا اور امام صاحب کے نزدیک کافر نہیں ہو گا۔

امام فقیہ ابو جعفر کی حرام مال کے حوالہ سے عجیب حکایت:

• علامہ ابن عابدین شامی نے نقل فرمایا کہ ابو جعفر فقیہ سے سوال کیا گیا کہ سلطان کے امراء یعنی گورنر اور وزیر اور دیگر حکمران جو مال اکٹھا کرتے ہیں اور لوٹ

مار کے ذریعہ حرام مال حاصل کرتے ہیں ایک شخص جانتا ہے کہ ان حکمرانوں کی دولت حرام ہے، کیا وہ ان حکمرانوں کے مال سے کھانا کھا سکتا ہے؟ آپ نے جواب دیا، میں پسند کرتا ہوں کہ آدمی ان کا کھانا نہ کھائے مگر حکم اور قضاء کے اعتبار سے ان کے مال سے کھانا جائز ہے بشرطیکہ کھانا کھلانے والا غصب شدہ مال یا رشوت کے مال کے عین یا ذات سے کھانا نہ بنائے یعنی کھانا عین رشوت اور غصب شدہ مال سے نہ ہو کیونکہ ایسے مال کا حاکم مالک نہیں ہو گا، وہ مال اُس کے لئے اور اس کے غیر کے لئے جائز نہیں ہے۔ شامی میں ہے:

"ای ان لم یکن عین الغصب او الرشوۃ لانه لم یملکه فھو نفس الحرام فلا یحل له و لغیرہ"(ص:۳/ ۲۱۹)

ترجمہ:"یعنی غصب یا رشوت سے حاصل مال عین نہ ہو، اس لیے کہ غاصب اور راشی اس مال کا مالک نہیں ہوتا، وہ مال عین حرام ہے، اس کے اور اس کے غیر کے لیے جائز نہیں ہے۔"

یعنی اگر غصب اور رشوت سے حاصل مال کا عین نہ ہو بلکہ مال میں تصرف کی وجہ سے اس کا الگ وجود باقی نہ رہے تب ظالم کے مال سے کھانا جائز ہے اگر مال کا عین ہے اور اس کا وجود باقی ہے اس میں کوئی تصرف نہیں ہوا تو غاصب اور راشی اس کا مالک ہی نہیں ہوا وہ مال حرام ہے۔

• بزازیہ سے منقول ہے خوارزم کے بعض علماء حکمرانوں کا کھانا نہیں کھاتے تھے مگر ان کا ہدیہ قبول کر لیتے تھے۔ جب ان سے وجہ پوچھی گئی، انہوں نے فرمایا، حکمرانوں کا پیش کردہ طعام بطور اباحت ہوتا ہے اور مباح کا استعمال مالک کے ملک پر ہوتا ہے مالک کا ملک منقطع نہیں ہوتا لہٰذا غاصب کا طعام کھانے والا آدمی ظالم کے ملک میں باقی ہونے والے طعام کا کھانے والا ہو گا، یہ جائز نہیں اور ہدیہ میں تملیک ہوتی ہے، ظالم کا ملک منقطع ہو جاتا ہے اس لئے ہدیہ لینے والا اپنے ملک میں تصرف

کرنے والا ہوتا ہے اور یہ جائز ہے

• علامہ ابن عابدین اعتراض کرتے ہیں یہ اس قول پر جواب ہے کہ حرام دوسرے آدمی کی طرف متعدی نہیں ہوتا اس کی ضمان آدمی پر واجب ہوتی ہے مگر تحقیق اس کے خلاف ہے جیسا کہ بیع فاسد اور حظر اور اباحت کے ابواب میں ذکر کیا جائے گا لہٰذا ہدیہ میں تملیک ہونے کے باوجود ظالم سے حرام کے عین کا ہدیہ لینا جائز نہیں ہوگا۔ (ص:۳/ ۲۲۰)

زکوٰۃ کی تعجیل (ایڈوانس) ادا کرنے کے مسائل:

• اگر کوئی آدمی کئی سالوں کی زکوٰۃ ایڈوانس دینا چاہتا ہے اور دے دیتا ہے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی مگر اس کے لئے تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت جس مال کی زکوٰۃ دینا چاہتا ہے اس وقت اس مال کا اس کے پاس کامل نصاب موجود ہو۔ اگر نصاب کا مالک نہیں ہے مثلاً دو سو درہم چاندی کے نصاب سے کم دراہم کا مالک ہے اور ان دراہم کی ایڈوانس پانچ درہم زکوٰۃ ادا کر دیتا ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

• دوم وہ نصاب سال کے درمیان بالکل ختم نہ ہو جائے اگر کسی نے فقراء کو دو سو درہم کی پانچ درہم زکوٰۃ دے دی پھر دو سو درہم ختم ہو گئے اور سال کے آخر میں دوبارہ دو سو درہم حاصل ہو گئے تو پہلے پانچ درہم زکوٰۃ شمار نہیں ہوں گے ہاں البتہ دو سو درہم سے اگر ایک درہم بھی باقی رہا اور پھر سال کے اختتام پر نصاب کامل ہو گیا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔

• تیسری شرط جس نصاب کی ایڈوانس زکوٰۃ دی گئی ہے وہ سال کے اختتام پر کامل موجود ہو مثلاً کسی آدمی نے چالیس بکریوں کی زکوٰۃ ایک بکری سال کے اختتام سے پہلے فقیر کو ادا کر دی جب بارہواں مہینہ ہوا اُس کے پاس انتالیس بکریاں تھیں ایڈوانس دی گئی بکری زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگی نفلی صدقہ ہوگا اور اگر حکومت یا

فقراء کو دی گئی بکری ابھی تک موجود ہے تو زکوٰۃ میں شمار ہوگی۔

• اگر کسی آدمی کے ملک میں تین سو درہم موجود ہیں اس نے دو سو درہم کی بیس سال کے لئے ایڈوانس زکوٰۃ جو کہ ایک سو درہم بنتی ہے ادا کر دی تو دو سو درہم کی بیس سال کے لیے زکوٰۃ ادا ہو گئی۔

• اسی طرح اگر دو سو درہم کے نصاب والے شخص نے تین سو درہم میں سے ایک سو درہم دو سو درہم کے مزید انیس نصابوں کی زکوٰۃ میں ایڈوانس دے دیا اور انیس نصاب یعنی اڑتیس (۳۸) سو درہم ادا کردہ زکوٰۃ کے سال اس کو مل گئے تو سب کی زکوٰۃ ایڈوانس ادا ہو گئی۔

• اور اگر انیس نصاب اسی سال حاصل نہ ہو سکے اور دوسرے سال حاصل ہوئے تو پھر انیس نصابوں کی زکوٰۃ علیحدہ دینا ہوگی کیونکہ ادا کے سال اس کے پاس انیس نصاب نہیں تھے مگر ادا کردہ سو درہم اس آدمی کے ملک میں موجود دو سو درہم کی بیس سال کے لئے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (ص:۳/ ۲۲۰)

• ایڈوانس زکوٰۃ ادا ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ جس مال کے نصابوں کی زکوٰۃ دی جا رہی ہے، ایک جنس کے ہوں چنانچہ شامی میں ہے: "وقید فی البحر بکون الجنس متحدا" (ص:۳/ ۲۲۱) اور بحر الرائق والے نے ایک جنس ہونے کی قید ذکر فرمائی ہے اور پھر فرمایا: "والدراھم و الدنانیر و عروض التجارۃ جنس واحد۔ اھ" (ص:۳ / ۲۲۱) اور دراہم اور دنانیر اور تجارتی مال ایک جنس ہیں۔ لہٰذا سونے کی متعدد نصابوں کی ایڈوانس زکوٰۃ یا چاندی یا تجارتی مال کے نصابوں کی ایڈوانس زکوٰۃ کسی مال سے دینا جائز ہوگا اور کرنسی کا حکم سونے اور چاندی کا ہے مگر حیواناتِ سائمہ اجناس مختلف ہیں اونٹوں کے نصاب کی ایڈوانس زکوٰۃ دراہم یا دنانیر سے نہیں دی جائے گی۔

• ایڈوانس زکوٰۃ کے ادا ہونے کی وجہ اور علّت یہ ہے کہ نامی مال کے نصاب کا

مالک ہونا زکوٰۃ کے نفسِ وجوب کا سبب ہے اور ادا کے وجوب کا سبب حولانِ حول ہے چونکہ نفسِ وجوب کا سبب مال نامی موجود ہے اگرچہ ادا کا سبب مؤخر ہے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جس طرح زوال ہوتے ہی وجوبِ صلوٰۃ کا سبب موجود ہو جاتا ہے اور ادا کا سبب آخری ٹائم ہوتا ہے مگر آخری ٹائم سے پہلے نماز ادا کر دی جائے تو نماز ادا ہو جائے گی یہی حکم حج کا ہوتا ہے۔ نفسِ وجوب اور وجوب الاداء کی الگ الگ شرائط ہیں۔

زکوٰۃ کی طرح ایڈوانس عشر ادا کرنا بھی جائز ہے:

• اسی طرح زمین میں کاشت کردہ فصل کا یا باغات کے پھلوں کا عشر فصل یا پھل پک جانے سے پہلے اور فصل اور پھلوں کے خروج اور پیدا ہونے کے بعد ایڈوانس ادا کرنا جائز ہے کیونکہ نفسِ وجوب موجود ہوتا ہے مگر فصل کے پیدا ہونے اور پھلوں کے خروج سے پہلے عشر ادا کرنا جائز نہیں ہے۔(ص:۳/ ۲۲۱)

صرف ادا کے وقت فقیر ہونا شرط ہے:

• اگر کسی شخص نے سال کے اختتام سے پہلے کسی فقیر کو ایڈوانس زکوٰۃ دے دی تھی، سال کے اختتام کے وقت یعنی وجوب الاداء کے وقت فقیر غنی ہو گیا یا فوت ہو گیا یا (العیاذ باللہ) مرتد ہو گیا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ درمختار میں ہے:

"لان المعتبر کونہ مصرفا وقت الصرف الیہ لا بعدہ"

(ص:۳/ ۲۲۲)

اس لئے کہ معتبر فقیر کا اس وقت مصرف ہونا ہے جب زکوٰۃ اس کو دی جائے اس کے بعد نہیں یعنی زکوٰۃ لینے کے بعد اگر مصرف نہ رہے تو بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

میت کے ترکہ سے میت پر واجب زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی:

• اگر کوئی آدمی زکوٰۃ ادا نہیں کر سکا تھا اور فوت ہو گیا اس کے ترکہ سے زکوٰۃ ادا کی

جائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی کیونکہ ادا کے وقت زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت نہیں ہے اور زکوٰۃ کے ادا کے لئے نیت شرط ہے اور اگر میت نے زکوٰۃ ادا کر دینے کی وصیت کی تھی میت کے ترکہ کے تیسرے حصہ سے زکوٰۃ ادا کرنے سے ان شاءاللہ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی وصیت صرف ایک تہائی میں جاری ہوتی ہے البتہ اگر سب وارث عاقل بالغ ہوں اور ان کی اجازت سے ترکہ کی تہائی سے زائد مال سے بھی مرحوم پر واجب زکوٰۃ ادا کر دی جائے، اس طرح میت کی زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے۔

• وجوبِ زکوٰۃ کے لئے قمری سال معتبر ہو گا شمسی (انگریزی) سال معتبر نہیں ہو گا۔ لہٰذا زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کوئی ایک قمری ماہ مثلاً رمضان وغیرہ المبارک معین کر لیا جائے، انگریزی ماہ مثلاً جنوری وغیرہ معین نہ کیا جائے۔

• اگر کسی آدمی کو گذشتہ سال یا سالوں کی زکوٰۃ ادا کر دینے میں شک ہو جائے کل میں یا بعض میں اُسے مشکوک سالوں کی دوبارہ زکوٰۃ دینی ہو گی کیونکہ زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت ساری عمر ہے۔ (ص:۳/ ۲۲۳)

ہدیہ اور مہر میں فرق ہوتا ہے:

• اگر کسی آدمی نے عورت کے ساتھ نکاح کیا اور مہر ایک ہزار درہم مقرر ہوا عورت نے رخصتی سے پہلے ہزار درہم پر قبضہ کر لیا اور سال گذر گیا۔ شوہر نے سال بعد دخول سے پہلے اسے طلاق دے دی اور آدھا مہر یعنی پانچ سو درہم واپس کر لیا۔ جس طرح مہر کا شرعی حکم ہے، عورت کو پورے ہزار درہم کی زکوٰۃ دینا ہو گی گویا عورت نے جو پانچ سو درہم واپس کئے وہ مقبوضہ درہموں سے نہیں تھے، عقود اور فسوخ میں دراہم اور دنانیر کرنسی متعین نہیں ہوتی اور پانچ سو دراہم سال کے بعد دین میں بدل گئے اور دین واجب شدہ زکوٰۃ کو ساقط نہیں کر سکتا۔ شامی میں ہے:

"فلم یجب علیھا ان ترد نصف ما قبضتہ بعینہ بل مثلہ والدین بعد الحول لا یسقط الواجب" (ص:۳/ ۲۴۱)

پس عورت پر واجب نہیں ہے کہ وہ بعینہ ان دراہم کا نصف واپس کرے جن پر اس نے قبضہ کیا تھا بلکہ اس کی مثل واپس کرنا واجب ہے اور سال بعد واجب دین زکوٰۃ کو ساقط نہیں کر سکتا۔

● اگر کسی آدمی نے دوسرے آدمی کو ہزار درہم یا مالِ تجارت کا نصاب ہدیہ کیا اور ہدیہ شدہ مال ابھی صَرف نہیں کیا گیا تھا بعینہ موجود تھا اور ہدیہ کنندہ نے سال بعد وجوع کر لیا کیونکہ اگر ہدیہ کا مال صرف ہو جائے تو رجوع جائز نہیں ہوتا۔ ہدیہ کنندہ نے رجوع کر لیا اور واپس لے لیا خواہ عدالت کے ذریعہ یا کسی دوسرے ذریعہ سے، اس مال کی زکوٰۃ موہوب لہ (جس کو ہبہ کیا گیا تھا) پر واجب نہیں ہوگی اگرچہ موہوب لہ اس کا مالک ہو گیا تھا کیونکہ ہبہ میں رجوع من وجہ ہبہ کا فسخ ہوتا ہے اگرچہ بغیر قضاء ہو اور ہبہ اور گفٹ کے فسخ میں دراہم متعین ہوتے ہیں، فسخ کی وجہ سے زکوٰۃ کے مال کے عین کا موہوب لہ کے اختیار کے بغیر ہبہ کرنے والا مستحق ہوا۔ اس واپس شدہ مال کی مثال ایسی ہے جیسا کہ موہوب لہ سے زکوٰۃ کا مال ہلاک ہو گیا ہو لہٰذا موہوب لہ پر اس کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور ہبہ کنندہ پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ گفٹ کردہ مال گفٹ کے بعد مالک کے ملک سے خارج ہو گیا تھا لہٰذا گذشتہ سال کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہیں ہوگی واپسی کے بعد اس مال کی سال بعد مالک پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ شوہر کے مہر اور ہبہ میں فرق اس لئے ہے کہ مہر دین ہو جاتا ہے اور ہبہ عین رہتا ہے اور اگر ہبہ شدہ مال خرچ کر دیا جائے تو مالک رجوع نہیں کر سکتا۔ (ص: ۳/ ۲۴۱)

زکوٰۃ ساقط کرنے کا حیلہ:

● ہبہ کرنے کا مذکورہ طریقہ زکوٰۃ کے ساقط کرنے کے حیلوں میں سے ایک حیلہ بھی ہو سکتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سال کے تمام ہونے سے ایک دن پہلے صاحب نصاب اپنے بچے کو مال ہبہ کر دے چونکہ مال پر ایک ملک میں سال

مکمل نہیں ہوا لہٰذا زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

● اگر عورت نے ایک ہزار درہم پر نکاح کیا اور مہر پر قبضہ نہیں کیا، سال بعد دخول سے پہلے طلاق واقع ہو گئی۔ علامہ شامی فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ اس ہزار درہم کی زکوٰۃ کسی پر واجب نہیں ہوگی۔ شوہر پر اس لئے واجب نہیں ہوگی کہ وہ بیوی کے ہزار درہم کا مدیون ہے اور مدیون کا دین زکوٰۃ سے مانع ہوتا ہے۔ شامی میں ہے:
"فلانه مديون بقدر ما في يده و دين العباد مانع كما مر" (ص: ۳/ ۲۴۱) کیونکہ شوہر مدیون ہے اس کی مقدار کا جو اس کے ہاتھ میں ہے اور بندوں کے دین زکوٰۃ کے وجوب سے مانع ہوتے ہیں اور شوہر سال بعد طلاق کی وجہ سے مہر کے نصف کا مستحق ہوا۔ شوہر نصف کا طلاق واقع ہونے کے دن سے مالک ہوگا جو کہ ملک جدید ہے، اس پر سال تمام نہیں ہوا اور عورت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ اس کا مہر شوہر پر دین ضعیف تھا اور نصف مہر جو عورت کا حق باقی ہے اس کی زکوٰۃ قبضہ کے بعد حولانِ حول ہونے پر ہوگی۔ (ص: ۳/ ۲۴۱)

● سابقہ مسائل میں گذر چکا ہے کہ عورت کے مہر کا دین زکوٰۃ سے مانع نہیں ہوتا اگرچہ من جہۃ العباد ہوتا ہے اور یہاں علامہ شامی نے مانع ہونے کا ذکر کیا ہے، تو یہاں معجل غیر میعادی مہر مراد ہے، یہ دین زکوٰۃ سے مانع ہوتا ہے اور سابقہ مسائل میں مہر سے میعادی مہر مراد تھا۔ مہر کا میعادی دین زکوٰۃ سے مانع نہیں ہوتا بلکہ غیر میعادی مہر میں بھی عموماً بیوی شوہر سے مہر کا مطالبہ نہیں کرتی۔ ایک روایت میں وہ بھی زکوٰۃ سے مانع نہیں ہوتا شوہر کو کل مال کی زکوٰۃ دینا ہوگی مہر کی مقدار وضع نہیں کی جائے گی۔ (محمد رفیق حسنی)

حیواناتِ سائمہ کی زکوٰۃ کے مسائل:

● اہلِ عرب کا اکثر مال حیواناتِ سائمہ ہوتے تھے اور ان جانوروں میں اونٹ سب جانوروں سے زیادہ مرغوب مال ہوتے تھے۔ وہ جانور جن پر زکوٰۃ واجب کی

گئی، تین جنسیں ہیں: (۱) اونٹ (۲) گائے اور بھینس (۳) بکری، دنبہ اور بھیڑ۔ ان جانوروں کے علاوہ دوسرے جانوروں پر صحیح قول کے مطابق زکوٰۃ واجب نہیں ہے اگرچہ گھوڑوں کی زکوٰۃ میں اختلاف ہے۔

تجارتی حیوانات پر تجارتی مال کی زکوٰۃ واجب ہوگی:

• مگر تجارت کی غرض سے خرید کردہ سب مملوکہ جانوروں پر تجارتی مال والی زکوٰۃ واجب ہے، حیوانات کے نصاب کا اعتبار نہیں ہوگا خواہ حلال جانور تجارت کے لئے ہوں یا حرام گھوڑے اور گدھے اور دیگر جانور جن کی بیع و شراء جائز ہے، حتّٰی کہ تجارت کی مرغیوں اور دیگر پرندوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہے اور تجارتی جانوروں پر بالاتفاق تجارتی مال کی طرح زکوٰۃ واجب ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں تجارتی اموال کو عروضِ تجارت کہا جاتا ہے اس لئے تجارتی جانوروں کا نصاب چاندی کے نصاب 612.36 گرام کی قیمت کے مساوی ہوگا جو کہ آج کل تقریباً پینتالیس (۴۵) ہزار روپے بنتا ہے۔ اگر کسی آدمی کے ملک میں پینتالیس (۴۵) ہزار روپے یا اس سے زائد قیمت کی تجارتی بکری یا دنبہ یا گائے یا بھینس یا اونٹ یا گھوڑا یا گدھا یا شکاری کتّا یا مرغیاں موجود ہیں، وہ شخص صاحب نصاب ہے سال بعد اس شخص پر اپنے تجارتی جانور یا جانوروں کی زکوٰۃ واجب ہوگی اسی طرح وہ شخص جس کے ملک میں تجارتی جانور یا ایسا جانور جو حاجت اصلیہ میں داخل نہیں اور اس کی قیمت پینتالیس ہزار روپے ہے وہ غنی ہے اس پر قربانی اور فطرہ واجب ہے اور زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے۔

• اور یہ بھی ہم شامی سے نقل کرچکے ہیں کہ اگر کسی شخص نے تجارت کی نیت سے مال یا مکان خریدا اور دو سال یا اس سے زائد سالوں تک وہ اسی کے پاس رہا اس سے مالک نفع بھی اٹھاتا رہا وہ تجارتی مال سے خارج نہیں ہوگا، اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

• بعض لوگ گائے یا بھینس اس نیت سے خرید لیتے ہیں کہ اس کو نفع پر فروخت کریں گے، وہ گائے یا بھینس تجارتی مال میں شمار ہوں گے خواہ مالک دو سال یا اس سے زائد ان کا دودھ استعمال کرتا رہے یا نہ۔ لہٰذا آج کل دودھ فروخت کرنے کا کاروبار کرنے والے دودھ کے جانور خریدتے وقت یہ نیت کرتے ہیں کہ جب جانور کا دودھ خشک ہوگا ان کو فروخت کردیں گے، ان لوگوں پر دودھ والے جانوروں کی قیمت پر تجارتی نصاب کے مطابق زکوٰۃ واجب ہوگی۔

دودھ کی گائے یا بھینس حاجتِ اصلیہ میں داخل نہیں:

• آج کل عموماً دیہاتوں میں لوگ دودھ کی ضرورت کے لئے ایک یا دو گائے یا بھینس تجارت کی نیت سے خرید کر اپنے پاس رکھتے ہیں، حسبِ ضرورت دودھ استعمال کرتے رہتے ہیں اور اپنی ضرورت سے زائد فروخت کرتے رہتے ہیں، انہی جانوروں کے بچے بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ مالکان بوقتِ ضرورت ان جانوروں یا ان کے بچوں کو فروخت کردیتے ہیں اور آج کل بھینس یا گائے کی قیمت تو ایک ایک لاکھ یا اس سے زائد ہوتی ہے۔ ایسے لوگ ایک جانور کی وجہ سے شرعاً غنی ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا تجارت کی نیت کی وجہ سے ایسے لوگوں پر ہر سال اس جانور کی زکوٰۃ بھی واجب ہوگی اور اگر تجارت کی نیت نہیں تھی، زکوٰۃ تو واجب نہیں ہوگی مگر پھر بھی وہ آدمی غنی ہوگا کیونکہ دودھ کا جانور حاجت اصلیہ میں داخل نہیں ہے۔ اسی وجہ سے فتاویٰ رضویہ میں قربانی کے مسائل میں ایک سوال کے جواب میں امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خان رحمہ اللہ نے فرمایا جس آدمی کے پاس دودھ کے لئے بھینس موجود ہو اس پر قربانی واجب ہے۔

گائے یا بھینس کی زکوٰۃ کے حوالے سے اپنے بھائی کی مثال:

• ہمارے چھوٹے بھائی غلام حسین صاحب طال عمرہ گاؤں میں عموماً ایک یا دو بھینسیں دودھ کے لیے خرید کر رکھتے ہیں، دودھ استعمال کرتے رہتے ہیں اور بوقتِ

ضرورت فروخت کر کے پھر دوسری بھینس لے لیتے ہیں۔ سنا ہے انہوں نے بھی ایک بھینس ایک لاکھ روپے میں بھی خریدی ہے۔ ہمارے بھائی کی طرح اگر کسی شخص نے تجارت کی نیت سے گائے یا بھینس خریدی اور وہ دین سے فارغ ہے، اس پر اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر دودھ کے لئے خریدی ہے اور اس پر قرض بھی نہیں ہے تو وہ غنی ہیں۔ اس پر قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے اور وہ زکوٰۃ کا مستحق بھی نہیں ہے۔ عموماً دیہاتی لوگ متعدد جانوروں کے مالک ہوتے ہیں اور قربانی اور فطرہ ادا نہیں کرتے حالانکہ ان پر حقیقت میں زکوٰۃ بھی واجب ہوتی ہے۔

سواری اور بار برداری اور عمل کے جانوروں پر زکوٰۃ واجب نہیں:

● جانوروں کی اقسام میں سے پہلی قسم عوامل اور حوامل کی ہے یعنی جانوروں میں سے حسبِ ضرورت سواری اور بار برداری کے جانور جیسے اونٹ اور کام کے لئے جانور مثلاً کاشت کاری کے لئے بیل یا ریڑھی وغیرہ کے لئے اونٹ یا بیل وغیرہ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے کیونکہ ایسے جانور حاجت اصلیہ میں داخل ہوتے ہیں تجارت کی نیت سے بھی تجارت کا مال نہیں بنتے شامی میں ہے:

"(قوله مالم تكن العلوفة للتجارة) قيد بالعلوفة لان العوامل لا تكون للتجارة و ان نواها لها كما في النهر اى لانها مشغولة بالحاجة الاصلية" (ص: ۲۰۶)

ماتن کا قول کہ علوفہ (جن میں تجارت کی نیت نہ ہو) میں زکوٰۃ نہیں ہے مصنّف نے علوفہ لفظ کے ساتھ تجارت کے لئے نہ ہونے کی قید اس لئے ذکر کی ہے کیونکہ عوامل (کام کرنے والے) جانور تجارت کے نہیں ہو سکتے اگرچہ اُن میں تجارت کی نیت کی جائے جیسا کہ "نہر" میں ہے یعنی حیوانات عوامل حاجۃ اصلیہ کے ساتھ مشغول ہیں۔

● جانوروں کی دوسری قسم علوفہ ہیں علوفہ جانور ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو چھ ماہ یا چھ ماہ سے کم خرید کردہ یا کاشت کردہ مملوکہ گھاس یا چارہ وغیرہ کھائیں اور ان میں تجارت کی نیت نہ ہو جیسے کسی آدمی نے اپنی ضرورت کے لئے دودھ کی غرض سے مادہ جانور رکھے ہوئے ہیں یا مادہ اور نر جانور بوقت خواہش ذبح کر کے گوشت کھانے کی غرض سے رکھے ہوئے ہیں ایسے جانوروں کی زکوٰۃ مالک پر فرض نہیں ہے البتہ ایسے جانور قیمتی جواہرات اور یواقیت کی طرح غنا کا باعث ہوتے ہیں اور قربانی اور فطرہ کے وجوب اور زکوٰۃ کا مصرف نہ ہونے کا باعث ہوتے ہیں کیونکہ علوفہ جانور حاجتِ اصلیہ میں داخل نہیں ہیں اور مال نامی بھی نہیں ہیں اس لئے یہ جانور زکوٰۃ کے اموال سے نہیں ہوں گے۔

● اور اگر علوفہ جانور تجارت کی نیت سے خرید کئے جائیں تو تجارتی مال ہونے کی وجہ سے ان کی زکوٰۃ مالک پر واجب ہوگی کیونکہ علوفہ جانوروں میں تجارت کی نیت صحیح ہوتی ہے۔

سائمہ اور علوفہ جانوروں میں فرق:

● جانوروں کی تیسری قسم حیواناتِ سائمہ ہیں۔ سائمہ کا لغوی مفہوم گھاس چرنے والے جانور ہے اور شرعی معنی یہ کہ وہ جانور جو سال کے چھ ماہ سے زائد سات یا اس سے زائد مہینوں میں فری اور خود پیدا ہونے والا گھاس کھانے پر اکتفاء کریں اور ان سے مقصود دودھ اور نسل بڑھانا ہو اور خرید کردہ یا خود کاشت کردہ گھاس اور چارہ نہ کھائیں ایسے جانور تجارت کے مال کی طرح مال نامی میں داخل ہیں اور ان کی زکوٰۃ ان جانوروں کے مالک پر جانوروں کے نصاب ہونے اور حولانِ حول کے بعد مخصوص حساب سے واجب ہوتی ہے۔

● علوفہ اور سائمہ میں فرق گھاس کی وجہ سے ہوتا ہے علوفہ ذاتی خرید کردہ یا کاشت کردہ گھاس کھاتے ہیں اور سائمہ مباح اور فری گھاس کھاتے ہیں خواہ مباح گھاس کسی کا مملوکہ ہو کہ اس کی زمین میں پیدا ہو لیکن کاشت سے پیدا نہ ہو اور اس

کی طرف سے منع بھی نہ ہو یا گھاس کسی شخص کا مملوک نہ ہو بلکہ حکومت کی زمین صحراء اور جنگلوں کا مباح گھاس ہو۔

● در مختار اور تنویر الابصار میں ہے:

"و شرعا المكتفية بالرعي المباح في اكثر العام لقصد الدر والنسل والزيادة والسمن (الى) لو اسامها لِلّحم فلا زكوٰة فيها...الخ" (ص:۳/۱۹۷)

ترجمہ: شرعاً سائمہ وہ جانور ہیں جو مباح گھاس چرنے (کھانے) پر سال کے اکثر مہینوں میں اکتفاء کرتے ہیں دودھ اور نسل اور زیادہ ہونے اور موٹا ہونے کے ارادہ سے (تا) اگر ان جانوروں کو مباح گھاس گوشت کھانے کی نیت سے چرایا گیا تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہو گی جیسے بار برداری اور سواری کے جانوروں کو مباح گھاس کھلایا جائے، ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

● پھر فرمایا:

"ولو للتجارة ففيها زكوٰة التجارة" (ص:۳/۱۹۷)

اگر سائمہ جانور تجارت کے لئے ہیں، پس ان میں تجارت کے مال کی زکوٰۃ ہے۔

● اگر کسی آدمی کے ملک میں تجارت کے جانور تھے اور مالک نے ان کو سائمہ میں کر دیا، ان کا تجارتی مال ہونا باطل ہو جائے گا، اب ان کی زکوٰۃ سائمہ جانوروں کے نصاب سے ادا ہو گی کیونکہ سائمہ جانوروں اور تجارت کے جانوروں کی زکوٰۃ مقدار اور سبب کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، ایک مال دوسرے کے لئے معتبر نہیں ہو گا۔ (ص:۳/ ۱۹۸)

● اگر کسی شخص نے تجارت کی نیت سے جانور خریدے پھر ان جانوروں کو سائمہ بنادیا پہلا حول باطل ہو جائے گا اور سائمہ بنانے کے وقت سے حول جدید معتبر ہو گا۔

● اگر سائمہ جانوروں کو سال کے دوران بلکہ سال مکمل ہونے سے ایک دن پہلے دوسرے جانوروں کے معاوضہ میں فروخت کر دیا، ہم جنس جانوروں کے ساتھ فروخت کیا یا غیر ہم جنس جانوروں کے ساتھ فروخت کیا اور پہلے سے اس کے پاس خرید کردہ جانوروں کی جنس کا نصاب نہیں ہے تو فروخت شدہ جانوروں کا حول اور سال باطل ہو جائے گا اور خرید کردہ جانوروں کا سال خرید کے وقت سے شروع ہو گا اور اگر پہلے خرید کردہ جانوروں کی جنس کا نصاب موجود تھا تو خرید کردہ جانوروں کو اس نصاب کے ساتھ ملایا جائے گا مثلاً اونٹوں کو اونٹوں کے عوض فروخت کر دیا، اس کے پاس پہلے اونٹوں کا نصاب نہیں تھا تو خرید کردہ اونٹوں کا جدید سال معتبر ہو گا اور اگر اس کے پاس خرید کردہ اونٹوں کے علاوہ اونٹوں کا نصاب مثلاً پانچ اونٹ موجود تھے اب خرید کردہ اونٹوں کو موجودہ اونٹوں کے نصاب کے سال کے ساتھ ملایا جائے گا، خرید کردہ اونٹوں کا سال پہلے سے موجود اونٹوں کا سال شمار ہو گا، جدید سال کا شمار نہیں ہو گا اور اگر سال کے تمام ہونے سے پہلے اونٹوں کو بکریوں کے عوض فروخت کر دیا، خرید کردہ بکریوں کا جدید سال معتبر ہو گا، اونٹوں کا سال باطل ہو جائے گا اور اگر خرید کردہ بکریوں کے علاوہ بکریوں کا نصاب چالیس بکریاں اس کے پاس پہلے موجود تھیں تو خرید کردہ بکریوں کا سال پہلے سے موجود بکریوں کے ساتھ معتبر ہو گا۔ (ص:۳/ ۱۹۹)

● اگر سائمہ جانوروں کو نقود کے ساتھ یا تجارتی عروض کے ساتھ فروخت کیا اور اس کے پاس پہلے نقود (سونے اور چاندی اور کرنسی) کا نصاب نہیں تھا اور تجارتی مال کا نصاب بھی نہیں تھا تو حاصل شدہ نقود یا تجارتی مال کے لئے جدید سال معتبر ہو گا حیوانات کا سال باطل ہو جائے گا اور اگر پہلے اس آدمی کے پاس نقود یا عروض تجارت میں سے کسی کا نصاب موجود تھا تو حاصل شدہ نقود یا عروض تجارت کا سال پہلے سے موجود نصاب کے سال کے ساتھ معتبر ہو گا۔ (ص:۳/ ۱۹۹)

• استبدال کے مسائل کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور ہم اس میں ذکر کر چکے ہیں کہ عروض تجارت کا عروض تجارت یا دراہم اور دنانیر اور کرنسی کا استبدال جاری سال کو منقطع نہیں کرتا اسی لئے صرافوں پر اور تاجروں پر زکوٰۃ کے وجوب کا سال تبدیل نہیں ہوگا۔ تجارتی مال اور نقود سالہا سال تسلسل اور رنگ میں ہوتے ہیں مگر ناقص نصاب کے کمال کے لئے حاصل مال کا اور پہلے سے موجود مال کا سال کمال کے وقت سے شروع ہوگا جیسا کہ گذر چکا ہے۔

• اور وقف کے حیواناتِ سائمہ اور گھوڑے وغیرہ میں زکوٰۃ نہیں ہوتی کیونکہ ان کا کوئی مالک نہیں ہوتا اسی طرح نابینا حیوانات اور اعضاء کٹے ہوئے حیوانات کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ معذور حیواناتِ سائمہ نہیں ہوتے۔

• الحاصل : (۱) تجارتی حیوانات کا نصاب تجارتی اموال کے حساب سے لازم ہوگا، حیوانات کے نصاب سے نہیں ہوگا اور زکوٰۃ واجب ہوگی اور تجارتی نصاب 612.36 گرام چاندی کی قیمت ہے۔

• حیواناتِ سائمہ کا اگر اپنا نصاب موجود ہو تو ان کی زکوٰۃ مالک پر جانوروں کے نصاب کے مطابق واجب ہوتی ہے۔

• بار برداری اور سواری کے حیوانات حاجت اصلیہ میں داخل ہوتے ہیں مالک پر ان کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور ان حیوانات کی وجہ سے غنا بھی ثابت نہیں ہوتا۔

• علوفہ حیوانات کی مالک پر زکوٰۃ تو واجب نہیں ہوتی مگر ان جانوروں کی وجہ سے مالک غنی ہو سکتا ہے، فطرہ اور قربانی واجب ہو جاتی ہے۔

• سائمہ جانوروں کے حمل اور پیدا شدہ بچھڑے اور اونٹوں کے بچوں کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہیں ہوتی بشرطیکہ صرف بچے ہوں ان کے ساتھ اپنی جنس کے قربانی کے معیار کے حیواناتِ سائمہ نہ ہوں۔

حیواناتِ سائمہ کے نصاب کی تفصیل:

• عربی میں اونٹوں کو ابل کہا جاتا ہے چونکہ اونٹ اپنی رانوں پر پیشاب کرتے ہیں اس لئے انہیں ابل کہا جاتا ہے، ابل بَالَ یَبُوْلُ سے ماخوذ ہے۔(در مختار) جس کے معنی پیشاب کرنا ہے۔

• اونٹ دو قسم کے ہوتے ہیں بختی اور عربی بختی اونٹ ان اونٹوں کو کہا جاتا ہے جن کی نسبت بخت نصر ظالم حاکم کی طرف ہوتی ہے ان کی دو کہانیں ہوتی ہیں بخت نصر وہ پہلا شخص ہے جس نے عربی اور عجمی اونٹوں کو جفتی کیا تو تیسری نسل بختی اونٹ پیدا ہوئے۔ بخت کے معنی ابن اور نصر بُت کا نام ہے بخت نصر کا معنی نصر بُت والا ہوگا چونکہ بخت نصر کو اس کی ماں نصر نام کے بُت کے ساتھ چھوڑ گئی تھی، کسی آدمی کو بخت نصر، نصر بُت کے قریب سے ملا تو انہوں نے اس بچے کا نام بخت نصر رکھ دیا۔(شامی)

• پچیس سائمہ اونٹوں تک ہر پانچ اونٹوں میں ایک سال یا زائد عمر کی بکری یا بھیڑ زکوٰۃ میں واجب ہوگی پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں ہے جب پچیس مکمل ہوں گے۔ پچیس سے پینتیس (۳۵-۲۵) اونٹوں تک ایسی اونٹنی جس کی عمر ایک سال سے زائد ہو، دوسرا سال شروع ہو، زکوٰۃ میں دینا واجب ہوگی۔ عربی میں اسے بنت مخاض کہتے ہیں۔ بنت مخاض مؤنث اونٹنی کو کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اسی عمر کا مذکر اونٹ زکوٰۃ میں دینا جائز نہیں ہوگا اِلَّا یہ کہ بنت مخاض کی قیمت لگا کر اسی قیمت کا مذکر دیا جائے اور چھتیس اونٹوں سے لے کر پینتالیس اونٹوں تک بنت لبون اونٹنی جس کی دو سال عمر مکمل ہو اور تیسرا سال شروع ہو، دینا ہوگی اور چھیالیس اونٹوں سے ساٹھ اونٹوں میں حقّہ اونٹنی جس کی عمر کا چوتھا سال شروع ہو چکا ہو اور اکسٹھ سے لے کر پچھتر تک جذعہ اونٹنی جس کا پانچواں سال شروع ہو چکا ہو اور چھتر (۷۶) سے نوّے تک دو بنت لبون اور اکانوے سے ایک سو بیس اونٹوں میں دو حقّے زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ایک سو بیس اونٹوں سے اوپر ہر پانچ اونٹوں میں ایک ایک بکری اور

دو حقے پھر ایک سو پینتالیس اونٹوں میں ایک بنت مخاض اور دو حقّے اور ایک سو
پچاس اونٹوں میں تین حقّے واجب ہوں گے پھر ایک سو پچاس کے بعد ہر پانچ
اونٹوں میں ایک بکری اور تین حقّے زکوٰۃ واجب ہو گی۔ جب ایک سو پچاس سے
پچیس اونٹ زائد ہوں گے یعنی ایک سو پچھتر ہوں گے، ان میں ایک بنت مخاض اور
تین حقّے اور ایک سو چھیاسی میں بنت لبون اور تین حقّے اور ایک سو چھیانوے سے
دو سو تک چار حقّے زکوٰۃ واجب ہو گی۔ پھر دو سو اونٹوں کے بعد زکوٰۃ کے وجوب کا
طریقہ وہ ہو گا جو پچاس اونٹوں میں ایک سو پچاس اونٹوں کے بعد شروع ہوا تھا۔
پھر ہر پچاس اونٹوں میں ایک حقہ واجب ہو گا۔

• اونٹوں میں مذکر اونٹ زکوٰۃ میں نہیں دیئے جائیں گے مگر یہ کہ مؤنث کی قیمت
کے حساب سے مذکر زکوٰۃ میں دیا جائے اور گائے بیل اور بکری بھیڑ دنبہ کی زکوٰۃ
میں مالک کو اختیار ہو گا مذکر جانور دے یا مؤنث۔ (درمختار ورد المحتار ص: ۳/۲۰۲)

گائے، بیل اور بھینس کا نصاب:

• زکوٰۃ کے مسائل میں گائے اور بھینس دونوں کو ایک جنس شمار کیا جاتا ہے۔ شامی
میں ہے:

"(قوله والجاموس) هو نوع من البقر كما في المغرب فهو مثل
البقر في الزكاة والاضحية والربا ويكمل به نصاب البقر وتوخذ
الزكاة من اغلبها وعند الاستواء يوخذ على الادنى او ادنى الاعلى
(نهر)" (ص: ۳/۲۰۳)

ترجمہ: مصنّف کا قول (الجاموس) جاموس (بھینس) گائے کا ایک قسم
ہے جیسا کہ عربی لغت کی کتاب مغرب میں ہے پس جاموس گائے کی
طرح ہے زکوٰۃ اور قربانی اور ربا میں اور جاموس کے ساتھ گائے کا نصاب
مکمل کیا جائے گا اور اختلاط کی صورت میں زکوٰۃ ان میں سے اغلب (گائے یا

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

بھینس میں اکثر) تعداد والے سے لی جائے گی اور اگر دونوں کا عدد برابر
ہو تو قیمت کے لحاظ سے کم قیمت کی گائیں نہ لی جائیں اور بھینسوں سے اعلیٰ
جانور لیا جائے گا یا زائد قیمت کی جنس سے کم قیمت والا جانور زکوٰۃ میں لیا
جائے گا۔ تیس (۳۰) سائمہ گائیوں یا بھینسوں میں ایک سالہ گائے یا
بھینس اور چالیس سے ساٹھ تک میں دو سالہ گائے یا بھینس اور ساٹھ میں
دو مؤنث جانور ایک سالہ پھر ہر تیس میں ایک سالہ اور ہر چالیس میں دو
سالہ مؤنث جانور زکوٰۃ کی مقدار ہو گا۔ (ص: ۳/۲۰۳، درمختار)

• یہاں صاحبین کے مذہب پر فتویٰ ہے وہ یہ کہ دو نصابوں کے درمیان جانوروں
کی زکوٰۃ معاف ہے مثلاً چالیس سے انسٹھ تک درمیانی جانوروں کی زکوٰۃ معاف ہے
اور امام صاحب کے نزدیک معاف نہیں ہے۔

غنم یعنی بکری اور بھیڑ اور دنبہ کی زکوٰۃ کا نصاب:

• لغت عربی میں تینوں اَنعام کو غنم کہا جاتا ہے چونکہ غنیمت کی طرح ان کمزور
جانوروں پر قبضہ کرنا آسان ہوتا ہے اس لئے انہیں غنم کہا جاتا ہے۔ مگر ادائے زکوٰۃ
اور یمین کے کفارہ میں ان کی دو الگ الگ جنسیں ہیں۔ وہ جانور جن پر اُون (وُول)
ہوتی ہے یعنی بھیڑ اور چکی والا دنبہ اور جن پر وُول نہیں ہوتی جیسے بکری، یہ دو الگ
الگ جانور شمار ہوں گے مگر تکمیل نصاب اور قربانی اور ربا میں ان تینوں کا ایک حکم
ہے۔ ان کا نصاب چالیس جانور ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی ایک جنس
مثلاً بکریوں کا نصاب کم ہو تو دوسری جنس بھیڑ اور دنبہ سے نصاب مکمل کیا جائے
گا مثلاً کسی آدمی کے ملک میں تیس بکریاں ہیں اور دس بھیڑیں ٹوٹل چالیس عدد
ہو گئے تو نصاب مکمل ہو جائے گا اسی طرح قربانی میں دونوں جنسیں برابر ہیں مگر
اون والی (بھیڑ اور دنبہ) میں سے چھ ماہ یا اس سے زائد عمر کے بچے کی قربانی بھی
جائز ہے اور ربا (سود) میں دونوں کے گوشت کا حکم ایک ہی ہو گا ایک جنس کا

گوشت دوسری جنس کے گوشت کے ساتھ تفاضل کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا اگر بکریوں کا نصاب مکمل ہے تو اس کی زکوٰۃ میں بھیڑ دینا جائز نہیں ہے اور اگر بھیڑوں کا نصاب مکمل ہے اس کی زکوٰۃ میں بکری دینا جائز نہیں ہے۔ اگر دونوں نصاب کی تکمیل میں عدد کے اعتبار سے برابر ہیں تو کم قیمت والی جنس سے اعلیٰ اور مہنگی بکری یا دنبہ یا بھیڑ دی جائے گی یا زیادہ قیمت والی جنس سے کم قیمت والا جانور زکوٰۃ میں دیا جائے گا اور اگر ایک جنس کے جانور عدد میں زیادہ ہیں تو زائد ہونے والے جانوروں سے زکوٰۃ دی جائے گی۔(در مختار اور رد المحتار۔ ص:۳/۲۰۳)

• چالیس بکریوں میں ایک سو بیس تک ایک بکری زکوٰۃ میں دینا واجب ہے۔ چالیس سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔ ایک سو اکیس سے دو سو تک میں دو بکریاں اور دو سو ایک سے چار سو تک تین بکریاں اور چار سو بکریوں میں چار بکریاں اور پھر ہر سو میں ایک بکری واجب ہوگی۔ دونوں نصابوں کے درمیان بکریوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، جب نصاب مکمل ہوگا زکوٰۃ واجب ہوگی۔ چھوٹے جانوروں میں زکوٰۃ کے جانور کی عمر ایک سال یا زائد ہونا ضروری ہے مگر اُون والے جانوروں میں چھ ماہ کا بچہ بھی زکوٰۃ میں دینا جائز ہے اور گائے اور بھینس میں دو سال کی عمر یا زائد اور اونٹوں میں پانچ سال کی عمر یا زائد کا جانور دینا ضروری ہے۔(ص:۳/۲۰۴)

باب سوم

العشر والخراج

باب العشر والخراج

فصلوں کی زکوٰۃ یعنی عشر کے مسائل:

• عشر سے مراد فصلوں کی زکوٰۃ ہے اور اس سے دسواں حصہ اور بیسواں حصہ یعنی عشر اور نصف العشر دونوں مراد ہیں۔ (شامی۔ ص: ۳/ ۲۶۴)

• عشر کی فرضیت قرآن اور حدیث اور اجماع اور قیاس سے ثابت ہے۔

• قرآن مجید میں:

"وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ" انعام/۱۴۱)

ترجمہ: اور فصلوں کا حق فصل کے کاٹنے کے دن ادا کرو۔

• اس مجمل کی تفصیل حدیث شریف میں ہے:

"ما سقت السماء ففيه العشر وما سقي بغرب او دالية ففيه نصف العشر" (بخاری۔ ۳/ ۳۴۸ (۱۴۸۳))

وہ فصل جس کو بارش کا پانی ملا اس میں عشر (دسواں حصہ) ہے اور وہ فصل جسے بڑے ڈول یا چھوٹے ڈولوں سے پانی ملا اس میں عشر کا نصف یعنی بیسواں حصہ ہے۔

عشری اور خراجی زمین کی تعیین:

• عشری اور خراجی زمین کا کوئی خاص ضابطہ نہیں ہے مگر کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے عشری یا خراجی زمین کا ایک قسم یہ ہے کہ اس کا تعین منصوص علیہ ہو یعنی سرور دوعالم ﷺ یا صحابہ کرامؓ سے زمین کا عشری یا خراجی ہونا ثابت ہو اگر منصوص نہ ہو تو اس کی متعدد صورتیں ہیں جن کا ذکر آنے والا ہے۔

عربوں کی زمین عشری ہیں:

• (۱) عشری زمین کی پہلی قسم منصوص علیہ ہے اور یہ عشری زمین عرب کی

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

زمین کی حدود میں ہے۔ عرب کی سب زمینیں عشری ہیں کیونکہ سرور دوعالم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ سے عربوں کی زمینوں سے خراج لینا ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا عرب کے علاقہ کی زمین کا عشری ہونا منصوص ہے۔ جس طرح عربوں کے لئے رقیتہ اور غلامی نہیں ہے اسی طرح ان کی زمینوں پر خراج نہیں ہے۔ اگر جہاد میں علاقہ عرب کے کافر لوگ گرفتار ہو جائیں، مفتی بہ قول پر ان کو قتل کر دینا یا فدیہ لے کر یا بغیر فدیہ انہیں آزاد کر دینے کا حکم ہے، غلام اور کنیز بنانے کا حکم نہیں ہے۔ اسی طرح عربوں کی زمین پر خواہ صلح سے ان کی زمینوں پر مسلمان قابض ہوں یا جنگ اور عنوۃ کے ساتھ قابض ہوں، عربوں کی مقبوضہ زمین مجاہدین میں تقسیم کر دی جائے یا اصل کفار مالکوں کی ملکیت میں رہنے دی جائے سب صورتوں میں عربوں کی زمین عشری ہوگی، زمین کے مالک پر عشر واجب ہوگا۔ (در مختار اور رد المحتار۔ ص: ۱/ ۲۹۰)

عرب کی حدود کا ذکر:

• عرب زمین کی حدود شام اور کوفہ کی حدود سے یمن کے انتہائی کنارے تک پھیلی ہوئی ہیں۔ جزیرۃ العرب کے پانچ حصے ہیں، تہامہ، نجد، حجاز، عروض اور یمن۔ حجاز ایک پہاڑ کا نام ہے جو یمن سے شروع ہوتا ہے اور شام کے ساتھ جا ملتا ہے اسی میں مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ اور عمان واقع ہیں۔ تہامہ حجاز سے نیچے جنوب کی طرف ہے اور نجد حجاز سے اوپر شمال کی جانب ہے اس کا آخری کنارہ عراق کی حدود تک ہے اور عروض کی حدود یمامہ سے بحرین تک ہیں۔ حجاز کو حجاز اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ نجد اور یمامہ کے درمیان حاجز اور فاصل ہے لہٰذا تہامہ اور نجد اور حجاز اور عروض اور یمن کی زمینیں عشری ہیں کیونکہ صحابہ کرامؓ نے ان زمینوں کے مالکوں سے خراج نہیں لیا۔ (شامی)

• (۲) عشری زمین کی دوسری قسم وہ زمین ہے جس میں رہنے والوں نے بغیر

جنگ خود اسلام قبول کیا قہر اور مسلمانوں کے دباؤ اور غلبہ اور جنگ کی وجہ سے انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ طوعاً اسلام قبول کیا اور وہ اپنی زمینوں کے مالک رہے ان کی زمینیں عشری ہوں گی۔

• پاکستان اور ہندوستان میں اکثر مسلمانوں نے اولیاء کرام کی تبلیغ سے بلا جنگ اسلام قبول کیا لہٰذا برصغیر کے جن شہروں اور دیہاتوں کے لوگوں نے خود اسلام قبول کیا اُن کی زمینیں عشری ہوں گی۔

• (۳) عشری زمین کی تیسری قسم یہ کہ اس زمین کو مسلمانوں کے امیر نے عنوۃ اور قہر اور غلبہ جنگ کے ساتھ فتح کیا ہو اور کافروں کی زمینیں مسلمان مجاہدین میں تقسیم کر دیں یا غیر مجاہدین مسلمانوں میں تقسیم کر دیں وہ زمینیں عشری ہوں گی کیونکہ ابتداءً مسلمانوں کی زمین پر خراج واجب نہیں ہوتا پہلے سے خراجی زمین ہو پھر مسلمانوں کے ملک میں آئے اور اس کا مسلمان مالک ہو جائے تو مسلمان پر بھی اس زمین کا خراج واجب ہوتا ہے اور اگر مسلمانوں کے امیر نے مفتوحہ زمینیں کافروں میں تقسیم کر دیں یا انہیں واپس کر دیں، وہ زمینیں خراجی ہوں گی۔

• اخبارات میں شائع شدہ مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد ابن قاسم نے سندھ میں ٹھٹھہ سے ملتان تک قہراً اور جنگ کے ساتھ علاقے فتح کئے تھے مگر یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے زمینیں لوگوں سے چھین کر مسلمانوں میں تقسیم کی تھیں یا زمینیں اصل مالکوں کے پاس رہنے دی تھیں لہٰذا جن زمینوں کے مالکان اسی وقت اسلام میں داخل ہو گئے تھے ان کی زمینیں عشری ہوں گی اور جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا ان کی زمینیں خراجی ہوں گی وہ زمینیں اگر بعد میں مسلمانوں کے پاس فروخت ہو گئیں یا کسی دوسرے طریقہ سے مسلمانوں کے ملک میں آگئیں وہ بھی خراجی ہوں گی۔

• (۴) چوتھی عشری زمین وہ یہ کہ زمین کسی کے ملک میں نہ ہو اور مسلمان اس

کو آباد کریں جیسے بصرہ کی زمینیں حضرت عمر ابن خطابؓ کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ نے خود آباد کیں۔ ایسی زمین کا حکم کہ جس کا کوئی مالک نہ ہو اور اس پر حکومت کا قبضہ بھی نہ ہو اور مسلمان آباد کریں امام ابو یوسف فرماتے ہیں اگر وہ زمین خراجی زمین کے قریب ہے تو وہ خراجی ہے اور اگر عشری زمین کے قریب ہے تو وہ عشری ہے اور امام محمد فرماتے ہیں اگر اس زمین کو خراجی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے وہ زمین خراجی ہے اور اگر عشری پانی سے سیراب کیا جاتا ہے وہ عشری ہے۔
اس ضابطہ کے لحاظ سے امام ابو یوسف کے نزدیک بصرہ کی زمینیں خراجی قرار پاتی ہیں کیونکہ عراقی خراجی زمینوں کے قریب ہیں سارا عراق مسلمانوں نے عنوۃ فتح فرمایا تھا مگر صحابہ کرامؓ کا اجماع اس کے خلاف ہے۔ صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے بصرہ کی زمینیں عشری ہیں چونکہ اجماع مقدم ہوتا ہے ورنہ امام ابو یوسف کے قیاس کے مطابق خراجی ہونا چاہئے۔

• امام ابو یوسف مردہ اور اندھی زمین جس کا کوئی مالک نہیں میں خراجی یا عشری زمین کے قرب کا لحاظ کرتے ہیں۔ فقہاء کرام نے امام ابو یوسف کے قول کو ترجیح دی ہے۔

• موجودہ دَور میں شاید پاکستان کی کوئی زمین موات اور مردہ نہیں ہے بیابان اور جنگل اور پہاڑ بھی کسی نہ کسی آدمی کے ملک میں ہیں اگر عوام مالک نہیں ہوں گے تو حکومت مالک ہو گی۔ اِس دَور میں عشری یا خراجی ہونے کا ثبوت قبضہ سے نہیں ہوتا بلکہ الاٹمنٹ کے کاغذات سے ہوتا ہے اگر کاغذات کے ریکارڈ سے معلوم ہو کہ زمین خراجی تھی اس زمین کو خراجی کہا جائے گا ورنہ مسلمانوں کے قبضہ اور تصرف کو دلیل سمجھ کر اس زمین کو عشری سمجھا جائے گا لہٰذا سندھ پنجاب کی اکثر زمینیں عشری ہوں گی۔

خراجی زمین کی پہلی قسم:

• (۱) عراق العرب میں عذیب سے حلوان تک عرضاًاور غلث سے عُبَّادان تک طولاً خراجی زمین ہے عراق العجم کا حکم یہ نہیں ہوگا۔ عراق العجم کی حدود مغرب میں آزربائیجان اور جنوب میں عراق کا ایک حصہ اور خورستان ہے اور مشرق میں خراسان کے جنگلات اور فارس اور شمال میں دیلم کے شہر اوقرنین داخل ہیں۔ (شامی بحوالہ تقویم البلدان) یہ عراق خراجی نہیں ہے۔

• (۲) خراجی زمین کی دوسری قسم وہ زمین ہے جس کو قہراًاور عنوۃٍ مسلمانوں نے فتح کیا اور اس زمین پر زمین کے مالکوں اور آباد کرنے والے لوگوں کو باقی رکھا اور جہاد میں شریک مسلمانوں میں اس زمین کو تقسیم نہیں کیا گیا یا مفتوحہ زمین مالکوں سے لے کر دوسرے علاقہ کے کافروں کو دے دی گئی وہ زمین خراجی ہوگی خواہ اس زمین کو خراجی پانی سے سیراب کیا جائے یا عشری سے جس طرح وہ مفتوحہ زمینیں جو مسلمانوں میں تقسیم کردی جاتی ہیں، عشری ہوتی ہیں خواہ ان زمینوں کو عشری پانی سے سیراب کیا جائے یا خراجی سے، وہ عشری ہوں گی۔ پانی کے ساتھ سیراب کرنے سے فرق اس زمین میں ہوتا ہے جو لاوارث ہو اس کا کوئی مالک نہ ہو اسے نہ تقسیم کیا گیا ہو اور نہ پہلے سے آباد ہو اور اُسے کوئی مسلمان آدمی زندہ اور آباد کرے۔ ایسی زمین خراجی پانی سے سیراب زمین خراجی ہوگی اور عشری پانی سے سیراب کردہ عشری ہوگی۔(شامی۔ ص:۶ /۲۹۲)

• (۳) خراجی زمین کی تیسری قسم وہ زمین ہے جو مسلمانوں نے صلح کے ساتھ فتح کی اور اس پر اہلِ زمین کفار کو برقرار رکھا، انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا چونکہ لوگ کافر ہیں اس لئے ان کے لئے مناسب ہے کہ ان کی زمین پر خراج واجب ہو خراج کا وجوب بطور سزا ہوتا ہے اسی وجہ سے اگر کافر زمین کاشت نہ کریں پھر بھی خراج ادا کرنا واجب ہوتا ہے بخلاف عشر کے، عشر کا تعلق خارج فصل کی پیداوار

رفیق البرکات لاہل الزکٰوۃ

کے ساتھ ہوتا ہے اور عشر ایک لحاظ سے عبادۃ ہے اگرچہ دوسرے لحاظ سے عشر زمین کی اجرت اور مؤنۃ ہوتا ہے۔(شامی۔ ص:۶ /۲۹۲)

• جب مسلمان کفار کی زمین فتح کرتے ہیں اور مسلمانوں کا استعلاء اور غلبہ کے بعد قبضہ ہوجاتا ہے، وہ زمین مسلمانوں کے لئے مال غنیمت ہوتی ہے، اس زمین سے کافروں کا ملک زائل ہوجاتا ہے مگر مسلمانوں کے امیر کو یہ حق حاصل ہے کہ مقبوضہ زمین پر مفتوحہ لوگوں کی ملکیت قائم رکھے اور ان پر خراج لازم کردے لہٰذا خراجی زمینیں بھی مملوکہ ہوسکتی ہیں عراق کی بستیاں صحابہ کرامؓ نے قہراًاور جنگ کے ساتھ فتح کی تھیں مگر صحابہ کرامؓ نے لوگوں کو اپنی زمینوں پر برقرار رکھا چنانچہ علامہ شامی نے مطلب کے تحت لکھا:

"ان ارض العراق و الشام و مصر عنوۃ خراجیۃ مملوکۃ لاھلھا"(ص:۶/۲۹۲)

ترجمہ: عراق اور شام اور مصر کی زمین عنوۃً مفتوحہ خراجی ہیں اور اپنے اپنے اہل کے لئے مملوکہ ہیں

• پھر لکھا:

"ای سواد العراق ای قراہ و کذا اکل ما فتح عنوۃ و اقر اھلھا علیہ او صولحوا و وضع الخراج علی اراضیھم فھی مملوکۃ لاھلھا (در منتقی) قلت و کذا ارض الشام...الخ" (ص:۶ /۲۹۲)

یعنی عراق کی مضافاتی بستیاں (اپنے اہل کے لئے مملوکہ ہیں انہیں فروخت کرنا اور ان میں تصرف کرنا جائز ہے بحوالہ ہدایہ) اور اسی طرح ہر وہ زمین جو قہر اور قتال سے فتح کی گئی اور اس زمین والوں کو اس پر برقرار رکھا گیا یا وہ زمین جس کے اہل سے صلح کی گئی (وہ ایمان نہیں لائے) اور ان کی زمینوں پر خراج رکھا گیا وہ اپنے اہل کے لئے مملوکۃ ہیں (در منتقی) اور

میں کہتا ہوں اسی طرح شام کی زمین اور مصر کی زمین۔ صحیح یہ ہے کہ یہ زمینیں قہراً فتح کی گئی ہیں اور ان پر زمین والوں کو خراج لے کر برقرار رکھا گیا۔ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں فرمایا یہ مفتوحہ زمینیں جب مسلمانوں میں تقسیم کر دی جائیں گی، یہ عشری زمینیں ہوں گی اور اگر امام اس زمین کے اہل کے ہاتھوں میں وہ زمین چھوڑ دے تو یہ اچھی بات ہے کیونکہ مسلمانوں نے عراق اور شام اور مصر فتح کیا اور اس میں سے کسی زمین کو خلیفہ نے مسلمانوں میں تقسیم نہیں کیا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان زمینوں کے مالکوں پر خراج لازم کیا۔(اھ ملخص)

• معلوم ہوا خراجی زمینیں ان لوگوں کی مملوکہ تھیں اور ان کا فروخت کرنا اور وراثت میں تقسیم کرنا اور ہدیہ کرنا بھی جائز تھا۔(ردالمحتار ص:۶/ ۲۹۲)

اجرت پر دی گئی وقفی زمینوں کے عشر کا حکم:

• اسلامی ریاست اور مملکت کی وہ وقفی زمینیں جو خراجی تھیں تقسیم نہیں کی گئیں تھیں ان میں بیت المال کی طرح سب مسلمانوں کا حق ہوتا ہے مگر وقت کا ملکی سربراہ مسلمانوں کی ضرورت کے پیش نظر ان زمینوں کو فروخت بھی کر سکتا ہے۔ فروخت سے پہلے کاشتکاروں کو دی گئی حکومتی زمینوں کا عشر یا خراج کاشتکاروں پر واجب نہیں ہوگا کیونکہ کاشتکاروں سے لی گئی رقم یا فصل اس زمین کی اجرت اور کرایہ ہوگا کیونکہ مؤجر جو کہ حکومت ہے زمینوں کی مالک نہیں لہٰذا متاجری پر دی گئی زمین کا عشر حکومت پر واجب نہیں ہو سکتا اور متاجر کاشتکار ہوتا ہے، وہ زمین کا مالک نہیں ہوتا اس لئے کاشت کردہ زمین کا عشر کاشتکار پر بھی واجب نہیں کیا جا سکتا مگر صاحبین کے نزدیک حکومتی زمین کے علاوہ پرائیویٹ مالکان کی زمین جو کہ انہوں نے کسی مسلمان کو متاجری پر دی ہے ان کا عشر متاجر پر واجب ہوگا کیونکہ عشر کے لئے زمین سے خارج فصل میں ملک کا ہونا ضروری ہے، زمین کا

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

ملک ضروری نہیں۔ انہیں زمین کی اجرت بھی دینا ہوگی اور عشر بھی دینا ہوگا۔ ردالمحتار اور شامی میں ہے:

"قلت ھذا نوع ثالث یعنی لا عشریۃ و لا خلاجیۃ من الاراضی تسمی ارض المملکۃ و اراضی الحوز و ھو من مات اربابه بلا وارث و آل لبیت المال او فتح عنوۃ وابقی للمسلمین الی یوم القیامه...الخ (علامه شامی نے مطلب لاشیء علی زراع الاراضی السلطانیه من عشر او خراج سوی الاجرۃ)"

کہ سلطانی زمینوں کا کاشتکاروں پر عشر اور خراج میں سے اجرت کے سوا کوئی چیز واجب نہیں ہے۔) کے تحت مصری اور شامی سلطنت کی زمینوں کا ذکر کیا پھر شامی نے فرمایا میں کہتا ہوں یہ زمینوں کا تیسرا نوع ہے یعنی نہ عشری ہے اور نہ خراجی اسے مملکت اور ریاست کی زمین اور حوز کی زمین کا نام دیا جاتا ہے حوز کی زمین وہ ہے جس کے ارباب بغیر وارث کے مر گئے ہوں وہ زمین بیت المال کے پاس واپس آگئی ہو یا وہ زمین قہراً فتح کی گئی تھی اور اُسے مسلمانوں کے لئے قیامت تک باقی رکھا گیا (تا) کاشتکاروں پر ایسی زمینوں کی صرف اجرت واجب ہے۔

فقراء اور مساکین کے لیے وقف زمین کے عشر کا حکم:

• وقفی زمین جو فقراء یا مساکین پر وقف کی گئی تھی اور کاشتکاروں کو مزارعت پر دی گئی تھی اگر وہ زمینیں خراجی تھیں کہ حکومت کو خراج جاتا تھا تو ان کا خراج واجب ہوگا اور اگر عشری تھیں تو ان میں عشر واجب ہوگا۔ اسی طرح نابالغ اور مجنون پر موقوفہ زمینوں پر بھی خراج واجب ہوگا یا عشر واجب ہوگا جو قبل از وقف زمین پر وظیفہ واجب تھا (خراج یا عشر) وہی بعد از وقف واجب ہوگا مگر عشر یا خراج مزارع پر واجب نہیں ہوگا بلکہ اہل وقف جن پر زمین وقف کی گئی تھی،

کے حصہ سے واجب ہوگا۔ چنانچہ علامہ شامی نے فرمایا:

"قلت فعلى هذا لا شيء على زراعها من عشر او خراج الا على قولهما بان العشر على المستاجر (الى) ثم رأيت فى الخيرية الزراع فى ارض الوقف عامل بالحصة وهو المستاجر (الى) واذ دفع المتولى الارض مزارعة فالخراج او العشر من حصّه اهل الوقف لانها اجارة معنى و بمثله نقول اذا كانت الارض لبيت المال و تدفع مزارعة للمزارعين فالما خوذ منهم بدل اجارة لاخراج" (ص:٦/ ٢٩٤)

ترجمہ: اسی وجہ سے اس زمین کے کاشتکاروں پر عشر اور خراج میں سے کوئی چیز واجب نہیں مگر صاحبین کے قول پر کہ عشر مستاجر پر واجب ہے (تا) پھر میں نے فتاوی خیریہ میں دیکھا وقف کی زمینوں میں کاشتکار فصل کے ایک حصہ کے معاوضہ میں عمل کرتا ہے اور وہ مستاجر ہوتا ہے (تا) اور جب متولی وقفی زمین مزارعت پر دے پس خراج یا عشر اہل وقف کے حصہ میں سے ہوگا کیونکہ مزارعت معنیً اجارۃ ہے اور اسی کی مثل ہم کہتے ہیں جب زمین بیت المال کی ہو اور مزارعت پر دی جائے کاشتکاروں کو پس کاشتکاروں سے ماخوذ اجارہ کا بدل ہے نہ خراج۔

- فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق مسلمانوں کے لئے وقف زمین حکومت فروخت نہیں کرسکتی اور کسی ادارہ کے لئے وقف زمین متولی فروخت نہیں کرسکتا مگر مسلمانوں یا ادارہ کی حاجت اور مصلحت کے لئے فروخت کرنا ان اسباب کی وجہ سے جائز ہے جن وجوہ کی وجہ سے یتیم کی زمین کو فروخت کرنا جائز ہے اور وہ وجوہ سات ہیں: یتیم کی زمین دوگنا قیمت کے ساتھ یا ضعیف یتیم کے نفقہ کے لئے یا میت کے دین کے لئے یا وصیت مطلق جس کا نفاذ زمین سے ہی ہوسکتا ہے یا

زمین کی آمدنی زمین پر خرچ سے کم ہوگئی ہے یا زمین کے خراب ہونے یا ناقص ہونے کا خوف ہو یا وہ زمین ظالم متغلب کے ہاتھ میں ہو (ص:٦/ ٢٩٩) ان وجوہ کی وجہ سے وقفی زمینیں فروخت کرنا جائز ہے۔ شامی میں در منتقی سے منقول ہے اگر مصر اور شام کی حکومت کی مملوکہ زمین وقت کا حاکم فروخت کرے تو جائز ہے فرمایا:

"وان اختار بيعها فله ذالك اما مطلقا او لحاجة...الخ" (ص:٦/ ٢٩١)

اگر ان زمینوں کی فروخت اختیار کرتا ہے تو یہ اس کے لئے جائز ہے یا تو مطلق یا حاجت کے لئے۔

- وقفی زمین کا خریدار اس زمین کا مالک ہوجائے گا لہٰذا خریدار پر خراج یا عشر واجب ہوگا۔

حکومت کی زمینوں کا حکم:

- جو زمینیں یا او قافِ مجہولۃ حکومتِ پاکستان کے قبضہ میں ہیں اور ان کے مالکوں کا علم نہیں، ایسی لاوارث زمینیں بیت المال کے مال کی طرح ہوتی ہیں، ان پر عشر یا خراج واجب نہیں ہوگا اور پاکستان میں غیر مسلموں کی متروکہ زمینیں جو برصغیر کی تقسیم کے وقت غیر مسلم چھوڑ کے چلے گئے تھے یا پھر موات زمینیں یعنی غیر آباد اور غیر مقبوضہ، جن زمینوں کا کوئی مالک نہیں تھا لیکن حکومت نے ان زمینوں کو آباد کیا اور محفوظ کرلیا، ان کا حکم بھی بیت المال کے مال کی طرح ہوتا ہے، ان پر عشر یا خراج واجب نہیں ہوگا۔
- حکومت پاکستان نے انڈیا سے آنے والے مہاجر لوگوں کے دعوؤں کے مطابق ہندوستان میں ان کی متروکہ زمینوں کے معاوضہ میں غیر مسلموں کی متروکہ زمینیں مہاجرین کو مالکانہ حقوق کے ساتھ دے دیں، ان پر عشر واجب ہوگا۔

● برصغیر پر صدیوں پہلے راجاؤں اور کافروں کی حکومتیں قائم تھیں پھر صدیوں پر محیط مسلمانوں کی حکومت رہی پھر تقریباً دو سو سال تک انگریز کی حکومت رہی اور ۱۹۴۷ء سے ہندوستان کی تقسیم ہو گئی۔ ایک بڑے حصہ پر کافروں کی حکومت قائم ہو گئی اور دوسرے حصہ پر پاکستان کے نام سے مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔ معلوم نہیں مسلمانوں نے جب ہندوستان فتح کیا تھا، زمین پر قابض غیر مسلموں کے ملک کو باقی رکھا تھا اور خراج لگایا گیا تھا یا یہ کہ مسلمانوں میں تقسیم کر دی تھیں اور یہ زمینیں عشری تھیں۔ عدم علم کی وجہ سے معلوم اور حاضر صورت حال کا اعتبار ہو گا اور حاضر صورت یہ ہے کہ یہ زمینیں عشری ہیں ان کو عشری پانی ملتا ہے اس لئے ان زمینوں کے مالکان پر عشر واجب ہو گا۔ موات حکومتی زمینیں جو مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئیں اور مسلمانوں کے ملک میں دے دی گئیں، وہ بھی عشری ہوں گی۔ اوقاف معلومۃ جن کے وقف کنندہ مسلمان تھے اور مسلمانوں کے افراد کے لیے وقف کی گئی زمینیں بھی عشری ہوں گی۔

خانقاہوں پر موقوفہ زمینوں کے عشر کا حکم:

● پاکستان میں اولیاء کرام کی خانقاہوں کے لئے وقف زمینیں بھی عشری ہوں گی، ان زمینوں کے مالکان مسلمان تھے لہٰذا یہ زمینیں عشری ہوں گی، ان زمینوں کی فصلوں کا عشر حکومت یا فقراء کو دیا جائے گا باقی ماندہ فصل خانقاہ کے متولی کے ذریعے یا حکومت کے ذریعے واقفین کی شرائط کے مطابق خانقاہ کے مہمانوں اور طالب علموں اور دیگر مصارف میں خرچ کی جائے گی۔

مجہولہ اوقاف کی زمینوں کے عشر کا حکم:

● اوقاف مجہولہ کی زمینیں، جن کے مالکان کا علم نہیں یا ان سے آمدنی کے صرف کرنے کی جہت معلوم نہیں کہ واقف نے کس مصرف کے لیے وقف کی تھیں، وہ بیت المال کے مال کی طرح ہوں گی۔ ایسی زمینوں کو اگر فروخت نہیں کیا گیا، ان

سے حاصل آمدنی مسلمانوں کے رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کی جائے گی۔ ان زمینوں کے کاشتکاروں اور ٹھیکیداروں پر نہ خراج واجب ہو گا اور نہ عشر اگر حکومت اس قسم کی زمینیں لوگوں کو مالکانہ حقوق کے ساتھ کسی مصلحت کے تحت دیتی ہے تو اس کو حقیقی وقف نہیں کہیں گے بلکہ فقہاء کی اصطلاح میں یہ ارصاد ہو گا یعنی ان زمینوں کو حکومت نے بیت المال سے نکال دیا چونکہ حکومت ان زمینوں کی حقیقی مالک نہیں تھی اس لئے حکومت کا وقف وقفِ حقیقی نہیں ہو گا اس لئے حکومت کی شرائط پر عمل کرنا بھی ضروری نہیں ہو گا جبکہ حقیقی وقف میں واقف کے شرائط پہ عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ شامی میں ہے:

"اِذَا كَانَتْ لِبَيْتِ الْمَالِ وَلَمْ يُعْلَمْ مِلْكُ الْوَاقِفِ لَهَا فَيَكُوْنُ ذَالِكَ اِرْصَادًا لَا وَقْفًا حَقِيْقَةً اَىْ اَنَّ ذَالِكَ السُّلْطَانَ الَّذِىْ وَقَفَهُ اَخْرَجَهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ وَعَيَّنَهُ لِمُسْتَحِقِّهٖ مِنَ الْعُلَمَاءِ" (ص:۳۰۵)

ترجمہ: جب زمین بیت المال کے لیے ہو اور اس کے واقف کے ملک کا علم نہ ہو سکے، یہ ارصاد ہو گا، حقیقی وقف نہیں ہو گا یعنی سلطان، جس نے وہ زمین وقف کی، اس نے زمین کو بیت المال سے نکال دیا اور اس کو علماء سے اوقاف کے مستحقین کا تعین کر دیا۔

● مسلمان کی زمین پر عشر اور خراج واجب ہو سکتے ہیں مگر کافر پر عشر واجب نہیں ہوتا صرف خراج واجب ہوتا ہے۔ مثلاً خراج ادا کرنے والا کافر اگر مسلمان ہو جائے اس پر اسی زمین کا خراج واجب ہو گا یا مسلمان خراجی زمین خرید لے مسلمان کو خراج دینا ہو گا یا کسی ذریعہ سے مسلمان خراجی زمین کا مالک ہو جائے تو زمین کا وظیفہ خراج تبدیل نہیں ہو گا مگر کافر اگر عشری زمین کا مالک ہو جائے تو عشری زمین خراجی میں تبدیل ہو جائے گی اگرچہ اس کو زمین کو عشری پانی دیا جائے۔ فتح القدیر میں ہے:

"وَالْكُفَّارُ لَوِ انْتَقَلَتْ اِلَيْهِمْ اَرْضٌ عُشْرِيَّةٌ وَمَعْلُوْمٌ اَنَّ الْعُشْرِيَّةَ قَدْ تُسْقٰى بِعَيْنٍ اَوْ مَاءِ السَّمَاءِ لَا تَبْقٰى عَلَى الْعُشْرِيَّةِ بَلْ تَصِيْرُ خِرَاجِيَّةً فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ"
(فتح القدیر: ۳۱/۲، مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: اور کفار اگر ان کی طرف عشری زمین منتقل ہو جائے اور معلوم ہے کہ عشری زمین کو کبھی کبھی کنویں یا بارش کا پانی دیا جاتا ہے وہ عشریہ پر باقی نہیں رہے گی بلکہ وہ شیخین کے نزدیک خراجیہ ہو جائے گی مگر امام محمد کے نزدیک اگر اسے عشری پانی دیا جاتا ہے تو وہ عشری ہو گی۔

عشری اور خراجی پانی میں فرق:

- عشری اور خراجی پانی میں فرق یہ ہے کہ وہ سمندر اور وہ دریا جو کسی حکومت کی ملکیت میں نہیں ہیں وہ عشری ہیں۔ جیسے عراق میں دریائے دجلہ اور فرات اور نہر سوئیز کے پانی عشری ہیں (یہ زمانہ قدیم کی بات ہے اب تو یہ دریا مملوکہ ہو چکے ہیں۔ (مفتی رفیق حسنی)
- اور کنوئیں اور بارش کا پانی اور وہ دریا جو مسلم حکومتوں کی ملکیت میں ہوں وہ بھی عشری ہیں اور عشری دریاؤں سے نکلنے والی نہریں بھی عشری ہیں اور وہ دریا جو کافروں کی ملکیت میں ہیں وہ خراجی ہیں اور ان سے نکلنے والی نہریں ان کے حکم میں ہیں یعنی خراجی۔

پانی کے ڈیموں کا حکم:

- آج کل ڈیموں کا رواج ہے ڈیم کے پانی کا حکم اس دریا کے پانی کا ہو گا جس دریا سے پانی آرہا ہے۔ پاکستان میں پانچ دریا ہیں، راوی، چناب، جہلم، ستلج اور سندھ۔ ان دریاؤں کا پانی عشری ہے۔ زمانہ قدیم میں ان دریاؤں کے پانی کے خراجی ہونے کا ذکر نہیں ملتا۔ برصغیر کی تقسیم کے بعد پانچوں دریاؤں سے پاکستانی زمینوں کو پانی

دیا جارہا ہے۔ دریائے سندھ پر ڈیم بنائے گئے ہیں۔ تربیلا اور منگلا اور مزید بنانے کا ارادہ ہے۔ حکومت نے نہریں کھدوا کر لوگوں کی زمینوں کو ان دریاؤں کے پانیوں سے سیراب کرنے کا انتظام کیا ہے۔ ان نہروں سے سیراب ہونے والی زمینوں کا حکم عشری زمینوں کا حکم ہو گا۔

وقفی اور احیاوی زمین کا حکم:

- بیت المال (مسلمانوں پر وقف) زمینیں حکومت کسی ایک آدمی کو مالکانہ حقوق کے ساتھ ہدیہ اور گفٹ میں نہیں دے سکتی، علامہ شامی نے نہر الفائق سے نقل فرمایا:

"اِنَّ وَقْفَ الْاِقْطَاعَاتِ لَا يَجُوْزُ اِلَّا اِذَا كَانَتْ اَرْضًا مَوَاتًا اَوْ مِلْكًا لِلْاِمَامِ فَاَقْطَعَهَا لِرَجُلٍ" (ص: ۳۰۱/۶)

ترجمہ: اقطاعات یعنی حکومتی زمینوں کا وقف جائز نہیں مگر جب زمینیں موات ہوں یا سلطان اور امام کے ملک میں ہوں اور وہ کسی آدمی کو دے دے۔

- پھر فرمایا:

"اَوْقَافُ السَّلَاطِيْنِ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ اِرْصَادَاتٌ لَا اَوْقَافٌ حَقِيْقَةً وَاِنَّ مَا كَانَ عَلٰى مَصَارِيْفِ بَيْتِ الْمَالِ لَا يُنْقَضُ بِخِلَافِ مَا وَقَفَهُ السُّلْطَانُ عَلٰى اَوْلَادِهٖ وَعُتَقَائِهٖ مَثَلًا وَاِنَّهٗ حَيْثُ كَانَ اِرْصَادًا لَا يَلْزَمُ مُرَاعَاةُ شُرُوْطِهَا لِعَدَمِ كَوْنِهَا وَقْفًا صَحِيْحًا فَاِنَّ شَرْطَ صِحَّتِهٖ مِلْكُ الْوَاقِفِ وَالسُّلْطَانُ بِدُوْنِ الشِّرَاءِ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ لَا يَمْلِكُهٗ" (ص: ۳۰۱/۶)

ترجمہ: بیت المال سے سلاطین کے اوقاف ارصادات ہیں حقیقۃً اوقاف نہیں ہیں اور بے شک وہ اوقاف جو بیت المال کے مصارف کے لئے ہیں

انہیں منسوخ نہیں کیا جائے گا بخلاف ان اوقاف کے جن کو سلطان نے اپنی اولاد اور غلاموں پر وقف کیا (ان کو منسوخ کر سکتا ہے) اور جب یہ اوقاف ارصادات ہیں تو ضروری نہیں ان کی شرائط کی رعایت کی جائے کیونکہ یہ صحیح وقف نہیں ہیں۔ وقف کی صحت کی شرط واقف کا مالک ہونا ہے اور سلطان بیت المال سے زمین خریدے بغیر اوقاف کا مالک نہیں ہو سکتا۔

زمین کی چار قسمیں:

- شامی میں ہے۔

قال ح: ''وَاعۡلَمۡ اَنَّ الۡاَرۡضَ عَلٰی اَرۡبَعَةِ اَقۡسَامٍ مُبَاحَةٌ وَمَمۡلُوۡكَةٌ لِجَمِيۡعِ الۡمُسۡلِمِيۡنَ وَمَمۡلُوۡكَةٌ لِمُعَيَّنٍ وَوَقۡفٌ فَالۡاَوَّلُ لَا يَكُوۡنُ عُشۡرِيًّا وَلَا خَرَاجِيًّا وَكَذَا الثَّانِيۡ كَاَرَاضِيۡ مِصۡرٍ الۡغَيۡرِ الۡمَوۡقُوۡفَةِ فَاِنَّهَا وَاِنۡ كَانَتۡ خِرَاجِيَّةَ الۡاَصۡلِ اِلَّا اَنَّهَا آلَتۡ اِلٰی بَيۡتِ الۡمَالِ لِمَوۡتِ الۡمَالِكِ مِنۡ غَيۡرِ وَارِثٍ كَمَا صَرَّحَ بِهٖ صَاحِبُ الۡبَحۡرِ فِي التُّحۡفَةِ الۡمَرۡضِيَّةِ فِي الۡاَرَاضِيِ الۡمِصۡرِيَّةِ وَالثَّالِثُ وَالرَّابِعُ اِمَّا عِشۡرِيٌّ اَوۡ خِرَاجِيٌّ''

(ص: ۲۵۶/۳)

ترجمہ: ح نے کہا تمہیں علم ہو کہ زمین چار قسم پر ہے مباح اور سب مسلمانوں کی مملوکہ اور کسی معین آدمی یا قوم کی مملوکہ اور وقف۔ پہلی قسم نہ عشری ہے اور نہ خراجی اور اسی طرح دوسری قسم جیسے مصر کی غیر موقوفہ زمینیں ہیں بے شک اگرچہ مصری زمینیں خراجی الاصل ہیں مگر بغیر وارث مالکوں کی موت کی وجہ سے بیت المال کے لئے واپس ہو گئی ہیں۔ جیسے صاحب البحر نے ''التحفۃ المرضیۃ فی الاراضی المصریہ'' میں تصریح کی ہے اور تیسری اور چوتھی قسم کی زمینیں عشری ہوں گی یا خراجی۔

حکومت کی جانب سے مدارس اور مساجد کو دی گئی زمینیں حقیقی وقف نہیں:

- علامہ شامی نے مباح زمین کو عشری اور خراجی نہ ہونے پر اعتراض کیا ہے کہ غیر مملوکہ پہاڑوں اور جنگلات کی زمین مباح کا قسم ہے مگر وہ بھی عشری ہوتی ہے او یہی صحیح ہے۔ بہر صورت زمین کی چار قسمیں ہیں، ہر ایک کے الگ الگ احکام ہیں۔ مزید تفصیل باب الرکاز میں ذکر کی جائے گی۔
- ذکر کردہ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ پاکستان میں حکومت کی مقبوضہ زمینیں اور اوقاف حکومت کے ملک میں نہیں ہیں حکومت کے لیے ان زمینوں کے فروخت کرنے کا جواز نہیں ہے مگر یہ کہ پاکستانیوں کی ضرورت یا حاجت کے لئے فروخت کرنا ضروری ہو۔ اگر حکومت مدارس یا مساجد کو زمین یا پلاٹ گفٹ کرتی ہے تو یہ حکومت کی جانب سے وقف حقیقی نہیں ہوگا کیونکہ حکومت ان زمینوں کی مالک نہیں ہے یہ ارصادات ہوں گے اس لئے اصحاب مدارس اور مساجد کے لئے حکومت کی شرائط کی رعایت کرنا ضروری نہیں ہوگا۔
- اور حکومت کی جانب سے کاشت کاروں کو دی گئی زمینیں کاشتکاروں کی ملکیت نہیں ہوں گی لہٰذا امام صاحب کے مذہب پر حکومت کی زمینوں کے ٹھیکیدار یا کاشت کاروں پر عشر واجب نہیں ہوگا مگر صاحبین کے نزدیک واجب ہوگا۔

عشری اور خراجی پانی کی مزید تفصیل:

- ردالمحتار میں مذکور ہے:

''اَیۡ مَاءُ الۡخِرَاجِ وَهُوَ مَاءُ اَنۡهَارٍ حَفَرَتۡهَا الۡاَعَاجِمُ وَكَذَا سَيۡحُوۡنَ وَجَيۡحُوۡنَ وَدَجۡلَةُ وَالۡفُرَاتُ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ وَمَاءُ الۡعُشۡرِ هُوَ مَاءُ السَّمَاءِ وَالۡبِيۡرِ وَالۡعَيۡنِ وَالۡبَحۡرِ الَّذِیۡ لَا يَدۡخُلُ تَحۡتَ وِلَايَةِ اَحَدٍ كَذَا فِي الۡمُلۡتَقٰی وَشَرۡحِهٖ وَالۡحَاصِلُ اَنَّ مَاءَ الۡخِرَاجِ مَاكَانَ لِلۡكَفَرَةِ يَدٌّ عَلَيۡهِ ثُمَّ حَوَيۡنَاهُ قَهۡرًا وَمَاسِوَاهُ عُشۡرِیٌّ لِعَدَمِ ثُبُوۡتِ الۡيَدِ

عَلَیْهِ فَلَمْ یَکُنْ غَنِیْمَةً۔۔۔الخ"(ص:۳/۲۷۴)

ترجمہ: خراجی وہ پانی ہے جو عجمیوں (غیر مسلموں) کی نہروں (دریاؤں) کا پانی ہو (ہدایہ میں اس کی مثال 'نَهْرَ الْمَلِكِ' اور 'نَهْرَیْزْ دَجَر' کے ساتھ دی گئی ہے) اور اسی طرح بڑی نہریں (دریاؤں) سیحون اور جیحون اور دجلہ اور فرات کا پانی خراجی ہے۔ مگرامام محمد کے نزدیک (سیحون اور جیحون اور دجلہ اور فرات جو کسی ملک کی ولایت میں نہیں) ان کا پانی عشری ہے اور آسمان کا پانی (بارش) اور کنوئیں اور چشمہ اور سمندر جو کہ کسی کی ولایت میں داخل نہیں ہے، عشری ہے اور اسی طرح ملتقیٰ اور اس کی شرح میں مذکور ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ خراج کا پانی وہ ہے جس پر کافروں کا قبضہ تھا پھر ہم نے جبراً اُس پر قبضہ کر لیا اس کے سوا باقی پانی عشری ہیں کیونکہ وہ کسی کے قبضہ میں نہیں ہیں لہٰذا وہ مالِ غنیمت میں شمار نہیں ہوں گے۔۔۔الخ۔

• اس پر اعتراض ہوا کہ بارش اور سمندر تو عشری ہیں اور یہ قول صحیح ہے مگر کنوئیں اور چشمے تو مال غنیمت ہوتے ہیں کیونکہ کافروں کی زمینوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے ان پر بھی جبراً قبضہ کیا لہٰذا یہ کنوئیں اور چشمے خراجی ہونے چاہئیں۔

• فتح القدیر میں اس کا جواب یہ دیا گیا کہ سب چشموں اور کنوؤں میں یہ ضروری نہیں ہے کیونکہ بعض کنوؤں کا ہمیں علم ہے کہ یہ اسلام کے قبضہ کے بعد کھودے گئے اور کچھ مجہول الحال ہیں ان پر بھی اسلامی ہونے کا حکم کریں گے تاکہ کنوؤں کی نسبت دو ممکن وقتوں میں سے قریب وقت کی طرف ہو، لہٰذا کنوئیں اور چشمے جن کے متعلق کافروں کے قدیم ملک کا تعلق ہو وہ خراجی ہوں گے۔

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

عشری اور خراجی پانی کا اعتبار:

• عشر اور خراج میں پانی کا اعتبار صرف اس زمین میں ہوتا ہے جس کا کوئی مالک نہیں تھا اور غیر آباد تھی کسی آدمی نے اسے آباد کیا اگر آباد کرنے والا آدمی کافر ذمی تھا، وہ زمین خراجی ہے خواہ اسے عشری پانی دیا جائے یا خراجی اور اگر آباد کرنے والا آدمی مسلمان ہے یا مسلمان حکومت ہے تو امام محمد کے نزدیک پانی کا اعتبار ہوگا خراجی پانی سے آباد زمین خراجی ہوگی چونکہ مسلمان آدمی نے خراجی پانی لے کر اپنے اوپر خود خراج کا التزام کیا ہے۔ التزام کی وجہ سے ابتداءً مسلم کی زمین پر خراج لازم ہوگا اور اگر عشری پانی ہے تو وہ زمین عشری ہوگی۔

• پھر آئمہ کا پانی کے مسئلہ میں اختلاف ہے۔ شیخین امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف بڑے بڑے دریاؤں کو خراجی کہتے ہیں اور امام محمد ان دریاؤں کو عشری کہتے ہیں۔ مگر علامہ شامی نے فرمایا جو کافروں کی ولایت اور ملکوں میں تھے پھر مسلمان جبراً اور قتال کے بعد ان پر قابض ہوگئے وہ خراجی ہیں اور باقی عشری ہیں۔

• معلوم ہوا پاکستان کے پانچوں بڑے دریاؤں پر ہندوستان کی تقسیم سے پہلے انگریزوں کی حکومت رہی اور اس سے پہلے مسلم مغل خاندانوں کی حکومت تھی اور اس سے پہلے قبائلی سسٹم تھا۔ تقسیم سے پہلے مسلم یا کافر کسی حکومت کا ان پر مکمل قبضہ نہیں تھا لہٰذا پاکستانی دریاؤں کا پانی عشری ہوگا مگر اس سلسلہ میں، زمین کے عشری اور خراجی ہونے میں، ترجیح امام ابو یوسف کے قول کو ہے پانی کا بالکل اعتبار نہیں ہوگا، قرب کا اعتبار ہوگا۔

عشر کے احکام:

• احناف کے نزدیک ہر فصل کے قلیل اور کثیر ہر مقدار میں عشر واجب ہے، نصاب شرط نہیں۔ فصل کا چار یا چار سے زائد کلو تک ہونا شرط ہے اور پیدا شدہ اجناس پر حولانِ حول شرط نہیں ہے لہٰذا سال میں پیدا ہونے والی ہر فصل اور بار بار

پیدا ہونے والی فصلوں پر عشر واجب ہوگا اور عشر کے وجوب کے لیے فصل کی سال یا چھ ماہ تک بقاء بھی شرط نہیں ہے لہٰذا سبزیوں میں بھی عشر واجب ہوگا۔ یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور یہی مفتی بہ اور صحیح ہے۔(ردالمحتار ص:۲۶۵/۳۶)اور ہر وہ فصل جو مقصودی ہو حتیٰ کہ جانوروں کے وہ گھاس جن کو جانوروں کے چارے کے لیے کاشت کیا جاتا ہے اور باغات کے پھلوں، نرسری کے پھولوں پر بھی عشر واجب ہے۔ (کتب فقہ)

● اگر کسی آدمی نے اپنے وسیع مکان اور دار کو باغ میں تبدیل کر دیا ہے اس باغ میں بھی عشر واجب ہوگا اور اگر گھر کو باغ میں تبدیل تو نہیں کیا لیکن مکان کے صحن میں پھل دار متعدد درخت موجود ہیں مثلاً آم اور مالٹے اور لیموں اور کھجور وغیرہا کے درخت لگے ہوئے ہیں، ان میں عشر واجب نہیں ہے کیونکہ گھروں میں درخت گھروں کے تابع ہوتے ہیں اور گھروں پر عشر نہیں لہٰذا ان کے توابع پر بھی عشر نہیں۔ چنانچہ شامی میں ہے:

"(قَوْلُهٗ جَعَلَتْ بُسْتَانًا)هُوَ اَرْضٌ يَحُوْطُ عَلَيْهَا حَائِطٌ وَفِيْهَا اَشْجَارٌ مُتَفَرِّقَةٌ كَذَا فِي الْمِعرَاجِ قَيَّدَ بِجَعْلِهَا بُسْتَانًا لِاَنَّهٗ لَوْلَمْ يَجْعَلْهَا بُسْتَانًا وَفِيْهَا نَخْلٌ تُغِلُّ اَكْرَارًا لَا شَيْءَ فِيْهَا (بحر)وَكَذَالِكَ ثَمْرُ بُسْتَانِ الدَّارِ لِاَنَّهٗ تَابِع لَهَا كَمَا فِيْ قَاضِيْخَانِ"(قہستانی ص:۲۷۱/۳)

ترجمہ: (مصنف کا قول اگر دار کو باغ بنا دیا گیا ہے) بستان وہ زمین ہوتی ہے جس کو ایک دیوار محیط ہو اور اس میں متفرق درخت ہوں اسی طرح معراج میں ہے۔ مصنف نے عشر کے وجوب کے لیے دار کو باغ بنانے کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ اگر آدمی دار کو باغ نہ بنائے اور اس دار میں کھجوریں ہوں جو سال میں بار بار پھل دیتی ہوں ان میں کوئی چیز عشر یا خراج واجب نہیں ہے (بحر الرائق) اور اسی طرح دار اور مکان میں باغ

کے پھلوں میں کوئی چیز واجب نہیں ہے کیونکہ گھروں کے درخت گھروں کے تابع ہوتے ہیں اسی طرح قاضیخان میں ہے۔(قہستانی)

● خود رہائشی مکان اور قبرستان اور خود رَو جھاڑیاں اور خود رَو گھاس جن کی مالک پرواہ نہیں کرتے اور نہ ان کی حفاظت کرتے ہیں اور نہ لوگوں کو ان کے استعمال سے منع کرتے ان اشیاء میں عشر واجب نہیں ہے۔

● غیر خراجی مملوکہ زمین عشری ہو یا عشری نہ ہو جیسے پہاڑ اور جنگل اور غیر آباد میدان ان میں درختوں سے حاصل شہد میں عشر واجب ہوگا اگرچہ قلیل ہو اسی طرح حکومتی پہاڑوں اور جنگلات کے پھلوں میں بھی عشر واجب ہوگا اور اگر پہاڑ یا جنگلات کسی آدمی کی حفاظت میں نہیں ہیں اور حکومت ان کی حفاظت نہیں کرتی حتیٰ کہ کافر حربیوں اور باغیوں اور ڈاکوؤں سے ان پہاڑوں یا جنگلات کے پھلوں کی حفاظت نہیں کرتی، ایسے پہاڑوں اور علاقوں سے حاصل شہد (ہنی) اور پھلوں میں عشر نہیں ہوگا کیونکہ ان پھلوں اور شہد کا حکم شکار کی طرح ہوگا۔(ردالمختار) درمختار میں ہے:

"وَكَذَا يَجِبُ الْعُشْرُ فِيْ ثَمْرَةِ جَبَلٍ اَوْ مُفَازَةٍ اِنْ حَمَاهُ الْاِمَامُ لِاَنَّهٗ مَالٌ مَّقْصُوْدٌ لَا اِنْ لَمْ يَحْمِهٗ لِاَنَّهٗ كَالصَّيْدِ" (ص:۲۶۵/۳)

ترجمہ: اور اسی طرح شہد کی طرح پہاڑوں اور جنگلات کے پھلوں میں عشر واجب ہوگا۔

● درمختار میں ہے:

"الا فيما لا يقصد به استغلال الارض نحو حطب وقصب وحشيش و تِبنٍ وَسَعْفٍ وصمغ وقطران و خطمی و اشنانٍ وشجر قطن وباذنجان و بذر بطيخ و قثاء و ادوية كحبة شونيز حتى لو اشغل ارضه بها يجب العشر"(ص:۲۶۸/۳)

ترجمہ: ہر فصل میں عشر واجب ہے مگر اس فصل میں جس سے مقصود زمین سے آمدنی اور نفع اٹھانا نہ ہو یعنی فصل مقصود نہ ہو جیسے بے کار لکڑیاں اور سرکنڈے اور گھاس اور بھوسہ اور کھجور کے پتے اور ٹہنیاں اور گوند اور قطران (صنوبر درخت کا تیل) اور خطمی (ملتانی مٹی) اور اشنان (کپڑے دھونے کے لئے پوڈر کی جھاڑی) اور کپاس اور دھنیوں کی سوکھی شاخیں اور تربوز اور خربوزے اور دواؤں کے لیے پودوں کے بیج جیسے کلونجی کے پودے، ان میں عشر نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص مذکورہ چیزوں سے زمین کو آباد کرتا ہے اور مقصود بناتا ہے تو مذکورہ چیزوں میں عشر واجب ہوگا۔

ایک سو سال پہلے تک قصب (سرکنڈوں) کو خودرو غیر مقصودی چیز سمجھا جاتا تھا، اسی طرح عام لکڑیوں کو جنگل سے کاٹ لینا کسی کے لئے منع نہیں ہوتا تھا اور صدیوں پہلے بھوسہ مقصود نہیں ہوتا تھا مگر موجودہ دور میں ذکر کردہ اکثر اشیاء مقصودی ہوگئی، ہیں انہیں نہایت کارآمد اور مہنگی فصل شمار کیا جاتا ہے، اس لئے ان میں عشر واجب ہوگا۔

• صاحبین کے نزدیک عشر کے وجوب کے لئے ایک سال تک فصل کا باقی رہنے کی صلاحیت کا ہونا شرط ہے لٰہذا وہ فصل جس میں ایک سال تک باقی رہنے کی صلاحیت ہو اس میں عشر واجب ہوگا ورنہ عشر واجب نہیں ہوگا۔ چونکہ پھل اور پھول اور سبزیاں سال بھر رہنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں، اس لئے صاحبین کے نزدیک پھلوں اور سبزیوں میں عشر واجب نہیں ہوگا۔ مگر آج تک فتوی امام صاحب کے قول پر دیا جاتا رہا ہے۔

• ہمارے دور کا المیہ یہ ہے کہ اکثر لوگ عشر ادا نہیں کرتے اور جو لوگ عشر ادا کرتے ہیں وہ صرف گندم یا چنے وغیرہا کا عشر ادا کرتے ہیں باغوں اور سبزیوں اور

نرسریوں کا عشر ادا نہیں کرتے اور نہ مقصودی گھاسوں کا عشر ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جاگیرداروں کو اپنی زمینوں کی ساری فصلوں اور باغات کا عشر نکالنے کی توفیق عطا فرمائے۔

• دوسرا المیہ یہ ہے کہ علماء حضرات بھی لوگوں کو زکوٰۃ اور عشر کی تفصیلات نہیں بتاتے اللہ تعالیٰ ان کو علم پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔

عشر عبادت اور اجرت کا مجموعہ ہے:

• عشر چونکہ عبادۃ محضہ نہیں ہے بلکہ زمین کی اجرت بھی ہے اس لئے عشر بغیر وصیت ترکہ سے بھی لیا جائے گا بخلاف زکوٰۃ، کہ اس میں وصیت ضروری ہوتی ہے اگر زکوٰۃ کے لئے وصیت نہ ہو تو ترکہ سے زکوٰۃ ادا کرنا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ ورثاء عاقل بالغ راضی ہوں اور زکوٰۃ کے لیے وصیت ترکہ کے تیسرے حصہ میں جاری ہوگی نیز عشر وقت کا سربراہ جبراً لے سکتا ہے اور جبراً لیا گیا عشر ادا ہو جائے گا مگر زکوٰۃ جبراً لی گئی ادا نہیں ہوتی دوبارہ دینی ہوتی ہے جیسے پہلے گذر چکا ہے۔ (شامی)

عشر سے دین وضع نہیں کیا جائے گا:

• چونکہ عشر زمین کی اجرت ہے اس لئے دین کے باوجود عشر لیا جاتا ہے دین عشر سے وضع نہیں کیا جاتا۔ (شامی)

عشر بچوں اور پاگلوں پر بھی واجب ہوگا:

• چونکہ عشر زمین کی اجرت بھی ہے صغیر اور صغیرہ نابالغ بچے اور بچی اور مجنون اور مکاتب اور عبد ماذون کی زمینوں میں بھی عشر واجب ہوگا جبکہ ان لوگوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

وقفی زمین پر عشر واجب ہوگا:

• اور وقفی زمین میں بھی عشر واجب ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ اس وقفی زمین کو وہ

لوگ کاشت کریں جن پر وہ زمین وقف ہے کیونکہ عشر کے لئے شرط ہے کہ آدمی زمین کی پیداوار کا مالک ہو، زمین کا مالک ہو یا نہ ہو اور یہاں اہل وقف زمین کے مالک تو نہیں مگر پیدوار اور فصلوں کے مالک ہیں لہٰذا ان پر وقفی زمین کی فصلوں میں عشر واجب ہو گا۔

● اور اگر وقفی زمین اہل وقف خود کاشت نہیں کرتے ان کے علاوہ دوسرے لوگ کاشت کرتے ہیں دوسرے یا تو اجرت اور ٹھیکہ پر زمین لیتے ہیں یا مزارعت پر دونوں صورتوں میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک مزارعین اور اجرت ادا کرنے والے ٹھیکیداروں پر عشر واجب نہیں ہے مگر صاحبین کے نزدیک عشر واجب ہے۔

عشراور نصف عشر کی تفصیل:

● بارش اور سیلاب یعنی پانی بالکل فری ہو اور بغیر مشقت کے حاصل ہونے والی زمینوں کی فصل میں دسواں حصہ عشر واجب ہے لہٰذا دریاؤں کے ساحلی اور کناروں پر واقع ہونے والی سیلابی فصلوں اور بارانی اور تھل کی زمینوں کی فصلوں میں دسواں حصہ واجب ہو گا اور ڈول اور کنوؤں کے پانی سے سیراب زمینوں کی فصل اور پیداوار میں نصف عشر (بیسواں حصہ) عشر واجب ہو گا۔

ٹیوب ویلوں اور نہروں سے سیراب زمینوں کے عشر کا حکم:

● موجودہ دور میں کنوؤں کی جگہ بجلی اور ڈیزل اور پیٹرول سے چلنے ٹیوب ویلوں اور بورنگوں نے لے لی ہے اور دریاؤں سے نہریں کھود کر زمینوں تک پانی پہنچایا جاتا ہے کاشتکاروں کو دونوں صورتوں میں پانی سے زمین سیراب کرنے میں مشقت اور پانی کی اجرت (آبیانہ) اور بجلی کے بھاری بل یا ڈیزل اور تیل کی بھاری رقم ادا کرنا ہوتی ہے اس لئے سیلابی اور بارانی زمین کے علاوہ باقی سب پانیوں سے سیراب زمینوں میں نصف عشر (بیسواں حصہ) عشر واجب ہو گا اور خرید کردہ پانی

خواہ بورنگ (ٹیوب ویل) سے خریدا گیا یا نہر سے یا اپنا ٹیوب ویل ہو یا دوسرے کا سب صورتوں میں نصف عشر واجب ہو گا۔ در مختار میں ہے:

"اى فى كتب الشافعية اَوْ سَقَاهُ بِمَاءٍ اِشْتَرَاهُ وَقَوَاعِدُنَا لَا تَابَاهُ"

(ص: ۲/ ۲۶۸)

اور شافعیہ کی کتابوں میں ہے، یا فصل کو خرید کردہ پانی پلایا اور ہمارے احناف کے اصول اس سے انکار نہیں کرتے، یعنی نصف عشر ہو گا۔

عشر سے کاشتکاری پر اٹھنے والے اخراجات وضع نہیں کیے جائیں گے:

● عشر یا نصف عشر کل فصل سے ادا کرنا واجب ہے کاشتکاری یا پانی پر اٹھنے والے اخراجات فصل کے عشر سے یا عشر الگ کرنے کے بعد فصل سے وضع نہیں کیے جائیں گے۔ اسی طرح فصل کا بیج بھی وضع نہیں کیا جائے گا۔ شامی میں ہے:

"(قَوْلُهٗ بِلَا رَفعِ مُؤنٍ) اَیْ یَجِبُ الْعُشْرُ فِی الْاَوَّلِ وَنِصْفُهٗ فِی الثَّانِیْ بِلَا رَفْعِ اُجْرَةِ الْعُمَّالِ وَ نَفَقَةِ الْبَقْرِ وَ کُرَی الْاَنْهَارِ وَاُجْرَةِ الحَافظ" (در۔ ص: ۳/۲۶۶)

ترجمہ: (مصنف کا قول بلا رفع مؤنۃ) یعنی پہلی قسم میں عشر واجب ہے اور دوسری قسم میں نصف عشر واجب ہے۔ کام کرنے والوں کی اجرت اور بیلوں کا نفقہ اور نہروں کی کھدائی اور محافظ کی اجرۃ اور اس کی مثل حاصل فصل سے وضع نہیں کیے جائیں گے۔ (درر)

● موجودہ دور میں فصلوں کی کٹائی اور بوائی اور صفائی بڑے بڑے ٹریلروں اور ٹریکٹروں کے ذریعے سے کرائی جاتی ہے۔ کھاد اور پانی پر اٹھنے والے اخراجات اور مشینی اور مزدوری کے اخراجات ہزاروں بلکہ لاکھوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ حکم یہ ہے کہ کسی قسم کی اجرت نکالے بغیر کل پیداوار پر عشر واجب ہو گا۔ عشر ادا کرنے کے بعد حاصل فصل سے جملہ اخراجات اور دیگر اپنے ذاتی عمال

موچی، نائی، کارپینٹر، لوہار اور مولوی اور دیگر کام کرنے والوں کو اجرت دی جاسکتی ہے۔ ہمارے دیہاتوں میں کاشتکاروں اور مالکان میں یہی رواج رہا ہے کہ پیدا شدہ فصل سے عشر الگ کرنے سے پہلے سال بھر کاشتکار کے ذاتی کام کرنے والے پیشہ ور مزدوروں کی مزدوری فصل سے ادا کر کے باقی فصل سے عشر الگ کیا جاتا رہا ہے۔ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

کھاد پانی اور بجلی کی اجرت کا حکم:

- موجودہ دور میں فصلوں کے اخراجات میں کھاد اور پانی کی اُجرت اور بجلی اور تیل کے اخراجات اٹھائے جاتے ہیں ان کے بغیر فصل کی پیداوار نہیں ہوتی یا کم ہوتی ہے۔ عشر ادا کرنے والے مالکان حضرات چاہتے ہیں فصل سے اخراجات نکالنے کے بعد عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے مگر شرعاً یہ جائز نہیں ہے۔ چنانچہ در مختار میں ہے:

"بِلَا رَفْعِ مُؤَنٍ اَیْ کُلَفِ الزَّرْعِ وَبِلَا اِخْرَاجِ الْبَذْرِ لِتَصْرِیْحِھِمْ بِالْعُشْرِ فِیْ کُلِّ الْخَارِجِ"(ص:۳/۲۶۹)

یعنی عشر کا وجوب کاشت کے اخراجات اور مؤنۃ اور اجرت کی وضع کئے بغیر اور بیج کی مقدار نکالے بغیر ہوگا کیونکہ علماء نے زمین سے کل پیداوار میں عشر واجب ہونے کی تصریح کی ہے۔

- البتہ علامہ صیرفی نے فرمایا کہ کاشت کاری کی اجرت اگر خود فصل کا ایک حصہ طے ہو تو عشر باقی میں واجب ہوگا کیونکہ اجرۃ کے حصہ کا مقدار کالعدم ہوگا مگر علامہ شامی نے فرمایا:

"لٰکِنْ ظَاھِرُ کَلَامِھِمُ الْاِطْلَاقُ"(ص:۳/۲۷۰)

کہ فقہاء کی کلام سے اطلاق واضح اور ظاہر ہے کہ ہر صورت عشر کل فصل میں واجب ہوگا۔

عشری یا خراجی خرید کردہ زمین کا حکم:

- اگر کسی مسلمان سے ذمی کافر نے عشری زمین خرید کر لی ہے تو کافر پر اس زمین کا خراج واجب ہو جائے گا، عشر واجب نہیں ہوگا کیونکہ عشر ایک لحاظ سے عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں اور اگر کسی مسلمان نے ذمی کافر سے خراجی زمین خرید لی ہے تو مسلمان کو بھی خراج دینا ہوگا کیونکہ مسلمان پر ابتداءً خراج واجب کرنا جائز نہیں ہوتا مگر بقاء اور انتہاء میں خراج کا وجوب اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ (در مختار)
- اگر کسی مسلمان سے ذمی کافر نے عشری زمین خریدی اس پر دوسرے مسلمان نے شفعہ کر کے زمین لے لی، دوسرے مسلمان پر عشر واجب ہوگا گویا مسلمان سے مسلمان نے ہی زمین خریدی اور کافر کی خریداری کالعدم ہوگی۔ (در مختار)
- اگر فساد بیع کی وجہ سے ذمی کافر کو فروخت کردہ عشری زمین مسلمان کے پاس واپس ہو جائے تو زمین سابقہ حالت میں عشری رہے گی۔ اسی طرح خیار شرط اور خیار رؤیت اور خیار عیب کی وجہ سے اگر عشری زمین ذمی کافر سے مسلمان کے پاس واپس آجائے تو بھی عشری رہے گی۔ (شامی)

گیس یا تیل میں عشر کا حکم:

- زمین سے حاصل ہونے والی اشیاء اگر زمین کی وجہ اور سبب سے حاصل ہوں، ان میں عشر یا خراج واجب ہوتا ہے اور جن چیزوں کے وجود میں زمین کو دخل نہ ہو، ان میں عشر یا خراج واجب نہیں ہوتا۔ لہٰذا زمین میں موجود تیل یا گیس وغیرہ میں عشر یا خراج واجب نہیں ہوگا کیونکہ تیل اور گیس کے پیدا ہونے، موجود ہونے میں زمین کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ تیل اور گیس میں خمس (پانچواں حصہ) واجب ہوگا۔ (شامی، باب العشر)
- جس کا بیان فقہاء کی کتب کے باب الرکاز میں دیکھا جاسکتا ہے اور ہم نے آخر

میں ذکر دیا ہے۔

● در مختار میں ہے:

''وَلَا فِیْ عَیْنِ قِیْرٍ اَیْ زَفْتٍ وَنَفْطٍ دُھْنٍ یَعْلُوْا الْمَاءَ مُطْلَقًا اَیْ فِیْ اَرْضِ عُشْرٍ اَوْخِرَاجٍ''(ص:۳/۲۷۳)

زفت (تیل) کے کنویں اور وہ تیل جو پانی کے اوپر ہوتا ہے، میں مطلقاً عشر نہیں ہے، عشری زمین ہو یا خراجی، عشر اور خراج واجب نہیں ہے۔

شامی میں ہے:

''(قَوْلُہٗ وَلَا فِیْ عَیْنِ قِیْرٍ)لِاَنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَنْزَالِ الْاَرْضِ وَاِنَّمَا ھُوَ عَیْنُ فَوَّارَۃٍ کَعَیْنِ الْمَاءِ فَلَا عُشْرَ فِیْھَا وَلَا خِرَاجَ''

(بحوالہ بحر۔ص: ۳/۲۷۳)

ترجمہ:(مصنف کا قول ولا فی عین قیر)اس کی وجہ یہ ہے کہ تیل زمین کی پیداوار سے نہیں ہے، بے شک تیل پانی کے چشمہ کی طرح ایک ابلنے والا چشمہ ہے اس میں نہ عشر ہے اور نہ خراج۔

لکڑیوں میں عشر کا حکم:

● آج کل لکڑی نہایت قیمتی سرمایہ ہے جن لوگوں کی پہاڑی زمینوں یا دوسری زمینوں میں لکڑی کے درخت پیدا ہوتے ہیں یا پیدا کئے جاتے ہیں ان کے پیدا ہونے کا سبب بھی زمین ہوتی ہے، یہ زمین کا تحفہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا درختوں کے مالک پر عشر واجب ہو گا البتہ ایسی خود رَو لکڑی جو بے قیمت ہوتی ہے، مالک اس کی پرواہ نہیں کرتا جو چاہے کاٹ کر لے جائے ایندھن کے لئے یا کسی دوسری غرض کے لئے استعمال کرے اس لکڑی کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہیں ہے۔

● نہروں اور سڑکوں اور روڈوں کے کناروں پر موجود درختوں کا بھی مالکان پر عشر واجب ہو گا۔

● ریاست اور حکومت کے قبضہ میں موجود درخت وغیرہا خواہ وہ سڑکوں اور روڈوں پر ہوں یا نہروں پر ان کا عشر واجب نہیں ہو گا کیونکہ حکومت ان درختوں کی حقیقی مالک نہیں ہوتی ہے۔ یہ درخت فقراء اور عوام کے لئے وقف جائیداد میں داخل ہیں اور غیر معین موقوف علیہم لوگوں کی وقفی جائیداد پر عشر اور زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

کچے پھلوں کا حکم

● امام ابو حنیفہ کے نزدیک جب پھلوں اور کسی فصل میں نفع دینے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اگرچہ کاٹنے یا اتارنے کے وقت سے پہلے ہو ان پھلوں یا فصلوں میں عشر واجب ہو جائے گا بالفرض مالک نے پھل یا فصل کاٹنے کے وقت سے پہلے کاٹ لئے یا اتار لئے مالک پر ان کے عشر کی ضمان اور تاوان واجب ہو گا اور اگر کاٹ لینے کے بعد مالک خود پھل استعمال کرے یا فروخت کر دے، بالاتفاق اس پر عشر کی ضمان واجب ہو گی۔(ص: ۳/۲۷۳)

● پھلوں یا فصلوں کا عشر ادا کرنے سے پہلے پھل یا فصل کھانا یا فروخت کرنا اور استعمال کرنا جائز نہیں ہے اگر کر لیے تو گناہ کے علاوہ مالک پر ان پھلوں اور فصلوں میں عشر کی ضمان واجب ہو گی۔ یہی حکم خراج مقاسمہ کا ہے کہ ذمی کافر خراج ادا کرنے سے پہلے فصل یا پھل استعمال نہیں کر سکتا، اگر کھالیا یا استعمال کر لیا تو ضمان دینا ہو گی۔

● اگر وہ شخص فوت ہو گیا جس نے عشر ادا نہیں کیا تھا یا ذمی کافر فوت ہو گیا اور اس نے خراج مقاسمہ ادا نہیں کیا تھا عشر اور خراج مرنے والوں کے ترکہ سے لیا جائے گا۔

● اگر زمین کاشت کرنا ممکن تھا مگر اسے کاشت نہیں کیا گیا، مالک پر عشر واجب نہیں ہو گا کیونکہ عشر کا تعلق حاصل پیداوار کے ساتھ ہوتا ہے اور ذمی سے خراج

مؤظف اور متعین ساقط نہیں ہوگا کیونکہ خراج معین کا تعلق فصل کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ خراج زمین کی اجرت ہوتا ہے البتہ خراج مقاسمۃ میں فصل کا ایک حصہ ادا کرنا ہوتا ہے اور اس کا فصل کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، یہ ساقط ہوگا اور خراج مؤظف میں معین مال دینا ہوتا ہے اس کا فصل کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا۔

فصل اور پھل کے ہلاک ہونے کا حکم:

• اگر کاٹنے سے پہلے فصل یا پھل یا پھول غیر اختیاری آفت سے ہلاک ہو گئے تو خراج اور عشر ساقط ہو جائے گا۔ مثلاً سیلاب یا آگ سے فصل ختم ہو جائے یا لکڑی کو دیمک کھالے یا گرمی یا سردی یا دوسری کسی بیماری کی وجہ سے فصل کاٹنے یا پھل اتارنے سے پہلے فصل اور پھل ہلاک ہو جائیں تو خراج یا عشر ساقط ہو جائے گا اور اگر فصل کاٹنے یا پھل اتارنے کے بعد یہ ہلاک ہو جائیں تو عشر یا خراج مقاسمۃ ساقط نہیں ہوں گے، عشر یا خراج کی ضمان دینا ہوگی۔

مغصوبہ زمین کے عشر اور خراج کا حکم:

• اگر کسی آدمی نے خراجی زمین غصب کر لی اور غصب پر مالک کے پاس گواہ یا دستاویزی ثبوت موجود نہیں ہیں اور غاصب انکار کرتا ہے اور زمین خود غاصب کاشت کر رہا ہے، اس زمین کا خراج غاصب پر واجب ہوگا اور اگر کاشت نہیں کر رہا تو خراج نہ مالک پر واجب ہوگا اور نہ غاصب پر اور اگر غاصب غصب کا اقرار کرتا ہے یا مالک کے پاس گواہ ہیں اور غاصب کی کاشت سے زمین کو نقصان نہیں پہنچا تو خراج مالک پر واجب ہوگا۔ لیکن یہ اختلافی مسئلہ ہے بعض مشائخ نے فرمایا کہ خراج مالک پر ہوگا اور بعض مشائخ نے فرمایا ہر حال میں غاصب مقر ہو یا منکر ہو اور گواہ نہ ہوں، خراج غاصب پر واجب ہوگا (فتویٰ اس اصول پر ہونا چاہیے) کیونکہ عشر کے مسئلہ میں عشر غاصب پر واجب ہوتا ہے اور مالک پر واجب نہیں ہوتا کیونکہ مالک نے فصل نہیں اٹھائی۔

• قاضی خان میں ہے اگر غاصب نے زمین کاشت کی اور کاشت کی وجہ سے زمین کو نقصان پہنچا تو خراج مالک پر ہوگا نقصان قلیل ہو یا کثیر کیونکہ زمین کے نقصان کی ضمان غاصب پر واجب ہے لہٰذا زمین کے نقصان کے معاوضہ میں ضمان اور تاوان کا مال اس زمین کی اجرت ہو جائے گی اس لئے خراج زمین کے مالک پر واجب ہوگا اور امام محمد کے نزدیک غاصب پر خراج واجب ہوگا اگر تاوان اور ضمان کی رقم خراج کی رقم سے زائد ہے غاصب خراج ادا کر لینے کے بعد زائد ہونے والی رقم مالک کو واپس کرے گا۔ (ص: ۳/۲۷۶)

• اگر غاصب نے عشری زمین غصب کر لی اور گواہ یا اقرار نہیں اور اس میں فصل کاشت کر لی اگر کاشت کی وجہ سے زمین میں نقصان نہیں ہوا تو عشر غاصب پر واجب ہوگا اور اگر زراعت کی وجہ سے زمین میں نقصان ہو گیا تو عشر مالک پر ہوگا کیونکہ نقصان کا تاوان بمنزلہ اجرت ہے گویا غاصب سے مالک نے اجرت لے لی لہٰذا عشر اسی پر واجب ہوگا اور خراج مقاسمہ کا حکم بھی عشر کی طرح ہوتا ہے۔

احناف کے مذہب پر عجیب حکم:

• غصب میں زمین کی کاشت سے زمین کا نقصان ہو جائے تو زمین کے نقصان کا تاوان غاصب پر لازم ہوتا ہے اور اگر زمین کا نقصان نہ ہو تو تاوان لازم نہیں ہوتا غاصب غصب شدہ زمین سے جو فصل اٹھاتا ہے وہ فصل بغیر تعدی اور بغیر طلب حاصل ہو گئی، اس فصل کی ضمان اور تاوان غاصب پر لازم نہیں۔ کیونکہ مغصوبہ چیز کے زوائد مالک کی جانب سے غاصب کے پاس امانت ہوتے ہیں اور مالک کو واپس کرنا واجب ہوتے ہیں۔ اگر بغیر تعدی ہلاک ہو جائیں ان کی ضمان نہیں ہوتی کیونکہ امانت ضائع ہو جائے، اس کی ضمان واجب نہیں ہوتی اور اگر مالک نے زوائد کا مطالبہ کر دیا تھا مگر غاصب نے منع کر دیا تھا اور زوائد ہلاک ہو گئے، غاصب پر ان کی ضمان واجب ہوگی۔ درمختار میں ہے:

"و زوائد المغصوب مطلقا متصلة كسمن و حسن او منفصلة كالدر و ثمر امانة لا تضمن الا بالتعدى او المنع بعد طلب المالك لانها امانة۔" (ص:۹/ ۲۹۶ باب الغصب)

ترجمہ: مغصوب چیز کے زوائد مطلق متصل ہوں جیسے مغصوب کا فربہ ہونا یا حسین ہونا یا منفصل ہوں جیسے (جانور میں) دودھ اور باغ میں پھل، یہ امانت ہیں ان کی ضمان نہیں ہوگی۔ مگر تعدی سے ہلاک ہو یا مالک کی طلب کے بعد غاصب کے منع کرنے پر ضمان واجب ہوگی کیونکہ یہ بھی تعدی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مغصوب چیز سے پیدا ہونے والی اشیاء غاصب کے پاس ضائع ہو جائیں، غاصب پر ان کی ضمان واجب نہیں ہوگی اور اگر غاصب کھالے اور خود ہلاک کردے یا طلب کے بعد وہ چیزیں ہلاک ہو جائیں تو زوائد کی ضمان واجب ہوگی۔

● اگر مغصوبہ اشیاء سے غاصب آمدنی حاصل کرنے کے لیے مغصوبہ اشیاء کو کرایہ یا اجرت پر چڑھادے، حاصل کردہ آمدنی اگرچہ خود استعمال کرے، اس کی ضمان بھی واجب نہیں ہے۔ شامی میں ہے:

"(قوله و زوائد المغصوب ......الخ) ليس منها الاكساب الحاصلة باستغلال الغاصب فانها غير مضمونة و ان استهلكها لانها عوض عن منافع المغصوب و منافعه غير مضمونة عندنا كما يأتي فكذا بدلها۔" (ص:۹/۲۹۶، مکتبہ الباز)

ترجمہ: (مصنف کا قول زوائد المغصوب..... الخ) غاصب کے استغلال اور آمدنی کے سبب سے حاصل شدہ محصولات مغصوبہ کے زوائد میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ان محصولات کی ضمان نہیں ہے اگرچہ غاصب ان محصولات کو خود ہلاک یا خرچ کردے کیونکہ محصولات مغصوب کے

منافع کا عوض ہیں اور مغصوب کے منافع کی ہمارے نزدیک ضمان نہیں ہوتی جیسے ذکر کیا جائے گا۔ اسی طرح منافع کے بدل کی ضمان نہیں ہوگی۔ (بحوالہ کفایہ)

● اس سے معلوم ہوا اگر زمین کا غاصب زمین کی کاشت کرتا ہے اور فصل پیدا ہو، فصل زوائد سے نہیں ہے، اسے استعمال کرنے اور کھانے اور پینے میں فصل کی ضمان نہیں ہے البتہ غصب کے وقت جو فصل یا باغ کا پھل موجود ہو، وہ زوائد سے ہوگا۔ وہ غاصب کے پاس امانت ہے بغیر تعدی اس کی ضمان نہیں ہوگی۔ در مختار میں ہے:

"فثمرة بستان مغصوب لا تضمن عندنا خلافا له" (۹/۲۶۱)

ترجمہ: ہمارے نزدیک غصب شدہ باغ کے پھلوں کی ضمان نہیں دی جائے گی بخلاف امام شافعی ہے۔

احناف کے نزدیک منافع کے اتلاف میں ضمان نہیں ہوتی:

● ہمارے آئمہ کے نزدیک منافع کے اتلاف میں ضمان نہیں ہوتی کیونکہ منافع مال نہیں ہیں مگر منافع حاصل کرنے کا معاوضہ ہوتا ہے لہٰذا جب مکان یا دوکان یا جانور یا عبد اجرت پر دیا جائے یا آزاد آدمی اجرت پر کام کرے تو منافع کا حکم مال والا ہوتا ہے مالک کو منافع کا معاوضہ ملے گا۔

● فقہاء احناف نے مال کی تعریف فرمائی کہ مال وہ چیز ہے جس کو باقی رکھا جائے اور منافع باقی نہیں رکھے جا سکتے اس لئے احناف کے نزدیک منافع مال نہیں لہٰذا ان کے ضائع کرنے کی ضمان نہیں ہوگی۔ مال ضائع کرنے کی ضمان واجب ہوتی ہے اور منافع مال نہیں ہیں۔ اسی اصل پر کہ منافع باب اجارہ میں مال کا حکم رکھتے ہیں لیکن ضائع کرنے اور اتلاف کی صورت میں مال کا حکم نہیں رکھتے، فقہاء احناف نے بے شمار جزئیات ذکر فرمائیں ہیں جو کہ موجودہ دور میں نہایت عجیب محسوس ہوتی ہیں اور عرف اور ملکی قوانین ان کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں۔ در مختار میں ہے:

"وبخلاف منافع الغصب استوفاھا او عطلھا فانھا لا تضمن عندنا۔"

ترجمہ: اور بخلاف مغصوب کے منافع کے، اس کے منافع خود استعمال کرے یا منافع معطل رکھے، ہمارے ہاں ان کی ضمان نہیں۔ (۹/۲۹۹)

- شامی میں ہے:

"صورۃ الاول ان یستعمل العبد شھرا مثلاً ثم یردہ علی سیدہ والثانی ان یمسکہ ولا یستعملہ ثم یردہ کما فی الدرر۔"

(ص:۲۹۹/۹)

ترجمہ: استیفاء کی صورت یہ ہے غاصب عبد کو ایک ماہ تک استعمال کرے پھر عبد کو اپنے مولی پر رد کردے اور تعطیل کی صورت یہ ہے غاصب اسے اپنے پاس روکے رکھے اور اس کو استعمال نہ کرے پھر اسے رد کردے۔

آج کا عرف امام شافعی کے مذہب کے مطابق ہے:

- ہمارے نزدیک منافع کی ضمان نہیں ہے کیونکہ منافع مال نہیں ہیں مگر امام شافعی کے نزدیک منافع کی ضمان واجب ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک منافع بھی مال ہیں۔
- آج ملکی قوانین اور عرف امام شافعیؒ کے قول کے مطابق جاری ہے۔ ہمارے آئمہ کے نزدیک منافع مال نہیں لہذا منافع ضائع کرنے کی ضمان نہیں ہوتی مگر تین صورتوں میں وقفی اموال میں اور یتیم کے مال میں اور آمدنی حاصل کرنے کے لیے مقرر شدہ مکان یا دوکان یا عبد میں منافع کے اتلاف کی ضمان ہوتی ہے۔

(درمختار، ص:۲۹۹/۶)

- چونکہ منافع ضائع کرنے کی ضمان نہیں ہوتی لہذا غاصب بیس سال بھی مغصوب چیز مثلاً عبد سے نفع اٹھاتا رہے اور مالک کو اپنی مملوکہ زمین کے قریب نہ آنے دے، اس کی ضمان نہیں ہے مال کی یہ تعریف اجتہادی ہے۔ احناف نے مال کی تعریف ایسی کردی جو منافع پر صادق ہی نہیں آتی پھر منافع کی اتلاف پر ضمان کا نہ

ہونے کا حکم لگایا گیا۔ موجودہ زمانے میں عرف اور ملکی قوانین اس کے خلاف ہیں اگر ان قوانین اور عرف پر عمل کیا جائے، کوئی حرج نہیں۔ زیادہ سے زیادہ اجتہادی احکام کی مخالفت لازم آئے گی لہذا غاصب پر منافع ضائع کرنے کا تاوان ہونا چاہیے۔

بعض علماء کا ردّ:

- مال کی مذکورہ تعریف پر بعض علماء نے یہ تفریع بھی ذکر کردی کہ مزدور اپنی محنت اور عمل کی اجرت کا قبضہ سے پہلے مالک نہیں ہوتا لہذا قبضہ سے پہلے طے شدہ اجرت پر نہ زکوٰۃ ہے نہ سود ہے نہ اس اجرت کے معاوضہ میں کوئی چیز خرید سکتا اور نہ اس میں وراثت ہوگی نہ وصیت کیونکہ وراثت اور وصیت مالِ مملوک میں ہوتی ہے اور اجرت متاخرہ مملوک ہی نہیں مگر یہ تفریع نہایت غلط ہے کیونکہ احناف کے نزدیک بھی اجارہ کے معاملہ میں منافع کا حکم مال والا ہوتا ہے جس طرح مال کے معاوضہ پر قبضہ سے پہلے ملک ثابت ہوجاتا ہے اسی طرح منافع کے معاوضہ پر بھی ملک ثابت ہوجاتا ہے۔ (رفیق حسنی)

بیع الوفاء میں عشر کا حکم:

- بیع الوفاء، جیسا کہ اس کا ذکر گذر چکا ہے، یہ کہ سود سے بچنے کے لئے بطور حیلہ بیع اس طرح کی جائے زمین یا کسی چیز کا مالک خریدار سے زمین کی قیمت مثلاً دس لاکھ روپے لیکر زمین اس شرط کے ساتھ فروخت کردے کہ جب پیسے واپس کروں گا بیع منسوخ ہوگی زمین خریدار لے لیتا ہے اور اس کی قیمت فروخت کنندہ کو دے دیتا ہے اس شرط کی وجہ سے یہ بیع جائز ہے یا نہ اس کی بحث گذر چکی ہے اب ہماری بحث عشر میں ہے اگر یہ بیع جائز ہو تو مشتری کا زمین سے نفع اٹھانا جائز ہوجائے گا اور حسب شرائط زمین کا خریدار اگرچہ زمین کا مالک ہوگیا ہے مگر وہ اس زمین کو آگے فروخت نہیں کر سکتا اور نہ ہدیہ دے سکتا ہے اب اس زمین کا عشر

کس شخص پر واجب ہو گا؟ در مختار میں مذکور ہے اگر بائع نے زمین کا قبضہ خریدار کو نہیں دیا تو زمین کی فصل کا عشر یا خراج بائع پر واجب ہو گا اور خریدار کو قبضہ دے دیا تو خراج یا عشر خریدار پر واجب ہو گا چنانچہ فرمایا:

''وَالْخِرَاجُ فِیْ بَیْعِ الْوَفَاءِ عَلَی الْبَائِعِ اَنْ بَقِیَ فِیْ یَدِہٖ'' (ص: ۲۷۶/۳)

یعنی بیع الوفاء میں خراج بائع پر واجب ہو گا اگر زمین اس کے قبضہ میں ہے۔ ورنہ اس زمین کا خراج یا عشر مشتری پر واجب ہو گا۔

• علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق بیع الوفاء بیع نہیں ہوتی بلکہ قرض کے مقابلے میں زمین رہن ہوتی ہے اگر مشتری نے زمین پر قبضہ کر کے اس میں زراعت شروع کر دی تو مشتری غاصب کی طرح ہو گا اور اس کے لئے زمین سے انتفاع سود ہو گا۔ علامہ شامی فرماتے ہیں بلکہ وہ زمین مشتری کے پاس رہن ہو گی اور اس کی قیمت در حقیقت بائع پر قرض تھا اور مرہونہ زمین سے مشتری کا انتفاع غصب کے حکم میں ہوتا ہے اور ایک قول پر عشر غاصب پر واجب نہیں ہوتا۔ اگر بیع الوفاء میں زمین خراجی ہے مغصوبہ زمین کا خراج مالک پر واجب ہو گا اور اگر عشری ہے عشر نہ مالک پر واجب ہو گا اور نہ مشتری پر کیونکہ مشتری شرعاً فصل کا غاصب ہے اور غاصب پر مغصوبہ چیز کا عشر واجب نہیں ہوتا اور بائع پر اس لئے عشر واجب نہیں ہو گا کہ اُس نے پیداوار حاصل نہیں کی اور عشر مملوکہ پیداوار پر واجب ہوتا ہے۔ یہاں مشتری زمین کا غاصب نہیں، فصل کا غاصب ہے کیونکہ شریعت نے مرہونہ سے اس کو نفع اٹھانے کی اجازت نہیں دی۔ (ص: ۲۷۶/۳)

• فائدہ: ''مافی یدہ'' کے لفظ سے معلوم ہوا مرہونہ چیز سے خود راہن (مالک) نفع اٹھا سکتا ہے لیکن مرتہن مشروط نفع نہیں اٹھا سکتا کیونکہ سود ہو جائے گا۔

بیع الوفاء بیع ہے، رہن نہیں ہے:

• جب علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق مشتری خرید کردہ زمین سے نفع نہیں اٹھا

سکتا کیونکہ بیع الوفاء میں مشتری مرتہن ہوتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے بیع الوفاء بیع نہ ہو بلکہ یہ معاملہ رہن ہو جائے تو صاحب حاجت کو قرض کون دے گا؟ فقہاء کرام نے بیع الوفاء کا حیلہ اس لئے بیان کیا تھا تاکہ لوگ سود پر قرض دینے کی بجائے جائز طریقہ سے قرض دے کر صاحب حاجت کی حاجت بھی پوری کریں اور خود بھی زمین سے حلال طیب نفع حاصل کریں۔

• شرع شریف کا ضابطہ ہے جب عوام کسی مشکل میں مبتلا ہو جائیں، ان کو ابتلاء سے نکالنے کے لئے حیلوں کے ذریعہ حرام سے بچنا جائز ہوتا ہے۔ میرے خیال میں ان فقہاء کے قول پر عمل کیا جائے جو بیع الوفاء کو حقیقی بیع کی طرح جائز کہتے ہیں اور مشتری کو مبیع اور فروخت شدہ زمین سے نفع اٹھانے کی اجازت دیتے ہیں۔ لہٰذا حقیقی بیع کی صورت میں زمین کا عشر مشتری (خریدار) پر واجب ہو گا بائع پر واجب نہیں ہو گا۔ (رفیق حسنی)

فصل یا پھل کے تیار ہونے سے پہلے بیع میں عشر کے مسائل:

• اگر کسی آدمی نے فصل پکنے یعنی اتارنے یا کاٹنے سے پہلے فصل فروخت کر دی اس فصل کا عشر خریدار پر واجب ہو گا اور اگر فصل تیار ہو گئی تھی اور فصل بیچ دی تو عشر فروخت کنندہ پر واجب ہو گا۔

• اگر بائع نے فصل تیار ہونے یا پھل پکنے سے پہلے فروخت کر دیئے مگر بائع کی اجازت سے فصل تیار ہونے تک زمین پر قائم رہے اور پھل پکنے تک درختوں پر قائم رہے تو عشر مشتری پر واجب ہو گا۔ (ص: ۲۷۶/۳)

ملتان کے علاقے کی مثال:

• اور اگر مالک نے فصل اور پھل تیار اور پختہ اتارنے کے قابل فروخت کئے، عشر بائع پر واجب ہو گا۔ ۱۹۶۳ء میں جب ہم ملتان سورج میانی مدرسہ مخزن العلوم میں استاذیم عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس پڑھتے تھے۔ آموں کے باغات کے مالک

آم پکنے سے پہلے فروخت کردیتے تھے اور مالک اس کا معاوضہ لے لیتے تھے مگر پھلوں کو پکنے اور اتارنے تک درختوں پر قائم رکھنے کی اجازت تھی۔ یہ عام رواج اور عرف تھا اور مالٹے اور کینوں اور امرود وغیرہ کے باغات میں بھی یہی رواج تھا اور اب بھی ہے۔ لہٰذا فروخت کردہ پھلوں میں عشر کا حکم یہ ہے کہ ایسی صورت میں عشر خریدار پر واجب ہوگا۔ شاید ہمارے احناف کے نزدیک فصل تیار ہونے سے پہلے عشر کا تعلق فصل کے ساتھ نہیں ہوتا جس وقت بائع نے فصل فروخت کی اس وقت فصل پر عشر واجب نہیں تھا اور جب فصل تیار ہوگئی اس وقت عشر فصل کے ساتھ متعلق ہوگیا اور اس وقت فصل کا مالک مشتری ہوچکا تھا۔ لہٰذا عشر مشتری پر واجب ہوگا۔ (محمد رفیق حسنی)

● اگر کسی شخص نے فصل سے فارغ زرعی زمین فروخت کردی اور مشتری کو قبضہ بھی دے دیا اور وہ زمین خراجی تھی خریدار کے لئے فصل کاشت کرنے کی مدت میں تین ماہ باقی تھے اس زمین کا خراج مشتری پر واجب ہوگا اور اگر مدت تین ماہ سے کم تھی تو خراج بائع پر واجب ہوگا۔ (در مختار۔ ص: ۲۷۶/۳)

● اگر کسی شخص نے عشری زمین بمع فصل فروخت کردی تو عشر خریدار پر واجب ہوگا۔

اجرت پر دی گئی زمین میں عشر کے مسائل:

● اگر کسی شخص نے عشری زمین دوسرے آدمی کو اجرت پر دی، امام اعظم کے نزدیک عشر مؤجر (مالک) پر واجب ہوگا جس طرح اجرۃ پر دی گئی خراجی زمین کا مقرر کردہ خراج بالاتفاق مالک پر واجب ہوتا ہے اور صاحبین کے نزدیک عشر مستاجر پر واجب ہوگا جیسے بالاتفاق عاریۃً زمین لینے والے مسلمان پر عشر واجب ہوتا ہے۔ امام صاحب نے زمین کی اجرت کو خراج پر قیاس کیا اور صاحبین نے عاریت پر قیاس کیا۔ در مختار میں حاوی قدسی سے منقول ہے کہ فتویٰ صاحبین کے

مذہب پر ہے چنانچہ فرمایا:

"وَفِي الْحَاوِيْ وَبِقَوْلِهِمَا نَأْخُذُ" (ص: ۲۷۷/۳)

اور حاوی میں ہے اور صاحبین کے قول کو ہم لیں گے۔

● مگر علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے کہ عشر مؤجر پر واجب ہوگا مستاجر پر عشر واجب نہیں ہوگا امام صاحب کے قول کو قاضی خان جو اہل ترجیح سے ہیں انہوں نے ترجیح دی ہے اسعاف اور خصاف میں اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ شیخ الاسلام عطاء اللہ آفندی اور زکریا آفندی اور خیر الدین رملی اور شیخ اسماعیل حائک مفتی دمشق جو کہ شارح در مختار کے شاگرد ہیں انہوں نے امام صاحب کے قول کو اختیار کیا ہے۔

● موجودہ دور میں امام صاحب کے قول پر فتویٰ دینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ مستاجر بے چارے پر اجرۃ کے علاوہ کھاد اور پانی اور بوائی اور کٹائی کے اخراجات زیادہ ہو جاتے ہیں، عشر ادا کرنے سے مستاجر کو نہایت کم بچت ہوگی البتہ حکومت کی زمینوں کے مستاجرین کو حکمرانوں کے اثر اور رسوخ کی وجہ سے مثلی اجرت سے نہایت کم اجرت پر زمینیں مل جاتی ہیں۔ حکومتی زمینوں کے مستاجرین پر صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جائے تو مناسب ہے۔ اس لئے علامہ شامی فرماتے ہیں:

"فَإِنْ أَمْكَنَ أَخْذُ الْأُجْرَةِ كَامِلَةً يُفْتىٰ بِهٖ بِقَوْلِ الْإِمَامِ وَ إِلَّا فَبِقَوْلِهِمَا بِمَا يَلْزَمُ عَلَيْهِ مِنَ الضَّرَرِ الْوَاضِحِ الَّذِيْ لَا يَقُوْلُ بِهٖ أَحَدٌ. وَاللّٰهُ تَعَالىٰ أَعْلَمُ"۔

ترجمہ: لہٰذا اگر زمین کی پوری اجرت لینا ممکن ہو تو امام کے قول پر فتویٰ دیا جائے ورنہ صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جائے اس لئے کہ مؤجر کو واضح ضرر لازم آئے گا جس کا کوئی آدمی قول نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔

مزارعت کے مسائل:

• امام ابو حنیفہ کے نزدیک مزارعت پر زمین دینا جائز نہیں اور مزارعت کا عقد فاسد اور واجب الفسخ ہوتا ہے اور صاحبین کے نزدیک مزارعت جائز ہے اور عقد صحیح ہوتا ہے۔ فتویٰ صاحبین کے مذہب پر ہے۔ کیونکہ لوگوں کا تعامل اس پر ہے۔

• مزارعت کی زمین میں مالک اور مزارع دونوں پر اپنے اپنے حصہ پر عشر واجب ہوتا ہے اکثر کتب فقہ میں یہ تفصیل نہیں کہ اگر بیج مالک کی جانب سے ہو تو عشر مالک پر واجب ہوگا اور اگر بیج مزارع کی جانب سے ہو تو عشر دونوں پر واجب ہوگا بلکہ فقہ کی معتبر کتابوں بحر الرائق اور مجتبیٰ اور معراج اور سراج اور حقائق اور ظہیریہ اور بدائع میں مذکور ہے کہ مزارعت میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک عشر زمین کے مالک پر واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک مالک اور مزارع دونوں پر واجب ہے۔ چنانچہ بدائع کی عبارت ملاحظہ ہو:

"اِنَّ الْمُزَارِعَةَ جَائِزَةٌ عِنْدَهُمَا وَالْعُشْرُ يَجِبُ فِي الْخَارِجِ وَالْخَارِجُ بَيْنَهُمَا فَيَجِبُ الْعُشْرُ عَلَيْهِمَا" (درمختار۔ ص: ۲۷۸/۳)

ترجمہ: بے شک صاحبین کے نزدیک مزارعۃ جائز ہے اور عشر خارج ہونے والی فصل میں واجب ہے اور خارج فصل دونوں میں مشترک ہے لہٰذا عشر دونوں مالک اور مزارع پر واجب ہے۔

• اگر زمین خراجی ہو تو بالاتفاق خراج زمین کے مالک پر واجب ہوگا مزارع یا مستاجر پر واجب نہیں ہوگا کیونکہ خراج زمین کا ٹیکس ہوتا ہے پیداوار کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہوتا۔

حکومت کی زمینوں کا حکم:

• حکومت کے قبضہ میں مختلف قسم کی زمینیں ہوتی ہیں ایک زمین ہوتی ہے وقفی اور ایک مالکان کی متروکہ زمینوں کے مالک انڈیا، یا دوسرے ممالک چلے گئے اب

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

ان کے مالکوں کا علم نہیں ہے یا لاوارث زمینیں جن کا کوئی مالک نہیں یا موات زمینیں جن کو حکومت نے آباد کیا اور قبضہ کیا۔ وقفی زمینیں وہ ہوتی ہیں جن زمینوں کو ان کے مالکوں نے کارِ خیر کے اداروں یا کسی مدرسہ یا خانقاہ کے فقراء اور مساکین کے لئے وقف کیا تھا اور ان پر حکومت نے قبضہ کر لیا ہے۔ ان زمینوں سے ہونے والی آمدنی ان لوگوں یا اداروں پر خرچ کی جائے جن کے لئے مالکوں نے زمینیں وقف کی تھیں اکثر خانقاہوں کی زمینیں اسی قسم کے اوقاف ہوتے ہیں ان وقفی زمینوں کا حکم گذر چکا وہ عشری ہوتی ہیں۔

• اور متروکہ غیر مملوکہ زمینیں جن کو اراضی المملکۃ کہا جاتا ہے اگر حکومت لوگوں کو ایسی زمینیں اجرت یا مزارعۃ پر دے دیتی ہے، کاشتکاروں پر ان زمینوں کا عشر یا خراج واجب نہیں ہوگا یعنی حکومت جو مقرر کردہ اجرت لیتی ہے وہی کاشتکار پر اس کا عشر یا خراج سمجھا جائے گا۔ مصر اور شام کی زمینیں بالاتفاق خراجی تھیں صحابہ ءکرامؓ نے فتح کے وقت ان زمینوں کو خراجی قرار دیا تھا مگر مرور زمانہ سے ان کے مالکوں کا علم نہ رہا وہ فوت ہوگئے یا کہیں چلے گئے تو علماء نے فرمایا:

"مِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ الْاَرَاضِيْ الْمِصْرِيَّةُ وَالشَّامِيَّةُ كَمَا قَدَّمْنَاهُ وَيُؤْخَذُ مِنْ هٰذَا اَنَّهُ لَا عُشْرَ عَلَى الْمُزَارِعِيْنَ فِيْ بِلَادِنَا اِذَا كَانَتْ اَرَاضِيْهِمْ غَيْرَ مَمْلُوْكَةٍ لَهُمْ ۔الخ" (ردالمحتار۔ ص: ۲۷۸/۳)

ترجمہ: اسی قبیل سے مصری اور شامی اراضی ہیں جیسے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور اس سے یہ اخذ کیا جائے گا کہ ہمارے شہروں میں مزارعین پر کوئی عشر نہیں ہے جب یہ اراضی مزارعین کی مملوکہ نہ ہوں۔

• ہندوستان کی تقسیم کے بعد پاکستان میں غیر مسلم ہندوؤں اور سکھوں کی متروکہ زمینیں جو لوگوں میں تقسیم نہیں کی گئی اور حکومت پاکستان مزارعین کو ٹھیکہ یا مزارعت پر دیتی ہے اگر ان زمینوں کا کوئی مالک نہیں ہے، ان زمینوں کا

عشر مزارعین پر واجب نہیں ہوگا۔

ٹھیکہ پر دی گئی زمینوں کا حکم

● خلاصۃ الکلام عشر کے لحاظ سے اراضی کی تین قسمیں ہو گئیں (۱) اشخاص معینہ کی مملوکہ زمینیں (۲) وقف شدہ زمینیں (۳) غیر مملوکہ زمینیں۔

● (۱) اشخاص معینہ کی مملوکہ اراضی غیر خراجی: اگر مالک خود کاشت کرے، اس پر عشر واجب ہوگا اور اگر خود کاشت نہ کرے اجرت اور ٹھیکہ پر دے، عشر تو واجب ہوگا مگر امام ابو حنیفہ کے قول پر عشر زمین کے مالک پر واجب ہوگا کیونکہ زمین کی وجہ سے آمدنی مالک کو ملتی ہے اور مستاجر تو اپنی مزدوری اور عمل کے معاوضہ میں فصل کا مالک بنتا ہے جس طرح گندم خریدنے والے پر عشر واجب نہیں ہوتا اسی طرح مستاجر پر بھی عشر واجب نہیں ہوگا کیونکہ حاصل فصل اس کی اجرت ہے آج کل فتویٰ اسی قول پر ہونا چاہیے۔

● اور اگر مالک نے اپنی زمین مزارعت پر دی کہ فصل کا بٹوارہ آدھا آدھا یا مختلف ہوگا صاحبین کے نزدیک عشر مالک اور مزارع دونوں پر واجب ہوگا جیسا بدائع سے گذرا ہے، (ص: ۲۷۸/۳)۔ مگر امام صاحب کے نزدیک مزارعت میں بھی عشر مالک پر واجب ہوگا اگرچہ عقد مزارعت امام ابو حنیفہ کے نزدیک فاسد ہے پھر بھی امام صاحب کے نزدیک عشر مالک پر واجب ہوتا ہے۔ مزارعت میں زمین سے حاصل کل فصل کا مالک زمین کا مالک ہوتا ہے فساد مزارعۃ کی وجہ سے مزارع فصل کا مالک نہیں ہوتا زمین کا مالک یا تو تحقیقاً کل فصل کا مالک ہوتا ہے یا تقدیراً کیونکہ اگر بیج، مالک کی جانب سے ہے، کل فصل کا مالک حقیقی زمین کا مالک ہے، زمین بھی اس کی ہے اور بیج بھی اس کا ہے اور مزارع اجرت مثلی کا حق دار ہے اور اگر بیج مزارع کی جانب سے ہے تو فصل کا مالک مزارع ہوگا اور مالک کو زمین کی اجرت مثلی ملے گی جو کہ فصل کی صورت میں ہے مگر فصل میں مالک کے عشر کا حصہ مالک کی فصل کے

حصہ میں ہوگا اور مزارع کے عشر کا حصہ بھی زمین کے مالک کے ذمہ ہوگا کیونکہ عقدِ مزارعت فاسد تھا۔ (ص: ۲۷۸/۳) مزارعت میں فتویٰ صاحبین کے مذہب پر ہے۔ چنانچہ بدائع میں ہے:

"اِنَّ الْمُزَارِعَةَ جَائِزَةٌ عِنْدَهُمَا وَالْعُشْرُ يَجِبُ فِي الْخَارِجِ وَالْخَارِجُ بَيْنَهُمَا يَجِبُ الْعُشْرُ عَلَيْهِمَا" (ص: ۲۷۸/۳)

ترجمہ: بے شک مزارعۃ صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور عشر خارج فصل میں واجب ہوتا ہے اور خارج دونوں میں مشترک ہے لہٰذا عشر دونوں پر واجب ہوگا۔

● (۲) زمین کی دوسری قسم وقفی زمینیں: یعنی موقوفہ زمینیں اگرچہ وقفی زمینیں کسی شخص کی مملوکہ نہیں ہوتیں مگر وقفی زمینوں سے حاصل فصل کے مالک وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے لئے زمینیں وقف کی جاتی ہیں اگر وقفی زمین وہ لوگ کاشت کریں، جن پر زمین وقف ہے تو عشر انہیں پر واجب ہوگا اور اگر مزارعت پر دیں تو صاحبین کے قول کے مطابق عشر دونوں پر واجب ہوگا اور اگر اجرت پر کاشت کرائیں امام صاحب کے نزدیک عشر صرف موقوف علیہ لوگوں پر واجب ہوگا۔ اور اگر مزارعت پر کاشت کرائیں فتویٰ اس پر ہے کہ عشر موقوف علیہ اور کاشتکار دونوں پر واجب ہوگا۔

نوٹ: وقفی زمینوں کی متولی حکومت ہو یا ان کے نائبین ہوں یا پرائیویٹ لوگ یا مزارات کے سجادہ نشین وغیرہا ہوں عموما یہ لوگ وقفی زمینیں معمولی اجرت کے معاوضہ میں ٹھیکہ پر دے دیتے ہیں خواہ وہ رشوت لے لینے کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے اگر ایسا ہو تو صاحبین کے مذہب پر فتویٰ ہوگا اور عشر مستاجر کو دینا ہوگا تاکہ موقوف علیہم مستحقین کو پوری اجرت ملے۔ علامہ شامی نے فرمایا:

"قُلْتُ فِيْ زَمَانِنَا عَامَّةُ الْاَوْقَافِ مِنَ الْقُرٰى وَالْمَزَارِعِ

لِرَضَا الْمُسْتَاجِرِ بِتَحَمُّلِ غَرَأمَا تِہَا وَمُؤْنِہَا یَسْتَاجِرُ ھَا بِدُوْنِ اَجْرِ الْمِثَلِیْ بِحَیْثُ لَا تَفِی الْاُجْرَۃُ وَلَا اَضْعَافُھَا بِالْعُشْرِ اَوْخِرَاجِ الْمُقَاسِمَۃِ فَلَا یَنْبَغِی الْعُدُوْلُ عَنِ الْاِفْتَاءِ بِقَوْلِہِمَا فِیْ ذَالِکَ۔الخ (تا) فَاِنْ اَمْکَنَ اَخْذُ الْاُجْرَۃِ کَامِلَۃً یُفْتٰی بِقَوْلِ الْاِمَامِ وَ اِلَّا فَبِقَوْلِہِمَا" (ص:۳/۲۷۷)

ترجمہ: میں کہتا ہوں ہمارے زمانہ میں عام اوقاف بستیوں اور کھیتوں میں مستاجر اوقاف کے غرامات اور لوازمات برداشت کرنے پر راضی ہونے کی وجہ سے اجرت مثلی سے کم پر زمین مستاجری پر لے لیتا ہے یہاں تک کہ اجرت اور اس سے کئی گنا زیادہ اجرت عشر یا خراج مقاسمۃ کو پورا نہیں کرتی پس عشر میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دینے سے عدول نہ کیا جائے (تا) پس اگر کامل اجرت لینا ممکن ہو تو امام کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا ورنہ صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔

● (۳) **زمینوں کی تیسری قسم غیر مملوکہ زمین:** یعنی عامۃ المسلمین اور قوم کی زمینیں، ایسی زمینیں عموماً حکومت کے قبضہ میں ہوتی ہیں ایسی زمینیں اجرت پر دی جائیں یا مزارعت پر دی جائیں ان زمینوں کی فصل پر عشر واجب نہیں ہوتا جس طرح پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔

متفرق مسائل: بیت المال کے چار قسموں کا ذکر:

● ہر وہ شخص جس کا بیت المال میں شرعاً وظیفہ اور حصہ مقرر ہے، اگر حکومت نہ دے اور وہ لینے میں کامیاب ہو جائے، اس کے لئے حکومت کی اجازت کے بغیر اپنے حصہ کا مقدار لینا جائز ہے۔ قاضی اور عامل اور علماء اور مجاہد اور ان کی اولادیں اور علمِ دین کے طالبوں کا اور وعظ اور تبلیغ کرنے والے لوگوں کا بیت المال میں شرعاً حصہ ہوتا ہے کیونکہ بیت المال کے چار قسم ہیں: (۱) بیت الخراج والجزیہ

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

(۲) بیت الغنائم یا بیت الخمس (۳) بیت الصدقات (۴) بیت الضوائع اور اللقطات۔ گویا مختلف اموال کے لئے چار اکاؤنٹ مختص کیے گئے ہیں۔

● (۱) بیت الخراج والجزیہ میں ذمی/کافروں سے جزیہ اور ان کی زمینوں سے خراج (ٹیکس) جمع ہوتا ہے اس کا مصرف علماء اور قضاۃ اور طلباء کرتے ہیں۔

● (۲) بیت الغنائم میں مَعاوِن اور رکاز اور غنیمتوں کا خمس جمع ہوتا ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ۔ الآیۃ" (الانفال: ۴۱) اس بیت المال کے مصارف کا خود قرآن مجید میں ذکر ہے۔

● (۳) بیت الصدقات: اس میں جانوروں کی زکوٰۃ اور زمینوں کا عشر اور ان اموالِ تجارت کی زکوٰۃ، جو تاجر اپنے شہر میں دوسرے شہروں سے درآمد کرتے ہیں۔ اس بیت کا مصرف بھی قرآن مجید میں مذکور ہے: "اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ۔ الآیۃ" (التوبہ: ۶۰)

● (۴) بیت اللقطات کے مصارف کا ذکر فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ آج سے چار پانچ سو سال پہلے تک مسلمانوں کی حکومتیں اس شرعی حکم پر عمل کرتی آئی ہیں چار مختلف مدات میں جمع شدہ مال کو اپنے اپنے مصارف پر خرچ کیا جاتا تھا اگر کسی بیت المال کا مال اس کے مصارف سے کم ہوتا تھا حکومت دوسرے بیت المال (اکاؤنٹ) سے قرض لے کر بیت المال کے مستحقین کی حاجت پوری کرتی تھی مگر بعد میں یہ ظالمانہ اور آمرانہ حکومتوں میں سسٹم جاری نہ ہو سکا اب تو نہ جہاد ہے اور نہ خراج اور نہ جزیہ بلکہ ناجائز ٹیکسوں کی بھرمار ہے سیلز ٹیکس، ہاؤس ٹیکس، انکم ٹیکس وغیرہ وغیرہ۔

ظالم کی اجازت کے بغیر اپنا حق لینا جائز ہے:

● مذکورہ مسائل ذکر کرنے سے غرض یہ ہے کہ آدمی اگر ظالم حکومت یا ظالم آدمی کے مال سے اپنا حق اس کی اجازت کے بغیر لے سکتا ہے تو لے لے، اگر

• ہمارے ملک پاکستان میں بجلی اور گیس اور ٹیکس وغیرہا میں ظالم حکمران اور کمپنیاں اور تاجر عوام پر ناجائز اور طاقت سے زائد اور اصلی خرچ سے کئی گنا زیادہ پیسے وصول کر رہے ہیں اور یہ سراسر ظلم ہے اگر کوئی شخص صحیح حق سے زائد ظلم کی رقم سے بچ سکتا ہے تو اسکے لئے جائز ہے۔ کیونکہ حکومت کی جانب سے دائمی ٹیکس ظلم ہوتے ہیں، ٹیکسوں کی مد میں جمع اربوں روپے وزراء اور حکمران اپنی عیاشیوں پر اڑا رہے ہیں۔ بجلی اور گیس کے بلوں میں کمرشل اور ریزیڈنٹس کا فرق اور پھر انکم ٹیکس اور لائن رینٹ میں فرق اور بہت زیادہ غلط قسم کے مختلف ٹیکس وغیرہا وصول کیے جا رہے ہیں۔ اگر کوئی شخص ظلم کے ٹیکسوں سے بچنا چاہتا ہے، اس کو کوئی گناہ نہیں ہوگا لیکن بجلی اور گیس چوری کرنا اور حقوق واجبہ ادا نہ کرنا جائز نہیں ہے۔

• حکومتوں کو مفاد عامہ کے کاموں کے لئے لوگوں سے پیسے لینا جائز ہے جیسے نہریں کھدوانا اور فوج اور پولیس سیکورٹی کے لئے افراد مقرر کرنا اور ان کی تنخواہوں کے لئے لوگوں سے پیسے لینا اور جہاد یا قیدیوں کی رہائی کے لئے پیسہ لینا جائز ہے بلکہ عوام پر واجب ہے کہ حکومت کی جانب سے ان امور کے لیے واجبات ادا کریں۔ علامہ شامی نے قِنیہ سے نقل فرمایا ہے:

"وَقَالَ اَبُوْ جَعْفَرَ الْبَلْخِیُّ مَایَضْرِبُهُ السُّلْطَانُ عَلَی الرَّعِیَّةِ مَصْلِحَةً لَهُمْ یَصِیْرُ دَیْنًا وَاجِبًا وَحَقًّا مُسْتَحَقًّا کَالْخِرَاجِ وَقَالَ مَشَائِخُنَا وَکُلُّ مَا یَضْرِبُهُ الْاِمَامُ عَلَیْهِمْ لِمَصْلِحَةٍ لَهُمْ فَالْجَوَابُ هٰکَذَا حَتّٰی اُجْرَةُ الْحَرَّاسِیْنَ لِحِفْظِ الطَّرِیْقِ وَاللُّصُوْصِ وَنَصْبِ الدُّرُوْبِ وَاَبْوَابِ السِّکَکِ وَهٰذَا یُعْرَفُ وَلَا یُعَرَّفُ خَوْفَ الْفِتْنَةِ"

(ص: ۲۸۰/۳)

ترجمہ: اور ابو جعفر بلخی نے فرمایا رعایا پر جو مال سلطان مقرر کرتا ہے رعایا

صاحبِ حق نے اپنا حق بغیر اجازت لے لیا ہے تو اس کے لئے حلال اور طیب ہے۔ اگر حق بعینہ اس بیت المال سے لیا ہے جس میں اس کا حق ہے تو جائز ہے اور اگر دوسرے بیت المال سے اپنا حق لینے میں کامیاب ہو جائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ضرورت کی وجہ سے یہ بھی جائز ہے مگر غاصب سے اپنا حق لینے والے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مال کی جنس سے اپنا حق وصول کرے سونا اور چاندی اور مالِ تجارت اور کرنسی ایک جنس ہے۔ اگر صاحبِ حق کا حق ان چاروں میں سے کوئی ایک چیز ہے، وہ ان چاروں سے، جس کے لینے میں کامیاب ہو جائے لے سکتا ہے ظالم اور غاصب کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ (ردالمحتار)

امانت کا مالک نہ ملے تو امانت خود استعمال کر سکتا ہے:

• اگر امانت رکھے گئے مال کا مالک فوت ہو گیا اور اس کا کوئی وارث باقی نہیں ہے جس آدمی کے پاس امانت تھی وہ امانت کے مال کو اپنے اوپر صرف کر سکتا ہے مگر امانت کا مال کسی فقیر اور حاجت مند کو دے دے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

ظالم کے مالی ظلم کا دفاع جائز ہے:

• اپنے نفس اور مال سے حکومت کی جانب سے مالی ظلم روکنا اور دفاع جائز ہے بلکہ ضروری ہے بشرطیکہ دفاع کی وجہ سے کسی دوسرے آدمی کو نقصان نہ پہنچے اور دوسروں پر بوجھ نہ آئے مثلاً حکومت نے پوری قوم سے بغیر حق کے مال طلب کیا جس کی مقدار معین ہے۔ مثلاً ظالم حاکم نے حکم دیا کہ فلاں گاؤں کے ایک سو آدمی ایک لاکھ روپے جمع کرائیں۔ سب پر ایک ایک ہزار لازم آتا ہے اگر آدمی ایک ہزار اپنا حصہ بچا سکتا ہے تو بچا لے لیکن اگر یہ آدمی ہزار نہ دے اس کا حصہ دوسرے لوگوں کو دینا پڑتا ہے کیونکہ حاکم نے بلا امتیاز ایک لاکھ طلب کیا تھا، دفاع پر قادر آدمی کا حصہ دوسروں کو دینا پڑ جائے گا تو ایسی صورت میں آدمی دفاع نہ کرے، اپنا ہزار نہ روکے اور اگر دوسرے پر اس کا حصہ لازم نہیں آتا تو دفاع کر سکتا ہے۔

کی مصلحت کے لئے وہ خراج کی طرح دین واجب ہو جاتا ہے اور حق مستحق بن جاتا ہے۔ اور ہمارے مشائخ نے فرمایا اور ہر وہ چیز جو امام رعایا پر لازم کرتا ہے، رعیت کی مصلحت کے لئے۔ اس کا جواب اسی طرح ہے حتٰی کہ راستوں اور چوروں سے حفاظت کے لئے حراسین اور سیکورٹی کے لوگ اور دروب اور گلیوں کے دروازے نصب کرنے کے لئے اجرت لازم ہے اور یہ پہچانا جائے اور بتایا نہ جائے فتنہ کے خوف سے۔ الخ۔۔۔

● خلاصہ یہ ہے کہ عشر اور خراج کے علاوہ حکومت اپنی رعیت پر جو مالی ٹیکس لازم کرتی ہے جو رعیت اور عوام کی مصلحت کے لئے ہو، وہ تو لوگوں پر دین کی طرح واجب ہو جاتا ہے اور ادا نہ کرنے میں گناہ ہوتا ہے۔ اور مالی ٹیکس وغیرہ حکومت کے پاس لوگوں کی امانت ہوتی ہے حکومت پر عوام کی فلاح و بہبود اور مصلحتوں پر خرچ کرنا واجب ہوتا ہے اور اس میں خیانت پوری قوم کے ساتھ خیانت اور بددیانتی ہے اور عظیم گناہ ہے لیکن اس کا کیا علاج ہے جو موجودہ دور کی حکومتوں میں ہو رہا ہے کہ ٹیکس وغیرہا بددیانت حکمرانوں کے پیٹ میں چلے جاتے ہیں اور مفادِ عامہ کا کوئی کام نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر کوئی مظلوم ان کے ظلم سے بچنا چاہے تو کوئی حرج نہیں۔

نہایت ضروری گذارش:

● میری معلومات کے مطابق اولیاء کرام کی خانقاہوں اور آستانوں کے اکثر جانشین اپنی مملوکہ سینکڑوں اور ہزاروں ایکڑ زمینوں کی فصلوں اور باغوں سے حاصل پھلوں اور پھولوں سے عشر ادا نہیں کرتے یا تو جہالت کی وجہ سے کہ انہیں علم ہی نہیں کہ ہمارے اوپر عشر واجب ہے یا علم کے باوجود عشر ادا نہیں کرتے۔ ایسے سجادہ نشین فاسق ہیں، ان کی بیعت حرام ہے۔ نیز انتہائی ظلم یہ ہے کہ اپنے مریدوں سے ہزاروں بوریاں عشر جمع کریں گے اور نام نہاد پیران کرام اپنی حوائج

میں خرچ کریں گے اور فقراء کو ان کا مالک نہیں بنائیں گے۔

● یہ لوگ لاکھوں اور کروڑوں کی گاڑیوں میں گھومتے ہیں، کروڑوں مالیت کے بنگلوں میں رہتے ہیں، پُر تعیش زندگی گزارتے ہیں مگر مشائخ اور پیر کہلاتے ہیں۔ نہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور نہ عشر دیتے ہیں بلکہ دوسروں کی زکوٰۃ اور عشر خود ہضم کر جاتے ہیں۔ ایسے لوگ نہایت فاسق ہونے کی وجہ سے کسی آدمی سے بیعت لینے کے حقدار نہیں اور جاہل مریدوں اور خوشامدی مولویوں کی وجہ سے بزعم خویش اپنے آپ کو صالحین تصور کرتے ہیں۔ لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(محمد رفیق حسنی)

باب چہارم

الخمس

باب الخمس

معدنیات یعنی کان اور کنز وغیرھا میں خمس کے مسائل:

● معدنیات سے مراد وہ مال ہے جو اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر پیدا فرمایا ہے، کسی دوسرے کے عمل کو دخل نہیں۔ جیسے سونا اور چاندی اور لوہا وغیرہ اور کنز سے عموماً مراد وہ مال ہوتا ہے جو کسی آدمی نے زمین کے اندر دفن کیا تھا مگر خمس کے مسائل میں کنز سے مراد کافروں کی جانب سے دفن کردہ مال ہوتا ہے کیونکہ مسلمانوں کے مدفون مال میں خمس (پانچواں) حصہ واجب نہیں ہوتا۔ دراصل خمس جہاد کے ذریعہ حاصل غنیمت کے مال میں واجب ہوتا ہے اور مال غنیمت کافروں کا مال ہو سکتا ہے مسلمان کا مال نہیں ہو سکتا۔

● ہر وہ معدنی مادہ جو آگ میں نرم ہو جائے، اس میں قومی خزانے بیت المال کے لیے خمس واجب ہوگا باقی چار حصوں میں تفصیل یہ ہے۔ معدنی مادہ مثلاً سونا، چاندی، لوہا، تانبا اور پیتل وغیرہا اگر عشری ہونے کی صلاحیت رکھنے والی زمین یا خراجی زمین سے حاصل ہو، اس کا پانچواں حصہ بیت المال (جمیع المسلمین) کے لئے ہوگا اور باقی چار حصوں میں درج ذیل تفصیل ہے:

● (۱) مباح زمین جو کسی کے ملک میں نہیں ہے اور کسی نے اسے اپنے ملک میں لینے کے لئے محفوظ نہیں کیا اس میں ملنے والی معدنی دھات سے پانچواں حصہ بیت المال کے لئے ہوگا اور باقی چار حصہ واجد اور پانے والے کے ہوں گے۔

● (۲) مملوکۃ زمین جو سب مسلمانوں کے لئے مملوکہ ہے اس سے ملنے والا سارا معدنی مال بیت المال کے لئے ہوگا کیونکہ خمس تو بیت المال ہی کے لئے ہوتا ہے اور باقی چار حصّے زمین کے مالکوں عامۃ المسلمین کے لئے ہوں گے۔ لہٰذا وہ معدن عوام کے وکیل اور متولی سلطان کے زیرِ انتظام یعنی بیت المال کے لئے ہوں گے۔

(۳) معین اشخاص کی مملوکہ زمین میں پایا جانے والا سارا معدنی مال زمین کے مالک کا ہوگا خواہ واجد خود مالک ہو یا اس کا غیر ہو۔ شخصی مملوکہ زمین میں موجود معدنیات کے متعلق امام ابو حنیفہ سے دو روایتیں منقول ہیں۔ روایت الاصل یہ ہے کہ جس طرح گھر اور دوکان کے معدن میں خمس نہیں ہوتا اسی طرح شخصی مملوکہ زمین میں بھی خمس نہیں ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں زمین کا مالک سطح زمین سے تحت الثریٰ تک زمین کا مالک ہوتا ہے اور اس میں پوشیدہ سارے اجزاء کا بھی مالک ہوتا ہے اور معدنی مال بھی زمین کا جزء ہے لہٰذا معدن کا مالک وہی ہوگا جو زمین کا مالک ہے اس میں خمس نہیں ہوگا۔ اور امام صاحب سے دوسری روایت صاحبین کے موافق ہے کہ شخصی مملوکہ زمین میں پوشیدہ معدن میں خمس ہوگا باقی چار حصہ مالک کے ہوں گے۔ مملوکہ زمین گھر اور دوکان کی طرح نہیں ہے۔ ترجیح روایت الاصل کو دی جائے تو بہتر ہے۔ (رفیق حسنی)

- (۴) وقفی زمین میں موجود معدنیات کا خمس بیت المال کے لئے ہوگا باقی چار حصے واجد کے لئے ہوں گے مگر علامہ شامی کی بحث سے معلوم ہوتا ہے باقی چار حصے وقف کنندہ لوگوں کو ملیں گے کیونکہ وقفی زمین واقف کے ملک سے خارج نہیں ہوتی صرف منفعۃ کا صدقہ ہوتا ہے۔ امام صاحب کے نزدیک وقفی زمین کا مالک خود واقف ہوتا ہے اور صاحبین کے نزدیک وقفی زمین واقف کے ملک سے خارج ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ملک کے حکم میں ہوتی ہے چونکہ معدن منفعت نہیں ہے بلکہ زمین کے اجزاء سے ہے اس لئے معدن کے باقی حصے مالک کو ملیں گے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)
- چونکہ مکان اور اس کا صحن خراجی یا عشری نہیں ہوتے لہٰذا دار اور مکان میں موجود معدنیات مکان کے مالک کے ہوں گے، ان کا خمس نہیں نکالا جائے گا اور اگر جنگلات یا پہاڑ عشری اور خراجی ہوں، ان میں موجود معدنیات کا خمس بیت المال

کے لئے ہوگا اور باقی میں ذکر کردہ تفصیل کا اعتبار ہوگا۔

کنز کا حکم:

- کفار کا مدفون مال کنز کہلاتا ہے۔ کفار کے دفن شدہ سونے اور چاندی کا خمس بیت المال کے لئے ہوگا اور باقی چار حصوں کا حکم مذکورہ چار قسم کی زمینوں میں موجود معدنیات والا ہوگا۔ کنز کافروں کا مدفون مال اگرچہ مسلمانوں کے گھر یا دوکان یا مملوکہ زمین میں پایا جائے اس کا خمس لازمی ہوگا۔

معدن کی تعریف:

- "کل جامد ینطبع بالنار" (درمختار: ۳/۳۶۰) ہر وہ جامد چیز جو آگ سے نرم ہوجائے جیسے سونا، چاندی، لوہا، تانبا، سکہ وغیرہا۔ اس تعریف میں جامد کے لفظ سے مائع اور سیال مادہ خارج ہوگیا جیسے پانی اور نمک اور تارکول۔ جس سے کشتیوں کو لیپ کیا جاتا ہے اور آج کل پیٹرول اور گیس وغیرہا، یہ اشیاء معدن نہیں ہوں گے، لہٰذا ان اشیاء میں خمس نہیں ہوگا۔ اور تعریف میں "ینطبع" کے لفظ سے غیر منطبع اشیاء خارج ہوگئیں یعنی آگ میں نرم نہ ہونے والی قیمتی جواہرات اور یواقیت بھی خارج ہوگئے، ان میں بھی خمس نہیں ہوگا۔
- فقہاء کرام نے جو معدن کی تعریف فرمائی ہے، اس سے کنز خارج ہوگیا فقط سمندری کنز کے علاوہ سب کنوز میں خمس واجب ہوگا۔ درمختار میں ہے:

"وَالْحَاصِلُ اَنَّ الْکَنْزَ یُخَمَّسُ کَیْفَ کَانَ وَالْمَعْدَنَ اِنْ کَانَ یَنْطَبِعُ" (ص: ۳/۲۶۰)

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ کنز مدفون کا خمس نکالا جائے گا جیسا بھی ہو (زمین کی جنس سے ہو یا نہ مگر مال متقوم ہو) اور معدن میں خمس تب واجب ہوگا کہ آگ میں نرم ہونے والا مادہ ہو۔

گیس اور تیل میں خمس واجب ہونا چاہیے:

• اگر کہا جائے کہ جامد اور منطبع کی شرط اور قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔ غیر جامد اشیاء بھی معدنیات میں داخل ہیں تو پیٹرول اور گیس بھی معدن کی تعریف میں داخل ہو جائے گا اور ان میں بھی خمس واجب ہوگا۔ موجودہ زمانہ میں زمین سے ملنے والے پیٹرول اور گیس اور کوئلہ نہایت قیمتی اثاثے ہیں۔ فقہاء کرام کی نظر ہمیشہ اپنے زمانہ میں دستیاب اموال کے تعامل کے تناظر میں قرآن وسنت کی روشنی میں مسائل کا استنباط رہا ہے ہزاروں کی تعداد میں اجتہادی مسائل امت کی فلاح اور خیر کے اعتبار سے لکھے گئے اور امور کی تعریفات اپنے زمانہ کی دستیاب اشیاء کے اعتبار سے کی گئیں تاکہ مشکلات پیش نہ آئیں لہٰذا اکثر مسائل کا مدار فقہاء کرام کے زمانہ کے عرف کو حاصل ہے اور فقہاء کرام نے معدن کی تعریف بھی اپنے زمانہ کے اعتبار سے فرمائی ہوگی۔ اس وقت ان کے ذہن میں تیل اور گیس کا تصور بھی نہیں ہوگا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں سب مالوں سے زیادہ قیمتی مال گیس اور تیل اور ان سے حاصل فوائد ہوں گے۔ اگر مجتہدین آج زندہ ہوتے تو آج معدن کی جامد اور غیر جامد دستیاب اشیاء کو شاملِ تعریف فرماتے لہٰذا اگر معدن کی تعریف عام کر دی جائے تو بہتر ہوگا تاکہ خمس سے سادات اور فقراء کی کفایت اور کفالت ہو سکے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (رفیق حسنی)

• صحاح ستہ میں ایک حدیث شریف موجود ہے:

"اَلْعَجْمَاءُ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ وَالْمَعْدَنُ جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ"

(اَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ۔) (بحوالہ ردالمحتار ص: ۳/۲۵۸)

ترجمہ: جانور اور کنویں معاف ہیں اور معدن معاف ہے اور رکاز میں خمس ہے۔

• امام ابو یوسف نے اپنی "کتاب الخراج" میں نقل فرمایا کہ اہل سفر اور جاہلیت

میں جب کوئی آدمی کسی کنویں میں گر کر مر جاتا، اس کی دیت اور تاوان کنواں ہوتا اور جب کسی شخص کو جانور قتل کرتا وہ جانور اس کی دیت ہوتا۔ جب کسی آدمی کو معدن قتل کرتا وہ معدن اس کی دیت ہوتا۔ جناب سرور دو عالم ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا جانور کے ہلاک کردہ آدمی میں کوئی چیز واجب نہیں ہے اور کنویں میں ہلاک ہونے والے میں کوئی چیز واجب نہیں اور معدن سے ہلاک شدہ میں کوئی چیز نہیں اور رکاز میں خمس ہے عرض کیا گیا رکاز کیا ہے؟ فرمایا رکاز سونا اور چاندی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں اس دن پیدا فرمایا تھا جس دن زمین کو پیدا کیا گیا۔

• چونکہ فقہاء کی تحقیق سے ثابت ہے کہ معدن اور کنز دونوں کو رکاز کا لفظ شامل ہے اس لئے دونوں میں خمس واجب ہوگا۔ اسی حدیث کی روشنی میں فقہاء کرام نے معدن اور کنز کی تعریف فرمائی چونکہ اس وقت لوگوں میں زمین میں پائی جانے والی اشیاء میں سونے اور چاندی کو شہرت حاصل تھی۔ عوام کو گیس اور تیل کے زمین میں ہونے کا علم نہیں تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے رکاز کی تعریف عوامی ذہن کے لحاظ سے کرتے ہوئے ذکر فرمادی مگر یہ فرمایا کہ سونا اور چاندی زمین میں اس دن پیدا کیے گئے جس دن زمین کو پیدا کیا گیا۔ اگر دیکھا جائے تو گیس اور تیل بھی اسی دن سے زمین میں پوشیدہ تھے جس دن زمین کو پیدا کیا گیا لہٰذا فقہاء کی کردہ تعریف میں توسع کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (رفیق حسنی)

جواہر اور یواقیت اور سمندری خزائن میں خمس نہیں ہے:

• یاقوت، زمرد، فیروزہ اور اسی قسم کے قیمتی پتھر چونکہ آگ میں نرم نہیں ہوتے اور پہاڑوں میں پائے جاتے ہیں یہ معدن نہیں کہلاتے اور ان میں خمس نہیں ہے ان کو رکاز کا لفظ شامل نہیں ہے اور لؤلؤ (موتیوں) میں خمس نہیں ہے جو کہ موسم ربیع کی بارش کے قطرے سیپ میں موتی بنتے ہیں اور عنبر میں جو کہ سمندر سے

ملتا ہے اور ہر وہ چیز جو سمندر سے ملتی ہے اگرچہ سونا یا مدفون خزانہ ہو ان میں خمس نہیں ہے کیونکہ سمندر کے باطن پر مسلمانوں کا قبضہ نہیں ہے اس لئے یہ سمندری دفینے مال غنیمت نہیں اور ان میں خمس نہیں ہو گا سارا مال واجد کا ہو گا۔

(در مختار، ردالمحتار)

• موجودہ دور میں سمندر کے باطن پر قبضہ ہو چکا ہے اور سمندر کا باطن تقسیم بھی ہو چکا ہے۔ مختلف ممالک کے سمندروں کے پانیوں پر اور ان کے تحت زمین، تحت الثریٰ اور پہاڑوں میں انتہائی حد تک مالکانہ قبضے ہو چکے ہیں۔ ایک ملک دوسرے ملک کے سمندری حدود اور باطن کو بغیر اجازت استعمال نہیں کر سکتا۔ اب ان حالات میں فقہاء کا یہ فرمانا کہ

"وَلَوْ ذَهَبًا كَانَ كَنْزًا فِي قَعْرِ الْبَحْرِ لِاَنَّهُ لَمْ يَرِدْ عَلَيْهِ الْقَهْرُ فَلَمْ يَكُنْ غَنِيْمَةً" (ص: ۲۶۰/۳)

یعنی یہ کہ سمندر کی گہرائی سے جو چیز بھی خارج ہو اگرچہ سونے کے زیورات ہوں وہ کنز ہے۔ (کفار کا مال) سمندر کی گہرائی میں ہو، اس میں خمس نہیں ہے۔ اس لئے کہ سمندر کی گہرائی پر مسلمانوں کا قہر اور غلبہ واقع نہیں ہوا پس وہ غنیمت نہیں ہو گا۔

کیسے صحیح ہو سکتا ہے، لہٰذا تعریفات اور اجتہادی احکام بدلنے ہوں گے۔ (رفیق حسنی)

• الحمد للہ ترکوں کے دور سے مسلمانوں کا سمندر کے ظاہر اور باطن کے اکثر پر قبضہ ہو گیا تھا اور اب بھی اسلامی ملکوں کے اپنے اپنے سمندر موجود ہیں لہٰذا مفتوحہ سمندروں میں پائے جانے والے معادن اور کنوز مال غنیمت ہونے چاہئیں اور ان میں فقراء کے لئے خمس واجب ہونا چاہیے مگر آج کل خود اسلامی غیر شرعی حکومتیں سمندری اور غیر سمندری معادن زمین کے مالکان یا کسی دوسرے کو استعمال کرنے اور ان سے فقراء اور سادات کے لئے خمس نکالنے کی اجازت نہیں

دیتیں جو کہ سراسر ظلم ہے۔ (رفیق حسنی)

• اگر غیر مملوکہ زمین میں مدفون کنوز (سونا، چاندی وغیرہا) پر اسلامی علامات پائی جائیں تو ان کا حکم لقطہ والا ہو گا یہ کہ مساجد وغیرہا میں اعلانات کرائے جائیں اگر مالک مل جائے تو حاصل کنز مالک کو دے دیا جائے اور اگر ظن غالب ہو کہ اب مالک نہیں ملے گا تو واجد پانے والا اگر فقیر ہو تو اپنے استعمال میں لا سکتا ہے اور غنی ہو تو کسی دوسرے فقیر پر خرچ کر دے مگر ضمان شرط ہے کہ اگر مالک مل گیا تو واجد کو ضمان دینا ہو گی اور واجد کو عدم طلب کا ظن کہ اب مالک طلب نہیں کرے گا مال کی کثرت اور قلت کی وجہ سے مختلف ہو سکتا ہے اور انتظار کا وقت بھی مختلف ہو سکتا ہے۔

• مدفون کنوز سکّے یا زیورات یا موتیوں پر اگر کفر کی علامتیں موجود ہوں، ان میں خمس واجب ہو گا۔ آج کل واجد خود خمس سادات میں تقسیم کر دے، حکومت کے پاس جمع نہ کرائے کیونکہ حکومتیں خائن ہیں، فقراء اور سادات کو بھول چکی ہیں اور باقی چار حصے واجد کے لئے ہوں گے اور اگر ملنے والی اشیاء مملوکہ زمین میں تھیں تو باقی چار حصے اس مالک کے لئے ہوں گے جو سب سے پہلے اس زمین کا مالک ہوا تھا اور مسلمان حاکم نے اس کو وہ زمین دے دی تھی اگر وہ زندہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو ملے گا ورنہ باقی چار حصے بھی بیت المال کے لئے ہوں گے جو کہ سادات اور فقراء میں تقسیم کر دیے جائیں۔

• اور اگر زمین یا پہاڑ کسی کا مملوک نہیں ہے تو سارا مال واجد کا ہو گا۔ علامہ شامی فرماتے ہیں اگرچہ مملوکہ زمین سے کنز ملے مگر اس کے مالک یا وارث نہ ملیں تو امام ابویوسف کے نزدیک اس صورت میں بھی باقی مال واجد کا ہو گا بیت المال کا نہیں ہو گا۔ علامہ شامی امام ابویوسف کے فتویٰ کی ترجیح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قُلْتُ وَهُوَ حَسَنٌ فِي زَمَانِنَا لِعَدَمِ اِنْتِظَامِ بَيْتِ الْمَالِ۔ الخ"

یعنی میں کہتا ہوں یہ فتویٰ ہمارے زمانہ میں خوبصورت ہے کیونکہ بیت المال کا انتظام صحیح نہیں ہے۔

آج کل خمس حکومت کو نہ دیا جائے:

• صاحب البحر نے مبسوط سے نقل کیا کہ آج کل خمس بیت المال میں جمع نہ کرایا جائے بلکہ واجد یا مالک فقیر ہے تو خمس خود اپنے اوپر خرچ کرلے اور اگر غنی ہے تو فقراء پر صدقہ کردے کیونکہ کنوز اور دفینے حکومت کی حمایت کے محتاج نہیں ہوتے جیسے اموال باطنیہ حکومت کی حمایت کے محتاج نہیں ہوتے لہٰذا کنوز کا حکم اموال باطنیہ کی زکوٰۃ کی طرح ہوگا حکومت کو ان کا خمس دینا واجب نہیں ہوگا جیسے اموال باطنیہ کی زکوٰۃ حکومت کو دینا واجب نہیں ہوتا۔

• بلکہ موجودہ دور میں اموال ظاہرہ ہوں یا باطنیہ یا حیواناتِ سائمہ سب کی زکوٰۃ مالک خود فقراء اور مستحقین کو ادا کریں حکومت کے اکاؤنٹ میں جمع نہ کرائیں۔ نہایت خائن حکمرانوں کی وجہ سے زکوٰۃ صحیح مصارف پر خرچ نہیں کی جاتی راشی افسران اور حکمرانوں کی جیب میں چلی جاتی ہے۔ (محمد رفیق حسنی)

حربی کفار کو معادن تلاش کرنے کی اجرت دینے کا حکم:

• حربی کافر مستأمن (جس نے اسلامی ملک میں کام کرنے تک رہنے کی اجازت حاصل کی ہوئی ہے) اگر دارالاسلام کے پہاڑوں اور جنگلات میں حکومت اور مالکوں کی اجازت سے معادن تلاش کرتا ہے، اُسے صرف طے شدہ اجرۃ ملے گی اور دریافت شدہ معادن زمین یا پہاڑ کے مالک کے ہوں گے۔ اگر حکومت مالک ہے یا زمین اور پہاڑ کا کوئی مالک نہیں تو معادن حکومت کے ہوں گے، ان میں خمس فقراء اور سادات کے لیے ہوگا۔ (ردالمحتار، باب الخمس)

• موجودہ دور میں پیٹرول، گیس اور بجلی سب اشیاء سے اہم، مہنگی اور کثرت سے استعمال ہونے والی اشیاء میں سے ہیں۔ غیر ملکی کافروں کی کمپنیاں تیل اور گیس یا

دیگر معادن تلاش کرتی ہیں شرعاً انہیں طے شدہ اجرت ملے گی اور تلاش شدہ گیس یا تیل اور معادن اور کوئلہ وغیرہا زمین یا پہاڑوں کے مالکان کا ہوگا۔ قدیم فقہاء کے فتوی کے مطابق معادن میں سے وہ معدن جو آگ میں نرم ہو سکتا ہے اس میں فقراء اور سادات کے لئے خمس واجب ہوگا اور غیر معادن مثلاً گیس اور تیل وغیرہا میں خمس نہیں ہے اور ان میں فقراء اور سادات کا کوئی حصہ نہیں ہے مگر تیل اور گیس فروخت کردہ مقدار کی مالک پر زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ تیل اور گیس وغیرہا مالِ تجارت میں داخل ہیں۔ ہم ذکر کرچکے ہیں، تیل اور گیس میں خمس واجب ہونا چاہیے اور خمس سادات میں تقسیم کیا جائے کیونکہ سادات زکوٰۃ نہیں لے سکتے، ان کی کفالت خمس سے کی جائے۔ (رفیق حسنی)

دارالحرب میں قدرتی معادن ملنے کا حکم:

• دارالحرب (کافروں کے ملک) کے غیر مملوکہ صحراؤں یا پہاڑوں میں معدن یا مدفون خزانہ مل جائے وہ سارا واجد کا ہوگا اس میں خمس نہیں ہوگا اگرچہ واجد مستأمن اور ویزا اور اجازت حاصل کردہ مسلمان ہو کیونکہ دارالحرب میں واجد کی مثال متلصص (چور) کی ہے اور غیر مملوکہ صحراؤں پر کفار کا ملک نہیں ہوتا لہٰذا واجد کا ان کے ساتھ غدر نہیں ہوگا اور خمس نہیں ہوگا کیونکہ واجد متلصص کی طرح غیر معاہد ہے اور خمس اس مال میں ہوتا ہے جو مال غنیمت کی طرح مسلمانوں کے قہر اور غلبہ سے حاصل ہو۔

• اگر مستامن مسلمان کافروں کی مملوکہ زمین میں معدن یا کنز پالے، کافروں کو واپس کردے تاکہ معاہدہ کے خلاف ورزی اور غدر نہ ہو اور اپنی اجرت لے لے۔

• اگر دریافت شدہ مال محظور مستأمن واجد اپنے وطن دارالاسلام لے آیا تو اس مال کا صدقہ کردے کیونکہ خلاف معاہدہ غدر سے حاصل مال اس واجد کے ملک میں ملک خبیث کے ساتھ آیا ہے لہٰذا اسے صدقہ کردیا جائے۔ (درمختار)

● اگر کافروں کی مملوکہ زمین سے معدن یا کنز پانے والا مسلمان واجد غیر مستأمن ہے یعنی ویزا کے بغیر دار الحرب داخل ہوا تھا اس کے لئے کافروں کا دفینہ اور معدن مباح ہے اور اس میں خمس بھی نہیں ہے۔ مباح ہونے کی وجہ یہ ہے اس واجد نے مباح مال بغیر غدر اور دھوکہ کے حاصل کیا کیونکہ حربی کافر مباح الدم اور مباح المال ہوتے ہیں اور غدر بھی نہیں ہے کیونکہ واجد نے ویزا اور اجازت لے کر کفار سے کوئی معاہدہ نہیں کیا ویزا لیا ہی نہیں اور خمس اس لئے نہیں کہ واجد متلصص کی طرح ہے اور مقبوض مال مال غنیمت کے حکم میں نہیں ہے۔ در مختار میں ہے:

"وَلَوْ وَجَدَهٗ اَیِ الرِّکَازَ غَیْرُہٗ اَیْ غَیْرُ مُسْتَأْمِنٍ فِیْهَا اَیْ فِیْ اَرْضٍ مَمْلُوْکَةٍ لَهُمْ حَلَّ لَهٗ فَلَا یُرَدُّ وَلَا یُخَمَّسُ لِمَا مَرَّ بِلَا فَرْقٍ بَیْنَ مَتَاعٍ اَوْ غَیْرِهٖ" (ص: ۲۶۳/۳)

یعنی اگر رکاز (معدن اور کنز) غیر مستأمن نے ان حربی کافروں کی مملوکہ زمین میں پایا اس کے لئے وہ حلال ہے پس وہ کافروں کو واپس نہیں کیا جائے گا اور اس کا خمس بھی نہیں نکالا جائے گا جیسے کہ پہلے گذر چکا ہے بغیر فرق کرنے کے سامان یا غیر سامان کے یعنی ہر چیز کا یہی حکم ہوگا۔

باب پنجم

المصارف

باب المصارف

زکٰوۃ کے مصارف کا بیان:

- زکٰوۃ اور عشر کے مستحق جن کو زکٰوۃ کا مال دینے سے زکٰوۃ ادا ہو جاتی ہے اور ان کے علاوہ کسی دوسرے کو زکٰوۃ کا مال دیا جائے تو زکٰوۃ ادا نہیں ہوتی، ان مصارف کا قرآن مجید میں ہی ذکر کیا گیا ہے (سورۃ توبہ: آیت/ ۶۰)

"اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ"

ترجمہ: بے شک صدقات وزکٰوۃ تو انہی لوگوں کے لئے ہیں جو فقراء اور مساکین اور جو اسے حاصل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام کی الفت دی جائے اور غلام آزاد کرنے اور قرضداروں کو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور مسافروں کو، یہ اللہ تعالیٰ کے جانب سے فرض ہے، اللہ تعالیٰ علم اور حکمت والا ہے۔

- زکٰوۃ کے مستحقین آٹھ لوگ ہیں۔(۱) فقراء،(۲) مساکین،(۳) عامل، (۴) مکاتب،(۵) مؤلفۃ القلوب،(۶) مدیون،(۷) فی سبیل اللہ اور(۸) ابن السبیل (مسافر)۔ اور خمس کے مصارف کا ذکر سورۃ انفال آیت ۴۱ میں موجود ہے جو کہ فقہ کی کتابوں میں جہاد کے ابواب میں ذکر کیا گیا ہے جو لوگ غنیمت کے مستحق ہیں وہی لوگ معادن اور کنوز میں خمس کے مستحق ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ان کا ذکر کیا جائے گا۔

پہلا مصرف فقیر:

- فقیر زکٰوۃ کا مستحق ہوتا ہے، فقیر وہ شخص ہے جو مال نامی کے نصاب سے کم

مقدار کا مالک ہو یا مال نامی کے نصاب کا مالک ہو مگر وہ نصاب دین میں غرق ہو۔ (در مختار، رد المحتار)

- مال نامی سے مراد نقود اور تجارت کے اموال ہوتے ہیں۔ فقیر سے مراد وہ ہے جو مذکورہ تین مالوں میں سے اور حاجۃ اصلیہ سے زائد کسی دوسرے مال سے دو سو درہم (ساڑھے باون تولے 636.148 گرام چاندی) کی مالیت کے مال کا مالک نہ ہو۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ نصاب کے دو قسم ہیں: ایک نصاب وہ ہے جس کی وجہ سے نصاب کے مالک پر زکٰوۃ واجب ہو اور دوسرا نصاب وہ ہے جس کی وجہ سے نصاب کے مالک پر قربانی اور صدقۃ الفطر، اور قریبی محرم لوگوں کا نفقہ واجب ہو اور وہ زکٰوۃ کا مصرف نہ ہو اور اسے زکٰوۃ لینا حرام ہو مگر اس پر اپنے مال کی زکٰوۃ بھی واجب نہ ہو۔
- نصاب موجب زکٰوۃ مال نامی کا وہ نصاب ہے جو دین سے خالی ہو مثلاً سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ اور مالِ تجارت کا نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کا ہونا۔ ان تینوں اموال کے نصاب کے مالک پر قربانی اور صدقۃ الفطر اور قریبی محرم لوگوں کا نفقہ کے علاوہ زکٰوۃ بھی واجب ہوتی ہے۔
- دوسرا نصاب مال کا وہ نصاب ہے جو مالی نامی کا نصاب نہ ہو یعنی مذکورہ تین اموال میں کسی کا کامل نصاب نہ ہو بلکہ اس کی قیمت نصاب بنتی ہو یا حاجتِ اصلیہ سے زائد غیر نامی مال کا نصاب ہو کہ اس کی مالیت چاندی یا سونے کے نصاب کی مالیت کے برابر ہو اور وہ مال حاجات اصلیہ کے اموال سے نہ ہو اور دین سے خالی ہو ایسے نصاب کے مالک پر زکٰوۃ تو واجب نہیں ہوتی کیونکہ زکٰوۃ کا تعلق تحقیقاً یا تقدیراً مال نامی کے ساتھ ہوتا ہے مگر ایسے شخص پر زکٰوۃ لینا حرام ہوتا ہے ایسا آدمی غنی کہلاتا ہے فقیر نہیں ہوتا اس لئے اس کو زکٰوۃ لینا حرام ہوتا ہے۔

• مثلاً کسی شخص کے ملک میں استعمال اور زینت کے لئے یاقوت یا زمرد اور دیگر قیمتی جواہر موجود ہیں جنکی قیمت میں چاندی کا ایک نصاب یا متعدد نصاب بن سکتے ہیں مگر یہ جواہر تجارت کے لئے نہیں ہیں، وہ غنی ہے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ چونکہ جواہر مال نامی نہیں اس لیے ان کے مالک پر ان کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی مگر ایسے آدمی پر صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہے۔ تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

• ردالمحتار میں ہے:

"وَالْحَاصِلُ اَنَّ النِّصَابَ قِسْمَانِ مُوْجِبٌ لِلزَّكٰوةِ وَهُوَ النَّامِيْ الْخَالِيْ عَنِ الدَّيْنِ وَغَيْرُ مُوْجِبٍ لَهَا وَهُوَ غَيْرُهٗ فَاِنْ كَانَ مُسْتَغْرِقًا بِالْحَاجَةِ لِمَالِكِهٖ اَبَاحَ اَخْذَهَا وَاِلَّا حَرَّمَهٗ وَاَوْجَبَ غَيْرَهَا مِنْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ وَالْاُضْحِيَّةِ وَنَفَقَةِ الْقَرِيْبِ الْمَحْرَمِ كَمَا فِي الْبَحْرِ وَغَيْرِهَا"

(ص: ۳/۲۸۴)

ترجمہ: حاصل کلام یہ ہے کہ نصاب کی دو قسمیں ہیں ایک موجب زکوٰۃ اور وہ مال نامی کا نصاب ہے جو دین سے خالی ہوتا ہے اور دوسرا نصاب جو زکوٰۃ کو واجب نہ کرے وہ نصاب مال نامی کے نصاب کا غیر ہے اگر وہ مال مالک کی حاجت میں مستغرق ہو اسے زکوٰۃ لینا مباح ہے اگر حاجت سے زائد مال کا نصاب بنتا ہے اسے زکوٰۃ لینا حرام ہے اور وہ نصاب واجب کرتا ہے زکوٰۃ کے غیر صدقہ الفطر اور قربانی اور قریبی محرم کے نفقہ کو جیسا کہ بحر الرائق اور اس کے غیر میں مذکور ہے۔

• معلوم یہ ہوا وہ غنی جس کو زکوٰۃ لینا حرام ہے اور اس پر صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہے، وہ شخص ہوتا ہے جس کے ملک میں حاجت اصلیہ کے علاوہ کوئی مال دو سو درہم کی مالیت کا موجود ہو جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

• دودھ دینے والی گائے یا بھینس حاجت اصلیہ میں داخل نہیں ہے۔ جس شخص کے ملک میں دودھ دینے والی گائے یا بھینس موجود ہو، جس کی قیمت دو سو درہم ہو ایسی گائے یا بھینس کے مالک کو زکوٰۃ لینا حرام ہے اور اس پر صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہے اور بیل حاجت اصلیہ میں داخل ہیں اس لئے ان کا مالک زکوٰۃ لے سکتا ہے۔

• غنی کے مقابلہ میں جس فقیر کا ذکر کیا جاتا ہے، وہ شخص ہے جس کے ملک میں حاجۃ اصلیہ کے علاوہ دو سو درہم مالیت کا کوئی مال موجود نہ ہو اس فقیر کو زکوٰۃ لینا جائز ہے، اس پر صدقۃ الفطر اور قربانی واجب نہیں ہوتی۔ یعنی غنی کی دو قسمیں ہیں: ایک غنی جس پر زکوٰۃ اور قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے۔ دوم غنی جس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی مگر قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے اور اسے زکوٰۃ دینا اور اس کو زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ اور فقیر ان دو کے ماسوا کو کہا جاتا ہے۔ بعض لوگ اس آدمی کو بھی فقیر سمجھتے ہیں جس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی مگر قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے۔

• قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں فقیر کا اطلاق مسکین کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے اور فقہاء نے فقیر کی تعریف یہ فرمائی: "هُوَ مَنْ لَهٗ اَدْنٰى شَيْءٍ" اور مسکین کی تعریف فرمائی: "مَنْ لَّا شَيْءَ لَهٗ" یعنی فقیر وہ ہے جس کے ملک میں کچھ مال ہو اور مسکین وہ ہے جس کے ملک میں کچھ نہ ہو۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے: "اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ" (البلد: ۱۶) یا مسکین جو تراب والا ہے یعنی جس نے کپڑے نہ ہونے کی وجہ سے گڑھا کھود کر اپنی جلد اور ستر کو مٹی سے چھپایا ہوا ہے۔ (شامی)

• زکوٰۃ کے وجوب میں غنی سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو مال نامی میں سے کسی مال کے نصاب کا مالک ہو اور اس کا نصاب دین سے خالی ہو۔

(خلاصہ درمختار اور ردالمحتار ۳/۲۸۴)

ایک تولہ سونے کے مالک پر قربانی اور فطرہ واجب ہے:

• جیسا کہ غنی کی تعریف میں گذر چکا ہے موجودہ زمانہ میں اگر کسی آدمی کے پاس ایک تولہ سونا ہو جسکی قیمت دو سو درہم کے مساوی بنتی ہے اس پر قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہوگا اگرچہ زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ صدقۃ الفطر اور قربانی کے وجوب کے لئے دو سو درہم کی مالیت کے مال کا ہونا لازم ہے، زکوٰۃ کے نصاب کا ہونا لازم نہیں۔ اسی طرح اگر کسی آدمی کے ملک میں حیواناتِ سائمہ میں سے ایک اونٹ یا ایک بھینس یا گائے یا متعدد بکریاں موجود ہیں اگرچہ حیواناتِ سائمہ کا اپنا نصاب نہیں ہے اور اس جانور یا جانوروں کی قیمت دو سو درہم یا زائد بنتی ہے تو اس پر صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہے اور زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

آج ایک گائے یا بھینس ملک میں ہو تو بھی قربانی اور فطرہ واجب ہے:

• غلط فہمی کا ازالہ: بعض علماء سمجھتے ہیں آدمی کے ملک میں زکوٰۃ کے تین اموال میں سے کوئی مال زکوٰۃ کے نصاب تک نہ پہنچتا ہو، اس پر جس طرح زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی صدقۃ الفطر اور قربانی بھی واجب نہیں ہوتی۔ مثلاً وہ علماء کہتے ہیں جس آدمی کے پاس دودھ والی یا سائمہ بھینس موجود ہے اور اس کی قیمت دو سو درہم چاندی یا اس سے زائد ہے یا ایک یا دو تولہ سونا موجود ہے اور اس سونے کی قیمت چاندی کے نصاب کے برابر یا زائد ہے اس پر صدقۃ الفطر اور قربانی واجب نہیں ہوگی، علماء کا یہ قول غلط ہے کیونکہ بھینس یا گائے حاجتِ اصلیہ میں داخل نہیں، دودھ والی بھینس اور گائے حیوانات علوفۃ سے ہو یا سائمہ ہو یا تجارت کے لیے ہو، تینوں صورتوں میں اس کی دو سو درہم چاندی قیمت ہونے پر صدقہ اور قربانی واجب ہوگی۔

• حیوانات میں حیوانات علوفہ اور سائمہ یا تجارتی حاجت اصلیہ میں داخل نہیں ہوتے حاجت اصلیہ سے زائد ہوتے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ علوفہ اگر اپنے

نصاب یا نصاب سے زائد ہوں، ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور سائمہ کا اگر نصاب موجود ہے، ان کی زکوٰۃ مالک پر واجب ہوتی ہے لیکن دونوں میں سے کسی کی مالیت اگر چاندی کے نصاب کے برابر ہے تو وہ شخص غنی ہوگا زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہوگا اور صدقۃ الفطر اور قربانی اس پر واجب ہوگی اور وہ حیوانات جو بردباری یا کاشت کاری کے لئے ہوتے ہیں وہ حاجت اصلیہ میں داخل ہوتے ہیں صدقۃ الفطر اور قربانی اور زکوٰۃ کے وجوب میں ان کا اعتبار نہیں ہوتا اسی طرح صرف ایک یا دو تولہ سونا کے مالک پر زکوٰۃ تو واجب نہیں ہوگی مگر صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہوگی شرعًا ایسا آدمی غنی ہے زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہوگا اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ (خلاصہ کتب فقہ)

غنی عامل اور مسافر کا حکم:

• عامل (زکوٰۃ جمع کرنے والا) اور مکاتب اور مسافر غنی بھی ہوں زکوٰۃ کے لئے مصرف ہوتے ہیں مگر مسکین اور مدیون اور فی سبیل اللہ کا مصداق مجاہد ہو یا حاجی، جو بھی ہو زکوٰۃ کا مصرف اس وقت ہوتا ہے جب غنی نہ ہو فقیر ہو یعنی ان میں فقیر ہونا شرط ہے۔ (ردالمحتار ص: ۳/۲۸۳)

دوسرا مصرف مسکین:

• مسکین زکوٰۃ کا مستحق ہوتا ہے مسکین وہ شخص ہے جس کی مالی حالت فقیر سے بھی کم تر ہو اور قرآن مجید میں حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے سفر کے تذکرہ میں کشتی والوں کو مسکین اس لئے کہا گیا شاید کشتی والے ملاح مزدور تھے کشتی کے مالک نہیں تھے یا کشتی ان کے پاس عاریۃً تھی یا بطور ترحم انہیں مسکین کہا گیا ورنہ زکوٰۃ کے استحقاق کے لئے مصرف وہ مسکین ہوتا ہے جس کے پاس حاجت اصلیہ کی اشیاء بھی نہ ہوں یا نصاب سے کم ہوں۔

تیسرا مصرف عامل:

• عامل سے مراد ساعی اور عاشر ہوتا ہے ساعی وہ شخص ہوتا ہے جس کو حکومت

زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر کرے، قریہ قریہ جاکر زکوٰۃ کے جانور جمع کر کے بیت المال کے متولی کے پاس لے آئے۔ آج بھی فقراء کے لئے بنائے گئے اداروں کے متولیوں کی جانب سے متمول لوگوں اور سرمایہ داروں کے پاس جاکر زکوٰۃ جمع کرنے والا سفیر بھی عامل ہوتا ہے اور عاشر وہ شخص ہوتا ہے جو حکومت کی جانب سے تجارتی راستوں پر مقرر ہو اور گذرنے والے تاجروں سے مالِ تجارت کی زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور ہو۔

● موجودہ دور میں ساعی اور عاشر کا رواج ختم ہوچکا ہے بعض اداروں کے جانب سے سفیر مقرر کئے جاتے ہیں وہ اپنے ملک اور دوسرے ملکوں سے مدرسہ یا فقراء کے لئے قائم اداروں کے لئے زکوٰۃ جمع کرتے ہیں یہ سفیر بھی عامل کے حکم میں ہوتے ہیں ان کو عرف کے مطابق متولیوں کی جانب سے زکوٰۃ کے مال سے اجرت دینا جائز ہے اور یہ بھی زکوٰۃ کا مصرف ہیں۔ عامل کا مصرف ہونا قرآن سے ثابت ہے ایسا شخص اپنے کام اور عمل کی وجہ سے زکوٰۃ کا مستحق ہوتا ہے اگرچہ غنی ہو اسی طرح مدرسہ کا ناظم یا مہتمم جو مدرسہ سے تنخواہ نہیں لیتا یا اس کی تنخواہ حاجت سے کم ہوتی ہے، وہ عامل کے حکم میں ہے، وہ عرف کے مطابق بقدر کفایت زکوٰۃ کے اموال سے زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ (رفیق حسنی)

تنخواہ یا اجرت بقدر کفایہ کا ذکر:

● کفایت کا مفہوم بہت وسیع ہے ہر دور کے اخراجات اور تقاضے مختلف ہوتے ہیں اور ہر ناظم کے زیر کفالت اہل وعیال کے افراد بھی مختلف ہوتے ہیں خلفاء راشدین بھی زیر کفالت افراد کے حساب سے بیت المال سے وظیفہ لیتے تھے۔ آج اگر کوئی شخص زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اندرون ملک یا بیرون ملک سفر کرتا ہے اس کے لئے دستیاب سواری جانے والے کی حیثیت اور سفر کی کیفیت کے مطابق جہاز ریل اور ٹرانسپورٹ ہوسکتی ہے مثلاً پاکستان سے بیرون ملک جانے والے

سفیر یا ناظمین حضرات جہاز کے ذریعے جائیں گے پھر وہاں قیام ہوٹل میں لازم ہو تو جہاز اور ہوٹل اور خورد ونوش کے اخراجات لاکھوں میں جاکر بنتے ہیں اسی طرح اپنے گھر کے افراد کی کفایت معاشرہ میں رہنے والے افراد کے لیول کے مطابق رکھنا بھی مناسب ہوتا ہے بچوں کی تعلیم کے اخراجات اور گھریلو اخراجات ماہانہ ہزاروں میں جاکر بنتے ہیں دنیاوی اسکولوں کے ادنی ٹیچر جو اسکول کو صرف چار یا پانچ گھنٹے وقت دیتے ہیں ان کی ماہانہ تنخواہوں کا تناسب بیس ہزار سے لاکھوں روپے تک ہوتا ہے جب دنیاوی تعلیم کے لئے مختصر وقت دینے والوں کی اجرت کا یہ تناسب ہے تو دینی تعلیم دینے والوں کی تنخواہیں اور پھر مدرسوں کے لئے کل وقت وقف کرنے والے ناظمین کی تنخواہیں اور آمد اور رفت کے لئے کرایہ کی گاڑی کے اخراجات ہزاروں میں ہوسکتے ہیں۔ ان حضرات کے لیے مدرسوں کے فنڈ سے حسب رواج اور عرف دیانتداری سے مناسب اخراجات اور تنخواہیں وصول کرنا جائز ہے اور اگر کسی ادارہ کا متولی یا ناظم زکوٰۃ اور صدقات جمع کرنے کے لئے یا ادارہ میں رہائش پذیر فقراء کی دیکھ بھال کے لئے وقت نہیں دیتا وہ تولیۃ اور نظامت کے عمل کا معاوضہ نہیں لے سکتا اور اگر متولی یا عامل کے پاس جمع شدہ زکوٰۃ کی رقم ہلاک ہو جائے تو متولی یا عامل اپنے عمل کے معاوضہ کا مستحق نہیں ہوتا جس طرح مضاربۃ کا مال ہلاک ہو جائے تو مضارب کسی معاوضہ کا مستحق نہیں ہوتا کیونکہ عامل جمع کردہ زکوٰۃ میں سے عمل کے مطابق اجرت کا حق دار ہوتا ہے جب زکوٰۃ کا مال ہلاک ہو گیا تو اجرت جو زکوٰۃ کے مال کا حصہ تھی، وہ بھی ہلاک ہو گئی۔
(ردالمحتار: ۳/۲۸۴)

مدرسہ کے ناظم کی تنخواہ کا حکم:

● اگر مدرسہ یا فقراء کے کسی ادارہ کا ناظم یا متولی مدرسہ یا ادارہ کی دیکھ بھال اور رہائش پذیر طلباء اور فقراء کے انتظامی امور کی نگرانی کرتا ہے اور اس کا معاوضہ لیتا

ہے اسے عرف اور رواج کے مطابق ماہانہ تنخواہ لینی چاہیے۔

• عامل اور سفیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ غیر ہاشمی ہو کیونکہ زکوٰۃ فنڈ سے عامل کی اجرت میں صدقہ اور زکوٰۃ ہونے کا شبہ ہے لہٰذا زکوٰۃ کی وجہ سے مناسب ہے عامل ہاشمی کو تنخواہ زکوٰۃ کے فنڈ سے نہ دی جائے بلکہ دوسرے فنڈ سے دے دی جائے زکوٰۃ فنڈ سے دینا مکروہ ہے حرام نہیں (ردالمحتار)

• اور اگر کوئی ہاشمی یا سید کسی مدرسہ کا ناظم یا مدرسہ میں مدرس اور ملازم ہو اس کو زکوٰۃ فنڈ سے تنخواہ دینا جائز ہے کیونکہ مدرسہ کے فنڈ سے تنخواہیں مدرسہ میں زیر تعلیم زکوٰۃ کے مستحقین طلباء اور طالبات کی جانب سے دی جاتی ہے گویا طلباء اور طالبات اپنے مال سے تنخواہیں دے رہے ہیں اور یہ تنخواہیں "لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ" (سیّدہ بریرہ کے لیے صدقہ ہے اور اس کی طرف سے ہمارے لیے ہدیہ ہے) کے تحت جائز ہوں گی۔

• بیت المال کا عامل اور مدارس کا سفیر غنی بھی ہو سکتا ہے۔ غنی اپنے عمل اور وقت صرف کرنے کی اجرت لیتا ہے لہٰذا ہاشمی کی طرح غنی کے لئے یہ کراہت نہیں کہ شبہ زکوٰۃ سے اجتناب کرے۔ (ردالمحتار: ۲۸۵/۳)

مدارس کے سفیروں کو جمع کردہ زکوٰۃ سے پچاس فیصد دینا جائز ہے:

• مدارس کے لئے مقرر سفیروں اور عاملوں کو فی صد کے حساب سے اجرت دی جاتی ہے کہ جمع کردہ زکوٰۃ سے مثلاً دس فیصد یا اس سے زائد اجرت دی جائے گی شرعاً معاہدہ میں عامل یا سفیر کے لیے سفری اخراجات کے علاوہ پچاس فیصد تک اجرت یا کمیشن طے کیا جا سکتا ہے اور چونکہ اس اجرت اور کمیشن کا تعلق جمع کردہ زکوٰۃ کے مال کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے اگر زکوٰۃ کا مال ہلاک ہو جائے تو کمیشن بھی ہلاک ہو جائے گا اور عامل اور سفیر کسی چیز کا مستحق نہیں رہے گا جب کل ہلاک ہو گیا تو اس کا جزء بھی ہلاک ہو گیا اور اگر جمع شدہ مال سے بعض ہلاک ہو گیا تو اس کا

فی صد بھی ہلاک ہو گیا۔ چنانچہ ردالمحتار میں ہے:

(وَقَوْلُهُ فَيُحْتَاجُ إِلَى الْكِفَايَةِ) لٰكِنْ لَا يُزَادُ عَلَى نِصْفِ مَا قَبَضَهُ كَمَا يَأْتِيْ وَلَا يَسْتَحِقُّ لَوْ هَلَكَ مَا جَمَعَهُ لِاَنَّ مَا يَسْتَحِقُّهُ مِنْهُ اُجْرَةُ عُمَّالَتِهٖ مِنْ وَجْهٍ (اِلٰی) وَاِنَّهُ يَتَعَلَّقُ بِالْمَحَلِّ الَّذِيْ عَمِلَ فِيْهِ فَاِذَا هَلَكَ سَقَطَ حَقُّهُ كَالْمُضَارِبِ ۔اھ" (ص:۲۸۳/۳)

ترجمہ: مصنف کا قول (فَيُحْتَاجُ إِلَى الْكِفَايَةِ) کہ عامل کفایۃ کے لئے محتاج ہو گا لہٰذا اس کو زکوٰۃ سے اجرت دینا جائز ہے لیکن حاصل کردہ زکوٰۃ کے نصف سے زائد نہ ہو جیسا کہ عنقریب آئے گا، اور اگر جمع شدہ زکوٰۃ کا مال ہلاک ہو جائے، جس اجرت کا اسی مال سے عامل مستحق تھا، مستحق نہیں رہے گا کیونکہ جتنے مقدار کا مستحق تھا وہ اسی جمع شدہ مال میں اپنے عمل کی وجہ سے مستحق تھا اور وہ اس کے عمل کی اجرت تھی (تا) اور اس اجرت کا تعلق اس محل کے ساتھ ہے جس محل میں اس نے عمل کیا جب وہ محل یعنی مال ہلاک ہو گیا تو اس کا حق بھی ساقط ہو گیا جس طرح مضارب کا حق ہوتا ہے۔

• در مختار میں ہے:

"فَيُعْطٰى (تا) بِقَدْرِ عَمَلِهٖ مَا يَكْفِيْهِ وَاَعْوَانِهٖ بِالْوَسَطِ ۔الخ" (ص: ۳/ ۲۸٦)

ترجمہ: عامل کو اس کے عمل کے تناسب سے دیا جائے جو اسے اور اس کے (معاونین) اہل وعیال کے لئے درمیانی سطح کے خرچ کے حساب سے ہو۔

• اور شامی میں ہے:

"قَوْلُهُ بِالْوَسَطِ فَيَحْرُمُ اَنْ يَّتَّبِعَ شَهْوَتَهٗ فِي الْمَاْكَلِ وَالْمَشْرَبِ لِاَنَّهٗ اِسْرَافٌ مَحْضٌ ۔الخ"۔

سفیر پر حرام ہے کہ کھانے اور پینے کی چیزوں میں اپنی خواہشات کی اتباع کرے کیونکہ یہ محض اسراف ہے۔

• عامل کو ملنے والے حصہ کو فقہاء عُمالہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں جس کا مفہوم فی صد اجرت ہوتی ہے ہم اپنی زبان میں اسے کمیشن کہتے ہیں چنانچہ شامی میں ہے:

"وَلَا یَسْتَحِقُّ لَوْ هَلَكَ مَا جَمَعَهُ لِاَنَّ مَا یَسْتَحِقُّهُ مِنْهُ اُجْرَةُ عُمَّالَتِهٖ مِنْ وَجْهٍ كَمَا مَرَّ قَالَ فِی الْمِعْرَاجِ لِاَنَّ عُمَّالَتَهٗ فِیْ مَعْنَی الْاُجْرَةِ" (ص:۲۸۵/۳)

ترجمہ: اور عامل طے شدہ حصے کا مستحق نہیں ہوگا اگر جمع شدہ مال ہلاک ہوجائے اس لئے کہ وہ جس حصہ کا مستحق تھا وہ اس مال میں تھا وہ اس کے من وجہ عمالہ کی اجرت تھا جیسا کہ گذرا معراج کے مصنف نے کہا اس لئے کہ اس کا عمالہ (کمیشن) اجرت کے معنی میں ہوتا ہے۔

کمیشن کا حکم:

• معلوم ہوا کمیشن لینا اور دینا جائز ہے بشرطیکہ کسی عمل کے معاوضہ میں ہو گویا کمیشن عامل کے عمل کی اجرت ہوتی ہے اور اگر کوئی عمل نہ ہو تو کمیشن لینا اور دینا دونوں حرام اور ناجائز ہیں جیسا کہ آج کل میڈیکل اسٹور یا جنرل اسٹور والے ڈاکٹروں اور سپلائی کردہ لوگوں کو کمیشن فقط اس لئے دیتے ہیں کہ وہ مریضوں اور اہل حاجت کو ان کے اسٹوروں پر ادویہ اور اشیاء خریدنے کے لئے بھیجتے ہیں۔

• کسی کام کے لئے وقت دینا اور انتظار کرنا بھی عمل بلکہ اہم عمل ہے جیسا کہ دفتروں میں کاروبار ہوتے ہیں ایک آدمی کسی کے کام کے لئے بیٹھا ہوتا ہے تاکہ اس کا کام ہوجائے، بلٹیاں چھڑانا اور اشیاء وصول کرنا وغیرہا کے لیے بھاگ دوڑ اور وقت دینا ہوتا ہے لہٰذا وقت کی اجرت بھی عمل کی اجرت کی طرح جائز ہے۔

• عامل یا سفیر کے کمیشن کی رقم عرف کے مطابق ہونا ضروری ہے کرائے اور سفر

کے اخراجات کے علاوہ اہل وعیال کی کفالت کے لیے پچاس فی صد تک کمیشن سفیروں کو دینا جائز ہے لیکن اگر پچاس فیصد کمیشن سفیر کے شخصی اخراجات سے بھی کم ہوں چہ جائیکہ اس کے اہل وعیال کی کفایت کرے تو کمیشن پچاس فیصد سے زائد بھی دینا جائز ہے یہ اسراف نہیں ہوگا۔(رفیق حسنی)

مدرسہ کا فنڈ ہلاک ہوجائے تو مدرسین کی تنخواہیں ساقط نہیں ہوتیں:

• فیصد حصہ اجرت یا کمیشن اور تنخواہ میں فرق ہے کہ جمع شدہ مال کے ہلاک ہونے سے فیصد ہلاک اور ساقط ہوجائے گا مگر تنخواہ ساقط نہیں ہوگی کیونکہ تنخواہ کا تعلق عمل کے ساتھ ہوتا ہے، مال کے ساتھ نہیں ہوتا۔(محمد رفیق حسنی)

چوتھا مصرف مکاتب:

• عبد مکاتب بھی زکوٰۃ کا مستحق ہے اور آیت میں "فِی الرِّقَابِ" سے یہی عبد مراد ہے۔ مکاتب عبد یا امۃ وہ آدمی یا عورت ہوتی ہے جو اپنے مولیٰ کے ساتھ عقد مکاتبت کرتے ہیں کہ آپ اتنی رقم کے معاوضہ میں ہمیں آزاد کردیں۔ اگر مالک قبول کرلے، عبد مکاتب کہلاتا ہے وہ ذات اور رقبہ کے لحاظ سے مملوک ہوتا ہے مگر ید اور قبضہ اور تصرف کے لحاظ سے آزاد ہوتا ہے وہ جو کچھ کسب کرتا ہے اس کا وہ مالک ہوتا ہے مگر مالک مستقر نہیں ہوتا اگر کسب سے حاصل مال کی وجہ سے وہ غنی بھی ہوا اُسے زکوٰۃ دینا جائز ہے وہ بدل کتابت ادا کرنے تک زکوٰۃ لے سکتا ہے اور اسے بدل کتابت میں بلکہ دوسری ضروریات میں زکوٰۃ خرچ کرنا بھی جائز ہے کیونکہ زکوٰۃ کی شرط تملیک ہے کہ مستحق کو مالک بنادیا جائے اور مکاتب کا مستحق ہونا قرآن سے ثابت ہے اور وہ مالک بھی بن سکتا ہے اس لئے تملیک متحقق ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔(در مختار۔ص: ۲۸۶/۳)

• اگر مکاتب کسی ہاشمی کا عبد ہے اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں جب ہاشمی کے آزاد کردہ غلام کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے تو مکاتب کو بطریق اولیٰ زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

• اس کی وجہ یہ ہے کہ مکاتب جب رقبۃً اور ذات میں مولیٰ کا ملک ہے من وجہ زکوٰۃ مولیٰ کے لئے واقع ہوگی اور ہاشمیوں کے حق میں زکوٰۃ کے شبہ کا حکم حقیقۃً والا ہوتا ہے شامی میں ہے:

''وَالشُّبْهَةُ مُعْتَبَرَةٌ فِيْ حَقِّهٖ لِلْكَرَامَةِ بِخِلَافِ الْغَنِيِّ'' (ص: ۲۸۷/۳)

یعنی اور زکوٰۃ کا شبہ ہاشمی کے حق میں اس کی کرامت اور عزت کی وجہ سے معتبر ہے بخلاف غنی کے۔

• اگر مکاتب بدل کتابت دینے سے عاجز ہوگیا اس کے پاس جمع زکوٰۃ اس کے مولی کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ اس کے غنی مولی کے لئے حلال ہوگی کیونکہ زکوٰۃ مکاتب کے ملک سے غنی کے ملک کی طرف منتقل ہوئی ہے اور تبدل الملک بمنزلۃ تبدل العین ہوتا ہے اور حکم بدل جاتا ہے۔ شامی میں ہے:

''وَتَبَدُّلُ الْمِلْكِ بِمَنْزِلَةِ تَبَدُّلِ الْعَيْنِ وَفِي الْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ وَهُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ'' (ص: ۲۸۷/۳)

ترجمہ: اور ملک کی تبدیلی بمنزلہ عین کی تبدیلی کے ہوتی ہے اور صحیح حدیث میں ہے (وہ صدقہ سیّدہ بریرہؓ کے لئے) صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

صرف زکوٰۃ ادا کرتے وقت زکوٰۃ کا مستحق ہونا لازم ہے:

• وہ فقیر جو زکوٰۃ وصول کرنے کے وقت فقیر تھا بعد میں غنی ہو گیا اور مسافر زکوٰۃ وصول کرتے وقت مسافر تھا پھر اپنے مال تک پہنچ گیا ان کے لئے وصول کردہ زکوٰۃ استعمال کرنا جائز ہے کیونکہ زکوٰۃ لیتے وقت استحقاق ضروری ہے شامی میں ہے:

''لان المعتبر فی کونہ مصرفا ھو وقت الدفع و کذا یقال فی ابن السبیل'' (ص: ۲۸۷/۳)

کیونکہ مصرف ہونے میں معتبر زکوٰۃ دینے کا وقت ہے اسی طرح مسافر میں

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

کہا جائے گا۔

طالب علم غنی بھی ہو، زکوٰۃ کا مستحق ہوتا ہے:

• عامل کے لئے زکوٰۃ لینے کے جواز کی علت اس کا زکوٰۃ وصول کرنے کا عمل ہے اگرچہ وہ غنی ہو زکوٰۃ لے سکتا ہے اس علت کی بنیاد پر واقعات نامی کتاب میں مذکور اس فتویٰ کو تقویت ملتی ہے کہ طالب علم کو زکوٰۃ لینا جائز ہے اگرچہ وہ غنی ہو بشرطیکہ علم کے افادہ اور استفادہ کے لئے طالب علم اپنی ذات کو وقف کردے کیونکہ وہ کسب اور مزدوری نہیں کر سکتا اور حاجات کا تقاضہ ہے کہ اس کے لئے ضروری مال ہونا چاہیے لہٰذا غنی طالب علم بھی غنی مسافر اور غنی عامل کی طرح زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں میں نے جامع الفتاویٰ میں دیکھا انہوں نے لکھا مبسوط میں ہے اس آدمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں جو نصاب کا مالک ہے مگر طالب علم اور غازی اور منقطع الحاج کو کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے:

''يَجُوْزُ دَفْعُ الزَّكٰوةِ لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنْ كَانَ لَهٗ نَفَقَةُ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً''

(ص: ۲۸۵/۳)

یعنی طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ اس کے پاس چالیس سال کا نفقہ موجود ہو۔

• علامہ شامی فرماتے ہیں یہ حکم فقہاء کے نزدیک قابل اعتماد نہیں ہے لہٰذا زیادہ قابل اعتماد بات یہ ہے کہ طالب علم کے لئے بھی فقیر ہونا شرط ہے۔

• آج کل دین کے طالب علم بہت کم لوگ ہیں اور بعض طالب علم شادی شدہ اور بچوں کے کفیل ہوتے ہیں اگر وہ کاروبار شروع کردیں تو یقیناً نہیں پڑھ سکیں گے اس لئے اگر آج حدیث شریف اور واقعات اور جامع الفتاوی کی روایات پر فتوی دیا جائے تو غیر مناسب نہیں ہوگا۔ (محمد رفیق حسنی)

پانچواں مصرف مقروض:

• زکوٰۃ کے لئے پانچواں مصرف وہ مقروض ہے جو دین کی مقدار سے زائد کسی مال کے نصاب کامالک نہ ہو درمختار میں ہے:

"وَمَدْيُوْنٌ لَا يَمْلِكُ نِصَابًا فَاضِلاً عَنْ دَيْنِهٖ" (ص: ۲۸۹/۳)

ترجمہ: اور مدیون جوایسے نصاب کامالک نہ ہو جواس کے دین سے زائد ہو۔

• نصاب سے مراد مطلق نصاب ہے کہ مال نامی کا نصاب ہو یا جوائح اصلیہ سے زائد مال کی مالیت نصاب کے مساوی ہو یعنی غنی ہو لہٰذا وہ مدیون جو دین کی مقدار وضع کرنے کے بعد غنی نہیں رہتا وہ زکوٰۃ کا مصرف ہے اور ظہیریہ میں ہے مدیون کو زکوٰۃ دینا فقیر کو دینے سے افضل ہے کیونکہ مدیون زیادہ محتاج ہے۔

• اگر کسی شخص کے قرضے ڈوب اور پھنس گئے ہیں، مقروض سے واپس نہیں لے سکتا اگرچہ قرضوں کی رقم نصاب یا نصاب سے زائد ہو اور اسکے ملک میں قرضوں کے علاوہ اتنا مال نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ غنی ہو تو وہ بھی زکوٰۃ کا مصرف ہے اگرچہ دیون اور قرضوں کے مالک ہونے کی نسبت سے وہ غنی ہے اس کی مثال مسافر غنی کی ہے جس کے پاس مال نہیں ہوتا، مال غائب ہوتا ہے۔

(درمختار ص: ۲۸۹/۳)

• مدیون کے مصرف ہونے میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ مدیون ہاشمی نہ ہو کیونکہ ہاشمی مدیون کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، جیسا کہ گذرا۔

چھٹا مصرف فی سبیل اللہ:

• زکوٰۃ کا چھٹا مصرف فی سبیل اللہ ہے۔ امام محمد کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد مجاہدین ہیں جو نفقہ کے ہلاک یا سواری کے ہلاک ہو جانے کی وجہ سے فقیر ہو گئے ہیں ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے تاکہ وہ لشکر اسلام کے ساتھ جاکر جہاد کریں۔ امام ابو یوسف نے فرمایا فی سبیل اللہ سے منقطع الحاج مراد ہیں کہ نفقہ یا سواری

ہلاک ہو جانے کی وجہ سے حج کرنے سے اسے محروم ہونے کا خطرہ ہے اور بعض علماء نے فرمایا فی سبیل اللہ سے مراد طالب علم ہیں جب وہ محتاج اور فقیر ہوں۔ بہرصورت فی سبیل اللہ سے جو بھی مراد ہو سب میں فقیر ہونا شرط ہے اس اختلاف کا ثمرہ وصیت یا اوقاف میں ظاہر ہوگا کہ اگر کسی نے وصیت یا وقف میں فی سبیل اللہ کا کلمہ استعمال کیا تو مراد کیا ہوگا حاجی یا غازی یا طالب علم۔ مذکورہ تین اقوال سے ایک کو ترجیح دی جائے گی۔ زکوٰۃ میں تینوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہوگا کیونکہ سب کے لیے فقیر ہونا شرط ہے۔(درمختار: ص: ۲۹۰/۳)

• للفقراء میں چونکہ لام تملیک کے لئے ہے اس لئے فی سبیل اللہ سے مراد افراد ہوں گے کیونکہ مالک ہونے کا تصور افراد میں ہو سکتا ہے مطلق رفاہی کام مراد نہیں ہوں گے کیونکہ رفاہی کاموں میں تملیک نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا مساجد اور پلوں اور مسافر خانوں پر زکوٰۃ خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی جیسا کہ عنقریب ذکر کیا جائے گا۔

ساتواں مصرف مسافر:

• آیتِ کریمہ میں ابن السبیل سے مراد مسافر ہے کیونکہ راستہ مسافر کے لئے لازم ہوتا ہے، اسے اس لئے ابن السبیل یعنی راستہ والا کہا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کا مصرف وہ مسافر ہوتا ہے جس کے ملک میں مال کے نصاب یا نصاب سے زائد کا مقدار تو ہو مگر اس کے ساتھ سفر میں نہ ہو اور اسے سفر میں اپنے مال پر تصرف کی قدرت حاصل نہ ہو، مسافر وطن میں نہ ہو یا وطن میں ہو اور اس کے دیون اور قرضے لوگوں پر واجب ہوں مگر لینے کی قدرت نہ ہو کیونکہ ایسا شخص اگرچہ غنی ہوتا ہے مگر مال قبضہ میں نہ ہونے کی وجہ سے اسے مال پر تصرف کی قدرت نہیں ہوتی لہٰذا مسافر بالفعل فقیر ہوتا ہے اور حاجات بالفعل موجود ہوتی ہیں اس لئے اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مسافر قرض لے کر حاجت پوری کرنے کی

کوشش کرے اگر قرض نہ ملے تو زکوٰۃ لے سکتا ہے اور جب اپنے مال پر قادر ہو جائے حاصل کردہ زکوٰۃ صاحبِ مال کو واپس کرنا یا اتنی مقدار فقراء پر صدقہ کرنا ضروری نہیں جس طرح فقیر جب غنی ہو جائے اور مکاتب جب عاجز ہو جائے تو انہیں زکوٰۃ دہندہ کو حاصل کردہ زکوٰۃ واپس کرنا لازم نہیں اور نہ صدقہ کرنا ضروری ہے۔اسی طرح مسافر کے پاس حاجت سے زائد بچ جانے والی زکوٰۃ کا صدقہ کرنا واجب نہیں۔(ردالمحتار: ص: ۲۹۰/۳)

• اگر سوال کیا جائے کہ فی سبیل اللہ سے حاجی یا غازی مراد ہیں جس کے پاس مال نہیں رہا ختم ہو گیا یا ہلاک ہو گیا اگر حاجی یا غازی فقیر ہیں تو فقیر کے اقسام میں داخل ہیں اور اگر غنی ہیں تو مسافر میں داخل ہیں لہٰذا یہ دونوں ایک مصرف ہیں تو مصرف کے سات اقسام کس طرح ہوں گے۔

• جواب: غازی اور حاجی فقیر ہیں مگر حاجی اور مجاہد اللہ تعالیٰ کی عبادۃ کی وجہ سے اور اپنے قافلہ سے منقطع ہونے کی وجہ سے مطلق فقیروں کا غیر شمار ہوں گے اس لئے اقسام سات بنیں گے۔(ص: ۲۹۰/۳)

• وہ شخص بھی مسافر کے حکم میں ہے جس کا کل مال میعادی دین (مؤجل) ہے اور اپنی حاجات کی کفایت کے لئے اس کے پاس مال نہیں رہا یا اس آدمی کا دین ایسے آدمی پر ہے جو غائب ہے۔اگرچہ غائب پر دین حالی اور غیر مؤجل ہے، اس قسم کے آدمیوں کو بقدر حاجت زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ حاجات کی کفایت کے لئے ان کے پاس مال نہیں اور دین مؤجل اجل سے پہلے نہیں مل سکتا اور غائب سے وصول کرنا ممکن نہیں اس لئے ان کو حلول اجل اور غائب کی واپسی تک زکوٰۃ لینا جائز ہے اور یہ شخص مسافر کے حکم میں ہے۔ (شامی: ص: ۲۹۰/۳)

دین ملنے کی امید نہ ہو تو غنی صاحبِ دین زکوٰۃ لے سکتا ہے:

• اگر کسی آدمی کا دین معسر (تنگدست) یا دین کے منکر پر واجب ہے اگرچہ دین

پر گواہ موجود ہیں اور صاحب دین کے پاس اپنی حاجات پوری کرنے کے لئے مال نہیں ہے، ایسا آدمی بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے علامہ شامی علامہ رحمتی سے نقل کرتے ہیں کہ گواہ ہوں یا نہ ہوں، منکر سے دین حاصل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے بلکہ ہمارے زمانے میں اعتراف کرنے والے مدیون سے بھی قرض واپس لینا مشکل ہوتا ہے لہٰذا دین بمنزلہ عدم مال کے ہے۔گویا دین کا مال ہلاک ہو گیا ہے اور نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا:

"بَلْ فِيْ زَمَانِنَا يُقِرُّ الْمَدْيُوْنُ بِالدَّيْنِ وَ بِمَلَائَتِهٖ وَلَا يَقْدِرُ الدَّائِنُ عَلٰى تَخْلِيْصِهٖ مِنْهُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْعَدَمِ" (ص: ۲۹۱/۳)

ترجمہ: بلکہ ہمارے زمانہ میں مدیون دین اور اپنے خوشحال ہونے کا اعتراف بھی کرتا ہے لیکن دائن اس سے دین واپس کرنے پر قادر نہیں ہوتا پس دین بمنزلۃ العدم کے ہے۔

• معلوم ہوا صاحب دین اپنے زمانہ کے حساب سے زکوٰۃ کے مسائل کے احکام کا تعین کر سکتا ہے۔لیکن مقروض اگر خوشحال ہے اور قرض واپس کر سکتا ہے اور معترف ہے تو مقروض کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔(محمد رفیق حسنی)

بخیل غنی کی بیوی زکوٰۃ لے سکتی ہے:

• ایسی بیوی جو فقیرۃ ہے مگر اس کا مہر شوہر پر دین ہے اور وہ زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچتا ہے اور شوہر خوش حال ہے اور مہر حالی ہے عورت جب چاہے اسے مہر مل سکتا ہے اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اور اگر بیوی کو یقین ہے کہ شوہر سے طلب کرنے پر اسے مہر نہیں ملے گا، اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے اگرچہ اس کا شوہر غنی ہے اور مہر کی وجہ سے عورت بھی غنیہ ہے، یہ عورت مسافر کے حکم میں ہے۔(در مختار: ص: ۲۹۱/۳)

زکوٰۃ کا آٹھواں مصرف مؤلفۃ القلوب:

• زکوٰۃ کا آٹھواں مصرف کفار مؤلفۃ القلوب ہیں، لیکن مؤلفۃ القلوب کفار کے

مصرف ہونے کا حکم ساقط ہے امام ابن عابدین ذکر کرتے ہیں کہ مؤلفۃ القلوب کے تین قسم تھے کفار کا ایک قسم ایسا تھا جن کو زکوٰۃ اس لئے دی جاتی تھی تا کہ اسلام قبول کرلیں، دوسرا قسم وہ کفار تھے جن کو زکوٰۃ دی جاتی تھی ان کے شر سے بچنا مقصود تھا اور تیسرا قسم ان لوگوں کا تھا جو مسلمان ہو گئے تھے مگر پختہ مسلمان نہیں تھے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام ان لوگوں کو زکوٰۃ دے دیتے تھے تا کہ وہ ثابت قدم رہیں۔ کفار مؤلفۃ القلوب کا مصرف ہونا حکم شرعی اور نص قرآنی سے ثابت ہے مگر حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کفار کو زکوٰۃ دینے سے منع کر دیا اور صحابہ کرامؓ نے اسے تسلیم کر لیا لہٰذا اصحابہ کرامؓ کا اس کے منسوخ ہونے پر اجماع منعقد ہو گیا البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ اجماع تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد وجود میں آتا ہے اور قرآن اور حدیث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہوتے ہیں اجماع متاخر آیتِ یا حدیثِ متقدم کے لئے ناسخ نہیں ہو سکتا مگر اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اگر اجماع کا انعقاد کسی حدیث یا آیت کی بنیاد پر ہو، جس حدیث یا آیت کا ناسخ ہونا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں پایا جائے تو حقیقۃ میں ناسخ اور منسوخ ایک زمانہ میں ہوں گے اور حقیقۃ میں نص کے لئے نص ناسخ ہو گی اجماع ناسخ نہیں بنے گا مگر صحابہ کرامؓ کا اجماع اس امر کی دلیل ہو گا کہ کوئی نص ناسخ موجود تھی۔

- اس سلسلے میں بعض علماء نے فرمایا مؤلفۃ القلوب کا مصارف سے سقوط زوال علیۃ غائیہ تالیفِ قلوب کی وجہ سے ہوا اور وہ علت دین اور اسلام کے اعزاز اور استیعلاء کی وجہ سے ختم ہو گئی۔
- اگر کوئی حکم علت کی بنیاد پر لگایا گیا ہو تو علت کے منتہی ہونے کی وجہ سے حکم بھی منقطع ہو جاتا ہے مگر اس پر اعتراض ہوا کہ یہ ضابطہ دائمی اور ضروری نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے علت منتہی ہو جائے اور معلل حکم باقی رہے حکم اپنی بقاء میں علت

کا محتاج نہیں ہوتا جیسا کہ عبد کی رقیت کے حکم کی علت کفر تھا اور حج میں رمل اور اضطباع کی علت مشرکین کے اعتراض کا ردّ مقصود تھا مگر بعد میں وہ علت نہیں رہی رقیت اور اضطباع اور رمل باقی ہے۔ علامہ شامی اس کا جواب دیتے ہیں کہ اگر اس امر پر دلیل موجود ہو کہ اس حکم کی بقاء علت کی بقاء کے ساتھ مشروط تھی تو علت کے ختم ہونے سے حکم ختم ہو جاتا ہے لہٰذا یہاں تالیف قلوب کی بنیاد پر زکوٰۃ دینے کے سقوط پر صحابہ کرامؓ کا اجماع منعقد ہونا دلالت کرتا ہے کہ اس حکم کی بقاء علت کی بقاء کے ساتھ مشروط ہو گی لیکن دلیل کا علم ہمارے لئے ضروری نہیں ہے ہو سکتا جس آیت کا حضرت عمرؓ نے ذکر فرمایا تھا وہ دلیل ہو۔ وہ یہ آیت ہے:

"وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَّمَن شَآءَ فَلْيَكْفُرْ" (الکہف:۲۹)

ترجمہ: اور بیان کرو حق تمہارے ربّ کی جانب سے ہے۔ پس جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو شخص چاہے کفر کرے۔

یا پھر مؤلفۃ القلوب کا سقوط نسخ کی وجہ سے ہے اور نسخ حدیث معاذ کی وجہ سے ہے جس کے آخر میں مذکور ہے:"خُذْهَا مِنْ اَغْنِيَاءِهِمْ وَ رُدُّهَا عَلٰى فُقَرَاءِهِمْ"۔ ترجمہ: اے معاذ مسلمانوں کے اغنیاء سے زکوٰۃ لینا اور مسلمانوں کے فقراء پر خرچ کرنا۔ چونکہ صحابہ کرامؓ نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے یہ حدیث سنی تھی اس لئے ان کے لئے یہ حدیث نص قطعی کی طرح قرآن کی آیت کے لئے ناسخ ہو گئی جیسا کہ اصول فقہ میں بحث مذکور ہے۔

(در مختار۔ ص: ۳/۲۸۸)

- معلوم ہوا زکوٰۃ کے مصارف سات ہیں مؤلفۃ القلوب ساقط ہیں کسی کافر کو اسلام کی طرف رغبت دلانے کے لئے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔
- آیت کریمہ میں فقراء اور مساکین وغیرہما کا ذکر جمع کے الفاظ کے ساتھ ہے مگر

احناف کے نزدیک ان الفاظ پر الف اور لام استغراقی ہیں اس لئے ان کلمات میں جمعیت کا معنی باطل ہے کسی ایک قسم کے ایک فرد کو بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ ایک فقیر یا مسکین کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، تمام ساتوں اقسام کے تین تین افراد کو زکوٰۃ دینا لازم نہیں جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں۔

زکوٰۃ کی ادا کے لیے مستحق کو قبضہ دینا شرط ہے:

• زکوٰۃ کے ادا ہونے کے لئے مستحق کو قبضہ دے کر مالک بنا دینا شرط ہے تاکہ مستحق زکوٰۃ سے حاصل شدہ مال اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق خرچ کر سکے، اس کو مالک کہتے ہیں۔ اباحت سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی لہٰذا فقراء کو حسب حاجت کھانا کھلا دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ کھانا کھلانے میں اباحت ہوتی ہے اور فقراء کو حسب حاجت کھانے کی اجازت ہوتی ہے لیکن انہیں مالک نہیں بنایا جاتا تاکہ وہ حسب خواہش اس میں تصرف کر سکیں۔ (ص: ۳/۲۹۱)

میّت کے کفن اور دین پر زکوٰۃ نہیں لگتی:

• زکوٰۃ کی ادائیگی میں چونکہ مستحق کو مالک بنانا شرط ہے اس لئے میت کے کفن اور میت کے دین اور مسجد کی عمارت اور تعمیر اور پل بنانے اور پانی کے سقایہ اور ٹینک اور راستوں اور روڈوں کی اصلاح یا تعمیر اور نہروں کی کھدائی اور حج اور جہاد جہاں تملیک نہ ہو اور ہر وہ چیز جس میں تملیک نہیں ہو سکتی یا نہیں کی جاتی اس میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ ان مصارف میں تملیک نہیں پائی جاتی۔ شامی میں ہے:

"(قَوْلُهُ نَحْوُ مَسْجِدٍ) كَبِنَاءِ الْقَنَاطِرِ وَالسِّقَايَاتِ وَإِصْلَاحِ الطُّرَقَاتِ وَكَرْيِ الْأَنْهَارِ وَالْحَجِّ وَالْجِهَادِ وَكُلِّ مَا لَا تَمْلِيكَ فِيهِ"

(زیلعی۔ ص: ۲۹۱/۳)

مصنف کا قول مثل مسجد جیسے پلوں اور سقایات کا بنانا اور راستوں کی اصلاح اور نہروں کی کھدائی اور حج اور جہاد اور ہر وہ چیز جس میں مستحقین

کی تملیک نہیں ہے اس میں زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

• مسجد اور دیگر مفاد عامہ کی چیزوں کا کوئی آدمی مالک نہیں ہوتا اور میت کسی چیز کا مالک نہیں رہتا اس لئے مدیون میّت کا قرض ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ دین ادا کرنے میں پہلے مدیون کا ملک واقع ہوتا ہے اور بالواسطہ دائن مالک ہوتا ہے یہاں میت کے لئے ملک واقع نہیں ہو سکتا اس میں مالک ہونے کی اہلیت نہیں رہی لہٰذا اس کا دین زکوٰۃ سے ادا نہیں کیا جا سکتا اور یہ کہ ضرورت کے وقت حیلہ کر لیا جائے کسی فقیر کو مالک بنا کر وہ فقیر میت کے کفن کا انتظام کرے یا دین ادا کرے تو جائز ہے۔ تفصیل پہلے گذر چکی ہے

فقیر پر واجب دین سے زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ:

• زندہ فقیر کے اذن سے صاحبِ زکوٰۃ کا اپنی زکوٰۃ کے مال سے اس فقیر پر واجب دین ادا کرنا جائز ہے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ جب صاحبِ زکوٰۃ کی جانب سے فقیر کے دائن (قرض دہندہ) کا زکوٰۃ پر قبضہ ہوگا، یہ قبضہ فقیر کی نیابت میں قبضہ ہوگا اور پھر اپنی ذات کے لئے قبضہ ہوگا۔ در مختار میں ہے "اِمَّا دَيْنُ الْحَيِّ الْفَقِيْرِ فَيَجُوْزُ لَوْبِاَمْرِهٖ" (ص: ۲۹۲/۳) لیکن زندہ فقیر کا دین اگر اس کے امر سے دیا گیا ہے تو جائز ہے، زکوٰۃ ادا ہو جائے گی مگر یہ خیال رہے فقیر کو صاحب زکوٰۃ کا اپنے دین سے زکوٰۃ کی نیت سے بری کر دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ یہ اسقاط اور ابراء ہے، تملیک نہیں ہے۔

مجنون اور غیر عاقل بچے کو براہِ راست زکوٰۃ دینا جائز نہیں:

• مجنون اور غیر عاقل بچے یا بچی کو براہ راست زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی کیونکہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت مال میں تملیک شرط ہے یا رکن ہے اور یہاں مجنون اور غیر عاقل بچے کو زکوٰۃ دینے میں تملیک نہیں ہو سکتی، زکوٰۃ کی تملیک میں مستحق کا قبضہ شرط ہوتا ہے کیونکہ زکوٰۃ اور دیگر تبرعات ہبہ کے حکم میں ہوتے ہیں اور

ہبہ میں قبضہ شرط ہوتا ہے لہٰذا زکوٰۃ میں بھی قبضہ شرط ہے اور مجنون اور غیر عاقل بچے کو جب قبضہ کا تصور نہیں ہوتا تو شرعًا براہِ راست ان کا قبضہ معتبر نہیں ہوگا اور زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوگی۔

• مجنون اور غیر عاقل بچے کو زکوٰۃ دینے کی (جب وہ فقیر ہوں) دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ان کے متولی یا والد دادا یا وصی کو زکوٰۃ دی جائے جیسے یتیم بچے کے لئے وصی ہوتا ہے، اس کو زکوٰۃ ادا کی جائے یا مجنون یا غیر بالغ بچے کو زکوٰۃ کے مال سے زکوٰۃ کی نیت سے کپڑے یا جوتے پہنا دیئے جائیں یا زکوٰۃ کا طعام اُنہیں کھلا دیا جائے چونکہ ان صورتوں میں قبضہ بالفعل موجود ہے، اس لیے شرعًا معتبر ہے لہٰذا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (ردالمحتار)

• عاقل اور نابالغ بچوں میں وہ بچے جن کے ساتھ بیع و شراء میں دھوکہ نہیں کیا جاسکتا تقریباً سات سال کے بچے دھوکہ کو سمجھتے ہیں وہ عاقل ہیں ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور جو دھوکہ کو نہیں سمجھتے وہ غیر عاقل ہیں ان کو زکوٰۃ دینے کی ذکر کردہ پہلی دو صورتیں ہی ہو سکتی ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

"فَإِنْ لَمْ يَكُنْ عَاقِلاً فَقَبِضَ عَنْهُ اَبُوْهُ اَوْ وَصِيُّهُ اَوْ مَنْ يَعُوْلُهُ قَرِيْبًا اَوْ اَجْنَبِيًّا اَوْ مُلْتَقِطُهُ صَحَّ كَمَا فِي الْبَحْرِ وَالنَّهْرِ وَعَبَّرَ بِالْقَبْضِ لِاَنَّ التَّمْلِيْكَ فِي التَّبَرُّعَاتِ لَا يَحْصِلُ اِلَّا بِهٖ فَهُوَ جُزْءٌ مِنْ مَّفْهُوْمِهٖ فَلِذَا لَمْ يُقَيِّدْ بِهٖ اَوَّلًا كَمَا اَشَارَ اِلَيْهِ فِي الْبَحْرِ تَأَمَّلْ"

(ص: ۳/۱۷۱)

ترجمہ: اگر بچہ عاقل نہ ہو اس کی جانب سے اس کا باپ یا وصی یا وہ شخص جو اس کی دیکھ بھال کرتا ہے رشتہ دار ہے یا اجنبی یا اس کو اٹھانے والا زکوٰۃ پر قبضہ کرتا ہے تو صحیح ہے زکوٰۃ دینا جائز ہے جیسا کہ بحر الرائق اور نحر الفائق میں ہے اور صاحبِ فتح نے قبضہ کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا کیونکہ

تبرعات میں بغیر قبضہ تملیک حاصل نہیں ہوتی پس قبضہ تملیک کے مفہوم کا جزء ہے۔ پس اسی لیے انہوں نے پہلے اس کے ساتھ مقیّد نہیں کیا جیسا کہ صاحبِ بحر نے س کی طرف بحر الرائق میں اشارہ کیا، پس غور کر۔

• معلوم ہوا تملیک جو کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرط ہے اس میں ضروری ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والا اصلی ہو یا اس کا وکیل مستحق کو یا اس کے وکیل یا متولی یا وصی کو زکوٰۃ کے مال کا قبضہ دے کر مالک بنادے تاکہ مستحق کا متولی حسب خواہش اس میں تصرف کر سکے اور غیر عاقل یا مجنون پر خرچ کر سکے ورنہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

نابالغ بچوں کو دی گئی زکوٰۃ صرف بچوں پر خرچ ہو سکتی ہے:

• آج کل بعض رفاہی تنظیموں کے ناظمین مستحقین کے لئے زکوٰۃ جمع کرتے ہیں۔ مستحقین میں اسکول کے نابالغ بچے بھی ہوتے ہیں نابالغ بچے عاقل ہوں یا غیر عاقل وہ اپنا مملوک مال کسی کو گفٹ اور عطا نہیں کر سکتے لہٰذا ان کا متولی ان کی اجازت سے بھی ان کے لیے جمع کردہ زکوٰۃ کے مال کو کسی دوسرے پر خرچ نہیں کر سکتا صرف انہی نامزد نابالغ بچوں پر خرچ کر سکتا ہے، اس مال سے بالغ بچوں یا دیگر فقراء پر زکوٰۃ صرف نہیں کی جاسکتی ہے چہ جائیکہ غیر مستحق اغنیاء (یا غیر مسلم) پر صرف کی جائے لہٰذا نابالغ یا مجانین کے لئے جمع شدہ زکوٰۃ صرف انہی پر خرچ کی جائے ورنہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی البتہ متولی بالغ طلباء اور فقراء کے لئے جمع شدہ زکوٰۃ سے ان طلباء اور فقراء کی اجازت سے اغنیاء وغیرہا کو عرف کے مطابق روٹی اور پانی چائے وغیرہ دے سکتا ہے۔

• اہل مدارس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالغ طالب علموں اور فقراء کے وکیل ہو کر زکوٰۃ وصول کریں اور بالغ طلباء کے حصہ سے مدارس میں آنے والے حضرات کی تواضع کریں اور مدرسہ کی دیگر امور میں اسی رقم کو خرچ کریں مگر فقراء کی صراحتًا یا دلالۃً اجازت ضروری ہے۔

• مصنف کے قول 'فیجوز لو بامرہ' سے معلوم ہوا اگر کوئی شخص فقیر مدیون کے امر کے بغیر زکٰوۃ کے مال سے فقیر کا دین اتار دے اور صاحبِ دین کو فقیر کی جانب سے ادا کردے تو زکٰوۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ مدیون یا اس کے وکیل کے لئے تملیک کے تحقق کے لئے قبضہ شرط ہے اور صاحبِ دین چونکہ مدیون فقیر کی جانب سے مامور اور وکیل نہیں اس لئے صاحب دین کا قبضہ فقیر مدیون کے قبضہ کی نیابۃ میں نہیں ہوگا اس لئے زکٰوۃ ادا نہیں ہوگی۔

غیر مستحق افراد کا ذکر:

• درج ذیل افراد زکٰوۃ کے مستحق نہیں ہوتے اگرچہ فقیر ہوں:

۱۔اصول اور فروع۔ ۲۔ غنی۔ ۳۔بنی ہاشم۔ ۴۔ان کے موالی اور غلام۔ ۵۔کافر

۱۔اپنے اصول اور فروع کو زکٰوۃ دینا جائز نہیں:

• صاحبِ مال آدمی کے اصول اور فروع کا اس کی زکٰوۃ لینا جائز نہیں یعنی اپنے اصول اور فروع کو زکٰوۃ دینے سے صاحبِ مال کی زکٰوۃ ادا نہیں ہوگی اگرچہ اصول باپ، دادا، نانا، نانی، یا فروع بیٹے، بیٹیاں، پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں کسی درجہ میں ہوں اور فقیر ہوں حتٰی کہ زانی زنا سے پیدا ہونے والی اولاد کو بھی زکٰوۃ نہیں دے سکتا صدقات واجبہ صدقۃ الفطر اور نذر اور کفارات کا بھی یہی حکم ہے اور نفلی صدقات اصول اور فروع کو دینا جائز ہے بلکہ نفلی صدقہ اجنبی لوگوں کو دینے سے اپنے اصول اور فروع رشتہ داروں کو دینے میں زیادہ ثواب ہے کیونکہ اس میں صلۂ رحمی اور صدقہ دونوں ہیں اور خمس کا مال بھی صدقہ نفلی کی طرح اپنے اصول اور فروع کو دینا جائز ہے۔(در مختار۔ص: ۲۹۳/۳)

• اصول اور فروع کو زکٰوۃ ادا نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کامل تملیک نہیں ہوتی کیونکہ اصول اور فروع کے املاک باہم متصل ہوتی ہیں گویا صاحبِ زکٰوۃ اپنی زکٰوۃ سے فائدہ اٹھائے گا۔ (در مختار۔ص: ۲۹۳/۳)

رفیق البرکات لاہل الزکٰوۃ

بھائیوں اور بہنوں اور ان کی اولادوں کو زکٰوۃ دینا جائز ہے:

• صاحبِ زکٰوۃ کا اصول اور فروع کے علاوہ اپنے بھائی اور بہنوں اور ان کی اولادوں اور چچوں اور ماموں اور ان کی اولادوں کو زکٰوۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ فقراء ہوں اور جوائنٹ فیملی اور مشترکہ نہ ہو، لیکن الگ رہنے والے وہ رشتہ دار جن کا نفقہ آدمی پر واجب ہو اور وہ اصول اور فروع سے نہ ہوں ان کو زکٰوۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ زکٰوۃ نفقہ کی نیت سے نہ دی جائے۔(ردالمحتار)

باپ، دادا کی بیوی، داماد اور بہو کو زکٰوۃ دینا جائز ہے:

• اصول اور فروع کے لفظ سے معلوم ہوا باپ یا دادا کی وہ بیوی جس کے بطن سے صاحبِ زکٰوۃ آدمی پیدا نہیں ہوا اور بیٹے کی بیوی اور بیٹی کے شوہر (داماد) کو زکٰوۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ فقیر ہوں۔(ردالمحتار۔ص: ۲۹۳/۳)

مرض الموت میں وارث ہو سکنے والے کو زکٰوۃ دینا جائز نہیں:

• مریض کا مرض الموت میں اس آدمی کو زکٰوۃ دینا جائز نہیں جو مرنے کے بعد اس کا وارث ہوگا مثلاً وہ آدمی جس کے مذکر اصول اور فروع نہ ہوں، اپنے بھائی وغیرہ کو زکٰوۃ نہیں دے سکتا۔ حج کی وصیت میں جس طرح وصی میت کے اس رشتہ دار کو حج پر نہیں بھیج سکتا جو اس کا وارث ہو اسی طرح مرض الوفات میں زکٰوۃ دینا بمنزلہ وصیت کے ہوتا ہے اور وارث کے لئے وصیت نافذ نہیں ہوتی۔ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں عند اللہ زکٰوۃ ادا ہو جائے گی مگر وارثوں کو زکٰوۃ کی رقم واپس لینے کا حق حاصل ہے جیسا کہ وارث کے لئے وصیت میں ہوتا ہے۔(ص: ۲۹۴/۳)

• اگر مریض وصیت کرنا چاہتا ہے اور اس کے مال کے ثلث سے زکٰوۃ زائد بنتی ہے، مریض وارثوں سے خفیہ زکٰوۃ ادا کردے عند اللہ زکٰوۃ ادا ہو جائے گی مگر وارثوں کو علم ہو جائے تو وارث ثلث سے زائد ادا کردہ زکٰوۃ واپس کر سکتے ہیں

کیونکہ وصیت ثلث تک جائز ہوتی ہے۔

● آدمی کے لئے مکروہ تحریمی ہے کہ والدین یا اولاد کو زکوٰۃ دینے کے لئے حیلہ کرے کہ زکوٰۃ فقیر کو دے کر اس سے واپس لے لے اور اس مال کو والدین پر خرچ کرے۔ (درمختار۔ ص: ۳/۲۹۴)

● اگر کسی آدمی نے ایک فقیر کے لئے متعدد افراد سے زکوٰۃ جمع کی اور زکوٰۃ کی رقم نصاب سے زائد جمع ہوگئی تھی پھر بھی جائز ہے بشرطیکہ فقیر نے اس آدمی کو وکیل نہ بنایا ہو اور اگر وہ شخص فقیر کے امر سے فقیر کا وکیل مقرر ہو تو وکیل ایک فقیر کے لئے نصاب سے زائد زکوٰۃ جمع نہیں کر سکتا کیونکہ نصابِ زکوٰۃ کا مالک غنی ہوتا ہے وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ ہوتا ہے اور تملیک متحقق ہے اس لئے فقیر ایک نصاب کے مالک ہونے کے بعد فقیر نہیں رہا۔ شامی میں ہے:

"وَ كَذَا لَوْ جَمَعَ رَجُلٌ لِفَقِيْرٍ زَكَاةً مِنْ جَمَاعَةٍ" (ص: ۲۹۵/۳)

اور اسی طرح اگر ایک آدمی نے فقیر کے لئے ایک جماعت سے زکوٰۃ جمع کی تو جائز ہے۔

شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی:

● شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی یعنی غنی صاحب نصاب شوہر اپنی فقیرہ بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا اگرچہ بیوی طلاق بائن مغلظ کی عدت میں ہو، عدت تک زوجیت کے احکام باقی ہوتے ہیں۔ عدت ختم ہونے کے بعد مطلقہ بیوی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور بیوی غنیہ کا اپنے فقیر شوہر کو زکوٰۃ دینا بھی جائز نہیں جب تک نکاح قائم ہے اور طلاق بائن کے بعد فوراً شوہر اجنبی ہو جاتا ہے اس لئے بیوی اپنی عدت میں شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے مگر یہ قول صاحبین کا ہے۔

● امام صاحب کے نزدیک عدت تک بیوی بھی شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔

(درمختار۔ ص: ۲۹۴/۳)

۲۔ غنی کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ عامل اور مکاتب اور مسافر یہ لوگ غنی بھی ہوں ان کو زکوٰۃ لینا جائز ہے جیسے کہ پہلے گذر چکا ہے۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

غنی کی تعریف:

● غنی ہونے کے لئے زکوٰۃ کے اموال کے نصاب کا مالک ہونا شرط نہیں۔ غنی سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو حاجات اصلیہ کے اموال کے علاوہ زائد کسی مال کے نصاب کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کا مالک ہو۔ مال نامی ہو یا غیر نامی، نصاب کا مقدار دو سو درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی ہے) مفتی بہ قول پر وہ غنی جس کو زکوٰۃ لینا حرام ہے اور اس پر قربانی اور زکوٰۃ واجب ہے وہ ہے جو حاجات اصلیہ اور دین سے فارغ مال سے چاندی کے نصاب کی قیمت کا مالک ہو، چنانچہ بحر الرائق کا ردّ کرتے ہوئے طویل بحث میں علامہ شامی نے فرمایا کہ شرنبلائیہ میں ہے:

"لَمْ اَرَ اَحَدًا مِنْ شُرَّاحِ الْهِدَايَةِ صَرَّحَ بِمَا ادَّعَاهُ بَلْ عِبَارَتُهُمْ تُفِيْدُ خِلَافَهُ (اِلٰى) لِاَنَّ قَوْلَ الْعِنَايَةِ سَوَاءٌ كَانَ۔ الخ۔ مُفِيْدٌ تَقْدِيْرُ النِّصَابِ بِالْقِيْمَةِ سَوَاءٌ كَانَ مِنَ الْعُرُوْضِ اَوِ السَّوَائِمِ لِمَا اَنَّ الْعُرُوْضَ لَيْسَ فِيْهَا نِصَابُهَا اِلَّا بِمَا يَبْلُغُ قِيْمَتُهُ مِأَتَيْ دِرْهَمٍ وَ قَدْ صَرَّحَ بِاَنَّ الْمُعْتَبَرَ مِقْدَارُ النِّصَابِ فِي التَّبْيِيْنِ وَ غَيْرِهٖ وَاسْتَدَلَّ لَهٗ فِي الْكَافِيْ بِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ وَلَهٗ مَا يُغْنِيْهِ فَقَدْ سَأَلَ النَّاسَ اِلْحَافًا قِيْلَ وَ مَا الَّذِيْ يُغْنِيْهِ قَالَ مِأَتَا دِرْهَمٍ اَوْ عِدْلُهَا۔اھ" (ص: ۲۹۷/۳)

ترجمہ: میں نے ہدایہ کے شراح میں کسی ایک کو نہیں دیکھا جس نے بحر الرائق کے دعوی کی تصریح کی ہو بلکہ ان کی عبارتیں اس کے خلاف کا فائدہ دیتی ہیں (تا) کیونکہ عنایہ کا قول سواء کان الخ (غنا میں) قیمت کے ساتھ نصاب کی تعیین کا فائدہ دیتا ہے خواہ نصاب عروض (غیر نقود) سے

ہو یا حیواناتِ سائمہ سے ہو اس لئے کہ عروض کا نصاب نہیں ہوتا مگر وہ جو اس کی قیمت دو سو درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی) کو پہنچے اور بے شک تبیین اور غیر تبیین میں تصریح کی گئی ہے کہ معتبر نصاب کا مقدار ہے اور کافی میں دو سو درہم کی قیمت کے نصاب ہونے پر، سرورِ دوعالم ﷺ کے قول کے ساتھ استدلال کیا گیا ہے جو آپ ﷺ نے سائل کے متعلق فرمایا، جس شخص نے سوال کیا اور اس کے ملک میں اتنا مال ہے جس سے وہ غنی ہے اس نے لوگوں سے اصرار اور الحان کے ساتھ سوال کیا۔ عرض کیا گیا، (یارسول اللہ ﷺ) کتنا مال اس کو غنی کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا دو سو درہم یا اس کے برابر۔

• مشکوٰۃ شریف کی ایک روایت ''اُوْقِیَۃٌ اَوْ عِدْلُھَا'' اور دوسری روایت ''اَوْ خَمْسُوْنَ دِرْھَمًا اَوْ قِیْمَتُھَا مِنَ الذَّھَبِ'' کے الفاظ بھی غنا کے ثبوت کے لیے مروی ہیں یعنی ایک اوقیتہ (چالیس درہم یا اس کے برابر)اور پچاس درہم یا اس پچاس درہم کی قیمت سونے سے وہ غنی ہے۔ غنا کی تحقیق عالمگیری اور شامی سے گزر چکی ہے نیز میری کتاب رفیق الخطباء میں ملاحظہ فرمائیں۔

• غناء کے احکام میں دو امر ملحوظ ہوتے ہیں ایک یہ کہ زکوٰۃ کا وجوب دوم زکوٰۃ کا عدم استحقاق۔ زکوٰۃ کے وجوب میں اس امر پر اتفاق ہے کہ نامی اموال یا حیواناتِ سائمہ کا نصاب موجود ہو تب آدمی غنی ہوگا اور زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اور زکوٰۃ کا عدم استحقاق محققینِ احناف کے نزدیک آدمی کے زکوٰۃ نہ لے سکنے میں دو قول مذکور ہیں ایک یہ کہ زکوٰۃ کے نصاب کا کوئی مال اموال زکوٰۃ سے جس آدمی کے ملک میں ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور وہ زکوٰۃ نہیں لے سکتا خواہ زکوٰۃ کے مال کے نصاب کی قیمت دو سو درہم (ساڑھے باون تولہ) سے کم ہو یا زیادہ اور دوسرا قول یہ ہے کہ زکوٰۃ نہ لے سکنے میں آدمی کا غنی ہونا ضروری

ہے اور غنی وہ ہوتا ہے جس کے ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا مال ہو یعنی چاندی کے نصاب کی قیمت معتبر ہے زکوٰۃ کے نصاب کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ زکوٰۃ کے عدم استحقاق اور عدم مصرف ہونے کے لئے نصاب کا عین معتبر ہے یا نصاب کی قیمت اس میں دو قول ہیں اور زکوٰۃ کے وجوب کے لئے دو قول نہیں ہیں، وہ یہ ہے کہ اموالِ نامیہ اور حیواناتِ سائمہ سے نصاب کا عین معتبر ہے جب نصاب ہوگا زکوٰۃ واجب ہوگی۔

عجیب صورت:

• قدیم دور میں ایک عجیب صورت پیش آئی کہ ایک شخص کے ملک میں صرف پانچ سائمہ اونٹ موجود ہیں جو اونٹوں کا نصاب ہے مگر ان کی قیمت دو سو درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی) سے کم ہے ایسے آدمی پر زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ اس میں دو قول نہیں ہیں کیونکہ اونٹوں کا نصاب موجود ہے مگر ایسا شخص زکوٰۃ بھی لے سکتا ہے یا نہ، اس میں فقہاء کے دو قول ہوگئے۔ ایک قول یہ ہے، ایسا شخص اونٹوں کے نصاب کا مالک ہونے کے باوجود فقیر ہے غنی نہیں ہے وہ اونٹوں کی زکوٰۃ ادا بھی کرے اور زکوٰۃ لے بھی سکتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ نہیں لے سکتا علامہ شامی کی ترجیح کے مطابق ایسا شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے کیونکہ وہ فقیر کی تعریف کا مصداق ہے غنی کی تعریف میں ذکر شدہ نصاب سے مراد چاندی کے نصاب کی قیمت ہوتی ہے اور وہ دو سو درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی) ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے، وہبانیہ اور اس کی شرح سے منقول ہے:

''اَنَّہٗ تَحِلُّ لَہُ الزَّکَاۃُ وَتَلْزَمَہُ الزَّکَاۃُ'' (درمختار ص: ۲۹۷/۳)

اس کے لئے زکوٰۃ حلال ہے اور اس پر زکوٰۃ لازم بھی ہے۔

• بعض علماء نے دونوں اقوال میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ امام محمد سے دو روایتیں منقول ہیں: ایک یہ کہ وہ شخص جس پر زکوٰۃ لینا حرام ہے اس کے ملک

میں دو سو درہم (ساڑھے باون تولہ) چاندی کی قیمت کا ہونا معتبر اور معیار ہے اور دوم یہ کہ اس کے ملک میں کسی نصاب کے وزن کا اعتبار ہے۔ محیط میں امام محمد سے قیمت کے معتبر اور معیار ہونے کی روایت مذکور ہے۔ اور ظہیریہ میں امام محمد سے وزن کے معتبر اور معیار ہونے کی روایت مذکور ہے۔ ان دونوں روایتوں میں فرق اس وقت ظاہر ہوگا جب ایک آدمی کے ملک میں سونے کے انیس دینار موجود ہیں جو کہ سونے کے نصاب بیس دینار سے ایک دینار (چار ماشہ) کم ہے مگر اس سونے کی قیمت تین سو درہم بنتی ہے قیمت والی روایت پر وہ شخص زکٰوۃ نہیں لے سکتا ہے اس پر زکٰوۃ لینا حرام ہے کیونکہ وہ غنی ہے اگرچہ اس پر زکٰوۃ واجب نہیں ہے اور وزن والی روایت پر اس شخص کے لئے زکٰوۃ لینا حرام نہیں ہے کیونکہ وزن کے اعتبار سے سونے کا نصاب بیس دینار مکمل نہیں ہے لہٰذا وہ فقیر ہے اور یہ ظاہر ہے وزن کا اعتبار موزون سونے اور چاندی میں ہو سکتا ہے اونٹوں میں تو وزن کا اعتبار نہیں ہو سکتا لہٰذا زکٰوۃ کا مصرف نہ ہونے میں اونٹوں کے عدد کا اعتبار ہوگا یا قیمت کا مگر علامہ شامی فرماتے ہیں عدد کا اعتبار وجوبِ زکٰوۃ میں تو مسلم ہے مگر زکٰوۃ کے لینے کی جواز کے لئے عدد کا اعتبار مسلم نہیں ہے۔ لہٰذا کہا جائے گا چونکہ امام محمد سے موزوں اشیاء میں روایت کا اختلاف ہوا، معدود جانوروں میں اختلاف نہیں ہوا۔ معلوم ہوا معدود یعنی اونٹوں میں زکٰوۃ کا مصرف ہونے کے لئے بالاتفاق اونٹوں کی قیمت معتبر اور معیار ہوگی جیسے مالِ تجارت (عروض) میں قیمت معتبر اور معیار ہوتی ہے جیسا کہ صراحۃ کے ساتھ صاحب ہدایہ نے ذکر فرمایا:

"اِذَا کَانَ لَهٗ خَمْسٌ مِنَ الْاِبِلِ قِیْمَتُهَا اَقَلُّ مِنْ مِأَتَیْ دِرْهَمٍ تَحِلُّ لَهُ الزَّکَاةُ وَتَجِبُ عَلَیْهِ وَبِهٰذَا ظَهَرَ اَنَّ الْمُعْتَبَرَ نِصَابُ النَّقْدَیْنِ اَیَّ مَالٍ کَانَ بَلَغَ نِصَابًا مِنْ جِنْسِهٖ اَوْلَمْ یَبْلُغْ۔ اھ" (ص: ۳/۲۹۷)

ترجمہ: جب ایک شخص کے لئے پانچ اونٹ ہوں جن کی قیمت دو سو درہم سے کم ہے اس کے لئے زکٰوۃ لینا حلال ہے اور اس پر اونٹوں کی زکٰوۃ واجب ہے اور اس حکم سے ظاہر ہوا زکٰوۃ لینے کی حرمت اور عدم جواز میں سونے اور چاندی کا نصاب معتبر اور معیار ہے۔ جس مال سے بھی ہو اس مال کا اپنی جنس سے نصاب بنتا ہو یا نہ بنے۔ معلوم ہوا علامہ شامی نے نصاب کی قیمت کے اعتبار کرنے کو ترجیح دی ہے۔

- اونٹوں کے نصاب کے باوجود دو سو درہم سے اونٹوں کی کم قیمت کی صورت میں مالک کو زکٰوۃ لینا جائز ہے اور اگر دو سو درہم قیمت ہوتی تو زکٰوۃ لینا جائز نہ ہوتا۔ ہمارے معاصر علماء کے درمیان نزاع ہوا کہ اگر کسی آدمی کے ملک میں صرف دو تولہ سونا یعنی سونا اپنے نصاب سے کم موجود ہو مگر اس کی قیمت دو سو درہم (ساڑھے باون تولہ) سے زائد ہو وہ شخص زکٰوۃ لے سکتا ہے یا نہیں۔ ابن عابدین شامی کی ترجیح سے معلوم ہوا ایسا شخص زکٰوۃ نہیں لے سکتا اور اس پر قربانی اور صدقۃ الفطر بھی واجب ہے یہ مسئلہ ہم غناء کے مسائل میں بھی ذکر کر چکے ہیں۔

غنی یا اپنے نوکروں کو زکٰوۃ دینا جائز ہے:

- غنی آدمی کے عبد کو زکٰوۃ دینا بھی جائز نہیں مگر غنی آدمی کا کسی دوسرے غنی آدمی کے آزاد نوکر، خادم، ڈرائیور، چوکیدار اور گھر میں کام کرنے والے ملازم عورتوں یا مردوں کو زکٰوۃ دینا جائز ہے اور خود مالک بھی اپنے گھریلو ملازمین کو زکٰوۃ دے سکتا ہے بشرطیکہ بطور اجرت نہ ہو اور ملازمین وغیرہا فقیر ہوں غنی نہ ہوں۔

غنی باپ کے بچوں کو زکٰوۃ دینا جائز نہیں مگر غنیہ ماں کے بچوں کو زکٰوۃ دینا جائز ہے:

- غنی اور غنی کے نابالغ بچوں کو بھی زکٰوۃ دینا جائز نہیں۔ شامی میں ہے "لِمَا اَنَّهٗ

يُعَدُّ غَنِيًّا بِغِنَاهُ (نہر)" ترجمہ: کیونکہ نابالغ بچے مذکر ہوں یا مؤنث باپ کے غنا کی وجہ سے غنی ہوتے ہیں۔ مگر ماں غنیتہ کے نابالغ بچوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ باپ فقیر ہو یا باپ نہ ہو کیونکہ ماں کا غنا بچوں کا غنا نہیں ہوتا۔

• غنی کے بالغ بچے اگر فقیر ہیں ان بچوں کے اپنے ملک میں کوئی ایسا مال نہیں جو حاجت اصلیہ سے زائد اور دین سے فارغ ہو اور اس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے مساوی ہو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

غنی کے باپ اور بالغ بچوں اور بیوی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے:

• غنی کا باپ اور غنی کی بیوی اور بالغ اولاد فقیر ہو تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور غنیہ عورت کے نابالغ فقیر بچوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے کیونکہ زکوٰۃ دینے میں کوئی مانع نہیں ہے نابالغ بچوں کو باپ کی وجہ سے تو غنی اعتبار کیا جاتا ہے لیکن ماں کے غنا کی وجہ سے نابالغ بچے غنی نہیں ہوتے جبکہ بالغ بچوں کو باپ کے غنیٰ کی وجہ سے غنی اعتبار نہیں کیا جاتا، اسی طرح غنی کا باپ بیٹے کے غنا سے اور غنی کی بیوی شوہر کے غنی ہونے سے غنی نہیں ہوتے۔ (ردالمحتار: ص: ۲۹۸/۳)

غنی کی شادی شدہ بیٹی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے:

• غنی باپ کی بیٹی شادی شدہ جس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، کو صاحب مال زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہ، اس میں اختلاف ہے اصح قول جواز کا ہے اور یہ طرفین کا قول ہے اور امام ابو یوسف سے ایک روایت بھی ہے۔ ردالمختار میں ہے:

• "وَفِيْ بِنْتِ الْغَنِيِّ ذَاتِ الزَّوْجِ خِلَافٌ وَالْأَصَحُّ الْجَوَازُ وَهُوَ قَوْلُهُمَا وَرِوَايَةٌ عَنِ الثَّانِيْ (نَهر)" ردالمحتار میں پہلے بالغ اولاد/مزمن (دائمی) مریضہ جن کا نفقہ والد پر واجب ہوتا ہے، کا ذکر ہے پھر فرمایا کہ غنی کی شوہر والی بیٹی میں اختلاف ہے اور زیادہ صحیح جواز ہے اور یہی طرفین کا قول ہے اور امام ابو یوسف سے بھی ایک روایت ہے۔ (ص: ۲۹۸/۳)

حاجاتِ اصلیہ کا مال کروڑوں میں بھی ہو، کالعدم ہوتا ہے:

• وہ مال جو حاجات اصلیہ میں داخل ہوتا ہے اس کے علاوہ اس سے زائد مال جس کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے مساوی یا زیادہ ہے اس کے مالک کو زکوٰۃ دینا اور اس کا زکوٰۃ لینا حرام ہے کیونکہ وہ غنی۔ حاجات اصلیہ کی تفصیل ابتدا میں گذر چکی ہے۔ مکان اور مکان میں استعمال کے لئے اثاثے جو کہ زینت کے لئے نہ ہوں، حاجتِ اصلیہ میں داخل ہیں۔ آج کل کچن کی الیکٹرک مشینیں اور کپڑے صاف کرنے اور فرش صاف کرنے کی مشین اور جوس اور مصالحہ جات کی الیکٹرک مشین اور فریزر اور ڈیپ فریزر اور اے سی اور پنکھے اور ہیٹر اور ٹی وی اور کمپیوٹر اور لیپ ٹاپ آئی پیڈ اور کلکولیٹر اور موبائل فون اور لوکل فون اور آئی فون اور عینک گھڑیاں سب اثاث منزل اور حاجات اصلیہ میں داخل ہیں اگرچہ ان کی قیمت کروڑوں روپے بنتی ہو اور عبد خادم اور سواری آج کے حساب سے موٹر سائیکل کاریں اور بسیں حتیٰ کہ بعض متمول حضرات کے لئے جہاز وغیرہا بھی حاجت اصلیہ میں داخل ہیں۔ سنا ہے سعودیہ اور متحدہ عرب امارات کے متمول اغنیاء کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی بعض دولت مند لوگوں نے اپنے ذاتی پرائیویٹ جہاز رکھے ہوئے ہیں اور انہیں اپنی ضرورتوں میں استعمال کرتے ہیں۔ حاضر زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ایسے لوگوں کے لئے استعمال کے جہازوں کا حکم سواری کا ہو گا اور حاجت اصلیہ میں داخل ہوں گے اور اسلحہ اور بدن کے کپڑے اور علماء کے لئے کتابیں اور پیشہ ور آدمی کے استعمال کے آلات حتیٰ کہ ڈاکٹروں اور سائنس دانوں اور انجینئروں کے کام کرنے کی مشینیں اگرچہ لاکھوں کروڑوں کی مالیت کی ہوں وہ حاجت اصلیہ میں داخل ہیں۔ ہر وہ چیز جو حاجتِ اصلیہ اور بنیادی ضرورت میں داخل ہو وہ کالعدم اور نہ ہونے کی طرح ہوتی ہے۔ اس لیے اگر حاجتِ اصلیہ کے لیے موجود مال کے علاوہ آدمی کے پاس مال نہ ہو تو وہ فقیر

ہے اس کو زکوٰۃ دینا اور اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

حاجتِ اصلیہ میں حضرت حسنؓ کی روایت:

• حضرت حسن بصری سے روایت ہے آپ نے فرمایا صحابہ کرامؓ ان لوگوں کو زکوٰۃ دے دیا کرتے تھے جو دس ہزار درہموں کے اسلحہ اور گھوڑوں اور خادموں کے مالک ہوتے تھے کیونکہ یہ اشیاء حاجات اصلیہ میں داخل تھیں، جن کا انسان کے پاس ہونا لازم ہوتا ہے۔ (ص: ۲۹۶/۳)

متعدد دوکانوں اور مکانوں اور باغات کا مالک بھی فقیر ہو سکتا ہے:

• فتاویٰ کی کتابوں میں مذکور ہے وہ شخص جس کے ملک میں متعدد دوکانیں اور مکانات کرایہ پر چڑھانے کے لئے موجود ہیں لیکن ان سے حاصل کرایہ اور آمدنی اس پر اور اس کے عیال پر کافی نہیں ہوتی، وہ فقیر ہے۔ امام محمد کے نزدیک ایسے آدمی کو زکوٰۃ لینا جائز ہے مگر امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اسے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے اور اس امر میں اتفاق ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہونا چاہیے کیونکہ دوکانوں اور مکانوں کی مالیت سے مالک غنی ہو جاتا ہے اگرچہ کرایہ سے آمدنی اخراجات کے لیے کافی نہیں ہوتی کیونکہ کرایہ پر دی گئی دوکانیں اور مکانات حاجاتِ اصلیہ میں داخل نہیں ہیں۔

• اگر کسی آدمی کے ملک میں باغ ہے مگر اس کی آمدنی اس پر کافی نہیں ہے یعنی بچت نہیں ہوتی اور ایک آدمی کے پاس اناج موجود ہے جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی سے زائد ہے مگر وہ ایک سال کے اخراجات سے زائد نہیں ہے وہ فقیر ہے کیونکہ باغ کی آمدنی اور سال بھر کے لیے اناج حاجات اصلیہ میں داخل ہیں۔ چنانچہ خود سرور دو عالم ﷺ ایک سال کا اناج اپنے اہل وعیال کے لئے ذخیرہ فرماتے تھے اگر کسی کے پاس بڑا مکان ہے جس کے سارے کمروں میں

رہائش نہیں ہوتی وہ بھی حاجت اصلیہ میں داخل ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

"وَفِيْهَا عَنِ الصُّغْرٰى لَهٗ دَارٌ يَسْكُنُهَا لٰكِنْ تَزِيْدُ عَلٰى حَاجَتِهٖ بِاَنْ لَّا يَسْكُنُ الْكُلَّ يَحِلُّ لَهٗ اَخْذُ الصَّدَقَةِ فِي الصَّحِيْحِ" (ص: ۲۹۶/۳)

اسی میں فتاویٰ صغریٰ سے منقول ہے آدمی کے لئے دار (مکان) جس میں وہ رہائش رکھتا ہے، وہ اس کی حاجت سے زائد ہے۔ وہ سارے مکان میں نہیں رہتا اُسے صحیح روایت میں صدقہ لینا جائز ہے۔

• فتاوی کی فقہی کتب میں مذکور ہے امام محمد سے ایسے آدمی کے متعلق پوچھا گیا جس کے ملک میں زمین ہے وہ اس زمین میں فصل کاشت کرتا ہے یا دوکان ہے اس سے آمدنی حاصل کرتا ہے یا گھر ہے جس کی آمدنی تین ہزار درہم یا دینار ہے مگر وہ آمدنی اس کے لئے اور اس کے عیال کے سال بھر نفقہ کے لئے کافی نہیں ہوتی یعنی بچت نہیں ہوتی۔ تو امام محمد نے فرمایا:

"يَحِلُّ لَهٗ اَخْذُ الزَّكَاةِ وَاِنْ كَانَتْ قِيْمَتُهَا اُلُوْفًا وَ عَلَيْهِ الْفَتْوٰى وَعِنْدَهُمَا لَا يَحِلُّ. اھ مُلَخَّصًا"

ترجمہ: اس آدمی کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے اگرچہ ان کی قیمت کئی ہزار درہم ہو اور اسی پر فتویٰ ہے اور شیخین کے نزدیک حلال نہیں۔ ملخص۔

(ردالمحتار ص: ۲۹۶/۳)

• الحاصل تنخواہ یا مملوکہ اثاثوں سے آمدنی لاکھوں اور کروڑوں روپے ہو مگر سال بھر ذاتی اہل وعیال کے اخراجات میں صرف ہو جائے۔ تینوں اماموں کے نزدیک آدمی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی مگر اس کے زکوٰۃ لینے میں اختلاف ہے۔ اور اگر مکانات یا دوکانیں جن سے آمدنی ہوتی ہے حاجات اصلیہ سے زائد ہیں اگر ان کی مالیت اور قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس سے زائد ہو تو وہ غنی ہوتا ہے اس میں شیخین کے قول پر فتوی ہے، اسے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

جہیز پر زکوٰۃ کا حکم:

• بیوی کو جو کچھ مالکانہ حقوق کے ساتھ جہیز میں ملتا ہے، اگر اسے گھر کے لئے اثاثے اور استعمال کے لئے کپڑے اور برتن ملے ہیں، وہ عورت صرف جہیز کی وجہ سے غنیہ نہیں ہوگی اور اگر اس کو سونے اور چاندی کے زیور یا حاجت اصلیہ سے زائد زینت کے لیے جواہر یا سونے اور چاندی کے علاوہ دوسری دھاتوں کے زیورات حاصل ہوتے ہیں جن کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا زائد ہے تو وہ غنیہ ہو جائے گی کیونکہ زیورات حاجات اصلیہ میں داخل نہیں ہیں یہی حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور عمر حافظ کے نزدیک سونے اور چاندی کے علاوہ دوسری اشیاء سے تیار کردہ زیورات حاجت اصلیہ میں داخل ہیں دوسری دھاتوں سے بنائے گئے زیورات کی وجہ سے وہ عورت غنیہ نہیں ہوگی۔ چنانچہ ردالمختار میں ہے:

"حَاصِلُهٗ ثُبُوْتُ الْخِلَافِ مِنْ اَنَّ الْمُحَلّٰى غَيْرُ النَّقْدَيْنِ مِنَ الْحَوَائِجِ الْاَصْلِيَّةِ" (ص: ۲۹۶/۳)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے زیورات کے علاوہ زیورات حاجت اصلیہ میں داخل ہیں یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

• ظاہر یہ ہے کہ زینت کے لئے استعمال ہونے والے زیورات کسی بھی دھات کے ہوں وہ حاجت اصلیہ میں داخل نہیں ہیں جیسے امام حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (محمد رفیق حسنی)

۳۔ بنی ہاشم کا حکم:

• بنی ہاشم یعنی حضرت ہاشم رحمہ اللہ کی اولاد زکوٰۃ نہیں لے سکتی انہیں زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ فقیر، یتیم، مذکر اور مؤنث سب بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے مگر وہ بنی ہاشم جن کی قرابت اور رشتہ داری خود جناب سرور دو عالم ﷺ

نے باطل کر رکھی ہو جیسے ابو لہب اور اس کی اولاد وہ زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ اگر ابو لہب کی اولاد میں سے کوئی شخص مسلمان ہو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ ابو لہب ایسا کافر تھا جس کی قرابت حضور علیہ السلام نے باطل فرمادی تھی حدیث شریف میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَا قَرَابَةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اَبِيْ لَهَبٍ فَاِنَّهٗ آثَرَ عَلَيْنَا الْاَفْجَرِيْنَ"۔

ترجمہ: میرے اور ابی لہب کے درمیان قرابت نہیں ہے کیونکہ اس نے ہمارے اوپر افجر اور کافروں کو ترجیح دی۔ (ردالمحتار۔ ص: ۲۹۹/۳)

• جناب سرور دو عالم ﷺ کے چوتھے دادا حضرت عبد مناف کے چار بیٹے تھے ہاشم اور مطلب اور نوفل اور عبد شمس پھر حضرت ہاشم کے چار بیٹے تھے باقی بیٹوں کی نسل ختم ہوگئی مگر حضرت عبد المطلب زندہ رہے اور آپ کے بارہ بیٹے تھے، ان کی اولادوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ مسلمان اور فقیر ہوں مگر آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ اور حضرت عباس اور حارث کی اولاد اور حضرت ابو طالب کی اولاد میں سے حضرت علیؓ اور حضرت جعفر طیار اور حضرت عقیل کی اولادوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ (ردالمحتار۔ ص: ۲۹۹/۳)

• یہ حکم سب زمانوں اور حالتوں میں ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ بنی ہاشم ایک دوسرے کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ (ردالمحتار)

• بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ کے عوض خمس الخمس مقرر تھا مگر صدیوں سے خمس الخمس باقی نہیں رہا اگر جہاد کے علاوہ معدنی اور صحرائی خزانوں کا خمس نکالنے کا انتظام بھی ہوتا فقراء میں سے سادات کرام فقراء کی مدد ہو سکتی تھی مگر افسوس کسی اسلامی ملک میں ایسا انتظام نہیں ہے اور جہاد مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے صدیوں سے موقوف ہے اور غنائم کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔

سادات کو زکٰوۃ دینے کے جواز کی روایت:

● ابو عصمہ کی امام اعظم سے ایک روایت ہے انہوں نے فرمایا ہمارے زمانہ میں فقراء بنی ہاشم کو زکٰوۃ دینا جائز ہے اور امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ بنی ہاشم ایک دوسرے کو زکٰوۃ دے سکتے ہیں مگر ہمارے علماء نے فتویٰ مطلقا عدم جواز پر دیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔(ردالمحتار)

بنی ہاشم کے مملوکہ یا آزاد کردہ موالی اور غلاموں کو بھی زکٰوۃ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ جناب سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا "مَولیٰ الْقَومِ مِنْهُمْ" (رواہ ابو داؤد) قوم کا غلام قوم سے ہوتا ہے یعنی بنی ہاشم کے غلام کا حکم بنی ہاشم والا ہوگا۔

● فائدہ: کیا دوسرے انبیاء علیہم السلام اور ان کے لئے زکٰوۃ حلال تھی یا نہ اس میں اختلاف ہے۔ نہر الفائق میں اس قول پر اعتماد کیا گیا ہے کہ انبیاء عظام علیہم السلام کے لئے زکٰوۃ حلال نہیں تھی لیکن ان کی اولادوں اور ان کے رشتہ داروں کے لئے حلال تھی۔(ردالمحتار)

سادات کرام پر نفلی صدقہ اور وقفی صدقہ جائز ہے:

● بنی ہاشم کے لئے نفلی صدقات تو حلال ہیں مگر اوقاف سے حاصل آمدنی بھی حلال ہے یا نہ، اس میں تفصیل ہے۔ محققین علماء کے نزدیک اوقاف کی آمدنی سادات کے لیے حلال ہے چاہے وقف کنندہ بنی ہاشم کا نام لے یا نہ لے۔ صاحب فتح القدیر کی بھی تحقیق یہی ہے مگر علامہ شامی نے درج ذیل تفصیل کو ترجیح دی ہے کہ اگر واقف نے بنی ہاشم کا نام لیا تو جائز ہے مثلاً واقف نے کہا میرا مال اہل بیت النبی ﷺ کے لئے وقف ہے اور اہل بیت النبی ﷺ محدود گنتی کے افراد ہیں تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ وصیت اور احسان اور صلہ رحمی ہے، صدقہ واجب نہیں ہے۔ لہٰذا وقف شدہ مال سیدہ فاطمہؓ کی اولاد پر صرف کیا جائے گا اور اگر واقف نے فقراء کا لفظ استعمال کیا تو اس وقف سے بنی ہاشم کو

نہیں دیا جائے گا کیونکہ اب وقف صدقہ واجبہ کے حکم میں ہوگا لہٰذا بنی ہاشم کے فقراء کو نہیں دیا جائے گا۔(ردالمحتار) لہٰذا مطلق فقراء اور غیر فقراء پر وقف شدہ اموال سے سادات فقراء کو دینا جائز ہے کیونکہ آج کل وقف صدقہ واجبہ کے حکم میں نہیں ہوتا۔ لہٰذا محققین کے قول پر فتویٰ ہوگا۔ ہمارے زمانہ کے عرف میں فقراء کا لفظ سادات کے فقراء کو بھی شامل ہوتا ہے۔ گویا واقف نے سادات پر بھی وقف کیا ہے۔(رفیق حسنی)

● سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کی ازواج مطہرات بھی آل میں داخل ہیں مفتی بہ قول کے مطابق زکٰوۃ اور عشر آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کو دینا بھی جائز نہیں کیونکہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

"اِنَّا آلُ مُحَمَّدٍ لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ" (ص: ۳/۳۰۰)

یعنی ہم آل محمد ہیں ہمارے لئے صدقہ جائز نہیں ہے۔

پانچواں غیر مستحق آدمی کافر ہوتا ہے:

● کافروں کے دو قسم ہوتے ہیں ذمی اور حربی۔ ذمی کافر اس کافر کو کہا جاتا ہے جو اسلامی ملک یعنی دار الاسلام میں مقیم ہو اور حکومت کی طرف سے اسے ملک کا رہائشی تسلیم کیا گیا ہو اور حربی کافر وہ شخص ہے جو دار الحرب میں مقیم ہو پھر حربی کافر اسلامی حکومت کی اجازت سے اسلامی ملک میں عارضی طور پر آیا ہوا تو اس کو مستامن کہتے ہیں اور جو اپنے ملک میں ہو اس کو غیر مستامن کہتے ہیں۔

● حربی یا ذمی کافر کو زکٰوۃ اور عشر دینا جائز نہیں ہے جیسا کہ حضرت معاذؓ کی حدیث سے ثابت ہے اور دیگر صدقات واجبہ کفارہ اور نذر اور فطرہ میں امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ ان کا حکم زکٰوۃ کی طرح ہے اس لئے ذمی کافر کو دینا بھی جائز نہیں اور طرفین کا قول یہ ہے کہ صدقۃ الفطر وغیرہ دینا جائز ہے مگر فتویٰ

امام ابویوسف کے قول پر ہے۔ درمختار میں ہے۔ "وبقولہ یفتی" (حاوی القدسی)
(ص: ۳/۳۰۱)

کافروں پر نفلی صدقہ جائز ہے:

• صدقات نافلہ غیر واجبہ ذمی کافر کو دینا جائز ہے اور اس میں دینے والے کو ثواب ملے گا بلکہ حربی کافر کو بھی نفلی صدقہ دینا اور ان سے ہدیہ لینا جائز ہے علامہ شامی نے نقل فرمایا کہ سیر کبیر میں امام محمد نے فرمایا:

"لَا بَأْسَ لِلْمُسْلِمِ اَنْ يُّعْطِيَ كَافِرًا حَرْبِيًّا اَوْ ذِمِّيًّا وَ اَنْ يَّقْبَلَ الْهَدِيَّةَ مِنْهُ لِمَا رُوِيَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ خَمْسَ مِائَةِ دِيْنَارٍ اِلٰى مَكَّةَ حِيْنَ قُحِطُوْا وَ اَمَرَ بِدَفْعِهَا اِلٰى اَبِي سُفْيَانَ ابْنِ حَرْبٍ وَ صَفْوَانَ ابْنِ اُمَيَّةَ لِيُفَرِّقَا عَلٰى فُقَرَاءِ اَهْلِ مَكَّةَ (بخاری،۱۲/۴۸) وَ لِاَنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحْمُوْدَةٌ فِيْ كُلِّ دِيْنٍ وَالْاِهْدَاءُ اِلَى الْغَيْرِ مِنْ مَّكَارِمِ الْاَخْلَاقِ۔" (ص: ۳/۳۰۲)

ترجمہ: مسلمان کے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ کافر ذمی یا حربی کو مال عطا کرے اور اس سے ہدیہ قبول کرے کیونکہ مروی ہے جناب سرور دوعالم ﷺ نے پانچ سو دینار مکہ مکرمہ بھیجے تھے جب اہل مکہ قحط میں مبتلا ہوئے تھے اور آپ ﷺ نے ابوسفیان اور صفوان ابن امیۃ کے ہاتھ میں دینے کا حکم دیا تھا تاکہ مکہ کے فقراء پر تقسیم کردیں اور یہ صلہ رحمی ہے اور صلہ رحمی ہر دین میں محمود ہے اور غیروں (کافروں) کو ہدیہ دینا مکارم اخلاق سے ہے۔

• اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ کو سلطان مقوقس نے دو کنیزیں ام المؤمنین سیدۃ ماریہ اور شیرین اور دلدل گھوڑا اور دیگر تحائف بھیجے تھے اور آپ نے قبول فرمالئے تھے۔ لٰہذا کافر حربی ہو یا ذمی ان کو غیر واجب صدقات میں سے

مال دینا اور ان سے لینا جائز ہے۔

• کافر ذمی کو جب صدقات واجبہ دینا جائز نہیں تو حربی کو دینا بطریق اولیٰ ناجائز ہے۔ (درمختار اور ردالمحتار۔ ص: ۳/۳۰۳)

متفرق مسائل:

• کسی نے غور و فکر کے بعد ایک آدمی کو فقیر یا زکوٰۃ کا مستحق سمجھا اسے زکوٰۃ دے دی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اپنا ہی عبد یا مکاتب تھا یا حربی کافر تھا مستامن تھا یا غیر مستامن تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، وہ شخص دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے کیونکہ اپنے عبد اور مکاتب کو زکوٰۃ دینے کی صورت میں زکوٰۃ کا مال زکوٰۃ دہندہ کے ملک سے خارج ہی نہیں ہوا۔ اور حربی کافر کو زکوٰۃ دینے میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ حربی کافر میں زکوٰۃ کے مال سے احسان مند ہونے کی شرعاً اہلیت ہی نہیں ہوتی۔
(ردالمحتار۔ ص: ۳/۳۰۲)

• اور اگر کسی آدمی کو غور و فکر کے بعد زکوٰۃ کا مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دے دی گئی مگر بعد میں معلوم ہوا زکوٰۃ لینے والا شخص غنی تھا یا ذمی کافر تھا یا صاحب زکاۃ کا باپ یا بیٹا تھا یا اس کی بیوی تھی یا ہاشمی تھا زکوٰۃ ادا ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں کیونکہ مذکورہ افراد میں زکوٰۃ لینے کی اہلیت ہوتی ہے۔ درمختار میں ہے:

"لِاَنَّهٗ اَتٰى بِمَا وَسِعَهٗ حَتّٰى لَوْ دَفَعَ بِلَا تَحَرٍّ لَمْ يَجْزِ اِنْ اَخْطَأَ"۔

ترجمہ: اس لئے کہ زکوٰۃ دینے والے نے وہ کیا جو اس کی طاقت میں تھا یعنی تحری میں حتٰی کہ اگر اس نے بغیر تحری کے زکوٰۃ دے دی تھی اور اس میں خطا تھی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی دوبارہ دینا ہوگی۔

• شامی میں ہے:

• "قَوْلُهٗ لِاَنَّهٗ اَتٰى بِمَا وَسِعَهٗ اَيْ اَتٰى بِالتَّمْلِيْكِ الَّذِيْ هُوَ الرُّكْنُ عَلٰى قَدْرِ وُسْعِهٖ اِذْ لَيْسَ مُكَلَّفًا اِذَا دَفَعَ فِيْ ظُلْمَةٍ مَثَلًا اَنْ يَّسْاَلَ عَنِ الْقَابِضِ

مَنۡ اَنۡتَ"۔(ص: ۳۰۳/۳)

• یعنی زکوٰۃ دینے والے نے جو اس کی وسعت میں تھا، آدمی کو مستحق سمجھ کر تملیک کردی جو کہ زکوٰۃ کی ادامیں رکن ہے۔ وہ اس امر کا مکلف نہیں ہے کہ جب وہ تاریکی میں زکوٰۃ ادا کرے تو قبضہ کرنے والے سے پوچھے تو کون ہے لیکن زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ تو ادا ہو جائے گی مگر لینے والے کے لئے طیب اور حلال ہے یا نہ اس میں اختلاف ہے۔ مناسب ہے کہ غیر مستحق لینے والا آدمی مالک کو زکوٰۃ واپس کردے یا پھر صدقہ کردے خود نہ کھائے۔(درمختار ص: ۳۰۲/۳)

• اگر زکوٰۃ لینے والا شخص فقراء یا دوسرے مستحقین کے ساتھ بیٹھا ہو یا رہتا ہو جس طرح دینی مدارس میں طلباء اکٹھے رہتے ہیں اور اس کا رہنا سہنا اور لباس مستحقین والا ہو تو یہ بھی بمنزلہ تحری کے ہے لہٰذا فقراء میں بیٹھنے والے غیر مستحق کو دی گئی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔(ردالمحتار)

مساجد اور مدارس اور خانقاہوں میں غیر مستحق افراد کا حکم:

• ہمارے زمانہ میں زکوٰۃ کے مستحق اور غیر مستحق کی پہچان بہت مشکل ہو گئی ہے اوّلاً زکوٰۃ دینے والے حضرات کو اس مسئلہ کا علم نہیں ہوتا کہ زکوٰۃ کا مستحق کون ہوتا ہے اکثر لوگ سمجھتے ہیں جو شخص زکوٰۃ دینے والے شخص سے کم دولت رکھتا ہو وہ زکوٰۃ کا مستحق ہوتا ہے، اپنی زکوٰۃ اسی کو دے دیتے ہیں۔ خصوصاً اپنے رشتہ داروں کو دے دیتے ہیں جبکہ وہ زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہوتے مگر زکوٰۃ دہندہ سے کم مال رکھتے ہیں، اگر ایسا ہو گیا بعد میں معلوم ہوا کہ زکوٰۃ لینے والا زکوٰۃ کے مستحق ہونے کے معیار پہ پورا نہیں اترتا تو زکوٰۃ کا اعادہ ضروری ہے، زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، یہ اس لئے کہ مسئلہ کا علم نہ ہونا دارالاسلام میں عذر نہیں ہوتا لہٰذا عدم علم معاف نہیں ہے۔ ثانیاً بیسیوں کی تعداد میں لوگ سائلین کی طرح مساجد کے دروازوں پر لائینوں میں موجود ہوتے ہیں یا خانقاہوں اور اداروں میں موجود

ہوتے ہیں لوگ انہیں زکوٰۃ کا مستحق سمجھ کر فرداً فرداً زکوٰۃ دے دیتے ہیں یا ان کے متولی کو دے دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اگرچہ لینے والا آدمی غیر مستحق ہو کیونکہ مستحقین کی جگہ یا مستحقین کی صفوں میں بیٹھنا تحری کے قائم مقام ہے اور تحری کے بعد اگرچہ خطا ہو جائے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

• ایک مرتبہ ہمارے کرم فرما ریٹائرڈ ڈی آئی جی بچل سانگھڑی صاحب نے یہی مسئلہ دریافت کیا تھا کہ خانقاہوں اور مساجد کے دروازوں پر سینکڑوں لوگ سائلین ہو کر جمع ہو جاتے ہیں، مستحق اور غیر مستحق کا کیسے پتہ چلے گا۔ میں نے عرض کیا زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے کیونکہ فقراء کا لباس یا سوالی ہونے کی ہیت بھی تحری کے قائم مقام ہے مگر مناسب ہے زکوٰۃ دینے والا شخص زکوٰۃ دیتے وقت یہ بتادے کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے تاکہ غیر مستحق زکوٰۃ نہ لے، یہ بتانا جائز ہے ریاکاری نہیں ہے۔

• اگر کسی آدمی نے غور وفکر (تحری) کے بغیر کسی کو زکوٰۃ دے دی یا اسے صرف شک ہوا کہ فلاں آدمی زکوٰۃ کا مستحق ہے یا غور وفکر سے اسے غلبہ ظن ہوا کہ فلاں آدمی مستحق نہیں ہے اور زکوٰۃ دے دی اور بعد میں معلوم ہوا وہ مستحق نہیں تھا، زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، دوبارہ دینا ہوگی اور اگر معلوم ہوا وہ مستحق تھا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔(ص:۳۰۳)

• ایک فقیر کو زکوٰۃ کے نصاب کے مساوی یا زیادہ زکوٰۃ دینا مکروہ ہے مگر یہ کہ وہ فقیر مقروض ہو یا صاحب عیال ہو اگر اس کے سب افراد پر تقسیم ہو تو کسی کے حصہ میں نصاب کے مساوی نہ ہو۔(درمختار ص:۳۰۳)

• مگر کسی ایک فقیر کو ایک وقت میں نصاب یا نصاب سے زائد زکوٰۃ دے دی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

• اگر زکوٰۃ کا مستحق آدمی اپنی بچی کی شادی کرنا چاہتا ہے، اسے نصاب سے زیادہ

دینا جائز ہے کیونکہ چاندی کا نصاب کا تقریباً پینتالیس ہزار روپے بنتا ہے جس سے مستحق کی بیٹی کی شادی کے لئے کچھ بھی نہیں بنتا اس لئے نصاب یا نصاب سے زائد بیک وقت زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

• اگر کسی شخص نے زکوٰۃ کے مستحق فقیر کو نصاب کے برابر یا زائد زکوٰۃ دے دی اور وہ اس کے پاس جمع ہے خرچ نہیں ہوئی دوسرا آدمی اس فقیر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا کیونکہ اب وہ فقیر نہیں رہا۔ (ردالمحتار)

اپنے شہر سے دوسرے شہروں کے فقراء کو ترجیح جائز ہے:

• زکوٰۃ دینے میں پہلے اپنے شہر میں فقراء کو ترجیح دی جائے، دوسرے شہر والوں کو بھیجنا مکروہ ہے مگر یہ کہ دوسرے شہر کے فقراء رشتہ دار ہوں یا دوسرے شہروں کے فقراء زیادہ محتاج ہوں یا دوسرے شہروں کے لوگ صاحب تقویٰ اور صلاح ہوں یا زکوٰۃ دینے والا دارالحرب میں ہو اور فقراء دارالاسلام میں ہوں یا دوسرے شہروں میں طالب علم ہوں اور زکوٰۃ دینے والے کے شہر میں طالب علم نہ ہوں یا زکوٰۃ سال سے پہلے دینا ہو ان سب صورتوں میں دوسرے شہروں کے مستحقین کو زکوٰۃ بھیجنا جائز بلکہ اولیٰ ہے۔ فتاویٰ معراج میں ہے:

"اَلتَّصَدُّقُ عَلَی الْعَالِمِ الْفَقِیْرِ اَفْضَلُ"

یعنی عالم فقیر پر صدقہ کرنا افضل ہے۔(درمختار۔ص: ۳/۳۰۴)

• حدیث شریف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جناب سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا:

"یَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ صَدَقَةً مِنْ رَّجُلٍ لَهٗ قَرَابَةٌ مُحْتَاجُوْنَ اِلٰی صِلَتِهٖ وَیَصْرِفُهَا اِلٰی غَیْرِهِمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَیْهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔" (بحوالہ طبرانی۔ص: ۳/۳۰۴)

ترجمہ: اے امت محمد ﷺ مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے

ساتھ بھیجا نہیں قبول کرے گا اللہ تعالیٰ اس آدمی کا صدقہ جس کے رشتہ دار اس کے احسان کے محتاج اور فقیر ہوں اور وہ ان کے غیر پر صدقہ صرف کرے اور مجھے قسم اس ذات کی جس کی قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔

• محتاج رشتہ داروں میں آدمی کے لئے زکوٰۃ دینے میں افضل بھائی اور بہنیں ہیں پھر ان کی اولادیں پھر آدمی کے چچے اور پھوپھیاں پھر ماموں اور خالائیں پھر ذوی الارحام پھر پڑوسی پھر گلی میں شریک پھر شہر کے فقراء یہ ترتیب اس وقت ہے جب کسی دوسرے میں وجہ ترجیح نہ پائی جائے۔(ردالمحتار۔ص: ۳/۳۰۴)

اہل بدعت کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

• اہل بدعت بدعقیدہ کرامیہ اور مشبہ معتزلہ اور رافضیہ اور وہابیہ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں: "فَالْمُرَادُ هُنَا بِالْبِدَعِ الْمُكَفِّرَاتُ تَأَمَّلْ" (ص: ۳/۳۰۴) ترجمہ: پس بدعتوں سے مراد وہ اقوال اور افعال ہیں جو مکفرات (کافر بنانے والے) ہوں اور ان کا مرتکب کافر ہو جاتا ہو۔ لہٰذا ان فرقوں کے افراد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں جن کے عقیدے کفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہوں۔ فرقہ کرامیہ کے لوگ جو ابو عبد اللہ محمد بن کرام کی طرف منسوب ہے صراحت کے ساتھ کہتے ہیں ہمارا معبود عرش پر مستقر اور مستوی ہو کر بیٹھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو جوہر اعتقاد کرتے ہیں اور مشبہ ایک فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ صفات حادثہ کے قائم ہونے کو جائز سمجھتے ہیں۔ ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اگرچہ یہ فرقے مسلمان کہلاتے ہیں۔

• یہی حال غالی رافضیوں اور غالی خارجیوں کے لئے ہے ان کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے آغا خانی شیعہ اور قادیانی اور بوہری شیعہ اور پرویزی اور گستاخ رسول ﷺ اور گستاخ صحابہ کرامؓ وازواج مطہراتؓ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

ہے۔(فتاویٰ رضویہ)

زانی کا اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینے کا حکم:

• زانی کا صریح زنا سے پیدا شدہ اپنے بچوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے مگر شبہ زنا سے پیدا شدہ اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ مثلاً کسی عورت کو خبر دی گئی کہ اس کا شوہر فوت ہو گیا ہے۔ اس نے عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کر لیا اور دوسرے شوہر سے اولاد پیدا ہو گئی حالانکہ پہلا شوہر فوت نہیں ہوا تھا۔ امام ابو حنیفہ کا قول جس کی طرف آپ نے رجوع فرمایا۔ دوسرے شوہر سے اولاد پہلے شوہر کی ہو گی اور پہلے شوہر کا نکاح قائم ہے مگر پہلا شوہر اس اولاد کو زکوٰۃ دے سکتا ہے اور یہ اولاد پہلے شوہر کے حق میں گواہی بھی دے سکتی ہے کیونکہ شبہ حلت کی وجہ سے خالص اولاد نہیں ہو گی۔ (ردالمحتار۔ص: ۳۰۵/۳)

سوال کرنے کا احکام:

• اگر کسی آدمی کے پاس ایک دن صبح اور شام کھانے کے لئے طعام یا مال موجود ہے جس سے طعام حاصل کر سکے اس کو اسی دن کے لیے کھانے کی اشیاء کا سوال کرنا جائز نہیں ہے اور اس کی اعانت حرام ہے مگر اگلے دنوں کے لئے حتّٰی کہ اسبابِ معیشت کا فاقد سال بھر کے لئے بھی سوال کر سکتا ہے کیونکہ سال بھر کا طعام حاجت اصلیہ میں داخل ہے لہٰذا اسے سال بھر کی ذاتی حاجات کے لئے سوال کرنا جائز ہے۔(ردالمحتار) اسی طرح اگر کوئی شخص صحت مند ہے، مزدوری کر سکتا ہے اور مزدوری کا کام بھی مل سکتا ہے، جب مزدوری کرنے کے مال سے ایک دن کا طعام حاصل ہو سکتا ہے اس کے لئے بھی طعام کے لئے سوال کرنا حلال نہیں ہے۔ مگر اسے کپڑے یا دوسرے ضروری سامان کے لئے جن کا وہ محتاج ہے، سوال کرنا جائز ہے۔

• معذور آدمی جو کام نہیں کر سکتا اور بیوہ عورت یا یتیم فقیر حسب حاجت جو

چیز ضرورت ہو اس کا سوال کر سکتے ہیں اور جس آدمی کے پاس رہنے کا ذاتی مکان نہیں۔ وہ مکان کے کرائے کے لئے سوال کر سکتا ہے لیکن ذاتی مکان کے لیے سوال نہیں کر سکتا۔ ردالمحتار میں ہے:

(قَوْلُهُ لِلْكِسْوَةِ)''وَمِثْلُهَا أُجْرَةُ الْمَسْكَنِ وَ مُرَمَّةُ الْبَيْتِ الضَّرُوْرِيَّةِ لَامَا يَشْتَرِيْ بَيْتًا فِيْمَا يَظْهَرُ''(ص: ۳۰۶/۳)

یعنی (ماتن کا قول للکسوۃ) کپڑوں کی مثل گھر کی اجرت اور گھر کی مرمت ضروریہ کے لیے سوال جائز ہے نہ یہ کہ گھر خریدا جائے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

حقیقی سائل مسجد میں سوال کر سکتا ہے:

• مقصد یہ ہے کہ سوال کرنے والا آدمی اگر حقیقی سائل ہو، جس چیز کا سوال کر رہا ہے وہ اس کی ضرورت ہو اور اس کے پاس وہ چیز موجود نہ ہو تو اُسے سوال کرنا جائز ہے اور حسبِ سوال اس کو دینا بھی جائز ہے اور باعث ثواب ہے۔ اسی طرح صاحب حاجت حقیقی مسجد میں بھی سوال کر سکتا ہے اور اگر سائل حقیقی سائل نہیں، اسے سوال کرنا حرام ہے اور اس کی اعانت کرنا بھی حرام ہے اور وہ مسجد میں سوال نہیں کر سکتا۔ یہ شرائط اس وقت ہیں جب کوئی آدمی اپنی ذات کے لئے سوال کرے۔ مسجد یا مدرسہ کے لیے مسجد میں چندہ کرنا جائز ہے۔ اگر امام یا خطیب یا کسی ادارے کا متولی یا کسی فقیر کا خیر خواہ مدرسہ کے لئے یا مسجد کے لئے یا فقراء کے لئے سوال کرے، یہ سوال جائز ہے حتّٰی کہ مسجد میں بھی جائز ہے جیسا کہ سرور دو عالم ﷺ اپنی مسجد میں غزوات کے لئے لوگوں کو مالی تعاون کا حکم فرماتے تھے اور لوگ تعاون کرتے تھے۔

• مجاہد اور طالب علم جو جہاد یا طلب علم میں مشغول ہو ان کو ہر جگہ مسجد اور غیر مسجد میں سوال کرنا جائز ہے بشر طیکہ وہ سوال حسب حاجت اور بقدر ضرورت

کرے۔ (در مختار ۳/۳۰۶)

• جس شخص کا سوال کرنا جائز نہیں سوال کرنے کی بنیاد پر اس کی اعانۃ بھی جائز نہیں کیونکہ یہ تعاون علی الاثم ہے دینے والا الٹا گنہگار ہو گا۔

گداگروں کے تعاون کے جواز کا حیلہ:

• آج کل گداگری ایک کاروبار بن چکا ہے معذور اور غیر معذور افراد مساجد کے ابواب پر ہر نماز کے ٹائم اور روڈوں کے چوراہوں پر روزانہ سوال کرتے پھرتے ہیں یہ لوگ حقیقی حاجت مند نہیں ہوتے گداگری ان کا پیشہ ہے، یہ "اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ" (لیکن سائل کو نہ جھڑکو) میں داخل نہیں ہے، ان کا سوال کرنا ناجائز ہوتا ہے اور ان کا تعاون کرنا بھی جائز نہیں ہوتا مگر یہ کہ ان کو ہدیہ یا صدقہ دینے کی نیت کرلی جائے تو جائز ہو سکتا ہے یعنی سوال کی بنیاد پر انہیں نہ دیا جائے بغیر سوال دیا جائے۔ مثلاً سوال کرنے والا سوال کرنے کے بعد مایوس ہو کر دوسری طرف متوجہ ہو جائے اس کے بعد صدقہ کی نیت کر کے اس کی مالی مدد کردی جائے تو جائز ہو جائے گا اور یہ تعاون علی الاثم نہیں ہو گا۔ (محمد رفیق حسنی)

عمرہ یا حج یا بچی کی رخصتی کے لیے سوال کرنا جائز ہے:

• الغرض۔ سائل حقیقی اپنے لئے اگرچہ عمرۃ یا حج جیسی مہنگی عبادت کے لئے یا کسی دوسری حقیقی غرض کے لئے لاکھوں روپے کا سوال بھی کرے، اسے سوال کرنا جائز ہے مگر جو چیز اس کے پاس موجود ہے اس کا سوال ناجائز ہے اور اگر سائل پروفیشنل ہو اور کاروبار کر رہا ہو تو اس کو سوال کرنا جائز نہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ایک شخص روٹی کا سوال کر رہا تھا حضرت عمرؓ نے کسی آدمی کو فرمایا اس کو کھانا کھلا دو اس نے کھانا کھلا دیا پھر وہی آدمی روٹی کا سوال کرتے ہوئے پکڑا گیا حضرت عمرؓ کو علم ہوا تو انہوں نے اُسے چیک کیا، اس کی تھیلی میں کافی

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

روٹیاں موجود تھیں۔ آپ نے اس کو تعزیر لگائی اور فرمایا تو سائل نہیں ہے تو کاروباری ہے، اسے سوال کرنے سے منع کر دیا۔ لہٰذا "اما السائل فلا تنھر" سے مراد حقیقی سائل ہے۔

• مستحب ہے کہ آدمی فقیر کو اتنا مال دے کہ کم از کم ایک دن کے لئے اس کی ہر حاجت کے لئے کافی ہو اور اس دن اسے سوال نہ کرنا پڑے۔ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

"وَالْاَوْجَهُ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى مَا يَقْتَضِيْهِ الْحَالُ فِىْ كُلِّ فَقِيْرٍ مِنْ عِيَالٍ وَحَاجَةٍ اُخْرٰى كَدُهْنٍ وَثَوْبٍ وَكِرَاءِ مَنْزِلٍ وَغَيْرَ ذَالِكَ كَمَا فِى الْفَتْحِ وَتَمَامُهٗ فِيْهَا فَافْهَمْ"۔ (ص: ۳/۳۰۶)

قوی تر قول یہ ہے کہ دینے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ ہر فقیر کے حال پر غور کرے کہ فقیر کا حال کیا تقاضہ کرتا ہے عیال اور دوسری حاجت میں مثلاً تیل اور منزل کا کرایہ وغیرہ جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور پوری بات اسی میں ہے پس تو سمجھ۔

• موجودہ دور میں مساجد اور خانقاہوں اور روڈوں پر سوال کرنے والوں میں حقیقی سائل اور غیر حقیقی کا علم مشکل ہو گیا ہے البتہ اپنے محلہ یا جان پہچان کے لوگوں سے صحیح معلومات ہو سکتی ہیں جب صحیح معلومات ہو جائیں جسے زکوٰۃ یا عطیہ دینا ہے اس حاجت مند کی حسب زمانہ ضرورتوں اور تقاضوں کو دیکھ کر دینا مستحب ہے بشرطیکہ اس کے تقاضوں کو پورا کرنے یا کم کرنے کی استطاعت ہو۔

• عموماً روڈوں اور خانقاہوں اور مساجد کے دروازوں پر موجود لوگ پیشہ ور گداگر اور کاروباری بھکاری لوگ ہوتے ہیں سب لوگوں سے مانگتے ہیں ہر چیز مانگتے ہیں اور ہر وقت مانگتے ہیں بہتر تو یہ ہے کہ انہیں کچھ نہ دیا جائے ان کو دینا

ان کی بری عادت کا باعث ہوگا۔

● بہتر یہ ہے کہ جس شہر میں زکٰوۃ کا مال ہو اسی شہر کے فقراء کو زکٰوۃ دی جائے لیکن دینے والے کا شہر معتبر نہیں ہے مال کا شہر معتبر ہے اور فقراء کے لئے وصیت میں وصیت کرنے والے کے شہر کے فقراء کو دینا بہتر ہے، مال کا شہر بہتر نہیں ہے۔ اسی طرح صدقۂ فطر میں فطرہ دینے والے کے شہر کے فقراء کو دینا بہتر ہے۔ (ردالمحتار)

زکٰوۃ کی رقم بطور عیدی دینے کا حکم:

● رشتہ دار فقراء کے نابالغ عاقل بچوں کو اور غیر عاقل بچوں کے اولیاء کو اور اغنیاء رشتہ داروں کے عاقل بالغ فقراء بچوں کو عید کے دنوں میں عیدی یا خوشی کے موقعہ پر ہدیہ زکٰوۃ کی رقم سے زکٰوۃ کی نیت کے ساتھ دینا جائز ہے زکٰوۃ کا نام لینا ضروری نہیں لیکن زکٰوۃ کی نیت ضروری ہے۔ (ردالمحتار۔ص: ۳۰۷/۳)

گھر کے نوکروں کو زکٰوۃ دینے کا حکم:

● اگر معلم اپنے نائب زکٰوۃ کے مستحق آدمی کو زکٰوۃ دے دے یا مکان کا مالک اپنے گھر کام کرنے والوں زکٰوۃ کے مستحق خادموں اور نوکروں کو زکٰوۃ دے یہ بھی جائز ہے بشر طیکہ بطور اجرت یا تنخواہ نہ ہو۔(در مختار) لہٰذا ٹیوشن پڑھانے والے طالب علموں کو بچوں کا والد بطور اجرت تنخواہ دے یا مالک اپنے نوکروں اور گھر میں اجرت پر کام کرنے والے خادموں عورتوں اور مردوں کو بطور اجرت زکٰوۃ دے تو زکٰوۃ ادا نہیں ہوگی۔

رفیقِ سفر طلباء کے کرایہ میں زکٰوۃ دینا جائز نہیں:

● بعض اساتذہ یا ناظمین یا مدرسین اپنے سفر میں طلباء کو اپنی حاجت کے لئے ساتھ رکھتے ہیں تاکہ سفر میں ان کے ساتھ تعاون کریں۔ان طلباء کے کرایوں میں زکٰوۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہے کیونکہ طلباء کا کرایہ استاذ یا ناظم پر اس کی ذاتی

جیب سے واجب ہے۔ (رفیق حسنی)

غنی بہنوئی کی بیوی کو زکٰوۃ دینا جائز ہے:

● اگر کسی آدمی کا غنی بہنوئی اپنی بیوی کو نصاب یا نصاب سے زائد مہر کا مال نہیں دے رہا جبکہ اس کے ملک میں غنی ہونے کے نصاب کے مساوی یا زائد مال ہے۔صاحب زکٰوۃ اس کی بیوی یعنی اپنی بہن کو زکٰوۃ دے سکتا ہے کیونکہ دین مجحود (انکار کردہ) کالعدم ہوتا ہے لہٰذا اس کی بیوی فقیرہ ہے۔گویا شوہر پر واجب دین کی مالک نہیں ہے۔اور اگر اس کا شوہر غنی ہے اور بیوی جب بھی مہر کا مطالبہ کرے وہ دے دے گا تو صاحب زکٰوۃ اپنی بہن کو زکٰوۃ نہیں دے سکتا۔

● اگر بہن کا شوہر فقیر ہے مہر ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا لیکن منکر بھی نہیں ہے آدمی ایسی بہن کو زکٰوۃ دے سکتا ہے کیونکہ مہر دین ضعیف ہے جب اس کا زکٰوۃ کے وجوب میں اعتبار نہیں ہے تو زکٰوۃ لینے کے استحقاق میں بھی اس کے وجود کا اعتبار نہیں ہے۔(ص: ۳۰۸/۳)

زکٰوۃ کی رقم فقراء خود اٹھالیں تو زکٰوۃ ادا ہو جائے گی:

● اگر کسی شخص نے زکٰوۃ کی رقم اپنے ہاتھ میں یا ایسی جگہ رکھی جہاں سے خود فقراء اُٹھا سکتے ہیں فقراء نے اس کی رضا سے زکٰوۃ لوٹ لی تو زکٰوۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ تملیک متحقق ہے اور زکٰوۃ الگ کرتے وقت نیت موجود تھی اور مالک کی رضا نہ ہو تو زکٰوۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ اموال باطنہ کی زکٰوۃ میں زکٰوۃ دینے والے کا زکٰوۃ دینے میں اختیار شرط ہے، اذن نہ ہونے کی وجہ سے یہاں اختیار نہیں ہے۔(شامی: ص: ۳۰۸/۳)

مجہول فقراء کو زکٰوۃ ادا نہیں ہوتی:

● صاحبِ مال سے زکٰوۃ کا مال گر گیا اور فقیر نے اٹھالیا مالک فقیر کو جانتا ہے فقیر نے ابھی مال خرچ نہیں کیا تھا اور مالک نے اجازت دے دی تو زکٰوۃ ادا ہو جائے گی

کیونکہ تملیک اور نیت موجود ہے اور اگر فقیر کو مالک نہیں جانتا مگر مالک راضی ہو گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی کیونکہ مجہول آدمی کے لیے تملیک معتبر نہیں ہوتی کیونکہ مجہول آدمی پر راضی ہو جانے سے اباحت ہوتی ہے تملیک نہیں ہوتی اور اگر زکوٰۃ کا مال اٹھانے والا فقیر معلوم ہے مالک نے اجازت دی مگر فقیر نے اجازت سے پہلے زکوٰۃ کا مال خرچ کر دیا تھا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی کیونکہ اب نیت کرنا صحیح نہیں ہو گا۔ نیت کا اعتبار اس وقت ہوتا ہے جب مال موجود ہو۔

(شامی: ص: ۳۰۸/۳)

صدقہ نفلی کا حکم:

● اپنی اور اپنے اہل وعیال کی کفایت سے زائد مال سے نفلی صدقات کرنا مستحب ہے مگر اہل وعیال کی کفایت کے مقدار مال میں سے اس وقت صدقہ کرنا جبکہ اہل وعیال نفقہ کے محتاج ہوں گناہ ہے اور جائز نہیں ہے البتہ خود اپنی کفایت کا مال وہ آدمی خرچ کر سکتا ہے جو متوکل اور صابر ہے اور جو شخص صبر نہیں کر سکتا اس کو اپنی ضرورت کا مال صدقہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور تاتارخانیہ میں محیط سے ہے کہ جو شخص نفلی صدقہ کرنا چاہتا ہے وہ سب مومنوں اور مومنات کے لئے نیت کرے کیونکہ اس کا ثواب ان سب کو پہنچتا ہے اور صدقہ کرنے والے کے اجر میں کسی قسم کی کمی نہیں آتی۔ شامی میں ہے:

"اَلافضَلُ بِمَنْ تَصَدَّقَ نَفْلًا اَن یَّنْوِیَ لِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ لِاَنَّهَا تَصِلُ اِلَیْهِمْ وَلَا یَنْقُصُ مِنْ اَجْرِهٖ شَیْءٌ وَاللهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ" (ص: ۳۰۹/۳)

یعنی اس شخص کے لئے افضل ہے جو نفلی صدقہ کرتا ہے وہ سب مومنوں اور مومنات کی نیت کرے کیونکہ ان سب کو صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے اور صدقہ کرنے والے کے اجر میں سے کوئی چیز کم نہیں ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حرام مال مباح الانتفاع کی بیع وشراء سے آمدنی پر زکوٰۃ کا حکم:

● ہم نے لکھا تھا کہ موجودہ دور میں دم مسفوح مریض مسلمان کے آپریشنوں اور ایکسیڈنٹ شدہ زخمیوں کے حق میں بھی مال متقوم ہو گیا ہے کیونکہ شدید ضرورت اور لوگوں کے تعامل نے اسے مال اور پھر متقوم بنا دیا ہے۔ فقہ کی کتب میں فقہاء کرام کی جانب سے مال کی ذکر کی گئی تعریف اجتہادی تھی، قرآن یا حدیث میں نہیں ہے۔ فقہاء کی تعریفات اپنے اپنے زمانہ اور عرف کی بنیاد پر ہیں۔ قرآن وحدیث میں اللہ تعالی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اتنا ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دم مسفوح اور خنزیر اور میتہ اور وہ جانور جن پر ذبح کے وقت ذبح کے عمل پر غیر کا نام لیا جائے مسلمانوں کے لئے حرام کیے ہیں، ان اشیاء کے حرام ہونے اور بیع شراء کے ناجائز ہونے کے حکم کے باوجود فقہاء کرام نے اپنے دور کے عرف کے مطابق بعض حرام جانوروں کی بیع اور شراء کو خارج کیا۔

باب ششم

دارالحرب کے مسائل

دارالحرب اور دارالاسلام کی تعریفات:

- دارالحرب اور دارالاسلام کے متعلق امام اہلسنت الشاہ مولانا احمد رضا خان رحمہ اور فقہاء کی تحقیق کے مطابق دارالحرب کی تعریف: دارالحرب وہ مملکت یا شہر ہے جس پر کبھی اسلامی حکومت نہیں رہی، اسے ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک مسلمانوں نے فتح نہیں کیا یا اسلامی حکومت کے بعد کفار نے اس پر غلبہ اور قبضہ کر کے حکومت قائم کر لی ہو اور شعائر اسلامی عیدین، جمعہ، اذان پر کلیۃً پابندی لگا دی ہو اور کافروں کی سلطنت کے ساتھ کسی طرف سے متصل ہو، مسلمانوں کی حکومتوں کا چاروں طرف احاطہ نہ ہو اور اس مغلوبہ اسلامی ریاست میں مسلم اور ذمی کو سابقہ اسلامی امان کی وجہ سے امان نہ رہے اور اس میں کفر اور شرک کے احکام نافذ اور جاری کر دیے جائیں۔
- اگر اسلامی ریاست پر کافر قبضہ کر لیں اور اسلامی شعائر پر پابندی نہ لگائیں، وہ اسلامی ریاست دارالحرب نہیں بنے گی۔
- اگر اسلامی شعائر پر پابندی لگا دیں مگر مغلوبہ اسلامی ریاست چاروں طرف اسلامی حکومتوں کے درمیان گھری ہوئی ہے، وہ اسلامی مغلوبہ ریاست دارالحرب نہیں بنے گی۔
- اگر اسلامی مغلوبہ ریاست میں مسلم اور ذمی سابقہ اسلامی امان کے ساتھ مامون اور محفوظ ہوں، وہ مغلوبہ اسلامی ریاست دارالحرب نہیں بنے گی۔
- لہٰذا دارالاسلام کی تعریف یہ ہوئی، جہاں بالفعل اسلامی حکومت قائم ہو یا بالفعل اسلامی حکومت کے بعد حکومت کافروں کی قائم ہو جائے مگر اسلامی شعائر پر پابندی نہ ہو یا چاروں طرف اسلامی حکومتوں میں محیط ہو یا مسلم اور ذمی سابقہ امان کے ساتھ مامون اور محفوظ ہوں۔
- یہ تعریف فقہاء کرام اور امام اہلسنت کی تحقیق کی روشنی میں کی گئی ہے، اس

تعریف کے تناظر میں دارالحرب اور دارالاسلام کی تعیین کی جاسکتی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے،اور اعلیٰ حضرت کی تحقیق آخری تحقیق ہے۔ فتاویٰ رضویہ باب الجمعہ میں انہوں نے بار بار بیان فرمایا،کافروں کے وہ ممالک جہاں ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک کبھی مسلمانوں کی حکومت نہیں آئی وہ ممالک دارالحرب ہیں،خواہ ان ممالک میں ہزاروں مساجد اور لاکھوں مسلمان رہتے ہوں، پھر امام اہلسنت نے ابہام دور کرتے ہوئے یورپی ممالک کے ناموں کی تصریح فرمائی ہے کہ یہ ممالک دارالحرب ہیں جیسا کہ عنقریب ذکر کیا جائے گا۔

● ہمارے خیال میں اعلیٰ حضرت کی تحقیق بالکل صحیح ہے کیونکہ زمین پر اسلام کے آنے سے پہلے پوری دنیا دارالکفر تھی، ہجرت کے بعد روئے زمین پر مدینہ منورہ پہلی اسلامی ریاست وجود میں آئی،اس وقت مکہ مکرمہ بھی دارالحرب تھا،اگرچہ صلح حدیبیہ کے بعد اہل مکہ اہل حرب کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم ہوگئے تھے پھر بھی مکہ مکرمہ دارالحرب رہا اور حسب معاہدہ مکہ والوں کے ساتھ قتال ایک مدت تک موقوف ہو گیا تھا،ایسی صورت میں دارالحرب کو دارالہدنہ اور دارالمعاہدہ یا دارالامن بھی کہا جاتا ہے، مگر صرف امن کے معاہدہ اور سفارتی تعلقات قائم ہونے سے دارالحرب خارج نہیں ہوتا اور دارالاسلام نہیں ہو جاتا۔

● اسی وجہ سے صلح حدیبیہ کے زمانہ میں بھی مکہ مکرمہ میں موجود مسلمانوں نے جمعہ اور عیدین شروع نہیں فرمائی تھیں، کیونکہ دارالحرب میں جمعہ اور عیدین واجب یا صحیح نہیں ہوتیں لہٰذا مکہ مکرمہ فتح تک دارالحرب رہا، اگرچہ صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ منورہ کے مسلمانوں اور مکہ مکرمہ کے مشرکین کے درمیان سفارتی تعلقات قائم ہوگئے تھے مگر مکہ مکرمہ کے دارالحرب ہونے میں کوئی فرق نہیں آیا ورنہ صلح کے بعد ہجرت فرض نہ ہوتی اور مکہ مکرمہ فتح کرنے کی ضرورت نہ ہوتی

اور حضرت ابوسفیان سے تجدید عہد کر لیا جاتا۔

● معلوم ہوا مختلف ممالک میں بین الاقوامی معاہدات اور سفارتی تعلقات سے حربی ممالک حربیت سے خارج نہیں ہوتے۔

● فقہاء کرام نے فرمایا دنیا میں صرف دو دار ہیں: دارالحرب اور دارالاسلام مگر دارالحرب والوں کے ساتھ جب امن وامان اور ترک قتال پر معاہدہ ہو جائے تو وہ دارالمصالحۃ اور دارالمعاہدہ کہلاتا ہے اور مسلمانوں کو حکم ہے کہ دارالحرب والوں کے ساتھ دائمی طویل مدت کے لئے صلح نہ کریں۔ جیسا کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے ساتھ صرف دس سال کے لئے مصالحۃ فرمائی تھی،اور معاہدہ ہوا تھا کہ دس سال تک دونوں فریق قتال سے اجتناب کریں گے اسی مصالحت کی مدت میں مسلمانوں کو جو فوائد حاصل ہوئے،اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو فتح مبین قرار دیا تھا اور فرمایا: ''اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا'' (سورۃ فتح) پھر مشرکین نے خود معاہدہ توڑ دیا مسلمانوں کے حلیفوں پر اہل مکہ کے حلیفوں نے حملہ کر کے قتال (جو ایک عرصہ سے بند تھا) شروع کر دیا اور معاہدہ توڑ دیا گیا۔

● جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے فرمایا ہمارے حلیف مقتولوں کا خون بہا دیا جائے یا اہل مکہ اپنے حلیفوں سے الگ ہو جائیں ہم ان سے بات کر لیں گے یا پھر حدیبیہ کا صلح نامہ کا ایگریمنٹ توڑ دیا جائے تو مشرکین نے آخری شق اور پوائنٹ اختیار کیا اور معاہدہ توڑ دیا پھر مشرکین نادم ہوئے تو حضرت ابو سفیان کو معاہدہ کی تجدید کے لئے مدینہ منورہ بھیجا لیکن تجدید نہ ہو سکی، پھر جب مکہ مکرمہ فتح ہوا، مکہ مکرمہ بھی دارالحرب سے خارج ہو کر دارالاسلام کا حصہ بن گیا پھر جہاں جہاں اسلامی فتوحات ہوتی گئیں وہ علاقے دارالاسلام میں داخل ہوتے گئے مگر وہ ملک یا علاقے جہاں کافروں کی حکومتیں قائم تھیں اور وہاں آج تک اسلامی حکومت نہیں آئی اور مسلمانوں حکمرانوں نے

اسے فتح نہیں کیا وہ علاقے اسی طرح دارالحرب رہے جیسے پہلے تھے،ان ملکوں کو دارالحرب ہونے سے مسلمانوں کے کسی عمل نے خارج نہیں کیا صرف مسلمان ملکوں کے ان ممالک کے ساتھ سفارتی تعلقات اور معاہدات قائم ہو جانے سے یہ ممالک دارالاسلام نہیں بن سکتے لہٰذا امریکہ، برطانیہ اور یورپی ممالک دارالحرب ہیں جیسا کہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے۔

علامہ سعیدی سے گذارش:

• حضرت علامہ مولانا غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم ''تبیان القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ سفارتی تعلقات اور امن و امان اور مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان ممالک میں مساجد اور مدارس اور مسلمانوں کے رہنے سے یہ ملک دارالحرب نہیں رہے اور دارالاسلام بھی نہیں بلکہ دارالکفر ہیں اور حکماً دارالاسلام ہیں۔ علامہ صاحب کی یہ تحقیق صحیح نہیں ہے اور اصطلاح جدید ہے کہ یورپی ممالک دارالکفر ہیں اور حکماً دارالاسلام ہیں اور حقیقی دارالحرب اور حقیقی دارالاسلام کے درمیان واسطہ ہیں، یہ ان کی اپنی اختراعی تحقیق ہے۔ایسی تحقیق علمائے متقدمین اور متاخرین میں سے کسی کی کتاب میں ہمیں نظر نہیں آئی بلکہ تمام کتب فقہ میں دار کی دو قسموں کا ذکر ہے، دارالحرب یا دارالاسلام اور بس۔ علامہ سعیدی صاحب تبیان القرآن میں لکھتے ہیں، ''آج کل جتنے کافر ملک ہیں، کسی میں ایسے حالات نہیں ہیں، ہو سکتا ہے اسرائیل میں یہ کیفیت ہو اس لئے ان ممالک سے ہجرت کرنا واجب نہیں ہے مغربی جرمنی، کینیڈا، فرانس اور ہالینڈ میں رہنے والے مسلمان پاکستان سے زیادہ مامون اور محفوظ ہیں یہ تمام ملک دارالکفر ہیں اور جن ملکوں سے بالفعل حالت جنگ برپا ہو وہ دارالحرب ہیں اور جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور ان میں نظام اسلام جاری کرنے کی صلاحیت ہو وہ دارالاسلام ہیں''۔(۱/۲۷۷)

علامہ سعیدی کی دلیل ''ہجرت فرض نہ ہونا'' غلط ہے:

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

• ہمارے علماء نے فرمایا دارالحرب سے ہجرت اس وقت فرض ہوتی ہے جب مسلمانوں کے لئے دارالحرب میں امن نہ ہو اس لئے ان ممالک سے ہجرت کا فرض نہ ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ یورپی ممالک امریکہ اور برطانیہ دارالحرب نہیں ہیں۔ علامہ سعیدی کے نزدیک اگر مطلق امن اور سلامتی کا ہونا دارالحرب نہ ہونے کی دلیل ہو تو حالت جنگ میں بھی مسلمان یورپی ممالک میں محفوظ ہوتے ہیں۔حال ہی میں عراق اور افغانستان کے ساتھ اتحادی ملکوں کی جنگ اور حرب جاری تھی مگر حالتِ جنگ میں بھی ان ملکوں میں رہنے والے مسلمان محفوظ تھے۔ کیا سعیدی صاحب کا بالفعل حرب کا استثناء مفید رہے گا؟ امریکہ کا صدر بش تو کہتا ہے مسلمانوں کے ساتھ ہلال اور صلیب کی جنگ ہے مگر ہمارے حضرت صاحب امن کی وجہ سے امریکہ کو حکماً دارالاسلام کہتے ہیں۔ شاید علامہ سعیدی کے نزدیک اس حرب میں بھی امریکہ اور اتحادی حکماً دارالاسلام ہیں، حالانکہ خود فرما رہے ہیں مسلمانوں کی جن ملکوں سے بالفعل جنگ برپا ہو وہ دارالحرب ہیں تو کیا ان حالات میں مسلمانوں کے محفوظ رہنے کو دیکھیں اور ان ملکوں کو حکماً دارالاسلام سمجھیں یا بالفعل حرب کو دیکھیں اور ان ملکوں کو دارالحرب کہیں اس تعارض کا کیا جواب ہے؟(رفیق حسنی)

• دوسری جگہ فرماتے ہیں:

• <u>دارالحرب، دارالکفر اور دارالاسلام کی تعریفات:</u> شمس الائمہ سرخسی دارالحرب کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک دارالحرب کی تین شرطیں ہیں: ایک یہ کہ، اس پورے علاقے میں کافروں کی حکومت ہو اور درمیان میں مسلمان کا کوئی ملک نہ ہو۔ دوسری یہ کہ اسلام کی وجہ سے کسی مسلمان کی جان مال اور عزت محفوظ نہ ہو اسی طرح ذمی بھی محفوظ نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ، اس میں شرک کے احکام ظاہر ہوں۔

• یہ تعریف اس ملک پر صادق آئے گی جس ملک سے مسلمان عملاً برسر جنگ ہوں اس ملک کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم نہ ہوں اور وہاں کسی مسلمان کی اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے جان، مال اور عزت محفوظ نہ ہو جیسا کہ کسی زمانہ میں اسپین میں تھا، وہاں ایک ایک مسلمان کو چن چن کر قتل کر دیا گیا وہاں مذہب اسلام پر قائم رہنا قانوناً جرم تھا، ایسے ملک سے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض ہے۔ فقہاء احناف نے حربی کافروں کی جان اور مال کے مباح ہونے کی جو تصریح کی اس سے اسی دار الحرب کے باشندے مراد ہیں۔

• کافروں کے وہ ملک جن سے مسلمانوں کے سفارتی تعلقات ہیں، تجارت اور دیگر انواع کے معاہدات ہیں، پاسپورٹ اور ویزے کے ساتھ ایک دوسرے کے ملک میں آتے جاتے ہیں، مسلمانوں کی جان و مال و عزت محفوظ ہے بلکہ مسلمانوں کو وہاں اپنے مذہبی شعائر پر عمل کرنے کی بھی اجازت ہے اور آزادی ہے جیسے امریکہ، برطانیہ، ہالینڈ، جرمنی اور افریقی ممالک یہ ملک دار الحرب نہیں ہیں بلکہ دار الکفر ہیں۔ فقہاء احناف نے اسلامی احکام پر عمل کرنے کی آزادی کے پیش نظر ایسے ملکوں کو دار الاسلام کہا ہے، لیکن یہ حکماً دار الاسلام ہیں حقیقتاً دار الکفر ہیں، بعض اوقات فقہاء دار الکفر پر مجازاً دار الحرب کا اطلاق بھی کر دیتے ہیں لیکن یہ ملک حقیقتاً دار الاسلام ہیں نہ دار الحرب بلکہ دار الکفر ہیں، کافروں کی حکومت کی وجہ سے کبھی ان پر دار الحرب کا اطلاق کر دیا جاتا ہے اور اسلامی احکام پر عمل کی آزادی کی وجہ سے کبھی ان پر دار الاسلام کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

(تبیان القرآن۔ ص: ۱/۹۹۰۔ فرید بک اسٹال، لاہور)

• علامہ صاحب شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں، انگلینڈ اور امریکہ وغیرہ دار الکفر ہیں یا دار الحرب؟ ہم نے ذکر کیا ہے کہ دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا فرض ہے اس لئے دار الحرب کی تعریف سمجھنا ضروری ہے۔ علامہ سرخسی

نے دار الحرب کی حسب ذیل تعریف کی ہے:

"اَلْحَاصِلُ اَنَّ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رحمۃ اللہ علیہ اِنَّمَا تَصِیْرُ دَارُھُمْ دَارَالْحَرْبِ بِثَلَاثِ شَرَائِطَ اَحَدُھَا اَنْ تَکُوْنَ مُتَاخِمَۃَ اَرْضِ الشِّرْکِ لَیْسَ بَیْنَھَا وَ بَیْنَ اَرْضِ الْحَرْبِ دَارُالْمُسْلِمِیْنَ وَالثَّانِیْ اَنْ لَّا یَبْقٰی فِیْھَا مُسْلِمٌ اٰمِنٌ بِاَیْمَانِہٖ وَلَا ذِمِّیٌّ بِاَیْمَانِہٖ وَالثَّالِثُ اَنْ یَّظْھَرُوْا اَحْکَامَ الشِّرْکِ فِیْھَا" (بحوالہ المبسوط۔ ج:۱۱، ص:۱۱۴۔ مطبوعہ دار المعرفت، بیروت الطبقۃ الثالثۃ،۱۳۹۸ء۔ شرح صحیح مسلم۔ ص:۱۰/۳۔۷۔ مطبوعہ لاہور)

ترجمہ: "(صاحب کتاب کی جانب سے) حاصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک (کافروں کا ملک) تین شرطوں سے دار الحرب ہوتا ہے: ایک یہ کہ، وہ ملک کفار کی سرزمین سے متصل ہو اور درمیان میں مسلمانوں کا کوئی ملک نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ، وہاں مسلمان اپنے ایمان کی وجہ سے محفوظ نہ ہوں اور نہ ہی کسی ذمی کو امان ہو۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ، وہاں احکام شرک کا غلبہ ہو۔ (بعینہ)۔"

• پھر فرماتے ہیں دار الحرب میں بنیادی شرط یہ ہے کہ وہاں مسلمان کو اسلام اور ایمان کی وجہ سے اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کا خطرہ ہو اور اس ملک میں وہ بحیثیت مسلمان نہ رہ سکتا ہو اور مسلمان کے ساتھ وہاں عملاً جنگ اور حرب کی کیفیت ہو جیسے کسی زمانہ میں اسپین تھا ایسے ملک سے اس پر ہجرت کرنا فرض ہے اور انگلینڈ اور امریکہ اور جرمنی وغیرہ دار الکفر ہیں دار الحرب نہیں ہیں، ان ممالک سے ہجرت کرنا فرض نہیں ہے اور چونکہ ان ممالک میں مسلمانوں کو اسلامی احکام پر عمل کرنے کی آزادی ہے اس لئے ان ممالک میں جمعہ اور عیدین وغیرہ جائز ہیں اور کفار سے سود لینا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے اس مسئلہ پر مکمل بحث انشاء اللہ کتاب الربا میں بیان کریں گے۔

• علامہ سعیدی نے کتاب الربا میں پھر مبسوط کی یہی عبارت کتاب الربا جلد رابع میں نقل کی اور اسی عبارت کی بنیاد پر اپنے مؤقف کی ساری عمارت تعمیر فرمائی اور لکھا امریکہ اور برطانیہ اور ہالینڈ اور جرمنی اور افریقی ممالک کے لئے لکھا دارالحرب نہیں ہیں حتی کہ ان ملکوں کو حکماً دارالاسلام قرار دیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''کافروں کے جس ملک میں مسلمانوں کو اسلامی احکام پر عمل کی آزادی ہو وہاں جمعہ اور عید کا قیام جائز ہے اور اسی وجہ سے وہ علاقہ حکماً دارالاسلام ہے نہ کہ حقیقۃً دارالاسلام ہے اور نہ حقیقۃً دارالحرب ہے۔

• امام اہلسنت اعلیٰ حضرت نے تقسیم سے پہلے انگریزوں کی حکومت میں ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیا تھا۔ علامہ سعیدی اپنے مؤقف کی تائید میں اعلیٰ حضرت کا مؤقف پیش کر کے ہندوستان پر امریکہ اور دیگر یورپی ممالک کو قیاس کر رہے ہیں حالانکہ اعلیٰ حضرت صراحت کے ساتھ یورپی ممالک کو دارالحرب فرما چکے ہیں جیسا کہ عنقریب ذکر کیا جائے گا۔ چنانچہ علامہ صاحب لکھتے ہیں قبل از تقسیم ہندوستان کو جن علماء (علامہ سعیدی کی مراد شاید اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان ہیں) دارالاسلام قرار دیا تھا اس کا بھی یہی مطلب تھا۔ (ص: ۳۹۸/۴)

علامہ سعیدی کی خدمت میں مؤدبانہ گذارش:

• نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علامہ سعیدی صاحب نے قصداً یا سہواً مبسوط کی اس عبارت کو سیاق وسباق سے کاٹ کر مطلق دارالحرب کی تعریف پر محمول کیا ہے اور ''تَصِيْرُ دَارَهُمْ دَارَالْحَرْبِ'' کے ترجمہ کی عبارت میں ان قرائن سے اغماض کیا جن سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ شرائط دارالحرب اصلی کے نہیں ہیں اور علامہ صاحب نے کافروں کا ملک تین شرطوں سے دارالحرب ہوتا ہے، کے ساتھ کیا یعنی ''ھم'' ضمیر کا مرجع اصلی کافروں کو بنایا حالانکہ مبسوط کی عبارت میں اس کا مرجع مرتدین ہیں۔

• مبسوط میں علامہ سرخسی نے باب المرتدین (مرتد خواتین اور مرتد رجال وغیرہا) کی مختلف صورتیں اور مسائل ذکر کرتے ہوئے ایک صورۃ کا ذکر اس طرح فرمایا۔ حضرت شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں:

''قَوْمٌ اِرْتَدُّوْا عَنِ الْاِسْلَامِ وَ حَارَبُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَغَلَبُوْا مَدِيْنَةً مِنْ مَّدَائِنِهِمْ فِيْ اَرْضِ الْحَرْبِ وَمَعَهُمْ نِسَاءُهُمْ وَ ذُرَارِيْهِمْ ثُمَّ ظَهَرَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَيْهِمْ فَاِنَّهُمْ يُقْتَلُ رِجَالُهُمْ وَ سُبِيَ نِسَاءُهُمْ وَ ذُرَارِيْهِمْ وَالْحَاصِلُ اَنَّ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اِنَّمَا تَصِيْرُ دَارَهُمْ دَارَالْحَرْبِ بِثَلَاثَةِ شَرَائِطَ... الخ''

ترجمہ: ایک قوم اسلام سے مرتد ہوگئی اور کافر ہوگئی اور انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ محاربہ کی اور حرب کی زمین میں مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر پر غالب آگئے اور ان مرتد لوگوں کے ساتھ عورتیں اور اولادیں بھی تھیں پھر مسلمان ان مرتدوں پر غالب آگئے پس بے شک مرتدوں کے مردوں کو قتل کیا جائے گا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے گا اور حاصل کلام یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک ان مرتدین کے قبضہ میں دارالاسلام دارالحرب میں تین شرطوں کے ساتھ تبدیل ہو جائے گا۔۔۔

ایک شرط یہ کہ مقبوضہ شہر دارالحرب کے ساتھ متصل ہو، اس شہر اور دارالحرب کے درمیان کوئی دارالاسلام نہ ہو۔ دوم یہ کہ کوئی مسلمان اور ذمی امن والا مسلمانوں کے امن کی وجہ سے باقی نہ رہے۔ سوم یہ کہ اس شہر میں مرتد شرک کے احکام غالب کردیں۔ چونکہ مسلمانوں کا شہر مرتدین کے قبضہ میں مذکورہ شرائط کی وجہ سے دارالحرب ہوگیا اب اگر مسلمان دوبارہ اپنے شہر پر قبضہ کریں گے تو ان مرتدین کے مردوں کو قتل کردیں گے اور عورتوں اور بچوں کو قیدی

بنالیں گے۔

- اہل علم پر مذکورہ ترجمہ سے واضح ہے کہ یہ اس دارالحرب کی شرطوں کا بیان ہے جو پہلے دارالاسلام تھا، مسلمان مرتد ہوگئے تھے اور ایک شہر پر غلبہ حاصل کرلیا تھااور ہماری بحث اس دارالحرب میں ہے جس میں اصلی کافروں کی حکومت قائم چلی آرہی ہو آج تک مسلمانوں کی حکومت نہ ہوسکی ہو۔
- اس عبارت میں تصیر (کہ وہ شہر دارالحرب ہوجائے گا) کے لفظ سے واضح ہے کہ وہ دار پہلے دارالحرب نہیں تھی پھر دارالحرب بنی اور اس اسلامی دار کا دارالحرب میں تبدیل ہونے کی شرائط کا ذکر ہے پھر اس میں دوسری شرط یہ ہے کہ اس میں کوئی مومن اپنی سابقہ امان اور سلامتی اور کوئی ذمی سابقہ امان اور سلامتی کے ساتھ امان والا نہ رہے اس شرط میں ذمی کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شرطیں اس دار کی ہیں جو دارالحرب ہونے سے پہلے اس میں ذمی رہتے تھے،اور ذمی کافر دارالاسلام میں رہتے ہیں لہٰذا یہ شرائط مطلق دارالحرب کے لئے نہیں ہیں بلکہ اس دارالحرب کے ہیں جو پہلے دارالاسلام تھا۔ مذکورہ عبارت میں ایمان ہمزہ کی فتح کے ساتھ ہے اور علامہ سعیدی صاحب نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ والے لفظ کا ترجمہ کیا۔
- لفظ الاصل دلالت کرتا ہے کہ مابعد مذکور شرطیں اس دارالحرب کے لئے ہیں جو پہلے دارالحرب نہیں تھا بلکہ دارالاسلام تھا، چنانچہ اس عبارت کے بعد صاحبِ مبسوط نے مرتد لوگوں کے مقبوضہ شہر کے متعلق فرمایا:

"لٰكِنَّ اَبُوْ حَنِيْفَةَ يَعْتَبِرُ تَمَامَ الْقَهْرِ وَالْقُوَّةِ لِاَنَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةَ كَانَتْ دَارًا مِنْ دَارِ الْاِسْلَامِ مُحْرَزَةً مُسْلِمِيْنَ فَلَا يَبْطُلُ ذٰلِكَ الْاِحْرَازُ اِلَّا بِتَمَامِ الْقَهْرِ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَذٰلِكَ بِاسْتِجْمَاعِ الشَّرَائِطِ الثَّلَاثِ لِاَنَّهَا اِذَا لَمْ تَكُنْ مُتَّصِلَةً بِالشِّرْكِ فَاَهْلُهَا مَقْهُوْرُوْنَ بِاِحَاطَةِ

الْمُسْلِمِيْنَ بِهِمْ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ فَكَذَا لِكَ اِنْ بَقِيَ فِيْهَا مُسْلِمٌ اَوْ ذِمِّيٌّ اٰمِنٌ فَذٰلِكَ دَلِيْلُ عَدَمِ الْقَهْرِ مِنْهُمْ وَهُوَ نَظِيْرُ مَا لَوْ اَخَذُوْا مَالَ الْمُسْلِمِ فِيْ دَارِ الْاِسْلَامِ لَا يَمْلِكُوْنَهَا قَبْلَ الْاِحْرَازِ بِدَارِهِمْ لِعَدَمِ تَمَامِ الْقَهْرِ ثُمَّ مَا بَقِيَ شَيْءٌ مِنْ آثَارِ الْاَصْلِ فَالْحُكْمُ لَهٗ دُوْنَ الْعَارِضِ كَالْمَحَلَّةِ اِذَا بَقِيَ فِيْهَا وَاحِدٌ مِّنْ اَصْحَابِ الْخِطَّةِ فَالْحُكْمُ لَهٗ دُوْنَ السُّكَّانِ وَالْمُشْتَرِيْنَ وَهٰذِهِ الدَّارُ كَانَتْ دَارَ الْاِسْلَامِ فِي الْاَصْلِ فَاِذَا بَقِيَ فِيْهَا مُسْلِمٌ اَوْ ذِمِّيٌّ فَقَدْ بَقِيَ اَثَرٌ مِنْ اٰثَارِ الْاَصْلِ فَيَبْقٰى ذٰلِكَ الْحُكْمُ وَهٰذَا اَصْلٌ لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ حَتّٰى قَالَ اِذَا اشْتَدَّ الْعَصِيْرُ وَلَمْ يَقْذِفْ بِالزَّبَدِ لَا يَصِيْرُ خَمْرًا لِبَقَاءِ صِفَةِ السُّكُوْنِ"

(مبسوط۔ص:۱۰/۱۲۱۔باب المرتدین)

ترجمہ: لیکن امام ابو حنیفہ تمام (مکمل) قہر و غلبہ اور قوت کا اعتبار کرتے ہیں،اس لئے کہ یہ شہر دارالاسلام میں سے ایک دار تھا یعنی اسلامی شہر تھا، یہ شہر مسلمانوں کو تحفظ اور امن دینے والا تھا یہ امن اور تحفظ باطل نہیں ہوگا مگر مشرکین کے قہر اور غلبہ کے مکمل اور تمام ہونے کے بعد اور تحفظ کا بطلان تین شرطوں کے جمع ہونے پر ہوتا ہے اس لئے کہ اگر وہ شہر جس پر مرتدین نے قبضہ کیا ہے وہ دارالشرک اور دارالکفر کے شہروں کے ساتھ متصل نہ ہوا ان سے جدا ہو تو اس شہر کے اہل یعنی مرتد مسلمانوں کے شہروں کے ہر جانب احاطہ کی وجہ سے مقہور ہوں گے یعنی وہ شہر دارالحرب نہیں ہو پائے گا، مرتدین کا غلبہ عارضی ہوگا اور اسی طرح اگر اس مقبوض شہر میں کوئی مسلم یا ذمی امان اور سلامتی کے ساتھ باقی ہوا تو یہ دلیل ہے اس امر کہ ان مرتدین کی جانب سے غلبہ اور قہر مکمل اور تام نہیں ہوا اور یہ تفصیل اس صورت کی نظیر ہے کہ حربی کافر دارالاسلام میں

مسلمان کا مال قبضہ میں لے لیں وہ اس مال کے مالک نہیں ہو پائیں گے، اپنے دارالحرب میں احراز اور محفوظ کر لینے سے پہلے کیونکہ حربیوں کا مسلم کے مال پر قبضہ مکمل نہیں ہوا پھر جب تک اصل (دارالاسلام) کے آثار اور احکام سے کوئی چیز باقی ہو گی حکم اور اعتبار اسی اصل کا ہو گا یعنی وہ دارالاسلام رہے گا (اور اگر دار الحرب اصل تھا تو اعتبار دارالحرب کا ہو گا) نہ عارض ہونے والے امر کا جیسے ایک محلہ ہے اس میں جب تک کوئی ایک صاحبِ خطہ اصلی مالک (جس کے لئے حکومت نے خط کھینچا اور اس کا مالک بنایا) میں سے محلہ میں باقی رہتا ہے حکم اس مالک کا ہوتا ہے عارضی سکونت دار اور خریداروں کا اعتبار نہیں ہوتا اور یہ دار اصل میں دار الاسلام تھا پس جب تک اس میں ایک مسلم یا ذمی ہو گا اصل کے آثار سے اثر باقی ہو گا پس اس کا حکم کہ وہ دارالاسلام ہے، بھی باقی رہے گا۔

میں (رفیق حسنی) اس جگہ کہتا ہوں اور اگر اصل میں وہ شہر دارالحرب تھا اور دارالحرب کے آثار میں سے کوئی اثر (شرک کا حکم) یا حربی کافر اس میں باقی رہے گا تو وہ دارالحرب رہے گا۔ اگرچہ اس شہر میں مساجد اور مدارس اور جمعے اور عیدین ہوتے ہوں (جیسا کہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت نے فرمایا)۔ اور امام ابو حنیفہ کا یہی ضابطہ اور اصل ہے حتیٰ کہ آپ نے فرمایا جب عصیر (انگوروں کا شیرہ) سخت ہو جائے اور جھاگ نہ چھوڑے وہ خمر نہیں ہو گا کہ اس میں سکون یعنی جھاگ نہ چھوڑنے کی صفت باقی ہے، یعنی جب عصیر کا اصل خمر نہیں ہے تو جب تک عصیر کی صفت سکون باقی رہے گی صفت زبد پیدا نہ ہو گی اس وقت تک وہ خمر نہیں ہو گا اگرچہ گاڑھا ہو جائے۔

- یہی امام صاحب کا ضابطہ ہے یعنی جب اصل ثابت الوجود کے آثار میں سے کوئی اثر باقی ہو اور بتمامہٖ زائل نہ ہو تو اس اصل کا اعتبا ہو گا لہٰذا اگر پہلے کوئی ملک یا شہر یا

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

علاقہ دارالحرب تھا اور اس کے آثار میں سے جب تک کوئی اثر باقی رہے گا وہ دارالحرب رہے گا اور جب وہ ملک دارالاسلام بن گیا جب تک دارالاسلام کے آثار میں سے کوئی اثر باقی ہو گا وہ دارالاسلام رہے گا۔

- امام اہلسنت اعلیٰحضرت نے تقسیم سے قبل متحدہ ہندوستان کے متعلق یہی فتویٰ دیا تھا اور فتاویٰ رضویہ میں یہی مذکور ہے کہ متحدہ ہندوستان جب دارالاسلام تھا پھر انگریزوں نے قبضہ کر لیا۔ انہوں نے شرک کے احکام کو غلبہ نہیں دیا، اسلامی شعائر عیدین اور جمعہ کو رہنے دیا اور مسلمان اور ذمی سابقہ اسلامی امن کے ساتھ حسبِ سابق رہتے رہے تو ہندوستان دارالحرب نہیں بنے گا مگر علامہ صاحب نے اس کا غلط نتیجہ نکالا کیونکہ متحدہ ہندوستان کو علمائے دیوبند دارالحرب کہتے تھے، امام اہلسنت نے لکھا کہ جب متحدہ ہندوستان کا مغلیہ سلطنت کے وقت دارالاسلام ہونا وجود میں آگیا، اب انگریزوں کی حکومت آنے کے بعد اسلامی آثار باقی ہیں، انہوں نے مساجد اور مدارس اور عیدین اور جمعوں پر پابندی نہیں لگائی لہٰذا متحدہ ہندوستان دارالحرب میں تبدیل نہیں ہو گا اور یہی مبسوط کی عبارت کا مفہوم ہے۔ امام اہلسنت نے ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیتے وقت یہ بھی لکھ دیا کہ یورپی ممالک دارالحرب ہیں۔ مبسوط کی مذکورہ عبارت سے علامہ سعیدی کا استدلال باطل ہو گیا اور تعجب اس پر ہے کہ انہوں نے ایسی عبارت جس میں اعلیٰ حضرت کی تائید تھی، اس عبارت کو سیاق وسباق سے کاٹ کر اعلیٰ حضرت کی تردید میں پیش کیا۔

اصلی مسئلہ کی وضاحت:

- دارالحرب کی دو قسمیں ہیں ایک دارالحرب اصلی جہاں آج تک اسلامی حکومت نہیں آئی اور اس میں دارالحرب کے آثار غیر اسلامی آئین اور شرک اور کفر باقی ہیں بلکہ حکومت باقی ہے شرک اور کفر کے احکام نافذ اور جاری ہیں۔

• اور دوسری قسم دارالحرب کی وہ ہے کہ پہلے وہ شہر یا ملک دارالاسلام تھا پھر کافر اس پر غالب آگئے انہوں نے شرک کے احکام غالب اور نافذ کر دیے اور اسلامی شعائر کو ختم کر دیا جیسا کہ اسپین میں یا خوارزم میں ہوا تھا جب اسلامی ملک پھر دارالحرب بن جائے تو ہمیشہ دارالحرب رہے گا جب تک دارالحرب کی حکومت قائم رہے گی۔

• احسن الفتاویٰ میں ہے دارالحرب وہ علاقہ ہے جہاں زندگی کے تمام شعبوں میں احکام اسلام اور اسلامی نظام نافذ کرنے کی قدرت نہ ہو۔

• اسلامی نظام کا نفاذ حکومت کے ذریعے ہوتا ہے اس تعریف کا مفہوم بھی یہی ہے کہ وہاں اسلامی حکومت قائم ہو تو دارالاسلام ہوگا۔

• مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست دنیا میں پہلا دارالاسلام تھا اس وقت باقی دنیا دارالحرب تھی مگر پھر جہاد کے ذریعے مسلمانوں نے بلادِ کثیرہ کو دارالاسلام میں داخل کیا مگر جو علاقے اسلامی حکومت کے تحت فتح نہیں ہوئے وہ اسی طرح اصلی دارالحرب رہے۔

• کیا علامہ سعیدی صاحب کے نزدیک برطانیہ اور امریکہ میں اسلامی نظام نافذ ہے؟

دارالاسلام کے دو قسم ہیں:

• دارالاسلام کے بھی دو قسم ہو گئے ایک دارالاسلام جس میں اسلامی حکومت قائم ہے جس طرح اسلامی ممالک دنیا میں موجود ہیں اور دوسرا قسم وہ ملک یا شہر دارالاسلام ہوگا جہاں پہلے اسلامی حکومت تھی پھر کافروں نے اس ملک پر قبضہ اور غلبہ کر لیا مگر کافروں کی حکومت نے دارالاسلام کے شعائر ختم نہیں کئے مسلمان اور ذمی مسلمان حکمرانوں کی سابقہ امان اور سلامتی کی ضمانت پر مقیم رہے جس کی مثال حالیہ ہندوستان یا تقسیم سے پہلے ہندوستا ن تھا۔

• دارالحرب اور دارالاسلام کی تقسیم کا راز جہاد کے ذریعہ اسلام کی دعوت اور اعلاء کلمۃ اللہ قائم رکھنا اور ہر علاقہ پر اسلامی سلطنت قائم کرنا ہے، سرور دوعالم ﷺ اور خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں اسلامی ریاست کی وسعت اس کا ثبوت ہے چنانچہ فقہاء کرام نے فرمایا: ''مرتدین اور عربی کفار کے لئے اسلام لانے کی دعوت کے بعد صرف اسلام یا حرب ہے ان کے لئے جزیہ اور خراج کی کوئی رعایت نہیں ہے''۔ (ہدایۃ باب الجہاد)

• علامہ سعیدی صاحب نے فرمایا، شمس الائمہ سرخسی نے مطلق دارالحرب کی تعریف بیان فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک دارالحرب کی تین شرطیں ہیں حالانکہ علامہ شامی نے مبسوط کی عبارت ردالمحتار میں نقل فرمائی ہے۔ ردالمحتار کی عبارت سے واضح ہے کہ یہ تین شرطیں اس دارالحرب کے لئے ہیں جو پہلے دارالاسلام تھا اور پھر دارالحرب ہو گیا لہٰذا اس عبارت سے اصلی دارالحرب کو دارالاسلام ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔ مبسوط کی عبارت ''تَصِيْرُ دَارُ الْاِسْلَامِ دَارَ الْحَرْبِ'' کے الفاظ کا ترجمہ علامہ سعیدی صاحب نے قصداً چھوڑ دیا تاکہ اپنے مقصد کو ثابت کر سکیں۔

• ملاحظہ فرمائیں اعلیٰ حضرت نے درج ذیل عبارت میں یورپی ممالک کا نام لے کر لکھا کہ یہ دارالحرب ہیں اور علامہ سعیدی صاحب اسی عبارت سے انہی ملکوں کا نام لے کر لکھتے ہیں کہ یہ دارالحرب نہیں ہیں۔ قارئین خود انصاف فرمائیں۔

امام اہلسنت کے نزدیک دارالاسلام کی دو صورتیں:

• جیسے ہم نے ذکر کیا اعلیٰحضرت کی تحقیق کے مطابق دارالاسلام کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ ملک میں اسلامی حکومت ہو اور ملک کا سربراہ مسلمان ہو جیسے پاکستان اور دیگر عرب ممالک اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ملک پہلے دارالحرب تھا مسلمانوں نے اسے فتح کیا تھا اور مسلمانوں کی حکومت رہی اور اسلامی احکام نافذ

- دار الاسلام کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَهُوَ اَنَّ كُلَّ مَا دَخَلَ مِنَ الْبِلَادِ فِيْ مُحِيْطِ سُلْطَانِ الْاِسْلَامِ وَنَفَذَتْ فِيْهَا اَحْكَامُهٗ وَاُقِيْمَتْ شَعَائِرُهٗ قَدْ صَارَ مِنْ دَارِ الْاِسْلَامِ" (ص:۱۶۹)

دار الاسلام ہر وہ شہر ہے جو اسلام کی محیط سلطنت میں داخل ہوا اور اس میں اسلام کے احکام نافذ کیے گئے اور اسلام کے شعائر اس میں قائم کیے گئے ہوں وہ شہر دار الاسلام سے ہو گیا۔

- اسی تعریف کے تناظر میں لکھتے ہیں:

"فَمِثْلُ فَلَسْطِيْنِ الْيَوْمِ وَالْجَزَائِرِ فِي الْاَمْسِ الْقَرِيْبِ تُعْتَبَرُ كُلٌّ مِنْهَا دَارَ اِسْلَامٍ وَيَجِبُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ جَمِيْعِهِمْ تَطْهِيْرُهَا مِنَ الدَّخِيْلِ وَعَلٰى هٰذَا فَدَارَ الْاِسْلَامِ تَشْمَلُ جَزِيْرَةَ الْعَرَبِ وَالْبِلَادِ الَّتِيْ اَفْتَحَهَا الْمُسْلِمُوْنَ... الخ"(ص:۱۷۰)

ترجمہ: اس تناظر میں پس فلسطین کی مثل آج اور الجزائر کی مثل کل قریب میں ہر ایک کو دار الاسلام اعتبار کیا جائیگا اور سب مسلمانوں پر واجب ہے کہ فلسطین کی دخیل کافروں سے انہیں پاک کریں اور اس بناء پر دار الاسلام جزیرۃ عرب اور ان شہروں یا ملکوں کو شامل ہے جن کو مسلمانوں نے فتح کیا تھا۔ معلوم ہوا جن شہروں یا ملکوں کو مسلمانوں نے فتح نہیں کیا تھا وہ دار الاسلام میں شامل نہیں ہیں۔

- اسی کتاب میں علامہ زحیلی لکھتے ہیں:

"قَالَ اِبْنُ حَزْمٍ وَكُلُّ مَوْضِعٍ سِوٰى مَدِيْنَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَدْ كَانَ ثَغْرًا وَدَارَ حَرْبٍ وَمَغْزٰى جِهَادٍ" (ص: ۱۷۱)

ترجمہ: ابن حزم نے کہا مدینۃ الرسول ﷺ کے علاوہ تمام جگہیں دار حرب اور

رہے مگر پھر کفار غالب آگئے اور حکومت قائم کرلی مگر اسلامی احکام پر کلیۃً پابندی نہیں لگائی، کُلاًّ یا بعضًا اسلامی احکام جاری رہے اس حکومت کا سربراہ اور حکومت اگرچہ کافروں کی ہو مگر وہ ملک دار الاسلام ہوگا۔
جیسا کہ ہندوستان انگریزوں کی حکومت میں دار الاسلام تھا اور آج بھی تقسیم کے بعد ہندوستان کی صورت یہی ہے اور دار الحرب کی بھی دو صورتیں ہیں، اصلی اور غیر اصلی لیکن تجارتی، سیاسی اور اقتصادی اور امن وغیرہ کے معاہدات اور سفارتی تعلقات کے بعد دار الحرب کو دار العہد یا دار الہدنہ اور دار الامن بھی کہا جاتا ہے مگر یہ نام دار الحرب کو دار الحرب ہونے سے خارج نہیں کرسکتے۔ اور مسلمانوں کے ملک دار الاسلام میں اگر بعض مسلمان بغاوت کر کے اپنی حکومت قائم کرلیں تو اسے دار البغی یا دار البغاۃ کہا جاتا ہے مگر دار البغی اور دار البغاۃ دار الاسلام کا حصہ ہوتا ہے الگ کوئی دار نہیں ہے۔ دار الاسلام سابقہ حیثیت میں اسی طرح دار الاسلام رہتا ہے۔

- وہبہ زحیلی آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی میں لکھتے ہیں:

"نَرٰى جُمْهُوْرَ فُقَهَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ يَقْسِمُوْنَ الدُّنْيَا اِلٰى دَارَيْنِ دَارَ اِسْلَامٍ وَدَارَ حَرْبٍ" (ص:۱۶۷)

ترجمہ: ہم نے دیکھا جمہور فقہاء مسلمین دنیا کو دو داروں میں تقسیم کرتے ہیں، دار الاسلام اور دار الحرب۔

- دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"فَقَدْ قَسَّمَ الْفُقَهَاءُ الدُّنْيَا اِلٰى دَارَيْنِ بِحَيْثُ تَعُمُّ دَارُ الْحَرْبِ جَمِيْعَ الْاُمَمِ غَيْرِ الْاِسْلَامِيَّةِ" (ص:۱۶۹)

فقہاء نے دنیا کو دو داروں کی طرف تقسیم کیا ہے اس طرح کہ دار الحرب تمام غیر اسلامی ملکوں کو شامل ہے۔

جہاد کی جگہ اور بارڈر تھی۔

- پھر فرماتے ہیں:

"فَلَیْسَ مَعْنٰی دَارِالْحَرْبِ وَ دَارِالْاِسْلَامِ اِنَّہُمَا فِیْ حَالَۃِ عَدَاءٍ وَ خِصَامٍ مُسْتَمِرًّا اِنَّمَا الْمَقْصُوْدُ ھُوَ وُجُوْدُ الْاَمْنِ وَالسَّلَامِ اَوْ عَدْمُ وُجُوْدِہٖ وَھُوَ مَعْنٰی تَقْسِیْمِ الدُّنْیَا اِلٰی دَارَیْنِ وَھُوَ اَقْرَبُ اِلٰی مَعْنَی الْاِسْلَامِ" (ص:۱۷۲)

ترجمہ: دارالحرب اور دارالاسلام کا یہ معنی نہیں کہ دونوں بالفعل حالۃ عداوۃ اور دائمی خصومت میں ہوں یعنی بالفعل حرب ہو رہا ہو بے شک مقصود امن اور سلامتی کا وجود اور امن و سلامتی کا عدم وجود ہے اور یہی دارین کی طرف دنیا کی تقسیم کا معنی ہے اور یہ اسلام کے زیادہ قریب ہے۔

- یاد رہے کہ امن اور سلامتی سے مراد وہ امن اور سلامتی ہے جو اسلام کی وجہ سے ہو۔ جس کی بنیاد اسلامی حکومت میں مقیم ہونا ہو جیسا کہ اسلامی ممالک میں مسلم اور ذمی کو اسلام کے حکم سے اسلامی ملک میں رہنے والوں کو امن حاصل ہوتا ہے، مطلق امن اور سلامتی مراد نہیں ہے کیونکہ آج دنیا کے غیر اسلامی ممالک میں امن کی وجہ ان ملکوں کے اپنے اپنے اقتصادی، سیاسی، تجارتی اور ملکی قوانین ہیں کافروں کے ملک میں مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے حقوق اور جان و مال کا تحفظ اپنے ملکی قوانین کی وجہ سے ہوتا ہے اسلام کی وجہ سے نہیں ہوتا یہ نہیں کہ غیر اسلامی حکومتیں اسلام کے حکم پر عمل کرتے ہوئے تحفظ کی ضمانت دیتی ہوں۔

- اور امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک دارالاسلام سے دارالحرب بننے میں تیسری شرط یہ ہے کہ اس ملک پر کفار کا قبضہ ہو جائے اور کوئی مسلمان یا ذمی سابقہ اسلامی احکام کی وجہ سے سلامتی اور امن کے ساتھ نہ رہے بلکہ کفر کی غالب آنے والی حکومت اپنے قوانین کی بنیاد پر مسلمانوں اور ذمیوں کو سلامتی اور امن کی ضمانت

دے تب وہ دارالاسلام دارالحرب بنے گا اور اگر سابقہ اسلامی امن اور سلامتی کی وجہ سے مسلمان یا ذمی کو تحفظ حاصل ہو تو وہ اسلامی ملک مغلوب ہونے کے باوجود دارالحرب نہیں ہوگا۔ چنانچہ اسی کتاب میں وہبہ الزحیلی فرماتے ہیں:

"اَلثَّالِثُ اَن لَّا تَبْقٰی فِیْہَا مُسْلِمٌ وَلَا ذِمِّیٌّ آمِنًا بِاَمَانِ الْمُسْلِمِیْنَ الَّذِیْ کَانَ یَتَمَتَّعُ بِہٖ اَیْ بِالْاَمَانِ الْاِسْلَامِیِّ الْاَوَّلِ الَّذِیْ مَکَّنَ رَعِیَّۃَ الْمُسْلِمِیْنَ مِنَ الْاِقَامَۃِ فِیْہَا اَیْ بِاَمَانٍ اَقَرَّہُ الشَّرْعُ بِسَبَبِ الْاِسْلَامِ لِلْمُسْلِمِیْنَ وَبِسَبَبِ عَقْدِ الذِّمَّۃِ بِالنِّسْبَۃِ لِلذِّمِّیِّیْنَ"

(ص:۱۷۳)

ترجمہ: مقبوضہ دارالاسلام کو دارالحرب میں تبدیل کرنے کی تیسری شرط یہ ہے کہ اس دار میں کوئی مسلم اور ذمی مسلمانوں کی امان کے ساتھ امان میں نہ رہے جس امان کے ساتھ وہ نفع اٹھاتا تھا یعنی امان اسلامی اوّل جو حکومت نے مسلمان رعایا کو اس ملک میں مقیم رہنے کے لئے دی تھی یعنی وہ امان جس کو اسلام کے سبب سے مسلمانوں کے لئے شرع نے برقرار رکھا تھا اور عقد ذمہ کی وجہ سے ذمی کافروں کے لئے برقرار رکھا تھا۔ معلوم ہوا جب ایسی امان نہیں ہوگی وہ ملک دارالحرب ہو جائے گا اور اگر سابقہ اسلامی امان کی وجہ سے اس ملک مقبوض میں اقامت ہے تو وہ دارالاسلام دارالحرب نہیں بنے گا جیسا کہ ہندوستان میں ہے۔

- دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"وَلٰکِنَ الْاَمْنَ الْمُتَوَفَّرَ الْیَوْمَ فِیْ غَیْرِ بِلَادِ الْاِسْلَامِ لَیْسَ بِاَمَانِ الْاِسْلَامِ الْاَوَّلِ فَیَظِلَّ حِیْنَئِذٍ رَاْیُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ سَلِیْمًا" (ص:۱۷۴)

ترجمہ: لیکن امان کامل اور پوری سلامتی جو بلاد اسلامی کے غیر میں (کافروں کے ملکوں میں) آج موجود ہے وہ اسلام کی پہلی امان کی وجہ سے

نہیں ہے لہٰذا ابو حنیفہ کی رائے اس وقت سالم ہو گی۔

• اس عبارت سے علامہ سعیدی صاحب اور پروفیسر طاہر القادری صاحب کا استدلال کہ ’’یورپی ممالک میں جو امن اور سلامتی ہے، اسلامی ممالک سے زیادہ ہے لہٰذا یورپی ممالک حکماً دارالاسلام ہیں‘‘ کا جواب معلوم ہو گیا۔

• جب یورپی ممالک میں اسلامی حکومت کبھی وجود میں نہیں آئی تو وہاں مسلمانوں کو اوّل اسلام کی وجہ سے امان اور سلامتی کا قول کیسے کیا جا سکتا ہے۔ معلوم ہوا علامہ سعیدی صاحب اور پروفیسر طاہر القادری صاحب کا یہ کہنا کہ برطانیہ اور امریکہ اور دیگر غیر اسلامی یورپی ممالک میں مسلمان اپنے اسلامی ممالک سے زیادہ محفوظ اور مامون ہیں لہٰذا وہ دارالحرب نہیں رہے صحیح نہیں، کیونکہ ان ممالک میں مسلمانوں کی سلامتی اور امن کی ضمانت ان کے اپنے ملکی قوانین کی وجہ سے ہے اور اسلام کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کے مذہب یہودیہ اور عیسائیہ میں تو مسلمان ہونا استحلالِ خون اور مال کا باعث ہے اور امن اور سلامتی کا سبب نہیں ہے۔ اگر ان کا بس چلے تو مسلمانوں کو زندہ نہ چھوڑیں۔

• پھر یہ کہ امن اور سلامتی کی وجہ سے غیر اسلامی ممالک اگر ان دو حضرات کے نزدیک دارالحرب نہیں ہیں تو پھر وہ دارالاسلام ہونے چاہئیں کیونکہ امن اور سلامتی دارالاسلام کی علت اور بنیاد ہوتی ہے دارالکفر کی نہیں ہوتی، پھر ان حضرات کو دارالکفر کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی جبکہ دارالکفر دار ثالث کا تصور فقہاء کرام کے نزدیک کہیں نہیں ملتا۔

• پھر ان دو حضرات کے نزدیک اقدامی جہاد اور دفاعی جہاد کی فرضیت ساقط ہے پھر لازم آئے گا غنیمت اور فیء کا مال مسلمانوں کے لیے حرام ہو کیونکہ غنیمت وہ مال ہوتا ہے جو حربی کافروں کا مال حرب بالفعل سے حاصل ہو اور فیء کافر حربی کا وہ مال ہوتا ہے جو بغیر حرب کے حاصل ہو۔ جب دنیا میں دارالحرب ہی نہیں تو جہاد

اور اس کے احکام ختم ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ معلوم نہیں ان دو حضرات کا حربی کافروں کے ساتھ نرم رویہ کیوں ہے!

• البتہ امام شافعی کے مذہب پر غیر اسلامی ممالک کے ساتھ سیاسی اور تجارتی ثقافتی اور مالی معاہدات کی وجہ سے دنیا کے تین دار ہو سکتے ہیں دارالاسلام اور دارالحرب اور دارالصلح والعہد مگر دارالصلح والعہد یا دارالامن دارالاسلام کا حصہ ہوتا ہے الگ قسم نہیں ہوتا، اس تقسیم کے مطابق دارالحرب وہ ملک ہوں گے جن کے ساتھ مسلمانوں اور کافروں کے ممالک میں صلح نہیں اور سفارتی تعلقات بھی نہیں جیسا کہ قاموس، ص: ۶۳۳، پر ہے اور دارالعہد سے مراد کافروں کے وہ ممالک ہیں جن کو مسلمانوں نے فتح نہیں کیا، خراج پر ان کے ساتھ صلح کر لی، اس پر امام شافعی کے دلائل فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں مگر جمہور فقہاء نے امام شافعی کی سخت مخالفت فرمائی کیونکہ ایسے ممالک دارالاسلام کا حصہ ہوتے ہیں، خراج پر مصالحت کی وجہ سے وہ اہل ذمہ ہو جاتے ہیں، صرف حربی کافر نہیں رہتے۔ (ص:۱۷۶)

• لیکن یورپی غیر اسلامی ممالک کو دارالعہد میں بھی داخل نہیں کر سکتے کیونکہ یورپی ممالک کے ساتھ خراج ادا کرنے کی شرط پر مسلمانوں کی کبھی صلح نہیں ہوئی۔ لہٰذا ہمارے دونوں حضرات کو امام شافعی کے قول کا آسرا بھی نہیں مل سکتا۔

• علامہ زحیلی بیان کرتے ہیں:

’’دَارُ الْحَرْبِ اَوْ دَارُ الْاَجْنَبِيَّةِ تَشْمَلُ جَمِيْعَ الْبَلَادِ الَّتِي لَيْسَ فِيْهَا سُلْطَنَةٌ اِسْلَامِيَّةٌ وَ لَا تُسَوَّدُ فِيْهَا اَحْكَامُ الشَّرِيْعَةِ ذَالِكَ اَيًّا كَانَتْ اَنْظِمَتُهَا الْقَانُوْنِيَّةُ اَوِ السِّيَاسِيَّةُ وَ رِعَايَا دَارِ الْحَرْبِ يُسَمُّوْنَ حَرْبِيِّيْنَ وَلَا يَلْزَمُ اَنْ يَّكُوْنَ اَعْدَاءً دَائِمًا فَقَدْ يَرْتَبِطُوْنَ بِمِيْثَاقٍ مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيُسَمُّوْنَ مُعَاهِدِيْنَ (الى) وَ اَيًّا دَارُ الْاِسْلَامِ فَتَعُمُّ جَمِيْعَ الْاَقَالِيْمِ الْاِسْلَامِيَّةِ مَهْمَا كَانَتْ مُبَاعَدَةً عَنْ

بَعْضِهَا۔۔الخ" (ص: ۱۷۷۔آثار الحرب فی الفقہ)

ترجمہ: دارالحرب یادارالاجنبیہ ان سب شہروں کو شامل ہے جہاں اسلامی سلطنت نہیں ہے اور اس شہر میں شرعی احکام کی سیادت اور غلبہ نہیں ہے جو بھی ان ممالک کے قانونی یا سیاسی نظام ہوں اور دارالحرب کی رعایا کو حربی کہا جاتا ہے اس سے یہ لازم نہیں کہ وہ ہمیشہ اعداء ہوں پس وہ کبھی مسلمانوں کے ساتھ عہد کی وجہ سے رابطہ کرتے ہیں ان کو معاہدین کہا جاتا ہے (تا) اور دارالاسلام تمام اسلامی ممالک کو شامل ہے جہاں بھی ہوں خواہ ایک دوسرے سے بعید ہوں۔

- علامہ زحیلی لکھتے ہیں اگرچہ آج دنیا کے غیر اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے لئے کامل امن قائم ہے مگر مسلمانوں کے لئے غیر اسلامی ملکوں میں یہ امن کامل اسلام کی وجہ سے نہیں ہے۔
- احسن الفتاویٰ میں ہے:

''جس ملک میں اگرچہ عملاً احکام اسلام کا نفاذ نہ ہو مگر تنفیذ احکام پر قدرت ہو وہ دارالاسلام ہے اس معنی میں اسے اسلامی ملک بھی کہا جاتا ہے مگر ایسے ملک کی حکومت کو اس وقت تک اسلامیہ نہیں کہا جاسکتا جب تک وہ احکام اسلام کی تنفیذ نہ کریں"۔(ص:۲۱/۹)

- سوال: دارالحرب کی تعریف کیا ہے؟ کیا کسی نظام میں مسلمانوں کو صرف عبادات (نماز، روزہ) کی آزادانہ ادائیگی اس ملک کے دارالامن ہونے کے لئے کافی ہوگی جب کے ملک کے عائلی قوانین مثلاً نکاح، طلاق میں مسلمان ان کے غیر اسلامی قوانین کی پابندی پر مجبور ہوں۔
- الجواب: جہاں احکام اسلام کی تنفیذ پر قدرت نہ ہو وہ دارالحرب ہے دارالحرب میں اگر مسلمانوں کی جان ومال اور عزت محفوظ ہو اور عبادات محضہ پر

کوئی پابندی نہ ہو تو یہ دارالامن ہے۔(ص:۲۱/۶)

- ہم ذکر کرچکے ہیں کہ امریکہ اور برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک میں مسلمانوں کے لئے امن اور سلامتی اسلامی حکم ہونے کی وجہ سے نہیں کہ یہ اسلام کا حکم ہے بلکہ اپنے ملکی قانون کی وجہ سے ہے ورنہ وہ مسلمانوں کے قتل کو جائز نہ سمجھتے اور ہم یہ بھی ذکر کرچکے کہ دارالاسلام جس پر کافر غالب آجائیں وہ اس وقت تک دارالاسلام رہتا ہے جب تک اسلام کی وجہ سے مسلمانوں کو جو امن حاصل تھا وہی امن قائم رہے اور سلامتی کا باعث اسلام ہو، لہٰذا بین الاقوامی اور ملکی قوانین کی وجہ سے غیر اسلامی ملک میں مقیم مسلمانوں کے لئے امن اور سلامتی دارالحرب کو دارالحرب سے نہیں نکال سکتی۔
- حیرت یہ ہے کہ خود یورپی ممالک کے صدور الیکٹرونک میڈیا اور پرنٹ میڈیا پر بار بار اعلان کررہے ہیں کہ ہماری مسلمانوں کے ساتھ جنگ صلیب اور ہلال یعنی کفر اور اسلام کی جنگ ہے جو عراق اور افغانستان میں ہورہی ہے مگر ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ یورپی ممالک دارالحرب نہیں ہیں کیونکہ وہاں مسلمان امن سے مقیم ہیں۔
- دوبارہ عرض ہے دراصل دارالحرب کی دوقسمیں ہیں، دارالحرب اصلی اور دارالحرب غیر اصلی۔ دارالحرب اصلی وہ دارالکفر ہے جہاں مسلمانوں کی آج تک کبھی حکومت قائم نہیں ہوئی، ہمیشہ کافروں کی حکومت چلی آرہی ہے اور دارالحرب غیر اصلی یادارالحرب ثانوی وہ دارالحرب ہے جہاں غیر اسلامی حکومت کے بعد مسلمانوں کی حکومت قائم ہوجائے پھر کافروں نے غلبہ حاصل کرلیا ہو اور اسلامی شعائر پر جمعہ اور عیدین اور دیگر عبادتوں پر پابندی لگادی ہو۔

امام اہلسنت کا فتویٰ:

- جس طرح روس نے سمرقند، بخارا اور دیگر مشرق وسطی کی ریاستوں پر قبضہ کر

لیا تھا اور تمام شعائر اسلامیہ پر پابندی لگا دی تھی یہ ریاستیں دار الحرب ہو گئی تھیں اور زمانہ قدیم میں علامہ شامی نے خوارزم کے متعلق لکھا ہے کہ وہ دار الحرب ہو گیا تھا چنانچہ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا رحمہ اللہ فتاویٰ رضویہ باب الجمعۃ میں فرماتے ہیں ''شہر کے اسلامی ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یا تو فی الحال اس میں سلطنت اسلام ہو، خود مختار ہو جیسے بحمد اللہ تعالیٰ سلطنت عالیہ عثمانیہ و دولت خداداد افغانستان حفظھما اللہ تعالیٰ عن شرور الزمان''۔ یا کسی سلطنت کفر کے تابع ہو جیسے اب چند روز سے سلطنت بخارا، ''حسبنا اللہ ونعم الوکیل'' (ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہی سب سے بہتر کارساز ہے) اور اگر فی الحال نہ ہو (یعنی اس میں سلطنت اسلامی بالفعل اور فی الحال نہ ہو) تو دو باتیں ضرور ہیں:

- (ا) ایک پہلے اس میں سلطنت اسلامی رہی ہو دوسرا یہ کہ جب قبضہ کافر میں آئی شعائر اسلام مثل جمعہ و جماعت واذان واقامت وغیرہا کلاً یا بعضاً برابر اس میں اب تک جاری ہو اور جہاں سلطنت اسلامی کبھی نہ تھی اور نہ اب ہے وہ اسلامی شہر نہیں ہو سکتے نہ وہاں جمعہ وعیدین جائز ہیں۔
- جمہور احناف کے قول پر جمعہ اور عیدین جائز نہیں مگر بعض احناف اور آئمہ ثلثہ کے نزدیک دار الحرب میں جمعہ اور عیدین جائز ہیں اور فتوی عرف اور تعامل کی وجہ سے جواز پر ہے۔ عنقریب اس مسئلے کو تفصیل سے ذکر کیا جائے گا۔ (رفیق حسنی)
- اگرچہ وہاں کے کافر سلاطین شعائر اسلام کو نہ روکتے ہوں اگرچہ وہاں مساجد بکثرت ہوں اذان واقامت جماعت علی الاعلان ہوتی ہے اگرچہ عوام اپنے جہل کے باعث عیدین اور جمعہ بلا زحمت ادا کرتے ہوں جیسے کہ روس اور فرانس وجرمن، پرتگال وغیرہا اکثر بلکہ شاید تمام سلطنت ہائے یورپ کا یہی حال ہے۔

(۲) یونہی اگر پہلے سلطنت اسلامی تھی پھر کافر نے غلبہ کیا اور شعائر کفر جاری کر کے تمام شعائر اسلامی یکسر اٹھا دیئے تو اب وہ شہر بھی اسلامی نہ رہے یعنی

دار الاسلام نہ رہے۔ (رفیق حسنی)

کوئی اسلامی شہر مجرد جریانِ شعائر سے اسلامی نہیں ہو جاتا:

- اور جب تک پھر از سر نو ان میں سلطنت اسلامی نہ ہو وہاں جمعہ وعیدین جائز نہیں ہو سکتے، اگرچہ کفار غلبہ یافتہ ممانعت کے بعد پھر بطور خود شعائر اسلامی کی اجازت دے دیں، خواہ ان کافروں سے دوسرے کافر چھین کر اجرائے شعائر اسلام کر دیں کہ کوئی اسلامی شہر مجرد جریان شعائر اسلام سے اسلامی نہیں ہو جاتا، ہاں اگر اسلامی سلطنت کے کسی کافر صوبہ نے بغاوت کر کے کسی اسلامی شہر پر تسلط کیا اور شعائر اسلام بالکل اٹھا دیئے مگر وہ صوبہ چاروں طرف سے سلطنت اسلامیہ میں محصور ہے تو وہ شہر، شہر اسلامی ہی رہے گا۔ اگرچہ کافر نے شعائر اسلام یکسر اٹھا دیئے مگر چار سمت سے سلطنت میں محصور ہے اس کی یہ تاریک حالت محض عارضی ہے۔ (ص: ۳۷۹/۸۔ رضا فاونڈیشن، لاہور)

دار الحرب ہونے کی شرائط:

- دوبارہ دار الحرب ہونے والے ملک کی شرائط کے سلسلہ میں در مختار میں ہے:

''لَا تَصِيْرُ دَارُ الْإِسْلَامِ دَارَ الْحَرْبِ إِلَّا بِأُمُوْرٍ ثَلٰثَةٍ بِإِجْرَاءِ أَحْكَامِ أَهْلِ الشِّرْكِ وَ بِاتِّصَالِهَا بِدَارِ الْحَرْبِ وَبِأَنْ لَا يَبْقٰى مُسْلِمٌ أَوْ ذِمِّيٌّ آمِنًا بِالْأَمَانِ الْأَوَّلِ عَلٰى نَفْسِهٖ وَ دَارُ الْحَرْبِ تَصِيْرُ دَارَ الْإِسْلَامِ بِإِجْرَاءِ أَحْكَامِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ فِيْهَا كَجُمُعَةٍ وَعِيْدٍ وَإِنْ بَقِيَ فِيْهَا كَافِرٌ أَصْلِيٌّ وَإِنْ لَمْ يَتَّصِلْ بِدَارِ الْإِسْلَامِ'' (درر) (ص: ۲۷۷/۳ مکتبہ ماجدیہ)

ترجمہ: دار الاسلام دار الحرب میں تبدیل نہیں ہوتا مگر تین امور کی وجہ سے اوّل کہ اس میں اہل شرک کے احکام نافذ اور جاری کر دیئے جائیں۔ دوم وہ دار الحرب کے ساتھ متصل ہو، سوم اس میں کوئی مسلم یا ذمی اپنے لئے پہلی حکومت کی دی گئی امان سے امان میں نہ رہے اور

دارالحرب دارالاسلام میں تبدیل ہو جاتا ہے جس میں اہل اسلام کے احکام نافذ اور جاری کر دیئے جائیں۔ جیسے جمعہ اور عید اگرچہ اس میں اصلی کافر رہتے ہوں اور دارالاسلام کے ساتھ متصل نہ ہو۔

● اس عبارت میں دارالاسلام جو دارالحرب میں تبدیل ہوا ہے سے مراد وہ دارالحرب ہے جو پہلے دارالاسلام تھا لہٰذا اس دار سے دارالحرب غیر اصلی مراد ہے۔ کیونکہ لفظ ''تَصِیْرُ'' اس پر دلالت کرتا ہے اور اس عبارت سے علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کو تساہل ہوا کیونکہ مبسوط میں بھی اسی قسم کی عبارت ہے۔

● مذکورہ عبارت سے واضح ہے کہ دنیا صرف دو داروں میں منحصر ہے دارالاسلام اور دارالحرب تیسری کوئی دار دارالکفر کے نام کی نہیں ہے۔

● امام اہلسنت بعض علماء کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر دارالحرب صرف وہ دار ہو جس میں فقط اہل شرک کے احکام نافذ ہوں اور دارالاسلام وہ دار ہو جس میں فقط اسلامی احکام نافذ ہوں تو لازم آئے گا وہ دار جس میں شرک اور اسلام دونوں کے احکام نافذ ہوں وہ دارالحرب اور دارالاسلام کے درمیان واسطہ ہو اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ چنانچہ آپ جدالممتار میں لکھتے ہیں:

''و کذا لو اردت الخلوص و التمحض فی کل الموضعین یعنی ان دار الحرب ما یجری فیھا احکام الشرك خالصة و دار الاسلام ما یحکم فیھا باحکام الاسلام محضة فعلی ھٰذا تکون دار التی وصفناھا لك واسطة بین الدارین و لم یقل به احد۔''

(ص: ۹/۵/۷۶۳ مکتبہ المدینہ)

ترجمہ: اور اسی طرح اگر تیرا (مخالف کا) ارادہ خلوص اور تمحض ہونا ہو دونوں جگہوں (داروں) میں یعنی دارالحرب وہ ہو جس میں خالص شرک کے احکام جاری ہوں اور دارالاسلام وہ ہو جس میں خالص اسلام

کے احکام جاری ہوں۔ پس اس بناء پر لازم آئے گا کہ وہ دار جس کا ہم نے تیرے لیے بیان کیا، واسطہ ہو دونوں داروں کے درمیان اور اس واسطہ کا کسی ایک نے قول نہیں کیا۔

(میں محمد رفیق کہتا ہوں) مگر ہمارے علامہ سعیدی صاحب نے اس کا قول فرمایا ہے کہ دارالحرب اور دارالاسلام کے درمیان دارالکفر اور حکماً دارالاسلام کا واسطہ ہے۔ افسوس کہ علامہ سعیدی صاحب یہ قول نہ کرتے تو کتنا بہتر ہوتا۔

● دارالاسلام سے دارالحرب بننے والے دارالحرب کے لئے یہی تین شرائط ہیں اوّل یہ کہ اس دارالاسلام میں اہل کفر کے احکام نافذ کر دیئے جائیں اور اس میں مسلمانوں کے احکام سے کوئی حکم جاری نہ کیا جائے، اگر اس میں اہل کفر اور اہل اسلام دونوں کے احکام جاری کیے جائیں تو وہ دارالاسلام دارالحرب نہیں بنے گا۔ چنانچہ علامی شامی نے فرمایا:

''(قَوْلُهٗ بِاِجْرَاءِ اَحْکَامِ اَھْلِ الشِّرْكِ) اَیْ عَلٰی الْاِشْتِھَارِ وَاَنْ لَّا یُحْکَمُ فِیْھَا بِحُکْمِ اَھْلِ الْاِسْلَامِ (ھندیه) وَظَاھِرُهٗ اَنَّهٗ لَوْ اُجْرِیَتْ اَحْکَامُ الْمُسْلِمِیْنَ وَ اَحْکَامُ اَھْلِ الشِّرْكِ لَا تَکُوْنُ دَارَ الْحَرْبِ''

(ص: ۳/۳۷۷۔ مطبوعہ ماجدیہ، کوئٹہ)

ترجمہ: (مصنف کا قول اہل شرک کے احکام جاری کرنے) یعنی شرک کے احکام کا اجراء مشتہر ہو اور اس میں اہل اسلام کے احکام سے کسی ایک حکم کو جاری نہ کیا جائے (ہندیہ) اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے احکام اور اہل شرک کے احکام دونوں جاری کیے جائیں تو وہ دارالاسلام دارالحرب نہیں بنے گا۔

● الحمدللہ! متحدہ ہندوستان کے متعلق امام اہلسنت کا یہی موقف تھا۔

● دراصل جب ایک امر ثابت اور یقینی ہو اس کا زوال تب ہوتا ہے جب اس امر

کے جملہ اثرات ختم ہو جائیں، جب دارالاسلام ہونا یقینی تھا، اب دارالاسلام ہونے سے خروج تب ہو گا جب کافر حکومت اسلامی احکام میں سے کوئی ایک حکم بھی باقی نہ رکھے۔

● چنانچہ امام اہلسنت اعلیٰحضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جامع الفصولین اور مبسوط اور معراج الدرایۃ اور ہندیہ اور ردالمحتار وغیرہا معتبرات اسفار میں ہے:

"اَلْحُکْمُ اِذَا ثَبَتَ بِعِلَّۃٍ فَمَا بَقِیَ شَیْئٌ مِنَ الْعِلَّۃِ یَبْقَی الْحُکْمُ بِبَقَائِہٖ فَلَمَّا صَارَتْ بَلْدَۃٌ دَارَالْاِسْلَامِ بِاِجْرَاءِ اَحْکَامِہٖ فَمَا بَقِیَ شَیْئٌ مِنْ اَحْکَامِہٖ وَاٰثَارِہٖ تَبْقٰی دَارُ الْاِسْلَامِ...الخ"

(ص:۸/۳۸۰۔ رضا فاونڈیشن، لاہور)

حکم جب کسی علت کے ساتھ ثابت ہو جب تک علت سے کوئی چیز باقی رہے گی اس کے بقاء سے حکم باقی رہے گا جب کوئی شہر احکام اسلامی کے اجراء سے دارالاسلام بن گیا، جب تک احکام اور آثار میں سے کچھ باقی رہے گا وہ شہر دارالاسلام ہی رہے گا۔ (مزید کے لئے فتاویٰ رضویہ ملاحظہ ہو)

● معلوم ہوا وہ تین امور جن امور کا دارالحرب ہو جانے کے لئے ضروری ہے وہ دارالحرب ہے جو پہلے دارالاسلام تھا، اعلیٰ حضرت نے انگریز حکومت کے زمانے میں ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیا تھا، اس کی وجہ یہی تھی انگریز نے ہندوستان پر قبضہ کر کے اسلامی احکام کی سابقہ حیثیت کو بھی جاری رکھا تھا، چونکہ ہندوستان پر صدیوں سے مسلمانوں کی حکومت قائم تھی، اس وجہ سے ہندوستان دارالاسلام چلا آرہا تھا۔

● جب اسلامی احکام کو انگریز نے بھی جاری رکھا تو باوجود کافروں کی حکومت کے وہ دارالاسلام رہا۔

● مذکورہ عبارت سے واضح ہے کہ دار کی دو ہی قسمیں ہیں دارالاسلام اور

دارالحرب تیسری قسم نہیں لہٰذا فتاویٰ رضویہ میں جو تحقیق ہے وہ حق ہے۔

● اور وہ دارالحرب جو دارالاسلام ہو جائے اس دارالحرب سے مراد اصلی اور مغلوبی دونوں دارالحرب ہیں اور اجرائے احکام اہل اسلام سے مراد اسلامی حکومت کی جانب سے اسلام کے احکام کا نفاذ جاری کرنا ہے۔

● جد الممتار میں امام اہلسنت لکھتے ہیں کہ دارالحرب کے دارالاسلام ہونے کی صرف ایک شرط ہے کہ وہاں اسلامی احکام نافذ کیے جائیں اور اسلامی حکومت قائم ہو جائے اور دارالاسلام کے دارالحرب ہونے کے لیے تین شرطیں ہیں، جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور واضح ہے حکومت اسلامی ہی احکام اسلامی جاری کرے گی اور وہاں حکومت اسلامی قائم ہو گی ورنہ کافر حکومت سے کیا توقع کہ وہ اسلامی احکام پورے ملک میں جاری کرے، احکام کا نفاذ اور عمل کرنے کی اجازت ہونا، دونوں الگ الگ امر ہیں، کافروں کے ملکوں میں بعض اسلامی احکام پر عمل کرنے کی اجازت تو ہے مگر حکومتوں کی طرف سے اسلامی احکام کا نفاذ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر اسلامی ملکوں میں زنا اور لواطت اور چوری اور دیگر جرائم پر نہ کوئی حد لگائی جاتی ہے اور نہ تعزیر کیونکہ ان کے آئین میں ان جرائم پر سزا نہیں ہے۔

یو۔کے میں مسلمانوں کا مشروط اضافہ کے ساتھ قرض لینا جائز ہے:

● برطانیہ کے مسلمانوں کی اکثریت حکومت سے سود کی شرائط پر قرض لیتی ہے مکان اور جائیداد خریدنے اور کاروبار کے لئے اصلی رقم پر زائد مشروط رقم حکومت کو واپس کرنا ہوتی ہے۔ مسلمانوں نے اس سلسلہ میں مجھ سے بھی رابطہ کیا، میں نے عرض کیا کہ میرے علم کے مطابق برطانیہ دارالحرب اصلی ہے یہاں کبھی بھی مسلمانوں کی حکومت قائم نہیں ہوئی، فتاویٰ رضویہ کے مطابق یہ ملک دارالحرب ہے اور اب تو عراق اور افغانستان کے مسلمانوں پر چڑھائی میں امریکہ کے ساتھ شریک ہونے کی وجہ سے برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک کے دارالحرب ہونے میں

کوئی شک نہیں رہا کیونکہ بالفعل حرب جاری ہے۔ خود صدر بش نے کہا تھا اب ہلا
ل اور صلیب کی جنگ ہے، لہٰذا وہاں رہنے والے مسلمانوں کے لئے موجودہ
حکومت سے قرض لینا جائز ہے اور واپس کردہ زائد رقم سود نہیں کیونکہ زائد رقم پر
سود کی تعریف صادق نہیں آتی۔

بہارِ شریعت کا حوالہ، کافر غیر ذمی کا اضافہ سُود نہیں ہوتا:

• بہار شریعت میں مذکور ہے مسئلہ: اور مسلم اور کافر حربی کے مابین جو عقد ہو اس
میں سود نہیں مسلمان اگر دارالحرب میں امان لے کر گیا تو کافروں کی خوشی سے
جس قدر ان کے اموال حاصل کرے جائز ہے اگرچہ ایسے طریقے سے حاصل
کیئے کہ مسلمان کا مال اس طرح لینا جائز نہ ہو مگر یہ ضرور ہے کہ وہ کسی بدعہدی
کے ذریعے حاصل نہ کیا گیا ہو کہ بدعہدی کفار کے ساتھ بھی حرام ہے۔ مثلاً کسی
کافر نے اس کے پاس کوئی چیز امانت رکھی اور یہ دینا نہیں چاہتا یہ بدعہدی ہے اور
درست نہیں۔ (ص: ۱۱۵/۲۔ حصہ گیارہواں۔ بحوالہ شامی)

بھارتی کفار حربی کفار کی طرح ہیں، ان سے سود کی رقم سود نہیں ہے:

• بلکہ بہار شریعت اور اہل سنت کے بعض فتاویٰ میں مذکور ہے، بھارت میں
کفار کے بینکوں کے ساتھ بھی سودی لین دین جائز ہے جن بنکوں کے مالک بھارتی
کافر ہیں، اگرچہ بھارت دارالحرب نہیں ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے مگر وہاں
موجود کافروں کو تحفظ مسلمان سربراہ حکومت نے نہیں دیا بلکہ بھارت کی کافر
حکومت نے انہیں تحفظ دیا ہے۔ کافر ذمی تب ہوتا ہے جب مسلمان حاکم کے تحفظ
میں ہو۔ لہٰذا بھارت میں مقیم کفار بھی حربی کافروں کی طرح ہوں گے چنانچہ بہار
شریعت میں مذکور ہے، ہندوستان اگرچہ دارالاسلام ہے (تقسیم ۱۹۴۷ء سے
پہلے) اس کو دارالحرب کہنا صحیح نہیں مگر یہاں کے کفار یقیناً نہ ذمی ہیں اور نہ

مستأمن، کیونکہ ذمی مستأمن کے لئے بادشاہ اسلام کا ذمہ کرنا اور امن دینا ضروری
ہے لہٰذا ان کفار کے اموال عقود فاسدہ کے ذریعے حاصل کیے جا سکتے ہیں جبکہ یہ
بدعہدی نہ ہو۔ (گیارہواں حصہ۔ ص: ۱۱۵/۲۔ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

• علامہ سعیدی صاحب اور دیگر علماء کرام کافروں کے ان ملکوں میں بھی سودی
لین دین منع کرتے ہیں جو بالاتفاق دارالحرب ہیں اور بھارت جو دارالاسلام ہے
حضرت مولانا امجد علی رحمہ اللہ ان کافروں کے ساتھ مسلمانوں کے سودی لین
دین کو جائز فرما رہے ہیں۔ لہٰذا میرے خیال میں علامہ سعیدی صاحب کا تفرد معتبر
نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کا جواب:

• شرح صحیح مسلم شریف اور تبیان القرآن کے مطابق یورپی دنیا حکماً دارالاسلام
ہے اور دارالاسلام میں جو کافر ہوتے ہیں وہ حربی نہیں ہوتے، لہٰذا اس بنیاد پر
صرف دفاعی جہاد باقی رہ گیا ہے، اقدامی جہاد نہیں رہا، منسوخ ہو چکا ہے۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

• بلکہ ان کتابوں کے مطابق دفاعی جہاد بھی جائز نہیں ہونا چاہیے کیونکہ جب تک
غیر اسلامی ممالک کے ساتھ سفارتی اور تجارتی تعلقات قائم ہیں، ان ممالک میں
رہنے والے مسلمان مامون اور محفوظ ہیں وہ حکماً اسلامی ملک ہیں اگرچہ عراق اور
افغانستان کے لاکھوں مسلمانوں کو آگ اور بارود سے راکھ کر دیں، لاکھوں عورتیں
بیوہ ہو جائیں، لاکھوں معصوم بیٹیوں اور ماؤں کی عزتیں لوٹ لی جائیں پھر بھی یہ
ممالک حکماً دارالاسلام ہیں۔ یہ ہے علامہ سعیدی صاحب کا فتویٰ۔ انا للہ وانا الیہ
راجعون۔

• چونکہ علامہ صاحب کے نزدیک غیر اسلامی ممالک دارالاسلام کے حکم میں

ہیں، ان کی اسلامی ملکوں کے ساتھ لڑائی دو بھائیوں کی لڑائی کی طرح ہے۔ لہٰذا اسلامی ملک ان کا نہ جواب دے سکتا ہے اور نہ کوئی دوسرا اسلامی ملک اس کی مدد کر سکتا ہے کیونکہ ایک حکمی دارالاسلام کی دوسرے حقیقی دارالاسلام کے لوگوں کی باہم جنگ ہے۔

جب تک امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک کے عراق اور افغانستان کی اسلامی ریاستوں سے سفارتی تعلقات قائم ہیں اگرچہ امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک نے عراق اور افغانستان میں تقریباً سینتالیس لاکھ سے زائد مسلمانوں کو شہید کر دیا اور اربوں کھربوں کی جائدادوں کو برباد کیا اخبارات کے مطابق صرف پاکستان کو جو جنگ میں شریک نہیں چورانوے ۹۴ کھرب نقصان ہوا۔ معلوم نہیں افغانستان اور عراق کا کیا حال ہوگا۔ لاکھوں مسلم بچے یتیم ہو گئے، لاکھوں بیویاں بیوہ ہو گئیں، لاکھوں خواتین کی عزتیں لوٹی گئیں، چونکہ حالتِ جنگ میں بھی سفارتی تعلقات قائم تھے، پھر بھی شرح صحیح مسلم شریف اور تبیان القرآن کے مطابق کوئی حرج نہیں کیونکہ یورپی ممالک دارالحرب نہیں ہیں۔ یہ ہے شرح صحیح مسلم شریف کا فتویٰ جو تمام فقہاء امت کے اجماع کے خلاف ہے۔

شرح صحیح مسلم کی دوسری استدلالیہ عبارت کا جواب:

• شرح صحیح مسلم میں دوسری عبارت جس سے استدلال کیا گیا ہے کہ یورپی ممالک دارالحرب نہیں ہیں بلکہ حکماً دارالاسلام ہیں وہ یہ ہے:

"(وَفِیْ مِعْرَاجِ الدِّرَایَۃِ عَنِ الْمَبْسُوْطِ اَلْبِلَادُ الَّتِیْ فِیْ اَیْدِی الْکُفَّارِ بِلَادُ الْاِسْلَامِ لَا بِلَادُ الْحَرْبِ لِاَنَّھُمْ لَمْ یَظْھَرُوْا فِیْھَا حُکْمَ الْکُفْرِ بَلِ الْقُضَاۃُ وَالْوُلَاۃُ مُسْلِمُوْنَ یُطِیْعُوْنَھُمْ عَنْ ضَرُوْرَۃٍ اَوْ بِدُوْنِھَا وَکُلُّ مِصْرٍ فِیْہِ وَالٍ مِنْ جِھَتِھِمْ یَجُوْزُ لَہٗ اِقَامَۃُ الْجُمُعَۃِ وَالْاَعْیَادِ وَالْحُدُوْدِ وَتَقْلِیْدُ الْقُضَاۃِ لِاِسْتِعْلَاءِ الْمُسْلِمِ عَلَیْھِمْ فَلَوْ کَانَ

الْوُلَاۃُ کُفَّارًا یَجُوْزُ لِلْمُسْلِمِیْنَ اِقَامَۃُ الْجُمُعَۃِ وَیَصِیْرُ الْقَاضِیْ قَاضِیًا بِتَرَاضِی الْمُسْلِمِیْنَ وَیَجِبُ عَلَیْھِمْ اَنْ یَّلْتَمِسُوْا وَالِیًا مُسْلِمًا۔" (رد المحتار۔ ج:۱، ص:۵۴۷۔ مطبوعہ استنبول۔ اور ج:۵، ص:۲۵۔ مطبوعہ دمشق)

ترجمہ: اور مبسوط سے معراج الدرایۃ میں یہ مذکور ہے کہ وہ اسلامی شہر جو کفار کے قبضہ میں ہیں وہ اسلامی شہر ہیں نہ کہ بلاد حرب کیونکہ قبضہ کنندہ کفار نے ان شہروں میں کفر کے احکام کو غلبہ نہیں دیا (اسلامی احکام باقی رہنے دیئے) بلکہ شہروں کے قاضی اور والی مسلمان ہیں، وہ کفار کی ضرورت یا بلا ضرورت اطاعت کرتے ہیں اور ہر وہ مصر اور شہر جس میں ان کی جانب سے والی (نگران) مقرر ہوا اس کے لئے جمعہ اور عیدین اور حدود اور قاضی مقرر کرنا جائز ہے، یعنی انہیں منع نہیں کیا گیا اس لئے کہ ان ماتحت شہروں پر مسلمانوں کا غلبہ ہے پس اگر والی کافر ہیں مسلمانوں کے لئے جمعہ قائم کرنا جائز ہے اور قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہو جائے گا اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنا والی مسلمان تلاش کریں۔

• قارئین انصاف فرمائیں کہ برطانیہ اور امریکہ اور فرانس اور جرمنی میں کون سے شہر ایسے ہیں جو پہلے اسلامی بلاد تھے پھر ان پر کافروں کا قبضہ ہو گیا اور کون سے شہروں کے نگران مسلمان مقرر کیے گئے ہیں اور مسلمان نگرانوں کو قاضی مقرر کرنے کی بھی اجازت دی اور وہاں کا ملکی قانون اسلامی نافذ ہے تاکہ ہم ان شہروں کو دارالاسلام کا حصہ قرار دیں؟ علامہ صاحب نے اس عبارت کو اپنے ما قبل سے کاٹ دیا اور اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا حالانکہ اس عبارت کی حقیقت یہ ہے کہ اس عبارت سے پہلے علامہ ابن عابدین شامی ان لوگوں کا ردّ کر رہے ہیں جو

لوگ کہتے ہیں، فتنہ اور بغاوت کے ایام میں مسلمانوں کا امام نہ ہونے کی وجہ سے جمعہ ادا نہیں ہوتا۔ فرمایا:

''وَبِهٰذَا يَظْهَرُ جَهْلُ مَنْ يَّقُوْلُ لَا تَصِحُّ الْجُمُعَةُ فِيْ اَيَّامِ الْفِتْنَةِ مَعَ اَنَّهَا تَصِحُّ فِي الْبِلَادِ الَّتِيْ اِسْتَوْلٰى عَلَيْهَا الْكُفَّارُ كَمَا سَنَذْكُرُهٗ فَتَاَمَّلَ'' (ص: ۸/۵۔ مطبوعہ دمشق)

ترجمہ: ہماری اس بحث سے ان لوگوں کی جہالت ظاہر ہو گئی جو لوگ کہتے ہیں فتنہ کے ایام میں جمعہ صحیح نہیں ہوتا حالانکہ وہ شہر جن پر کفار نے غلبہ کر لیا ہے ان شہروں میں جمعہ صحیح ہوتا ہے ہم عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔ تم غور کرو۔

- اہل علم میں سے ادنیٰ علم رکھنے والا آدمی بھی سمجھ رہا ہے کہ علامہ سعیدی کی نقل کردہ معراج الدرایہ بحوالہ مبسوط کی عبارت میں وہ شہر مراد ہیں جو پہلے دارالاسلام کا حصہ تھے مگر کفار نے ان پر غلبہ کر لیا مگر شعائر اسلامی پر پابندی نہیں لگائی۔
- پیش کردہ عبارت کے الفاظ مثلاً ''اِسْتَوْلٰى عَلَيْهَا الْكُفَّارُ، وَبِلَادُ الْاِسْلَامِ'' وغیرہ میں غور کرنے پر واضح ہے یہاں دارالحرب اصلی کی تعریف نہیں کی گئی، دارالاسلام سے دارالحرب میں تبدیل ہونے والے دارالحرب کی تعریف کی گئی ہے اور امام اہلسنت اعلیٰحضرت اور ہماری بحث کا موضوع دارالحرب اصلی ہے، جس ملک پر مسلمانوں کی حکومت کبھی قائم نہیں ہوئی۔ اس عبارت سے امام اہلسنت کے موقف کی تائید ہے اور علامہ سعیدی صاحب کی تردید ہے۔ یہاں دارالحرب مراد نہیں بلکہ مغلوب دارالاسلام مراد ہے جس طرح متحدہ ہندوستان تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اب ہم دارالحرب کے احکام ذکر کرتے ہیں۔

دارالحرب کے احکام میں سے ایک حکم یہ ہے کہ حربی کافروں کا مال مباح ہے:

- دارالحرب میں حربی کافروں کا مال مسلمانوں کے لئے مباح اور غیر متقوم ہوتا ہے بشرطیکہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خیانۃً حاصل نہ کیا گیا ہو۔
- اسی علت کی بناء پر اگر مسلمان حربی کافر سے قمار یا بیع فاسد کے ذریعے بغیر دھوکہ اور فریب مال حاصل کرے تو وہ مال مسلمان کے لئے مطلقا حلال ہوگا، کیونکہ قمار یا بیع فاسد مال معصوم میں حرام ہوتے ہیں اور حربی کافر کا مال معصوم نہیں ہوتا، مسلمان اور ذمی کافر کا مال معصوم ہوتا ہے لہٰذا خواہ مسلمان کو حربی ملک میں قومیت حاصل ہو یا اس کا عارضی ویزا ہو دونوں صورتوں میں حربی کافر کا مال حربی کے اذن سے قمار کے ذریعہ حاصل ہو یا بیع فاسد کے ذریعہ حاصل ہو، حلال ہوگا اور یہی حکم اس رقم کا ہے جو سود کے نام سے کافر مسلمانوں کو ادا کرتے ہیں۔ دراصل وہ مشروط اضافہ سود نہیں ہوتا، سُود مال معصوم اور متقوم میں ہوتا ہے۔ کفار کے بینک اپنے ملکوں میں ہوں یا مسلم ملک میں ہوں دونوں جگہ حربی کافروں کا مشروط زائد مال سود کے نام سے دیا گیا پیسہ مباح ہوتا ہے۔ جب کافر خود حربی ہے اور دارالحرب میں مستقل رہتا ہے، عقد فاسد یا ربوی دارالحرب میں ہو یا اسلامی ملک میں حربی کا وکیل کرے، دونوں صورتوں میں عقد دارالحرب میں واقع ہوگا کیونکہ وکیل مستأمن کا عقد دراصل مؤکل کا عقد ہوتا ہے اور مؤکل دارالحرب میں ہے۔ اس کا مال جس ملک میں بھی ہو، حربی کافر کا مال ہوگا۔ جب حربی کافر اپنی رضا اور خوشی سے سود یا جوئے اور بیع فاسد کے ذریعہ اپنی رقم مسلمان کو دیتا ہے، وہ مسلمان کے لئے حرام نہیں ہوتی۔ کیونکہ حربی کافروں کے لحاظ سے سودی اور قمار اور بیع فاسد کا معاملہ درحقیقت سودی اور قمار اور بیع فاسد ہی نہیں ہوتا اور حاصل رقم قمار یا سود سے حاصل نہیں ہوگی۔ ردالمحتار میں ہے:

''قَالَ فِيْ شَرْحٍ نُبُلَالِيَةَ وَمِنْ شَرَائِطِ الرِّبَا عَصْمَةُ الْبَدْلَيْنِ وَكَوْنُهُمَا مَضْمُوْمَيْنِ بِالْاِتْلَافِ فَعَصْمَةُ اَحَدِهِمَا وَعَدَمُ تَقَوُّمِهٖ لَا يَمْنَعُ

"فَشِرَاءُ الْاَسِيْرِ اَوِالتَّاجِرِ مَالَ الْحَرْبِيِّ اَوِ الْمُسْلِمِ الَّذِىْ لَمْ يُهَاجِرْ بِجِنْسِهٖ مُتَفَاضِلًا جَائِزٌ" (ص:۷/۳۹۹، مکتبہ الباز)

ترجمہ: صاحب شرنبلالیہ نے شرنبلالیہ میں کہا اور ربا کے شرائط سے ہے، دونوں بدل معصوم (شریعت نے ان کو تحفظ دیا ہو مباح نہ ہوں) اور دونوں اتلاف کی وجہ سے قابل ضمان ہوں، پس دو مالوں میں سے ایک کا معصوم ہونا اور متقوم (با قیمت نہ ہونا) ربا کو منع نہیں کرے گا، یعنی ربا، ربا نہیں ہوگا اور جائز ہوگا، لہٰذا اسیر (قیدی) یا تاجر کا حربی کافر کا مال یا ایسے شخص کا مال جو دارالحرب میں مسلمان ہوا اور اس نے ہجرت نہیں کی اپنی جنس کے مال سے متفاضل (زائد ناقص) کے ساتھ خریدنا جائز ہے یعنی درہم دو درہم کے بدلے فروخت یا خرید کرنا جائز ہے، کیونکہ جب ربا کی شرائط نہیں پائی گئیں تو ربا ہی نہیں ہوگا، شرط کی نفی سے مشروط کی نفی ہوتی ہے۔

حربی کا مال دارین میں غیر معصوم ہوتا ہے:

- امام اہلسنت اعلیٰ حضرت جو جد الممتار میں لکھتے ہیں:

"تنبیه اقول احکام الله تعالی لا تختص بارض دون ارض و الا لجاز الربا بین مسلمین دخلا دار الحرب مع حرمته اجماعا فعلم ان الارض لا مدخل لها و انما المبنی کون المال معصوما فحیث وجدت العصمة حرم الاخذ بوجه غیر مشروع و حیث عدمت حل ما لم یکن غدرا و ذالك لانه لیس العقد حینئذ مقصودا و انما هو وسیلة الی تحصیل الرضا المعدم للغدر فلذا جاز اخذ مال مسلم اسلم دار الحرب و لم یهاجر الینا بعقد فاسد فلم یجز اخذ ماله اذا هاجر ثم عاد لثبوت العصمة هاهنا لا فی صورة

الاول و قد ثبت ان المدار ثبوتها و لا مدخل فیه للارض فالظاهر جواز اخذ مال حربی سکن دار الاسلام بغیر عقد امان منا فان ماله مباح قطعا لما تقدم من ان مال الحربی مباح الا للغدر و حیث کان مباحا لم یتناوله النصوص الواردة فی تحریم الربا مثلاً لکونها فی الاموال المحظورة خاصة کما تقدم من المبسوط فلیحرر والله تعالی اعلم و ذکرنا شیئا من الکلام المتعلق هاهنا فی کتاب البیوع من فتاوانا۔"

(کتاب البیوع، باب الربا، ۳۱۰/۱۷-۳۲۰، جد الممتار ۵/۳۷۵)

- حربی کافر اگر دار الاسلام (اسلامی ریاست) میں بغیر اجازت اور ویزا داخل ہو جائے، اس کے ساتھ مسلمان عقد ربا یا عقد فاسد کریں اور اس کا مال ربا یا عقد فاسد کے ذریعہ حاصل کریں، وہ مال مسلمانوں کے لیے حلال ہے۔ یہ رد المحتار شامی کی عبارت کا خلاصہ ہے، اس پر امام اہلسنت اعلیٰ حضرت نے حاشیہ لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔

ترجمہ: "تنبیہ: میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کے احکام کسی ایک زمین کے ساتھ خاص ہوں اور دوسری زمین میں وہ نہ ہوں، ایسا نہیں ہے ورنہ دو مسلمان جو دار الحرب میں داخل ہوئے ان کے درمیان ربا جائز ہوتا حالانکہ اس کی حرمت پر اجماع ہے (کہ دو مسلمانوں میں ربا دار الحرب میں بھی جائز نہیں)۔ پس معلوم ہوا زمین کو اس میں دخل نہیں ہے اور بیشک (حرمتِ ربا) کی بنیاد مال کا معصوم ہونا ہے۔ پس جس جگہ عصمت پائی جائے گی غیر مشروع طریقہ سے مال لینا حرام ہوگا اور جس جگہ مال کی عصمت معدوم ہوگی، اس مال کا اخذ حلال ہوگا۔ بشرطیکہ غدر اور دھوکہ نہ ہو اور یہ شرط اس لیے ہے کہ عقد اس وقت مقصود نہیں ہوتا۔ عقد سے

صرف حربی کی رضا جو کہ غدر اور بدعہدی کے لیے معدوم کرنے والی ہے،
کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔ پس اسی مال کی عصمت نہ ہونے کی وجہ سے عقد
فاسد اور ربوی کے ساتھ اس مسلمان کا مال لینا جائز ہے جس نے
دارالحرب میں اسلام قبول کیا اور ہمارے دارالاسلام کی طرف ہجرت
نہیں کی (کیونکہ اس کا مال معصوم نہیں ہے) لیکن اس مسلمان کا مال لینا
اس وقت لینا جائز نہیں جب وہ ہمارے دارالاسلام میں ہجرت کر کے آیا
پھر واپس دارالحرب لوٹ گیا کیونکہ اب دارالحرب میں اس کے مال کی
عصمت ثابت ہو گئی۔ لیکن پہلی صورت میں عصمت ثابت نہیں ہوئی اور
جب ثابت ہو گیا کہ مدار مال کی عصمت کے ثبوت پر ہے اور اس میں زمین
کو دخل نہیں ہے، پس ظاہر ہے اس حربی کے مال کا اخذ جائز ہے جو ہمارے
دارالاسلام میں بغیر عقد امان حاصل کیے مقیم ہے۔ کیونکہ اس کا مال یقیناً
مباح ہے، اس وجہ سے جو گزرا کہ حربی کا مال مباح ہوتا ہے مگر غدر اور
بدعہدی کی وجہ سے اور جب حربی کا مال مباح ہو گیا تو اس مال کو ربا اور سود
کی حرمت میں وارد نصوص شامل نہیں ہوں گی۔ مثلاً اس لیے کہ وہ
نصوص اموال محظورہ میں خاص وارد ہوئی ہیں جیسا کہ مبسوط سے ہے، پس
ضرور واضح کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے اور ہم نے کچھ کلام جو
اس مقام کے متعلق ہے اپنے فتاوی (رضویہ) کی کتاب البیوع میں ذکر
کیا ہے۔" (کتاب البیوع ۳۱۰/۱۷-۳۲۰ بحوالہ جد الممتار، ص:
۳۷۵/۵ مکتبہ دعوت اسلامی)

- اعلیٰ حضرت امام اہلسنت جد الممتار میں تحریر فرماتے ہیں:

"لکن تحقیق المقام علی ما یظهر للعبد الضعیف غفر له الله
تعالی ان المال الحربی مباح مطلقا فی الدارین لا یظهر الا لاجل

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

الغدر کما نص علیه المحقق فی فتح القدیر حیث قال (مال
الحربی لیس بمحظور الا لتوقی الغدر) و قد اسلفنا عبارة
المبسوط والحربی بعد ما استأمن فقد التزم احکام الشرع فیما
یستقبل فحرم ان یعقد معه عقدا فاسدا او یوخذ منه شیء بعقد
فاسد لکونه غدرا ففی الصورة الآتیة لما کان العقد الباطل
جری مع المستامن کان حراما والماخوذ بالحرام حرام حیث
کان و فی الاولی لما کان العقد مع غیر المستامن لم یکن غدرا
لعدم التزامه احکام الاسلام ثم الاخذ و ان وقع من ید وکیله
المستامن لکن المستامن هاهنا سفیر محض لعدم جریان
العقد معه فلم یتحقق فی دار الاسلام الا اخذ مال حربی غیر
مستامن لاجل عقد لا غدر فیه فیحل بخلاف ما اذا کان العقد
مع الوکیل المستامن فان الحقوق ترجع الیه فکان العقد فاسدا
اجری مع المستامن فلا یحل و به یظهر ان لو جری العقد مع غیر
مستامن ثمه ثم جاء و استامن ان ینبغی ان لا یحل الاخذ منه
بناء علی ذالك العقد لانه اخذ مبنی علی باطل من نفسه حقیقه
بخلاف الاولی فانه اخذ حقیقة من غیر المستامن والوکیل
بالاول سفیر تامل وافهم والله تعالیٰ اعلم۔"

(۳۷۶-۳۷۷/۵ جدالممتار)

ترجمہ: لیکن اس مقام کی تحقیق جو عبد ضعیف (امام اہلسنت) اللہ تعالیٰ
ان کی مغفرت فرمائے، پر ظاہر ہوئی بیشک حربی کا مال مطلقاً دونوں دار
الحرب اور دارالاسلام میں مباح ہے مگر غدر کی وجہ سے محظور ہو گا جیسے کہ
اس پر محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں تحقیق کی ہے، جہاں آپ نے فرمایا

(حربی کا مال محظور نہیں ہوتا مگر غدر سے بچنے کے لیے) اور ہم مبسوط کی عبارت پہلے ذکر کر چکے ہیں اور حربی اس کے بعد کہ دارالاسلام میں مستامن داخل ہو، بیشک اس نے مستقبل کے لیے شرعی احکام کا خود التزام کیا ہے پس اس کے ساتھ (دارالاسلام میں) عقد فاسد حرام ہے یا اس سے عقد فاسد کی وجہ سے کوئی چیز لی جائے کیونکہ یہ غدر ہوگا اور آنے والی صورت میں جب باطل عقد حربی مستامن کے ساتھ جاری ہوا وہ حرام ہوگا اور حرام عقد کے ساتھ ماخوذ مال بھی حرام ہوگا جہاں بھی ہو اور پہلی صورت میں جب عقد غیر مستامن حربی کے ساتھ تھا وہ غدر نہیں ہوگا اس لیے کہ اس حربی نے اسلام کے احکام کا التزام نہیں کیا پھر مال کا اخذ اگرچہ اس حربی کے مستامن وکیل کے ہاتھ سے ہوا، لیکن مستامن وکیل یہاں سفیر محض ہے کیونکہ عقد وکیل کے ساتھ نہیں ہوا لہٰذا یہ دارالاسلام میں نہیں ہوگا مگر حربی غیر مستامن کا مال لینا عقد کی وجہ سے جس میں کوئی غدر نہیں ہے بخلاف اس کے کہ جب عقد مستامن حربی وکیل کے ساتھ ہو کیونکہ حقوق اس وکیل کی طرف رجوع کریں گے پس عقد فاسد ہوگا جو حربی مستامن کے ساتھ جاری ہوا پس حلال نہیں ہوگا اور اس کے ساتھ ظاہر ہوا اگر عقد غیر مستامن حربی کے ساتھ وہاں ہوا پھر حربی کافر آیا اور مستامن ہوگیا، مناسب ہے اس حربی مستامن سے عقد فاسد کے ذریعہ مال نہ لیا جائے۔ اس سے یہ مال لینا حربی کی جانب سے حقیقت میں عقد باطل کی بنیاد پر ہوگا بخلاف پہلی صورت کے (کہ حربی کافر خود دارالحرب مقیم رہا اور اس کا وکیل مستامن ہو کر دارالاسلام داخل ہوا تو حربی کا مال لینا جائز ہے کیونکہ یہ لینا غیر مستامن سے ہے اور وکیل اول میں سفیر ہے۔ غور کرو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

دارالحرب میں داخل غیر مستامن حربی کا مال غصب اور سرقہ سے حاصل کر سکتا ہے:

● امام اہلسنت سے نقل کردہ عبارت سے معلوم ہوا، حربی کافر کا مال اسلامی اور غیر اسلامی دونوں ملکوں میں مباح ہوتا ہے۔ اس کا مال اس کی رضا سے ربا اور عقود فاسدہ جوا وغیرہ کے ذریعے لینا جائز اور حلال ہے کیونکہ اس میں غدر نہیں ہے۔

● اگر حربی کافر مستامن مسلمان کے ساتھ عقد فاسد کرتا ہے تو عقد کرنا رضا کی علامت ہے اس لیے اس کا مال لینا جائز ہے اور اگر مسلمان غیر مستامن دارالحرب میں داخل ہوا، اس کے پاس ویزا نہیں ہے، اس کے لیے حربی کافر کا مال عقد اور بغیر فاسد لینا جائز ہے خواہ غصب سے حاصل ہو یا سرقہ سے یا غدر اور دھوکہ سے کیونکہ مسلم غیر مستامن نے ویزا لے کر اپنے اوپر یہ لازم نہیں کیا کہ وہ غدر نہیں کرے گا۔ اس کا غیر اسلامی دارالحرب میں رہنے والے حربی کافروں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں چونکہ مال مباح تھا صرف غدر کی وجہ سے محظور تھا، جب عہد نہیں تو غدر ہی نہیں۔ اس لیے شرعاً حربی کافر کا مال نہ سرقہ ہے اور نہ غصب ہے اور نہ غدر ہے۔ سرقہ اور غصب مال محظور میں ہوتے ہیں، مباح مال میں نہیں ہوتے جس طرح جنگل کی غیر قیمتی لکڑیاں اور تنکے اور شکار وغیرہ لینا سرقہ اور غصب نہیں کہلاتا کیونکہ یہ مال مباح ہے۔ اسی طرح حربی کافر کا مال ہے۔

● معلوم ہوا حربی کافر اگر کسی مسلمان مستامن یا غیر مستامن کے ساتھ ربا کا معاملہ یا بیع فاسد کا معاملہ دارالحرب میں کرے اور وہیں مقیم رہے، اس کا مال مباح ہوتا ہے اگرچہ لین دین اور حساب و کتاب کے لیے اسلامی حکومت میں اپنے نمائندوں اور سفیروں کو ویزا دلوا کر بھیجے۔

حربی کافروں کے بینکوں میں لین دین سُود نہیں ہوتا:

• اس سے ثابت ہوتا ہے یہود و نصاریٰ اور دیگر حربی کافروں کے مرکزی بینک اگر دارالحرب میں ہیں اور ان بینکوں کی برانچیں اسلامی ملکوں میں ہیں، ان کے بینکوں کی برانچوں میں اگر مسلمان اپنی رقم سود کی شرح پر جمع کرائیں، ان پر مشروط اضافہ سود نہیں ہوگا، مسلمانوں کے لیے حلال اور مباح ہوگا۔ کیونکہ عاقد حربی کافر ہے اور وہ دارالحرب میں مقیم ہے۔ سودی عقد کی کنفرمیشن دارالحرب کے مرکز میں ہوتی ہے۔ اسلامی ملکوں میں بینک کی برانچوں کی حیثیت مستامن سفیروں کی ہے لہٰذا حربی کافروں کے بینکوں کی برانچوں میں سودی اکاؤنٹ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی لیے امام اہلسنت نے فرمایا: ''ان مال الحربی مباح مطلقا فی الدرین ....الخ'' (بیشک حربی کافر کا مال دارین میں مطلقاً مباح ہے)۔

• درمختار میں مذکور ہے:

''حربی دخل دارنا بغیر امان فاخذہ احدنا فھو و ما معہ فیء لکل المسلمین سواء اخذ قبل الاسلام او بعدہ و قالا لآخذہ خاصۃ۔'' (ص:۶/۲۳۷)

ترجمہ: حربی کافر ہمارے اسلامی ملک میں بغیر امان اور اجازت کے داخل ہوا، اسے ہم میں سے کسی ایک نے پکڑ لیا۔ وہ حربی اور اس کا مال وغیرہا سب مسلمانوں کے لیے فیء اور حلال ہے۔ برابر ہے کہ اسے اسلام لانے سے پہلے پکڑ لیا جائے یا اسلام لانے کے بعد اور صاحبین نے فرمایا وہ حربی کافر اور اس کا مال خاص کر صرف پکڑنے والے کا ہوگا۔

• معلوم ہوا اگر حربیہ کافرہ بغیر ایمان اور ویزا کے اسلامی ملک میں داخل ہو جائے اور مسلمان اسے پکڑ لے، وہ صاحبین کے مذہب پر پکڑنے والے آدمی کی کنیز اور مملوکہ ہوگی۔ اگر وہ اہل کتاب سے ہے یا مشرکہ ہے مگر اس نے اسلام قبول کر لیا اس کے ساتھ ازدواجی عمل بھی جائز ہوگا کیونکہ اسلام لانے سے سابقہ رقیت

زائل نہیں ہوتی۔ (ردالمحتار، ص: ۶/۲۳۷)

• ردالمحتار میں مذکور ہے:

''قال فی الھندیۃ الغنیمۃ اسم لما یوخذ من اموال الکفرۃ بقوۃ الغزاۃ و قھر الکفرۃ والفیء ما اخذ منھم من غیر قتال کالخراج والجزیۃ و فی الغنیمۃ الخمس دون الفیء و ما یوخذ منھم ھدیۃ او سرقۃ او خلۃ او ھبۃ فلیس بغنیمۃ و ھو لآخذٍ خاصۃً''

(ص: ۶/۲۲۴، مکتبہ دارالباز)

ترجمہ: فتاوی ہندیہ میں ذکر کیا گیا، غنیمۃ اس چیز کا نام ہے جو حربی کفار کے اموال میں سے مجاہدین کی قوت اور کفار پر قہر اور غلبہ سے حاصل ہو اور فیء وہ مال ہے جو بغیر قتال کے حربی کافروں سے لیا جائے جیسے خراج اور جزیہ ہوتا ہے اور غنیمت میں خمس ہوتا ہے (جو کہ یتیموں اور مساکین اور مسافروں اور بنی ہاشم کے فقراء میں تقسیم ہوتا ہے) اور فیء میں خمس نہیں ہوتا، وہ سب مسلمانوں کے لیے ہوتا ہے اور وہ مال جو حربی کافروں سے بطور ہدیہ لیا جائے یا سرقہ یا دھوکہ یا ہبہ سے لیا جائے وہ غنیمت نہیں ہوگا، وہ صرف آخذ کا ہوتا ہے۔

• درمختار باب الربا میں ہے:

''وَلَا بَیْنَ حَرْبِیٍّ وَمُسْلِمٍ مُسْتَأْمِنٍ وَلَوْ بِعَقْدٍ فَاسِدٍ اَوْ قِمَارٍ ثَمَّہٗ لِاَنَّ مَالَہٗ ثَمَّہٗ مُبَاحٌ فَیَحِلُّ بِرَضَاہُ مُطْلَقًا بِلَا غَدْرٍ خِلَافًا لِلثَّانِیْ وَالثَّلَاثَۃِ'' (ص:۴/۲۳۷)

ترجمہ: حربی اور مسلم مستامن کے درمیان دارالحرب میں ربا نہیں ہوتا، اگرچہ عقد فاسد یا قمار (جوا) کے ساتھ حاصل ہو اس لئے کہ حربی کافر کا دارالحرب میں مال مباح ہوتا ہے، اس کی رضا کے ساتھ مطلقاً حلال

ہوگا، بشرطیکہ غدر اور دھوکہ سے حاصل نہ ہو، یہ حکم امام ابو یوسف اور آئمہ ثلثہ کے خلاف ہے۔

''وَحُكْمُ مَنْ اَسْلَمَ فِيْ دَارُالْحَرْبِ وَلَمْ يُهَاجِرْ كَحَرْبِيٍّ فَلِلْمُسْلِمِ الرِّبَا مَعَهُ خِلَافًا لَّهُمَا لِاَنَّ مَالَهُ غَيْرُ مَعْصُوْمٍ'' (جوہرہ۔ ص:۲۳۷/۴)

ترجمہ: اور حکم اس آدمی کا جو دارالحرب میں مسلمان ہوا اور اس نے ہجرت نہیں کی، پس مسلمان کے لئے اس مسلم حربی کے ساتھ ربا کا معاملہ جائز ہے مگر صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے، جواز اس لئے ہے کہ اس مسلم حربی کا مال معصوم نہیں ہے۔

یعنی غیر معصوم ہونے سے خارج نہیں ہوا۔ جب کفر کی حالت میں غیر معصوم تھا صرف اسلام لانے سے وہ مال معصوم نہیں ہوگا جب تک مسلمان ہجرت کرلے اور پھر دارالحرب جائے، اب اس کا مال معصوم ہوگا۔ دار بدلنے سے عصمت حاصل ہوگی۔

''فَلَوْ هَاجَرَ اِلَيْنَا ثُمَّ عَادَ اِلَيْهِمْ فَلَا رِبَا اِتِّفَاقًا'' (جوہرہ۔ ص:۲۳۷/۴)

ترجمہ: پس اگر وہ مسلمان ہماری طرف ہجرت کرے اور پھر لوٹ جائے تو اس کے ساتھ ربا کا معاملہ بالاتفاق جائز نہیں ہوگا۔

قُلْتُ وَ مِنْهُ يُعْلَمُ حُكْمُ مَنْ اَسْلَمَا ثَمَّهٗ وَلَمْ يُهَاجِرَا (يَعْنِيْ لَا يَتَحَقَّقُ الرِّبَا بَيْنَهُمَا اَيْضًا) وَالْاَصْلُ اَنَّ الرِّبَا حَرَامٌ اِلَّا فِيْ هٰذِهٖ سِتَّةِ الْمَسَائِلِ (ص:۴۲۴/۷)

ترجمہ: میں کہتا ہوں اس تعلیل اور وجہ سے (کہ مسلمان حربی کے ساتھ سود کا معاملہ جائز ہے) بیان کرنے میں ان لوگوں کا حکم معلوم ہو گیا جو دونوں شخص دارالحرب میں مسلمان ہوئے اور دونوں نے ہجرت نہیں کی ان کے درمیان بھی ربا متحقق نہیں ہوگا۔ (ناقص اور زائد ہم جنس مال

میں بیع وشرا اسے ربا نہیں ہوگا۔) حاصل کلام یہ ہے کہ ربا حرام ہے مگر ان چھ مسائل میں: (۱) مولی اور عبد کے درمیان (۲) عقد متفاوضہ میں (۳) عقد مشارکۃ عنان میں جب وہ مشترکہ مال میں بیع کریں (۴) حربی کافر اور مسلم متامن کے درمیان (۵) حربی غیر مہاجر مسلم اور اصلی مسلم کے درمیان (۶) دونوں حربی مسلمانوں کے درمیان جنھوں نے ہجرت نہیں کی۔

- در مختار کی عبارت نقل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ قارئین کو درج شدہ مسائل میں تردّد نہ رہے، یہ نہ سمجھیں کہ یہ مفتی رفیق کی اپنی رائے ہے۔ ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ حربی کافر کے ساتھ مسلمان کا دارالحرب میں سودی اور ربوی عقود کے ذریعہ سود لینا یا دینا جائز ہے کیونکہ درحقیقت یہ سود ہی نہیں ہوتا سود کی تعریف ان پر صادق نہیں آتی۔

کافروں کے تین اقسام:

- کافروں کے تین قسم ہیں: (۱) کافر حربی (۲) کافر ذمی (۳) کافر متامن اور مسلم کے چار قسم ہیں: (۱) مسلم اصلی (۲) مسلم حربی جس نے ہجرت کی اور واپس دارالحرب چلا گیا اور (۳) مسلم حربی جس نے دارالحرب کو نہیں چھوڑا اور (۴) مسلمان متامن۔
- حربی کافر وہ کافر ہے جو دارالحرب میں مستقل قیام رکھتا ہے آباء و اجداد سے دارالحرب میں رہتا ہے یا اس نے دوسرے ملک سے منتقل ہوکر دارالحرب میں مستقل قیام کرلیا ہے۔ اس ملک میں رہنے کے لئے اسے پاسپورٹ وغیرہ کی ضرورت نہیں وہ اس ملک کا اصلی باشندہ ہے۔ کافر ذمی وہ کافر ہوتا ہے جو مسلمانوں کے ملک میں مستقل رہتا ہو جسے اسلامی ملک کی قومیت حاصل ہو اور اسلامی ملک میں رہنے کے لئے اس کو پاسپورٹ کے بغیر رہنے کی اجازت ہو۔

• کافر مستأمن وہ کافر ہوتا ہے جو مسلمانوں کے ملک میں ویزا لے کر عارضی قیام پذیر ہو پھر اپنے ملک واپس چلا جائے۔

• اور حربی مسلم اوّل سے مراد وہ مسلمان ہے جس نے دارالحرب میں اسلام قبول کیا اور وہیں رہا اسے اس ملک میں رہنے کے لئے پاسپورٹ کی ضرورت نہیں اس نے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی وہ شخص اگرچہ مسلمان ہے اس کا حکم سودی معاملات میں حربی کافروں والا ہے۔

• حربی مسلم دوم جس نے دارالحرب میں اسلام قبول کیا دارالاسلام کی طرف ہجرت کی پھر واپس دارالحرب لوٹ گیا اس حربی مسلم کا حکم اصلی مسلم جیسا ہوتا ہے۔

• اصلی مسلم وہ شخص ہوتا ہے جو اسلامی ملک میں آباءواجداد سے رہتا ہو اسے ملک میں رہنے کے لئے ویزا یا پاسپورٹ کی ضرورت نہ ہو۔

• مسلم مستأمن وہ شخص ہے جو دارالحرب میں ویزا پاسپورٹ کے ذریعے عارضی مقیم ہو۔

• حربی کافر کا مال غنیمت کی طرح مباح ہوتا ہے، حربی کافر کا مال جنگل میں گرے بے قیمت لکڑی کے ٹکڑوں کی طرح ہوتا ہے جو اٹھالے اسی کے ہوں گے۔ حربی کافر مباح الدّم ہے، اس کے قتل میں قصاص نہیں ہے اگر وہ حرب اور قتال میں گرفتار ہو جائے تو وہ عبد قرار دیا جا سکتا ہے اگر حرب اور قتال میں حربی عورت گرفتار ہو جائے تو اسے کنیز بنایا جا سکتا ہے عبد اور کنیز کی خرید وفروخت جانوروں کی طرح جائز ہے لہٰذا اگر عقود فاسدہ اور ربا کے ذریعے حربی کافروں کا مال بغیر غدر کے حاصل ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہوتی۔

• لہٰذا مسلم مستأمن کا دارالحرب میں کافر حربی کے ساتھ سودی معاملات کرنا جائز ہوگا حتّٰی کہ جوا کے ذریعے کافر حربی کا حاصل مال مسلمان کے لئے حلال ہوگا

صرف کافر حربی کی رضا ضروری ہے بغیر رضا غدر اور دھوکہ ہے۔ حربی کافروں کے مالی معاملات میں ان کی رضا کافی ہے حربی کافروں کے مالی معاملات سود اور قمار کی تعریف میں نہیں آتے۔

• مگر اسیر (کافروں کے قیدی مسلمان) کے لئے حربی کافر کی رضا بھی ضروری نہیں ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

"(قَوْلُهٗ مُسْلِمٌ مُسْتَأْمِنٌ) مِثْلُهُ الْاَسِيْرُ لٰكِن لَّهٗ اَخْذُ مَالِهِمْ وَلَوْ بِلَا رَضًا كَمَا مَرَّ فِي الْجِهَادِ" (ص: ۷/۴۲۲)

ترجمہ: اور مصنف کا قول مسلم مستأمن اسی کی مثل اسیر ہے لیکن اسیر کے لئے کافروں کی رضا کے بغیر بھی مال لینا جائز ہے جیسے جہاد میں ذکر ہو چکا ہے۔

• کیونکہ حربی کافر کا مال مستأمن مسلم کے لئے وعدہ خلافی اور غدر کی وجہ سے محظور ہو جاتا ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں حربی کافر کا مال مباح جائز الاستعمال ہوتا ہے اور معاہدہ ہو جائے تو حسبِ معاہدہ حربی کافر کا مال غیر معصوم محظور کہلاتا ہے اور مباح الاستعمال نہیں ہوتا اور مسلمان اور ذمی کا مال معصوم کہلاتا ہے، مالک کے اذن کے بغیر معصوم مال کا استعمال اور اخذ حرام ہوتا ہے اور محظور مال کا اخذ اور استعمال مکروہ خلافِ وعدہ ہوتا ہے اور مباح مال کا اخذ جائز ہوتا ہے اور قیدی کا حربی کافروں سے کوئی وعدہ نہیں ہوتا، لہٰذا حربی کافروں کے قیدی مسلمان دارالحرب سے جو مال کافر کے اذن کے بغیر حاصل کریں گے ان کے لئے وہ مال حلال ہوگا۔

• مسلم اصلی اور مسلم حربی جو ہجرت کے بعد دارالحرب لوٹ گیا ہے کے ساتھ کسی مسلمان کا سودی کاروبار جائز نہیں ہے کیونکہ اصلی مسلمان اور مہاجر مسلمان کا مال شرعًا متقوم اور معصوم ہوتا ہے۔

• حربی کافر کے ساتھ مسلمان مستأمن کا دارالحرب میں سودی کاروبار جائز ہے،

مگر مستأمن حربی کافر جو ویزا اور اجازت سے دارالاسلام آئے، اس کے ساتھ مسلمان کا سودی لین دین جائز نہیں ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

"وَقَوْلُهُ ثَمَّةَ اَيْ فِيْ دَارِالْحَرْبِ قَيَّدَ بِهِ لِاَنَّهُ لَوْ دَخَلَ دَارَنَا بِاَمَانٍ فَبَاعَ مِنْهُ مُسْلِمٌ درهما بِدرهمين لَا يَجُوْزُ اِتِّفَاقًا"

(عن مسکین، ص:۷/۴۲۳)

ترجمہ: مصنف نے دارالحرب کے ساتھ حربی کافر کے مال مباح ہونے کو مقید کیا کیونکہ اگر حربی کافر دارالاسلام میں امان اور اجازت کے ساتھ آئے مسلمان نے اس کو ایک درہم دو درہموں میں فروخت کیا تو بالاتفاق جائز نہیں ہوگا۔

حربی کافر کے مال کا عقد فاسد اگر دارالحرب میں ہو تو سودی معاملہ نہیں ہوگا:

- اس عبارت سے واضح ہے کہ حربی کافر کے مال کا عقد فاسد دارالحرب میں ہو تو وہ جائز اور مباح ہوتا ہے اور نافذ ہوتا ہے اور حربی کافر کا مال حربی کافر کے ملک میں ہونا اباحت کی علت ہے، جیسا جد الممتار میں گزر چکا ہے۔
- لہٰذا مستامن حربی کافر خود ویزے کے ساتھ دارالاسلام میں ہو مگر اس کے مال کا عقد فاسد دارالحرب میں، اسلامی ملک میں داخل ہونے سے پہلے ہو چکا ہو تو میرے خیال میں اس کے ساتھ عقد فاسد جائز تھا کیونکہ مال کے عقد کی دار کا اعتبار ہوتا ہے بعد میں خود مالک کا دار میں ہونے کا اعتبار نہیں ہوتا۔ عقد کے وقت حربی مستامن نے اسلامی ملک کے احکام کے مطابق عمل کرنے کا التزام نہیں کیا تھا، جب استیمان کے ساتھ داخل ہوا اس نے شرعی احکام کا التزام کیا لہٰذا اگر حربی کافر کے ساتھ عقد دارالاسلام میں ہو تو وہ مال متقوم ہو جائے گا اس کے ساتھ سودی معاملہ جائز نہیں ہوگا۔
- حاضر زمانہ میں بیع وشراء اور دیگر مالی معاملات انٹرنیٹ اور فون اور بینکوں کے

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

ذریعے طے اور کنفرم ہوتے ہیں اگر مسلمان تاجر حربی کافروں کے ساتھ بیع فاسد وغیرہ بنکوں کے ذریعہ کرتا ہے، مسلمانوں کے لیے یہ جائز ہوگا کیونکہ ان کافروں کے مال کے عقود دارالحرب میں ہوئے، مسلمان عقود کے بعد مال منگواتے ہیں۔

- اور اگر حربی کافر اپنے ملک میں ہو اور انٹرنیٹ کے ذریعے مسلمان اپنے ملک میں بیٹھ کر حربی کافر کے ساتھ سودی معاملات کریں تب بھی جائز ہوں گے کیونکہ جواز کے لیے مسلمان کا دارالحرب جا کر بیع وشراء کرنا شرط نہیں ہے۔
- دنیا بھر میں یہود ونصاریٰ اور دیگر کافروں کی تجارتی کمپنیاں پھیلی ہوئی ہیں اور ان کے بینکوں کی برانچیں ہر ملک میں موجود ہیں، ان کافروں کے کاروباری مراکز اور ہیڈ کوارٹر اپنے اپنے ملکوں میں ہوتے ہیں، مسلمان اگر ان کا مال خرید کر اپنے ملکوں میں امپورٹ کریں اور بیع وشراء ان شروطِ فاسدہ کی وجہ سے کریں جو باہم مسلمانوں میں وہ بیع کو فاسد کر دیتی ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ حربی کافروں کا مال عقودِ فاسدہ میں مسلمانوں کے لئے حلال ہوتا ہے درحقیقت شروطِ فاسدہ کی وجہ سے کافروں کے ساتھ فساد بیع یا سود لازم نہیں ہوتا۔
- یورپی ممالک میں رہنے والے مسلمان حربی کفار کے بینکوں میں رقوم جمع کرواتے ہیں اور بینک جمع شدہ رقم پر زائد رقم دیتے ہیں اور اسے سود کا نام دیا جاتا ہے، ہمارے آئمہ کے نزدیک یہ سود نہیں ہے اور مباح مال ہے، حربی کفار کی رضا کی وجہ سے غدر/عہد شکنی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر پرائیویٹ حربی کافر کو کوئی مسلمان سود کی شرط پر قرض دیتا ہے تو یہ جائز ہے بغیر خیانت اور دھوکہ حربی کافر کا اس کی رضا سے حاصل مشروط مال مباح اور جائز ہوتا ہے۔
- اگر حربی کافروں کے بینکوں کے مراکز دارالحرب میں ہوں اور ان کی برانچیں اسلامی ملکوں میں ہوں اور مسلمان ان بینکوں میں فی صد زائد واپس کرنے کی شرط پر رقم جمع کروائیں اور بینک زائد رقم ادا کریں، کیا مسلمانوں کے لئے سود ہوگا یا نہ؟

میرے خیال میں اگر بینکوں کے ہیڈ آفس دارالحرب میں ہوں اور وہاں کے حساب وکتاب کی شرح سے زائد رقم ادا کی جاتی ہے تو یہ معاملہ جائز ہوگا اور یہ اس طرح ہوگا جیسے مسلمان حربی کافر کو ایک درہم دے کر دو درہم حاصل کرے چونکہ برانچوں کا اصل دفتر دارالحرب میں ہے، حربی کا مال بھی دارالحرب میں ہے، گویا کافر نے اپنی کرنسی کو اسلامی ملک کی کرنسی میں تبدیل کرکے مسلمان کو ادا کیا ہے اور حربی کافروں کے نمائندے اور سفیر اسلامی ملک میں ان کی وکالت کررہے ہیں لہٰذا یہ معاملہ جائز ہوگا، سودی نہیں ہوگا۔ (محمد رفیق حسنی)

کیا مسلمان حربی کافر سے قرض سود پر لے سکتا ہے؟

- موجودہ زمانے میں اکثر غیر اسلامی ممالک دارالحرب ہیں اور ترقی یافتہ ہیں اور اسلامی ممالک نہایت غریب اور ترقی پذیر ہیں چنانچہ یورپی ممالک میں رہنے والے مسلمان عموماً حکومتوں سے یا حکومت سے منظور شدہ بینکوں سے قرضہ لیتے ہیں اور اپنی ضرورت کی اشیاء اور مکان خریدتے ہیں اور قرض پر زائد رقم واپس کرتے ہیں تو کیا مسلمانوں کا زائد رقم دینا جائز ہے یا سود ہے اور ناجائز ہے؟
- سوال یہ ہے کہ جُوا یا بیع فاسد کے ذریعے حربی کفار سے حاصل ہونے والا مال تو مسلمانوں کے لئے حلال ہے کیا ہار جانے کی صورت میں مسلمان کو جوا کی رقم حربی کافر کو دینا جائز ہے یا قمار ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے؟
- اس کا جواب یہ ہے کہ حربی کفار سے مشروط زائد مال لینا تو بالاتفاق مال غنیمت کی طرح جائز ہے جیسا جد الممتار سے گزرا لیکن حربی کفار کو قرض پر سود یا جوا میں ہار جانے پر رقم دینا امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے اور فقہ کی کتابوں کی عبارتوں کا اطلاق کہ حربی کافر اور مسلمان کے درمیان ربا نہیں ہوتا، جواز پر دلالت کرتا ہے۔
- چنانچہ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

"(قَوْلُهُ لِاَنَّ مَالَهُ ثَمَّةَ مُبَاحٌ) قَالَ فِيْ فَتْحِ الْقَدِيْرِ لَايَخْفٰى هٰذَا التَّعْلِيْلُ اِنَّمَا يَقْتَضِيْ مِنْ مُّبَاشَرَةِ الْعَقْدِ اِذَا كَانَتِ الزِّيَادَةُ هُنَا يَنَالُهَا الْمُسْلِمُ الرِّبَا اَعَمُّ مِنْ ذٰالِكَ اِذْ يَشْمَلُ مَا اِذَا كَانَ الدِّرْهَمَانِ اَيْ فِيْ بَيْعِ دِرْهَمٍ بِدِرْهَمَيْنِ مِنْ جِهَةِ الْمُسْلِمِ (وَ دِرْهَمٌ) مِنْ جِهَةِ الْكَافِرِ وَجَوَابُ الْمَسْئَلَةِ بِالْحَلِّ عَامٌّ فِي الْوَجْهَيْنِ وَكَذَا الْقِمَارُ قَدْ يُفْضِيْ اِلٰى اَنْ يَّكُوْنَ مَالُ الْخَطْرِ لِلْكَافِرِ بِاَنْ يَّكُوْنَ الْغَلَبُ لَهُ فَالظَّاهِرُ اَنَّ الْاِبَاحَةَ بِقَصْدِ نَيْلِ الْمُسْلِمِ الزِّيَادَةَ وَقَدْ اَلْزَمَ الْاَصْحَابُ فِي الدَّرْسِ اَنَّ مُرَادَهُمْ مِنْ حِلِّ الرِّبَا وَالْقِمَارِ مَا اِذَا جُعِلَتِ الزِّيَادَةُ لِلْمُسْلِمِ نَظَرًا اِلَى الْعِلَّةِ وَاِنْ كَانَ اِطْلَاقُ الْجَوَابِ خِلَافَهُ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ" (ص:۷/۴۲۳ مکتبہ الباز)

ترجمہ: (مصنف کا قول کافر کا مال دارالحرب میں مباح ہے) فتح القدیر میں صاحب الفتح ابن ہمام نے کہا ہے کہ یہ مخفی نہیں کہ یہ تعلیل بے شک تقاضا کرتی ہے عقد (بیع و شراء فاسد) کے جواز کو وہاں دارالحرب میں جب زیادتی مسلمان کے لئے ہو، حالانکہ زیادتی کی صورت اس سے عام ہے، کیونکہ زیادتی کا ہونا اس کو شامل ہے کہ (ایک درہم کی دو درہموں کے ساتھ بیع ہو) دو درہم مسلمان کی جانب سے ہوں اور کافر کی جانب سے ایک درہم، اس صورت مسئلہ میں فقہاء کا جواب دونوں صورتوں میں حلال ہونا ہے، اور اسی طرح قمار میں ہو سکتا ہے، مشروط مال کافر کے لئے ہو جائے یہ کہ کافر غالب آ جائے پس ظاہر یہ تھا کہ قمار اور ربا کی اباحت اس قید کے ساتھ ہو کہ مسلمان کے لئے زیادتی حاصل ہو، اور بے شک درس میں اصحاب طلباء نے ثابت کیا کہ فقہاء کی مراد ربا اور قمار کے حلال ہونے سے اس وقت ہے جب زیادتی مسلمان کے لئے ہو، علت کی طرف نظر

کرتے ہوئے مگر فقہاء کے جواب کا مطلق ہونا اس کے خلاف ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ صواب کو زیادہ جانتا ہے۔

● اس کے بعد امام شامی امام محمد کی سیر کبیر اور اس کی شرح سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جب مسلمان امان کے ساتھ دار الحرب میں داخل ہو تو کوئی حرج نہیں ہے کہ حربی کافروں کے اموال ان کی رضا سے حاصل کرے جس طریقہ سے بھی ہو کیونکہ مسلمان مباح مال غدر سے خالی حاصل کرنے والا ہوگا۔ فرمایا:

"فَیَکُوْنُ ذَالِكَ طَیِّبًا لَهٗ وَالْاَسِیْرُ وَالْمُسْتَأْمِنُ سَوَاءٌ حَتّٰی لَوْ بَاعَهُمْ دِرْهَمًا بِدِرْهَمَیْنِ اَوْ بَاعَهُمْ مَیْتَةً بِدِرْهَمٍ اَوْ اَخَذَ مَالًا مِنْهُمْ بِطَرِیْقِ الْقِمَارِ فَذَالِكَ کُلُّهٗ طَیِّبٌ لَهٗ اھ مُلَخَّصًا" (ص: ۷/۴۲۳)

ترجمہ: پس یہ مال مسلمان کے لئے طیب ہوگا اور اسیر (قیدی) اور مستأمن اس میں برابر ہیں حتیٰ کہ اگر مسلم کافروں کو ایک درہم دو درہموں میں فروخت کرے گا یا کافروں کو دراہم کے مقابلہ میتہ (مردار جانور) فروخت کرے یا قمار کے طریقہ سے ان سے مال حاصل کرے، پس یہ سب مسلمان کے لئے طیب ہیں۔ علامی شامی فرماتے ہیں اس میں غور کرو امام محمد نے مسئلہ کا موضوع ان کا مال ان کی رضا سے لینا بنایا ہے۔ معلوم ہوا ربا اور قمار کے جواز سے ان فقہاء کی کلام میں مراد یہی صورت ہے کہ کفار سے مال لیا جائے اگرچہ لفظ عام ہیں کیونکہ غالباً حکم کی مدار علت پر ہوتی ہے۔ (ص: ۷/۴۲۳)

حربی کفار کا مال حرب کے بغیر فیء اور حلال ہوتا ہے:

● حربی کافر کا مال مباح اور حلال ہوتا ہے، اس پر ایک دلیل حضرت عوف ابن مالک الاشجعی اور اس کے بیٹے کا معاملہ ہے۔ تفسیر قرطبی میں سورۃ طلاق کی آیت "وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا" کے تحت نقل ہے کہ حضرت جابر ابن عبداللہ اور حضرت عبداللہ ابن عباس بیان کرتے ہیں "وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ

مَخْرَجًا وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ" (الآیہ) حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی کے بیٹے کو مشرکین نے گرفتار کرلیا، جس کا نام سالم تھا۔ حضرت عوف بن مالک سرورِ دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور فاقہ کی شکایت کی اور عرض کیا، میرے بیٹے کو دشمن نے اسیر بنالیا ہے، اس کی ماں نہایت غمزدہ ہے، آپ (ﷺ) کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اتق اللہ و اصبر و آمرك و ایاها ان تستکثرا من قول لا حول و لا قوۃ الا باللہ"۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ڈر اور صبر کر اور میں تجھے اور تمہاری بیوی کو امر کرتا ہوں یہ کہ تم "لا حول و لا قوۃ الا باللہ" کی کثرت کرو۔ حضرت عوف گھر واپس آئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے امر فرمایا ہے کہ ہم لا حول و لا قوۃ الا باللہ کثرت کے ساتھ پڑھیں۔ بیوی نے عرض کیا، آپ ﷺ نے امر فرمایا، وہ بہتر ہے۔ دونوں پڑھتے رہے۔ ایک دن دشمن (حربی کافر) ان کے بیٹے سے غافل ہوئے، وہ ان کی چار ہزار بکریاں لے کر اپنے باپ کے پاس پہنچ گیا۔ ایک روایت میں ہے پچاس اونٹ لے آیا اور عوف فقیر تھا۔ مقاتل کی روایت میں بکریوں کے علاوہ سامان لانے کا ذکر بھی ہے۔

حضرت عوف بن مالک نے جناب رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

"أَیَحِلُّ لِیْ اَنْ اٰکُلَ مِمَّا اَتٰی بِهٖ اِبْنِیْ قَالَ نَعَمْ وَنَزَلَتْ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ"

(قرطبی، سورۃ طلاق۔ ص: ۱۶۱، ج ۱۸)

ترجمہ: کیا میرے لیے حلال ہے کہ میں کھاؤں اس چیز سے جو میرا بیٹا لے آیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں حلال ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے مشکلات سے خروج کا سبب بنادیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا

اسے گمان بھی نہیں تھا۔

• معلوم ہوا حربی کافر کا مال مسلمان اسیروں کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرستادہ جناب رسول اللہ ﷺ کے نزدیک حلال اور طیب ہے۔ حضرت عوف کے بیٹے سالم اور ان کے والد کے لیے "یَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ" نازل ہوئی۔ ہمارے بعض حضرات کا حربی کافروں کے مال کی اباحت کو صرف حالت محاربہ اور قتال سے خاص کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ انہوں نے تو بغیر حالت جنگ حربی کافروں کے مال کو مسلمانوں کے لیے لوٹ مار کا مال قرار دیا ہے اور حرام قرار دیا ہے۔ حضرت عوف بن مالک کے بیٹے نے بغیر جنگ اور قتال مال حاصل کیا، اللہ تعالیٰ نے اسے رزق حلال قرار دیا۔ لہٰذا حربی کافروں کے مال کو لوٹ مار کا مال کہنا نہایت زیادتی ہے۔

حدیث سے دونوں طرف سے ربا کے جواز پر دلیل:

• یعنی امام ابو حنیفہ اور امام محمد سے جو قول مروی ہے وہ عام ہے حربی کافر سے دارالحرب میں سود لینا اور حربی کو سود دینا دونوں جائز ہیں۔ حقیقت میں یہ سود ہی نہیں۔ سود اس زیادتی کا نام ہے جو مال معصوم پر مشروط ہو اور حربی کا مال معصوم نہیں ہوتا لہٰذا حربی کافر کے مال پر زیادتی سود نہیں ہے اور مسلمان کے مال پر حربی کفار کی جانب سے مشروط زیادتی خود مالِ معصوم نہیں بلکہ مالِ مباح ہے اور مباح مال سود نہیں ہوتا۔ (محمد رفیق)

• حدیث شریف میں بھی حکم مطلق ہے کہ حربی کافر اور مسلمان کے درمیان سود نہیں ہوتا۔ ہدایۃ میں ہے:

"وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِيِّ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ (الی) لَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا رِبَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِيِّ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ وَلِاَنَّ مَالَهُمْ مُبَاحٌ فِيْ دَارِهِمْ فَبِاَيِّ طَرِيْقٍ اَخَذَهُ الْمُسْلِمُ اَخَذَ مَالًا مُبَاحًا

اِذَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ غَدْرٌ بِخِلَافِ الْمُسْتَاْمِنِ مِنْهُمْ لِاَنَّ مَالَهُ صَارَ مَحْظُوْرًا بِعَقْدِ الْاَمَانِ" (ص:۶/۱۷۸۔ فتح القدیر۔ مطبوعہ سکھر)

ترجمہ: دارالحرب میں مسلم اور حربی کے درمیان ربا نہیں ہوتا (تا) ہمارے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول دلیل ہے کہ مسلم اور حربی کے درمیان ربا نہیں ہے اور اس لئے کہ ان کی دار میں ان کا مال مباح غیر متقوم ہوتا ہے جس طریقہ سے حربی کا مال مسلم حاصل کرے وہ مباح مال حاصل کرے گا، جب اس میں غدر اور وعدہ خلافی نہ ہو بخلاف حربی کافروں میں سے حربی مستأمن کے کہ اس کا مال دارالاسلام میں عقد امان کی وجہ سے محظور ہو جاتا ہے۔

سورۃ روم سے حربی کفار کے ساتھ جوا کے جواز پر دلیل:

• امام صاحب اور امام محمد کی دوسری دلیل یہ ہے کہ سورۃ روم نازل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اہل فارس مجوسیوں اور اہل کتاب رومیوں کے درمیان شام میں جنگ ہوئی مجوسی غالب آگئے اس پر مشرکین خوش ہوئے اور مسلمانوں کو کہنے لگے، مجوسی مشرک تھے اور اہل کتاب رومیوں پر غالب آگئے، اسی طرح ہم مشرک ہیں اور آپ اہل کتاب ہم بھی تم لوگوں پر غالب آئیں گے اس وقت سورۃ روم نازل ہوئی اور اس میں خبر دی گئی کہ چند سال بعد اہل کتاب رومی مجوسیوں پر غالب آجائیں گے، حضرت ابو بکر صدیقؓ کفار مکہ میں جا کر کہنے لگے تم خوش نہ ہو عنقریب چند سالوں میں رومی مجوسیوں پر غالب آجائیں گے۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے ابی ابن خلف کے ساتھ شرط لگادی یعنی جوا اور قمار کا عقد کر لیا کہ اگر رومی غالب آگئے تو ابی ابن خلف سو (۱۰۰) اونٹ دے گا اور اگر مجوسی غالب آئے تو حضرت ابو بکر صدیقؓ ان کو (۱۰۰) سو اونٹ دیں گے، اس شرط کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز رکھا، اور آپ کے مشورہ سے یہ شرط رکھی گئی چنانچہ صلح

حدیبیہ ہجرت کے چھٹے سال رومی مجوسیوں پر غالب آگئے، ابی ابن خلف غزوہ بدر میں ہلاک ہو گیا تھا، حضرت ابو بکر صدیقؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں مکہ مکرمہ سے ابی ابن خلف کے وارثوں سے سو اونٹ لے آئے۔

(سورۃ روم، تفسیر قرطبی)

• فتح القدیر میں ہے:

''فَاَخَذَ اَبُوْبَکْرٍ خَطَرَہٗ فَاَجَازَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ الْقِمَارُ بِعَیْنِہٖ بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَ مُشْرِکِ مَکَّۃَ وَکَانَتْ مَکَّۃُ دَارَ الشِّرْکِ'' (ص: ۶/۱۷۸ مکتبہ سکھر)

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے شرط کا مال لے لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرمائی اور یہی بعینہٖ قمار تھا، حضرت ابو بکر صدیقؓ اور مشرکین مکہ کے درمیان اور اس وقت مکہ دار الشرک اور دار الحرب تھا۔

• اہل علم پر یہ واضح ہے جو امیں دونوں احتمال تھے کہ ابی ابن خلف ہار جائے یا ابو بکر اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجازت فرمائی مجوسیوں کا غلبہ نفس الامر میں واقع ہونے والا نہیں تھا مگر اس کو مشروط رکھنا کہ مجوسی غالب آجاتے تو ابو بکرؓ کو سو اونٹ دینے پڑتے، طرفین کے نزدیک جواز کی دلیل ہے۔

• لہٰذا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ جس طرح حربی کافروں سے سود اور قمار کے ذریعے مال لینا جائز ہے تو مال دینا بھی جائز ہے، حربی کافروں کے ساتھ عقد ربا، ربا ہی نہیں ہوتا تاکہ یہ کہا جائے کہ عقد ربا سے حاصل رقم حربی کافر کو دینا جائز نہیں ہے۔

• ہدایہ اور کتب حدیث میں منقول حدیث: ''لَا رِبَا بَیْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِیِّ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ'' کو امام ابو حنیفہ اور امام محمد اور علماء احناف نے قبول کیا ہے، فقہاء کا کسی حدیث کو قبول کرنا اس حدیث کی صحت اور قوی ہونے کی دلیل ہوتا ہے، اور وہ

آیات یا احادیث جن میں مطلق ربا کے حرام ہونے کا ذکر ہے، جیسے ''لَا تَاْکُلُوْا الرِّبٰوا'' احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس سے مال محظور اور معصوم میں ربا مراد ہے اور حربی کافروں کا مال مباح غیر محظور اور غیر قیمتی ہوتا ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں مذکور ہے:

''وَیَدْفَعُ بِالْقَطْعِ بِاَنَّ الْمُطْلَقَاتِ مُرَادٌ بِمَحَلِّھَا الْمَالُ الْمَحْظُوْرُ بِحَقٍّ لِمَالِکِہٖ وَمَالُ الْحَرْبِیِّ لَیْسَ مَحْظُوْرًا اِلَّا لِتَوَقِّی الْغَدَرِ'' (ص: ۶/۱۷۸)

ترجمہ: اس کا جواب دیا جائے گا کہ مطلق آیات اور احادیث سے ان کا وہ محل مراد ہے جو مال اپنے مالک کے حق کی وجہ سے محظور ہو اور حربی کا مال محظور نہیں ہوتا مگر غدر سے بچنے کی وجہ سے ہے۔

• چونکہ حدیث شریف عقد ربا میں کافر حربی کو زائد رقم دینے یا حربی کافر سے زائد رقم لینے دونوں صورتوں کے جواز کو شامل ہے، اور اس لیے طرفین رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے۔

ایک دوسرے کے مال پر ملک میں برابری ہونی چاہیے:

• یہ امر فقہاء کے درمیان تسلیم شدہ ہے کہ حربی کفار اگر مسلمانوں کے مال پر قبضہ کر لیں، کفار اس کے مالک ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے والے مالدار صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے فقراء فرمایا۔ سورۃ الحشر میں ہے: ''لِلْفُقَرَاءِ الْمُھَاجِرِیْنَ الآیۃ'' (حشر۔ آیت: ۸) حالانکہ مہاجرین مکہ مکرمہ میں اغنیاء تھے۔ فتح القدیر میں ہے:

''سَمَّاھُمْ فُقَرَاءَ وَالْفَقِیْرُ مَنْ لَّا یَمْلِکُ شَیْئًا فَدَلَّ عَلٰی اَنَّ الْکُفَّارَ مَلَکُوْا اَمْوَالَھُمُ الَّتِیْ خَلَفُوْھَا وَھَاجَرُوْھَا'' (ص: ۶/۴ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان کا نام فقراء رکھا اور فقیر وہ ہوتا ہے جو کسی چیز کا

مالک نہ ہو، پس اس میں دلالت ہے اس امر پر کہ کفار مکہ مہاجرین صحابہ کرام کے اموال کے مالک ہوگئے تھے جو اموال وہ مدینہ منورہ میں چھوڑ کر ہجرت کرکے آئے تھے۔

● ہدایۃ میں ہے: ''اِذَا غَلَبُوْا عَلٰی اَمْوَالِنَا وَاَحْرَزُوْھَا بِدَارِھِمْ مَلَکُوْھَا'' (ص:۴) یعنی جب حربی کافر ہمارے اموال پر غالب آجائیں اور اس کو اپنی دار میں محفوظ کرلیں وہ اس کے مالک ہوجاتے ہیں۔ پھر کافروں سے مسلمانوں کے مقبوضہ متروکہ اموال اور املاک کی خرید و فروخت بھی جائز ہوتی ہے۔ مسلمان خریدار کے لئے وہ اموال حلال ہوتے ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے مسلمان اگر ان کافروں کے اذن سے ان کے اموال پر قابض ہوں تو مالک نہ بن سکیں؟

● نیز جب حربی کفار کے ساتھ مسلمانوں کا عقد فاسد بھی عقد صحیح ہوتا ہے تو عقد ربا بھی عقد صحیح ہوگا اس لئے ان سے قرضہ لے کر قرضہ پر کفار کو سود دینا جائز ہوگا اور وہ اس کے مالک ہوجائیں گے۔

● حربی کفار کا مسلمانوں کو دیا گیا قرض قابل واپسی اور مال محظور ہوتا ہے مال معصوم نہیں ہوتا۔ غدر اور وعدہ خلافی سے بچنے کی وجہ سے اس مال کو واپس نہ کرنا ممنوع ہوجاتا ہے ورنہ وہ بھی مال مباح ہوتا مگر حربی کفار کا قرض مالِ معصوم نہیں ہوتا اور ربا اور سود مال معصوم پر زیادتی کا نام ہوتا ہے لہٰذا حربی کفار کے قرض پر زائد مشروط مال ممنوع اور محظور نہیں ہوتا لہٰذا وہ جائز ہے۔

اور ربا اس زیادتی کو کہتے ہیں جو مال معصوم پر ہو۔ ہدایۃ میں ہے:

''وَالْمَحْظُوْرُ لِغَیْرٍ اِذَا صَلَحَ سَبَبًا لِلْکَرَامَۃِ تَفُوْقُ الْمِلْكُ وَھُوَ الثَّوَابُ الْاٰجِلُ فَمَا ظَنُّكَ بِالْمِلْكِ الْعَاجِلِ'' (ص:۱۶/۵)

ترجمہ: غیر کے حق کی وجہ سے مال محظور جب ملک سے فوق کرامت کا سبب بن سکتا ہے اور وہ ثواب ہے پس تمہارا کیا گمان ہے دنیاوی ملک کا یعنی

جب (مغصوبہ زمین میں محظور نماز) کرامت کا سبب ہوتی ہے اور وہ آخرت کا ثواب ہے تو محظور مال دنیا میں ملک کا سبب کیوں نہیں بن سکتا۔

● یعنی مال معصوم استیلاء اور غلبہ اور قبضہ سے باہم مسلمانوں کے ملک کا سبب نہیں ہوسکتا مگر مال محظور ملک کا سبب بن سکتا ہے یہی وجہ ہے وہ لوگ جو دار الحرب میں بغیر ویزا کے چلے جاتے ہیں، ان کے لیے حربی کافروں کا غیر معصوم مال ہر طریقہ، سرقہ، فراڈ اور دیگر ذرائع سے حاصل ہونے والا مال طیّب اور حلال ہوتا ہے، حربی کفار کا مال دار الحرب میں معصوم نہیں ہوتا بلکہ مباح ہوتا ہے اور بغیر اجازت داخل ہونے والے مسلمانوں کی طرف سے سرقہ اور دھوکہ دینے میں کفار کے ساتھ غدر بھی نہیں ہوتا کیونکہ بغیر ویزا جانے والے مسلمانوں نے حربی کفار کے ساتھ کوئی وعدہ نہیں کیا، وہ تو بغیر ویزا اور ایگریمنٹ کے دار الحرب میں داخل ہوگئے ہیں اس لئے بغیر ویزا جانے والے مسلم لوگوں کے لئے حربی کفار کا مال، مال محظور بھی نہیں ہوگا تاکہ قابل واپسی ہو اور مسلمانوں کا ملک ثابت نہ ہو۔ (در مختار / رد المحتار)

سُود اضطرار کی حالت میں بھی جائز ہوتا ہے:

● اس پُرفتن دَور میں بیرونِ ملک رہنے والے مسلمان غربت میں مبتلا ہیں۔ یورپی ممالک میں حربی ممالک سے قرض لے کر مکان اور دیگر ضروریات پوری کرنے کے لیے قرض لینے پر مجبور ہیں، گویا قرض لینے میں مسلمان مضطر کی طرح ہیں اور اضطرار کی صورت میں تو مسلمانوں سے بھی سود کی شرط پر قرض لینا گناہ نہیں ہے۔ جیسا کہ در مختار وغیرہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔

اور قرض زائد مال واپس کیئے بغیر مل نہیں سکتا، لہٰذا حدیث شریف کے اطلاق اور امامین حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہم اللہ کی مطلق اور عام روایات پر فتویٰ دیا جائے تاکہ مسلمانوں کو فاسق اور سود خور قرار نہ دیا جائے۔ مسلمانوں کو

حربی ممالک سے قرض لے کر زائد رقم واپس دینے میں ان شاء اللہ کوئی گناہ نہیں ہوگا ذمہ داری امامین اور حدیث کے اطلاق پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(محمد رفیق حسنی عفی عنہ)

جواز پر ایک اور دلیل:

• اگر حربی کافر یا حربی ریاست کسی مسلمان کو سود کے نام پر مشروط قرض دے اور مسلمان اس کو مشروط زائد رقم واپسی کرے، فقہ اور حدیث کی مطلق روایات کے مطابق یہ رقم در حقیقت سود نہیں ہے اور حربی کافروں سے اصل رقم سے زائد واپس کرنے کی شرط پر مسلمانوں کا قرض لینا جائز ہے، کیونکہ سود اس زیادتی کو کہا جاتا ہے جو مال معصوم پر مشروط زیادتی ہو، یعنی جس مال کو اسلام اور شریعت نے عصمت اور تحفظ دیا ہو اس مال کے قرض پر مشروط زیادتی سود ہوتا ہے اور حربی کافر کا مال معصوم نہیں ہوتا، اسلام حربی کافر اور اس کے مال کو عصمت اور تحفظ نہیں دیتا، اس لئے حربی کافر کے قرض پر زیادتی کی رقم سود نہیں ہوگی۔

• یہی وجہ ہے کہ حربی کافر کے قتل میں مسلمانوں پر قصاص واجب نہیں ہوتا اور ان کا مال چوری کرنے پر قطع ید نہیں ہے، اور ان کے مال کے غصب اور اتلاف میں زمان نہیں ہے اور دار الحرب میں غصب بھی ملک کا سبب ہوتا ہے۔

(دیکھیے اشارات: در مختار۔ رفیق الفقہاء)

• الحاصل حربی کافروں کے ساتھ سودی لین دین جائز ہے، مسلمان حربی کافروں کو قرض دیں اور ان کافروں سے سود لیں یا مسلمان ان حربی کافروں سے قرض لیں اور اس پر حربی کافروں کو سود ادا کریں دونوں جائز ہیں۔ سُود کا لفظ سمجھانے کے لیے استعمال کیا گیا ورنہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کے نزدیک حربی کافر کے مال پر سود نہیں ہوتا۔

• سیدنا ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اگر مسلمان دار الحرب میں حربی کافروں

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

کے ساتھ عقد ربا اور ایسے عقد اور بیع و شراء کریں جو باہم مسلمانوں میں فاسد ہوتے ہوں تو جائز ہیں طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حربی کافروں کا مال خیانۃً اور غدر کے بغیر ان کی خوشی سے لینا جائز ہے کیونکہ وہ مال مباح ہوتا ہے۔

"لِاَنَّ الْعَصْمَةَ مُنْتَفِيَةٌ عَنْ مَالِهٖ فَاِتْلَافُهٗ مُبَاحٌ" (ص: ۱۸۲)

کیونکہ حربی کافر کے مال کی عصمت منتفی ہے پس اس کا اتلاف جائز ہے۔

• امام محمد نے سیر کبیر میں فرمایا جب مسلمان دار الحرب میں امان کے ساتھ داخل ہو، اسے حربی کافروں کا مال لینا جائز ہوتا ہے جب کہ ان کی رضا اور خوشی سے ہو۔

(ص: ۱۸۲۔ آثار الحرب، بحوالہ مبسوط۔ ۹۵/۱۰، اور سیر کبیر ۳ص: ۲۲۳)

• میں (رفیق حسنی) کہتا ہوں کیا امام ابو حنیفہ اور امام محمد حرام کو حلال سمجھتے تھے؟ جب حربی کافر کے مال میں زیادتی سود ہی نہیں تو حرام کو حلال کرنا کس طرح لازم آئے گا، کیونکہ حربی کے مال پر سود کی تعریف ہی صادق نہیں آتی۔

• کیا جب سرور دو عالم ﷺ جنگ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ منورہ سے اس لئے نکلے تھے کہ حربی کافروں ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں سے مال چھین لیں تو کیا یہ مال حرام لینے کے لئے نکلے تھے ابھی جنگ تو نہیں ہوئی تھی تاکہ اسے مال غنیمت کہا جائے؟

• آپ ﷺ اور صحابہ کرام کے دور میں جن جن علاقوں کو فتح کیا گیا حتٰی کہ قیصر و کسریٰ کے اموال کیا حرام مال تھے کیونکہ اکثر فتوحات اقدامی قتال کی وجہ سے ہوئیں اور اکثر جگہ بالفعل قتال ہی نہیں ہوتا تھا۔

• علامہ صاحب کا یہ کہنا کہ کافروں سے سود یا قمار کے ذریعے مال لینا، کافروں کا مال لوٹنا ہے اور شرعی اور اخلاقی لحاظ سے جائز نہیں ہے؟ کیا امام ابو حنیفہ اور امام اہلسنت اعلیٰ حضرت اور ہزاروں حنفی علماء نے کافروں سے سود یا قمار کے ذریعہ مال لوٹنے کا غیر شرعی اور غیر اخلاقی فتویٰ دیا تھا؟

• نہایت تعجب ہے کہ ہمارے علماء کفار کی ہمدردی میں کافروں کا مباح مال ان کی رضا اور خوشی سے لینے کو لوٹ مار سمجھتے ہیں حالانکہ حربی کفار آج مسلمانوں کے کھربوں روپے جنگ کے بہانے لوٹ رہے ہیں، زبردستی مسلمانوں کے اموال پر قبضے کررہے ہیں مگر ہمارے علماء کو مسلمانوں کا خیال نہیں آتا، حربی کافروں پر ترس آتا ہے نیز لوٹ مار میں تو مالک کا اذن اور رضا نہیں ہوتی اور یہاں تو مالی لین دین میں کافر خوش ہوتے ہیں کوئی خیانت نہیں ہوتی۔

• کفار کی ہمدردی یا انسانیت کے حوالے سے بعض مسلمان علماء لکھتے ہیں کہ یہ کس طرح جائز ہے کہ اسلام جہاد میں گرفتار لوگوں کو غلام اور عورتوں کو کنیز بنا لینے کی اجازت دیتا ہے۔(شرح مسلم) لیکن وہ علماء یہ نہیں سوچتے کہ حربی کافروں کے لیے یہ اسلامی قانون مکافاتی ہے۔ حربی کفار اسیر مسلمانوں کو اپنا غلام اور عورتوں کو اپنے لیے مباح سمجھتے ہیں، وہ اپنے خالق کا انکار کرتے ہیں، اور خالق کے ماننے والوں کو قتل کرنا حلال سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

"وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ" (سورۃ بروج:۸)

ترجمہ: اور ان کفار کو مسلمانوں سے نہیں برا لگا مگر مسلمان ایمان لائے اس اللہ تعالیٰ پر جو غالب اور تعریفوں والا ہے۔

نیز اسلام پر اعتراض کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے دنیا کا قانون ہے کہ ہر جرم کی سزا اس جرم کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے۔

• چھوٹے جرم کی سزا کم اور بڑے جرم کی سزا زیادہ اور اس کائنات رنگ و بو میں سب جرائم سے انسان کا بڑا جرم اپنے ربّ کا انکار جس نے اسے پیدا کیا اور پھر ربّ کو ماننے والوں سے حرب ہے۔ قرآن مجید میں "وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ" (سورۃ بروج، آیت:۸) ترجمہ: کافروں کو مسلمانوں سے بُرا نہیں لگا مگر یہ کہ مسلمان اللہ تعالیٰ جو عزیز اور حمید ہے، کے ساتھ ایمان

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

رکھتے ہیں۔ جب یہ بڑا جرم ہے، اسلام میں اس کی سزا بھی بڑی ہے کہ حربی کفار مباح الدم اور مباح المال ہوتے ہیں، ان کا نہ قصاص ہے نہ دیت ہے بلکہ ان کے قتل میں عظیم اجر اور ثواب ہے اور ان کے مال کی کوئی قیمت نہیں، ان کے مال کے اتلاف کی کوئی ضمان نہیں اور ان کے مال کی مثال بے قیمت جنگل کی لکڑی اور تنکوں کی طرح ہوتی ہے جو اٹھالے وہ مالک ہوتا ہے۔ (در مختار)

• اس لئے حالت حرب میں گرفتار کفار کو غلام اور عورتوں کو کنیز قابل خرید وفروخت مال بنانا جائز ہوتا ہے سب سے بڑی سزا یہی ہوتی ہے کہ انسان کے ساتھ حیوانوں والا سلوک ہو۔ جرم عظیم کی سزا بھی عظیم ہے۔ ہمارے فقہاء نے تحریر فرمایا جو شخص کنیزوں یعنی کفار کی گرفتار خواتین جن کو مسلمان حاکم نے کنیز قرار دے کر مجاہدین میں تقسیم کر دیا حرام سمجھتا یا حرام کہتا ہے، وہ کافر ہے کیونکہ وہ قرآن مجید "وما ملکت ایمانکم" جیسی آیات کا منکر ہے۔(عامہ کتب فقہ)

لہٰذا فتویٰ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول پر ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

دارالحرب کا دوسرا حکم:

• دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر مسلمانوں نے حربی کافر سے قرض لیا، حربی کافروں کو قرض دیا یا دارالحرب میں مسلمانوں اور کافروں نے ایک دوسرے کا مال غصب کر لیا پھر وہ مسلمان دارالاسلام واپس آگیا اور حربی کافر ویزا لے کر اسلامی ملک پیچھے پہنچ گیا اور مسلمان غاصب نے مغصوب کو واپس کرنے سے انکار کر دیا یا مسلمان مستقرض نے قرض واپس کرنے سے انکار کر دیا، اسلامی ریاست کا قاضی قرض واپس کرنے یا مغصوب واپس کرنے کا فیصلہ نہیں کر سکتا کیونکہ قرض یا غصب کا معاملہ دارالحرب میں واقع ہوا اور وہ معاملہ اور عقد کالعدم ہے کیونکہ حربیوں کی مسلمانوں پر اور مسلمانوں کی حربیوں پر ولایت نہیں ہے اور غصب ایسے مال کا ہے جس کی ضمان نہیں ہے۔(آثار الحرب۔ ص:۱۸۳، بحوالہ مبسوط وغیرہ)

• اس پر بطور تبصرہ علامہ زحیلی فرماتے ہیں اخلاقی طور پر مسلمان کو دین یا غصب شدہ مال واپس کردینا چاہیے۔

• (میں محمد رفیق کہتا ہوں) یہ صحیح ہے مگر یہ اخلاقی وصف صرف مسلمانوں کے لئے نہیں ہیں کافروں کو بھی ایسا کرنا چاہیے۔ بہر صورت اگر کوئی مسلمان حربی کافر کا دین واپس نہ کرے یا غصب شدہ چیز واپس نہ کرے تو گنہگار نہیں ہوگا کیونکہ سابقہ صفحات میں گذر چکا ہے کہ حربی کافروں کا مال دارالحرب میں مباح اور غیر قیمتی ہوتا ہے بغیر خیانت ان کی خوشی سے لینا جائز ہے اور ان کا مال غیر معصوم ہوتا ہے اور اگر خلاف عہد ان کا مال لے لیا جائے تو مال محظور غیر معصوم اور ممنوع کا لینا ہوتا ہے مگر قبضہ کے بعد مسلمان اس مال کا مالک ہو جاتا ہے مطلق حرام نہیں ہوتا مکروہ ہوتا ہے۔ (دیکھیے ہدایہ ودیگر کتب فقہ)

حربی کافروں کے بارے میں نرم رویّہ رکھنے والوں کے لیے تنبیہ:

• الحمد للہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا قول صحیح اور مخلص مسلمانوں کے ضمیر کی ترجمانی کرتا ہے۔ آج حربی کفار نے مسلمانوں کے اموال بلکہ ممالک پر قبضہ کر رکھا ہے مسلمانوں کی سب سے اہم اور قیمتی دولت تیل اور گیس پر کافروں کا تسلط ہے۔ کھربوں ڈالر مسلمانوں کا مال دبا کر قرض واپس نہیں کر رہے۔ مسلمانوں کے لئے حربی کفار نے ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کرنا ممنوع قرار دے دیا ہے۔ اپنے اسلامی ملکوں میں بھی مسلم ممالک اپنی زمین اور دولت کو استعمال نہیں کر سکتے۔ یہودیوں اور مشرکوں اور کمیونسٹوں اور دھریوں کو ایٹم بنانے کی اجازت ہے مگر اجازت نہیں تو صرف مسلمانوں کو نہیں۔ ایٹمی الزام لگا کر عراق کو امریکہ اور اتحادیوں نے تباہ کردیا اور ایران پر صرف شبہ کی وجہ سے اقتصادی پابندیاں لگادیں اور پاکستان کو دہشت گردی کی صورت میں سزادے رہا ہے۔

• پاکستان اپنی ضرورت کے پیش نظر ایران سے گیس نہیں لے سکتا پاکستان کو

بلوچستان کے پہاڑوں میں پوشیدہ خزانوں سے استفادہ کرنے کی اجازت نہیں ہے عراق اور افغانستان کو تباہ کردیا گیا مگر ہمارے بعض جدت پسند علماء امریکہ اور برطانیہ اور یورپی ممالک کو حکمی دارالاسلام کہہ کر مخلص مسلمانوں کی دل آزاری کر رہے ہیں۔ شاید طہارت کے داعی ایسے علماء یورپی ممالک کی نیشنلٹی اور قومیت لے کر ان ملکوں کی خوشامد میں العیاذ باللہ ان ملکوں کو دارالاسلام کہہ رہے ہیں۔

• مگر وہ بعض سعادت مند جید علماء جو بظاہر اتحادی ممالک سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر رہے، معلوم نہیں وہ کیوں کافروں کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ صرف سفارتی تعلقات اور ان حربی ملکوں میں مقیم مسلمانوں کی سلامتی اور امن کا اعتبار کر رہے ہیں اور اسلامی ممالک کے مظلوم مسلمانوں کو نظرانداز کر رہے ہیں اور ان ممالک کو دارالحرب کہنے سے اجتناب کر رہے ہیں اور تقریباً تیرہ سو سال سے جاری فقہاء کے مذہب سے الگ اصطلاح وضع کر رہے ہیں۔ علماء حقہ سراجی اور میراث کی کتابوں میں موانع ارث کی بحث میں صدیوں سے اختلاف دارین کو کافروں کے حق میں ارث سے مانع ہونے کا قول فرمارہے ہیں یعنی ان کتابوں میں دارالحرب اور دارالاسلام صرف دو داروں کا ذکر ہے، کسی تیسری دار کا ذکر نہیں اور نہ کسی کتاب میں دارین کے درمیان دارالکفر مخنث ملک کے احکام کا ذکر ہے۔ مگر ہمارے بعض علماء دارالحرب کا صرف لفظی مفہوم بیان کرکے فرماتے ہیں آج دنیا میں کوئی دارالحرب نہیں ہے کافروں کے ملک حکماً دارالاسلام ہیں اور مسلمانوں کے ملک حقیقی دارالاسلام ہیں لہٰذا اختلاف دارین کا مسئلہ اور جہادِ اقدامی کا مسئلہ ختم ہوچکا۔ انہوں نے مسلم شریف کی شرح کتاب العتق میں لکھ دیا ''اور اب چونکہ تمام دنیا سے غلامی کی لعنت ختم ہوچکی ہے اور اسلام باقی مذاہب کی بہ نسبت مکارم اخلاق اور حقوق انسانیت کا زیادہ محافظ ہے اس لیے اب اسلام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ جن حالات میں اسلام نے غلام بنانے کی اجازت دی تھی

اب مہذب دنیا میں وہ حالات نہیں رہے۔" (شرح مسلم، ص: ۵۲/۴) اس عبارت میں علامہ صاحب نے "اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" کو بیک زبان منسوخ کردیا اور اس کو لعنت سے تعبیر فرمایا اور موجودہ مادر پدر آزاد معاشرے کو جناب رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے ادوار سے مہذب قرار دیا۔ کسی نے مجھ سے علامہ صاحب کے متعلق سوال کیا تو میں نے کہا، چونکہ حضرت کفرستان کو حکمی اسلامان کہتے ہیں، اس لیے انہیں کافروں کی خوبیاں نظر آتی ہیں مگر ان کی برائیاں نظر نہیں آتیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

• امید ہے حربی کافروں کے لئے نرم رویہ رکھنے والے علماء اپنی تحقیق پر نظر ثانی فرمائیں گے اور طرفین اور فقہاء کے خلاف اپنی تحقیق سے رجوع فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمائے۔

دار الحرب کے احکام میں سے ایک حکم جہاد کا ہے:

• جہاد کی دو قسمیں ہیں اقدامی جہاد اور دفاعی جہاد۔ دفاعی جہاد فرض عین ہوتا ہے اور اقدامی جہاد بشرط طاقت فرض کفایہ ہے۔ نہایہ میں ہے:

"قَالَ السَّرَخْسِیُّ فِی الْمُحِیْطِ اَلْجِهَادُ فَرِیْضَةٌ مُحْکَمَةٌ وَ قَضِیَّةٌ مَبْتُوْتَةٌ یُکَفِّرُ جَاحِدُهَا وَیُضَلَّلُ عَانِدُهَا" (ص: ۴۲۰/۵۔ فتح بیروت)

ترجمہ: سرخسی نے محیط میں فرمایا جہاد محکم فریضہ ہے اور مضبوط حکم ہے اس کا منکر کافر ہے اور اس کا مخالف گمراہ ہے۔

• اقدامی جہاد سے مراد کافروں کی جانب سے شروع ہونے سے پہلے ان پر حملہ کرنا ہے۔ احناف کے نزدیک جہاد کا سبب حرب کا امکان ہے اور امام شافعی کے نزدیک کفر ہے مگر دونوں کے نزدیک حرب بالفعل ضروری نہیں ہے۔ کنزالدقائق میں ہے:

"اَلْجِهَادُ فَرْضٌ کِفَایَةٌ اِبْتِدَاءً فَاِنْ قَامَ بِهِ الْبَعْضُ سَقَطَ عَنِ الْکُلِّ

وَاِلَّا اٰثِمُوْا بِتَرْکِهٖ" (ہدایہ اور فتح القدیر ص: ۴۴۳/۵۔ مطبوعہ بیروت)

ترجمہ: جہاد کی ابتدا فرض کفایہ ہے اگر بعض مسلمان ممالک اس کو قائم کریں گے تو سب سے ساقط ہو جائے گا ورنہ اس کے ترک سے سب گنہگار ہوں گے۔

• بحر الرائق میں ہے:

"(وَقَوْلُهٗ اَلْجِهَادُ فَرْضٌ کِفَایَةٌ اِبْتِدَاءً) هُوَ مُفِیْدٌ لِثَلَاثَةِ اَحْکَامٍ اَلْاَوَّلُ کَوْنُهٗ فَرْضًا... الخ"۔

مصنف کا قول ابتدائی جہاد فرض کفایہ ہے اس قول سے تین احکام کا افادہ ہوا اور یہ کہ اقدامی جہاد فرض ہے اور اس کا منکر کافر ہے قرآن اور اجماع سے اس کی فرضیت ثابت ہے۔

• اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ۔ (توبہ: ۵)

ترجمہ: پس مشرکین کو قتل کرو جہاں انہیں پاؤ۔

(۲) وَقَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَآفَّةً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَآفَّةً۔ (توبہ: ۳۶)

ترجمہ: اور ہر وقت کافروں کے ساتھ قتال کرو جیسے وہ ہر وقت تم سے قتال کرتے ہیں۔

(۳) وَقَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ (توبہ: ۲۹)

ترجمہ: اور ان لوگوں کے ساتھ قتال کرو جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان نہیں لائے۔

(۴) فَقَاتِلُوْا اَئِمَّةَ الْکُفْرِ۔ (التوبہ: ۱۲)

ترجمہ: اور کفر کے اماموں کو قتل کرو۔

(۵) وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ (انفال: ۳۹)

ترجمہ: اور ان سے قتال کرو حتّٰی کہ فساد نہ رہے اور سارا دین اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہو جائے۔

(۶) كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ۔ (بقرہ:۲۱۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر قتال فرض کیا ہے حالانکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو۔

(۷) اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (توبہ:۴۱)

ترجمہ: اور نکلو ہلکی جان سے یا بوجھل جان سے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے مالوں اور نفسوں کے ساتھ جہاد کرو۔

- اس قول میں دوسرا حکم یہ کہ جہاد فرض عین نہیں ہے اور تیسرا حکم اگرچہ کافر ابتداء نہ کریں ہمارے اوپر ابتداء کرنا فرض ہے۔ بحر الرائق میں ہے:

"اَلثَّالِثُ اِفْتِرَاضُهٗ وَاِنْ لَّمْ يَبْدَؤُنَا لِلْعُمُوْمَاتِ وَاَمَّا قَوْلُهٗ فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ فَمَنْسُوْخٌ كَمَا فِي الْعِنَايَةِ وَ اَطْلَقَهٗ فَاَفَادَ اَنَّهٗ لَا يَتَقَيَّدُ بِزَمَانٍ وَ تَحْرِيْمُ الْقِتَالِ فِي الْاَشْهُرِ الْحُرُمِ مَنْسُوْخٌ بِالْعُمُوْمَاتِ" (ص: ۳/۷۱۔ باب السیر)

ترجمہ: اور تیسرا حکم جہاد کا فرض ہونا ہے اگرچہ کافر ابتداء نہ کریں آیات قرآنیہ کے عموم کی وجہ سے لیکن اللہ تعالی کا قول "فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ" (بقرہ:۱۹۱)۔ یہ آیت منسوخ ہے جیسا کہ عنایۃ میں ہے اور مصنف نے جہاد کے فرض ہونے کو مطلق بغیر قید کے ذکر کیا اس سے افادہ فرمایا کہ جہاد کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں ہے اور اشہر حرم میں قتال کی تحریم بھی منسوخ ہے۔

- چنانچہ حدیث شریف میں ارشاد مبارک ہے: (حدیث):

"اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ" (بحر) جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔

حدیث: "اَلْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ اِلٰى اَنْ يُّقَاتِلَ آخِرُ اُمَّتِيَ الدَّجَّالَ لَا يُبْطِلُهٗ جَوْرُ جَائِرٍ وَلَا عَدْلُ عَادِلٍ وَالْاِيْمَانُ بِالْقَدْرِ" (فتح:۴۲۲)

ترجمہ: جہاد جاری ہے جب سے مجھے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا یہاں تک کہ میری امت کا آخری آدمی دجال کے ساتھ قتال کرے گا۔ جہاد کو ظالم کا ظلم اور عادل کا عدل اور تقدیر پر ایمان باطل نہیں کرے گا۔

- بحر الرائق میں ہے:

"سَبَبُ الْجِهَادِ عِنْدَنَا كَوْنُهُمْ حَرْبًا عَلَيْنَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ هُوَ كُفْرُهُمْ، كَذَا فِي النِّهَايَةِ" (ص:۳/۷۰ ۔ مطبوعہ کراچی)

جہاد کی فرضیت کا سبب ہمارے نزدیک کفار کا اہل حرب ہونا ہے اور امام شافعی کے نزدیک ان کا کافر ہونا ہے۔ (بحر الرائق)

- معلوم ہوا اقدامی جہاد ہمیشہ جاری رہے گا فقہاء کرام نے بشرط طاقت اور قوۃ اسلامی حکومت کا حربی کافروں پر سال میں ایک مرتبہ حملہ میں ابتداء کرنا فرض لکھا ہے۔ (شامی) مگر طاقت نہ ہو تو صبر کرنا اور طاقت حاصل کرنے کی شرط ذکر کی ہے۔ جب تک طاقت نہ ہو، اقدامی جہاد موقوف ہے۔
- حربی کفار پر حملے میں ابتداء کرنے کے لئے حکم یہ ہے کہ پہلے انہیں اسلام کی دعوت دی جائے اگر وہ قبول کرلیں تو فبہا ورنہ انہیں جزیہ اور خراج ادا کرکے اسلامی حکومت کے تحت رہنے کی پیشکش کی جائے اگر یہ بھی نہ مانیں تو پھر ان پر حملہ کردیا جائے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"اِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُوْنَ دَارَ الْحَرْبِ فَحَاصَرُوْا مَدِيْنَةً اَوْ حِصْنًا دَعَوْهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ (الٰی) اِنْ اَجَابُوْا كُفُّوْا عَنْ قِتَالِهِمْ (الٰی) وَاِنْ

اِمۡتَنَعُوۡا دَعَوۡهُمۡ اِلٰی اَدَاءِ الۡجِزۡیَةِ (اِلیٰ) فَاِذَا بَذَلُوۡهَا فَلَهُمۡ مَا لِلۡمُسۡلِمِیۡنَ وَعَلَیۡهِمۡ مَا عَلَی الۡمُسۡلِمِیۡنَ (اِلیٰ) فَاِنۡ اَبَوۡا ذَالِكَ اِسۡتَعِیۡنُوۡا بِاللّٰهِ وَحَارِبُوۡهُمۡ... الخ'' (ص:۵/۴۳۰۔فتح مع ہدایہ)

ترجمہ: جب مسلمان دارالحرب میں داخل ہوں ان کے شہر یا قلعہ کا محاصرہ کرلیں انہیں اسلام کی دعوت دیں (تا) اگر کافر اسلام قبول کرلیں تو مسلمان ان کے ساتھ قتال کو روک دیں اور اگر اسلام قبول نہ کریں انہیں مسلمانوں کی حکومت کی جانب سے کمانڈر جزیہ ادا کرنے کی دعوت دے (تا) جب جزیہ دینے کا معاہدہ کرلیں پس ان کے لئے وہی حقوق ہیں جو مسلمانوں کے لئے ہیں اور ان پر وہی سزائیں ہیں جو مسلمانوں پر ہیں (تا) پس اگر اس سے وہ انکار کریں تو مسلمان اللہ تعالیٰ کی استعانت سے ان کے ساتھ قتال شروع کردیں۔

- ہمارے فقہاء نے فرمایا یہ اقدامی اور ابتدائی جنگ شروع کرنے کا طریقہ مستحب ہے واجب نہیں ہے جیسا کہ ہم ذکر کریں گے۔

دفاعی جہاد فرض عین ہے:

- اگر کفار مسلمانوں پر حملہ کردیں تو یہ دفاعی جہاد اور دفاعی جنگ ہے۔ سب لوگوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

''ثُمَّ هٰذَا اِذَا لَمۡ یَکُنِ النَّفِیۡرُ عَامًّا فَاِنۡ کَانَ بِاَنۡ هَجَمُوۡا عَلٰی بَلۡدَةٍ مِنۡ بِلَادِ الۡمُسۡلِمِیۡنَ فَیَصِیۡرُ مِنۡ فُرُوۡضِ الۡعَیۡنِ سَوَاءٌ کَانَ الۡمُسۡتَنۡفِرُ عَدۡلًا اَوۡ فَاسِقًا فَیَجِبُ عَلٰی جَمِیۡعِ اَهۡلِ تِلۡكَ الۡبَلۡدَةِ النَّفۡرُ وَ کَذَا مَنۡ یَّقۡرَبُ مِنۡهُمۡ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ بِاَهۡلِهَا کِفَایَةٌ وَ کَذَا مَنۡ یَّقۡرَبُ مِمَّنۡ یَّقۡرَبُ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ بِمَنۡ یَّقۡرَبُ کِفَایَةٌ اَوۡ تَکَاسَلُوۡا اَوۡ عَصَوۡا وَ هٰکَذَا اِلٰی اَنۡ یَّجِبَ عَلٰی جَمِیۡعِ اَهۡلِ الۡاِسۡلَامِ شَرۡقًا وَ غَرۡبًا'' (ص: ۵/۴۲۳۔فتح)

ترجمہ: یہ طریقۂ جہاد اس وقت ہے جب نفیر عام (یعنی کفار کا حملہ) نہ ہو اگر کفار اسلامی شہروں میں سے کسی شہر پر حملہ کردیں تو جہاد فرض عین ہو جائے گا برابر ہے کہ جہاد کے لئے بلانے والا حکومت کا سربراہ عادل ہو یا فاسق ہو پس واجب ہے اس شہر کے تمام لوگوں پر دفاع کے لئے شہر سے نکلنا اور اگر اہل بلدۃ کفایت نہ کریں تو ان کے قریب والوں پر بھی واجب ہے اور اگر قریب والے بھی کافی نہ ہوں یا سستی کریں یا نافرمانی کریں تو قریب لوگوں کے قریب رہنے والوں پر فرض ہوگا حتیٰ کہ جمیع اہل اسلام پر شرقاً اور غرباً پر دفاع کرنا واجب ہوگا۔

- آج ہم اس لئے رسوا ہیں کہ ہم نے ذکر کردہ جہاد کے طریقوں کو چھوڑ دیا ہے۔ روئے زمین پر موجود کافروں کی ریاستوں کو دارالاسلام حکمی قرار دے کر جہاد کے نسخ کا قول کررہے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔
- اسلام لانے کی دعوت کا پہلے ہونا بھی شرط نہیں ہے بغیر دعوت بھی ان پر حملہ کرلینا جائز ہے۔ چنانچہ مبسوط میں ہے:

''وَلَا بَأسَ اَنۡ یُّغِیۡرُوۡا عَلَیۡهِمۡ لَیۡلًا اَوۡ نَهَارًا بِغَیۡرِ دَعۡوَةٍ لِمَا رُوِیَ اَنِ النَّبِیَّ ﷺ اَغَارَ عَلٰی بَنِی الۡمُصۡطَلَقِ وَهُمۡ غَارُّوۡنَ غَافِلُوۡنَ وَ نَعَمُهُمۡ عَلَی الۡمَآءِ یُسۡقٰی'' (بحوالہ بخاری فی العتق۔۵/۲۰۲۔ حدیث: ۲۵۴۱۔ مبسوط سرخسی۔ ص: ۳۶، جزء: ۱۰)

ترجمہ: مبسوط میں ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسلمان اچانک حربی کافروں پر حملہ کریں رات ہو یا دن بغیر دعوت دیئے کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ سرور دو عالم ﷺ نے بنی المصطلق پر اچانک حملہ فرمایا تھا حالانکہ وہ غافل تھے اور ان کے جانور پانی پلائے جارہے تھے۔

- فتح القدیر میں ہے:

"فَقَتَلَ مُقَاتِلَهُمْ وَ سَبَىٰ ذُرَارِيَهُمْ وَ اَصَابَ يَوْمَئِذٍ جَوَيْرِيَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ۔الخ۔۔وَ عَهِدَ اِلٰى اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اَنْ يُغِيْرُوْا عَلٰى اُبْنٰى صَبَاحًا ثُمَّ يُحَرِّقُ۔" (بحوالہ ابوداؤد، فی الجہاد۔ حدیث: ۲۶۱۶) (۵/ ۴۲۹)

پس آپ ﷺ نے غزوہ بنی المصطلق میں قتال کرنے والے مردوں کو قتل کر دیا اور ان کے اہل و عیال کو قیدی بنادیا۔ اسی دن ام المؤمنین سیدہ جویریہ ؓ بنت الحارث کو سرور دو عالم ﷺ نے پایا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ سرور دو عالم ﷺ نے اسامہ بن زید کو اُبنیٰ شہر کے اہل پر صبح صبح اچانک حملہ کرنے اور انہیں جلانے کا حکم فرمایا۔ فتح القدیر میں اُبنیٰ فُعْلٰی کے وزن پر فلسطین میں ایک جگہ کا نام ہے۔

● اسی طرح اہل خیبر پر آپ ﷺ نے اچانک حملہ کیا۔ اہل خیبر صبح کام کے لئے نکلے ہی تھے۔ انہوں نے دیکھا سرور دو عالم ﷺ اور اسلامی لشکر آگیا۔ کہنے لگے "مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيْسُ" اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا "اَللّٰهُ اَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ" (بحوالہ بخاری، حدیث: ۲۹۲۵) یعنی یہود نے کہا، محمد ﷺ اور لشکر آگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر خیبر خراب ہوگیا۔ بے شک ہم جب کسی کافر قوم کے میدان میں اترتے ہیں پس بری ہے ڈرائے گئے کافروں کی صبح۔ چنانچہ خیبر فتح ہوا مال غنیمت حاصل ہوا جس کی تفصیل کتاب السیر میں مذکور ہے۔ معلوم ہوا دعوت کا پہلے ہونا بھی واجب نہیں مستحب ہے۔

● اور آج تو اسلام کی شہرت سے ہر جگہ دعوت پہنچ چکی ہے دوبارہ اسلام کی دعوت دینا ضروری نہیں رہا۔ چنانچہ مبسوط میں ہے:

"بُلُوْغُ الدَّعْوَةِ حَقِيْقَةً اَوْ حُكْمًا بِاَنْ اِسْتَفَاضَ شَرْقًا وَغَرْبًا اَنَّهُمْ

اِلٰى مَاذَا يُدْعَوْنَ وَعَلٰى مَاذَا يُقَاتَلُوْنَ فَاُقِيْمَ ظُهُوْرُهَا مَقَامَهَا۔"
(ص: ۲۲۹/۵ ۔فتح)

ترجمہ: دعوت کا پہنچنا حقیقتاً ہو یا حکماً یہ کہ وہ دعوت شرقاً اور غرباً مشہور اور معلوم ہو کہ انہیں کسی چیز کی دعوت دی جارہی ہے اور کس وجہ سے ان کے ساتھ قتال کیا جارہا ہے پس دعوت کا ظہور بالفعل دعوت دینے کے قائم مقام ہے۔

اقدامی جہاد کے لیے قوۃ اور استعداد شرط ہے:

● حاصل کلام یہ ہے کہ اسلامی حکومتوں پر اقدامی جہاد بشرط قوۃ اور استعداد فرض کفایہ ہے۔ موجودہ دور میں اسلامی ممالک نہایت کمزور ہیں۔ اس حال میں اقدامی جہاد فرض نہیں ہے مگر اسلامی ریاستوں کے حکمرانوں پر فرض ہے کہ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق حربی کفار کا مقابلہ کرنے کے لئے ایٹمی ٹیکنالوجی اور میزائل اور دیگر جدید اسلحہ بنائیں یا جمع کریں جب تک مقابلہ کی قوت نہ ہو اس وقت تک اقدامی جہاد موقوف رکھیں اور دفاعی جہاد تو سب مسلمانوں کے حکمرانوں پر فرض ہے وہ متحد ہو کر حملہ کرنے والے کافروں کا دفاع کریں جس طرح کفر (یہودیہ، عیسائیہ اور شرک) ملتِ واحدہ ہے اسی طرح اسلام بھی ملتِ واحدہ ہے۔ دنیا کے صرف دو ہی دار ہیں: تمام غیر اسلامی ممالک دار الحرب ہیں اور تمام اسلامی ممالک دار اسلام۔ آج کفر تو متحد ہے مگر مسلمان منتشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اتحاد کی توفیق عطا فرمائے۔

● حربی کافروں کے ملکوں کو دار الحرب سے خارج کر کے حکمی دار الاسلام یا دار الکفر کہنے سے اقدامی جہاد کی نفی کرنا لازم آتا ہے لہٰذا اس سے اجتناب کیا جائے۔

استاذیم مولانا بندیالوی کا فتویٰ:

• حسنِ اتفاق کہ میں اپنی کتاب ''رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ'' کی پروف ریڈنگ میں مصروف تھا، اسی دوران حضرت مولانا نذر حسین صاحب چشتی گولڑوی دامت برکاتہم العالیہ سے استاد العرب والعجم استاذیم مولانا عطامحمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقالات پر مشتمل کتاب ''مقالاتِ بندیالوی'' جلد اول اور ''سیف العطاء'' اور ''ذکر عطا فی حیات استاذ العلماء'' موصول ہوئیں۔ الحمدللہ! مقالات میں حضرت استاذیم رحمہ اللہ کا ایک مقالہ جہاد پر تحریر شدہ پڑھنے کا موقع ملا۔ انہوں نے یہ مقالہ غالباً اس وقت لکھا تھا جب امریکہ اور اس کے اتحادی حربی کافروں کی حکومتوں کی طرف سے عراق پر حملہ ہوا تھا۔ مجھے اس مقالے کا پہلے علم نہیں تھا لیکن مقالہ دیکھ کر نہایت مسرت حاصل ہوئی۔ آپ لکھتے ہیں، علامہ شامی کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاد یا فرض کفایہ یا فرض عین اور یہ نفلی عبادت کسی صورت میں نہیں ہے، تو مسلمانوں کے امام پر واجب ہے کہ ہر سال ایک دو دفعہ اپنی فوج دارالحرب یعنی کفار کے ملک کی طرف بھیجے اور رعیت پر امام کی امداد واجب ہے۔ اور اگر امام نے سال میں ایک دو دفعہ اپنی فوج کفار پر حملے کے لیے نہیں بھیجی تو اگرچہ امام پر بھی جہاد فرض تھا اور امام کو ترکِ فرض کا گناہ ہوگا، تمام رعیت کے ترکِ فرض کا گناہ بھی امام پر ہوگا۔ کیونکہ اکیلی رعیت بغیر اجازت امام کے جہاد نہیں کر سکتی....الخ۔ (ص:۱/۱۵۰) اس مقالے میں انہوں نے یورپی ممالک کو دارالحرب قرار دیا اور ان کے خلاف جہاد کو فرض قرار دیا۔

• حضرت استاذیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہایت مدلل مقالہ لکھا اور مسلمان حکومتوں پر افسوس کا اظہار، جنہوں نے عراق کی حمایت نہیں کی تھی بلکہ یہود اور نصاریٰ کی پشت پناہی میں عراق پر جنگ مسلط کرنے میں شریک تھے۔ الحمد للہ مجھے اپنے استاذوں کی تحقیق کی نہایت حوصلہ حاصل ہوا۔

دارالحرب کے احکام میں سے حرمتِ نظر کا حکم:

• غیر اسلامی اور اسلامی ممالک میں عریانی اور خواتین کا نیم عریان لباس، جس میں خواتین کے سر اور بازو اور گردن اور پشت اور سینے کا کچھ حصہ ننگا ہوتا ہے، عریانی کی یہ وبا اس طرح پھیل گئی ہے کہ مسلمان کہلانے والی خواتین خصوصاً فنکار اور اداکار اور ٹی وی پر اناؤنسر خواتین نیم عریاں لباس میں ملبوس اپنے اجسام کی نمائش کرنے میں فخر محسوس کرتی ہیں۔ یہی حال شادی بیاہ کی تقریبات میں عام مسلمان خواتین کا ہوتا ہے اور اجنبی مردوں اور عورتوں کی مخلوط مجالس میں خواتین اپنی خوبصورتی دکھانے اور اعضاء کی عریانی سے شرم محسوس نہیں کرتیں۔ اس سلسلہ میں مسلمان کہلانے والی نیم عریاں لباس والی عورتوں کے تین قسم ہیں: ایک گروپ اس مسئلہ سے لاعلم ہے کہ خواتین کو کون سے اعضاء کھلے رکھنا جائز یا ناجائز ہے۔ بچپن سے عریاں ماحول میں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اور ٹی وی اور انٹرنیٹ پر مروج لباس دیکھ کر انہیں اس مسئلہ کا علم ہی نہیں کہ آزاد عورتوں کے چہرہ اور ہتھیلیوں اور قدموں کے ماسوا اعضاء کو اجنبی مردوں کے سامنے ظاہر کرنا حرام ہے۔ ایسی مسلم خواتین سخت گنہگار ہیں۔ اسلامی ملک میں مسائل کا علم نہ ہونا عذر نہیں ہے۔ دوسرا گروپ ایسی عورتوں کا ہے جن کو علم ہے کہ آزاد عورتوں کا چہرہ اور قدموں اور ہتھیلیوں کے علاوہ سارا جسم ستر ہے، ان اعضاء کا کشف حرام ہے مگر اپنے اعضاء اجنبی مردوں کی نظروں سے نہیں چھپاتیں۔ ایسی خواتین بھی گنہگار ہیں۔ ان دونوں قسم کی خواتین کو فاسقات کہا جاتا ہے۔ اجنبی مردوں کی ان کے مکشوفہ اعضاء پر بغیر شہوۃ نظر کرنا جائز ہے، ناظرین گنہگار نہیں ہوں گے کیونکہ فاسقہ خواتین کے حق میں حرمتِ نظر ساقط ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

''نقل المصنف فی کتاب الغصب ان عمر رضی اللہ عنہ ھجم علی نائحۃ فضربھا بالدرۃ حتی سقط خمارھا فقیل لہ یا امیر المؤمنین قد سقط خمارھا فقال انھا لا حرمۃ لھا۔''

(ص:۳۶۹/۴، مکتبہ الباز)

ترجمہ: مصنف نے کتاب الغضب میں ذکر کیا، حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک پیشہ ور نوحہ کرنے والی عورت کو بلایا اور اسے عصا سے مارنا شروع کیا۔ اس کے سر سے دوپٹہ گر گیا اور سر ننگا ہو گیا۔ آپ سے کہا گیا، یا امیر المؤمنین! عورت کا دوپٹہ گر گیا ہے۔ آپ نے فرمایا، اس کے لیے کوئی حرمت نہیں ہے۔

یعنی دوپٹہ کے گر جانے سے اس نائحہ فاسقہ کے سر کے بالوں اور دوسرے مکشوفہ ہونے والے اعضاء، جن کو اس نے دوپٹے سے چھپایا ہوا تھا، دیکھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ فاسقہ کے لیے حرمتِ نظر ساقط ہے۔

- یہ امر واضح ہے کہ جب حضرت عمرؓ اس نائحہ خاتون کو ضربیں لگا رہے تھے، اس مجلس میں صحابہ کرام موجود ہوں گے۔ دوپٹہ سے پوشیدہ اعضاء جب ننگے ہوئے تو انہوں نے دیکھ کر عرض کیا، یہ حرۃ عورت ہے، اس کے سر کو اور مکشوفہ اعضاء کو دیکھنا جائز نہیں تو سوال کیا مگر حضرت عمرؓ نے جواب دیا، فسق کی وجہ سے اس عورت کے مکشوفہ اعضاء کے دیکھنے کی حرمت نہیں ہے۔
- آج کے دور میں مبتلاء صالحین یقیناً صحابہ کرام اور حضرت عمرؓ سے زیادہ صالح نہیں ہیں اور اس دور کی نیم عریاں لباس میں ملبوس خواتین اس نائحہ عورت سے یقیناً زیادہ فاسقہ ہیں، وہ تو صرف نوحہ کرتی تھیں اور لباس مکمل پہنتی تھی اور ہمارے زمانہ کی بے لباس خواتین کشف اعضاء اور ڈانس اور گانوں کے علاوہ زیادہ معاصی کا ارتکاب کرتی ہیں اور ٹی وی اور انٹرنیٹ پر گانے اور رقص کرنے والی مسلم خواتین بے لباسی کے ساتھ ساتھ بے شمار قباحتوں کی وجہ سے نہایت فاسقہ ہیں۔ لہٰذا جب صحابہ کرامؓ کے لیے فاسقہ خواتین کی حرمتِ نظر ساقط ہے تو آج کے مسلمانوں کے لیے ایسی فاسقہ خواتین کی حرمتِ نظر ساقط کیوں نہیں۔

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

- نیز بالفرض یہ کہا جائے کہ بغیر شہوۃ بھی ان خواتین کے مکشوفہ اعضاء کو دیکھنا حرام ہے تو لازم آئے گا نائحہ کے مکشوفہ اعضاء کو دیکھنے کی وجہ سے صحابہ کرام نے حرام کا ارتکاب کیا اور فاسق ہو گئے اور اسکولوں اور کالجوں میں پڑھانے والے ٹیچر اور لیکچرار اور پروفیسر ایسی نیم عریاں لباس میں ملبوس طالبات اور خواتین کو درس اور تعلیم دینے والے حضرات نہایت فاسق ہوں اور وعظ کرنے والے خطیب اور علماء روزانہ بار بار اور سینکڑوں خواتین کی طرف نظر سے نہایت فاسق اور فاجر ہو جائیں۔ دو صورتیں تھیں: یا تو تمام مسلمانوں کو فاسق قرار دیا جائے یا پھر حرمتِ نظر کے سقوط کا قول کیا جائے۔ دوسری صورت آسان اور احادیث سے ثابت ہے۔
- الفقیہ ابو بکر بلخی نے حضرت عمرؓ کے اسی قول سے استدلال کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ نیم عریان لباس میں ملبوس خواتین کافرہ حربیہ کی طرح ہیں، اس لیے ان کی حرمتِ نظر ساقط ہے۔ چنانچہ در مختار میں ہے:

"و من هنا قال الفقيه ابوبكر البلخي حين مر بنساء على شط نهر كاشفات الرؤوس والذراع فقيل له كيف تمر فقال لا حرمة لهن انما الشك في ايمانهن كانهن حربيات۔"

(ص:۴/ ۳۶۹)

ترجمہ: اسی وجہ سے حضرت الفقیہ ابو بکر بلخی جب نہر کے کنارے ایسی عورتوں سے گزرے جن کے سر اور بازو ننگے تھے۔ پس آپ کو کہا گیا آپ کیسے گزرے۔ آپ نے جواب دیا، ان کی کوئی حرمت نہیں ہے بلکہ ان کے ایمان میں شک ہے۔ گویا وہ خواتین حربیہ کافرہ عورتیں ہیں۔

- معلوم ہوا نہایت بے حیائی کے ساتھ اعضاء ننگے رکھنے والی خواتین کا حرمتِ نظر میں حکم حربیہ کافرہ خواتین کی طرح ہے۔ جس طرح حربیات کے مکشوفہ اعضاء کو

دیکھنے سے معصیت لازم نہیں آتی اسی طرح مسلم خواتین کے مکشوفہ اعضاء کو دیکھنے سے حرام کا ارتکاب لازم نہیں آتا۔ اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں:

"(قوله كانهن حربيات) اى فهن فىء مملوكات والرأس والذراع ليس بعورة من الرقيق و وجه الاستدلال من قول عمر انه اذا سقطت حرمة النائحة تسقط حرمة هؤلاء الكاشفات رؤوسهن فى مر الاجانب لما ظهر له انهن مستخفات مستهينات وهذا سبب مسقط لحرمتهن فافهم۔" (۳۶۹/۶)

یعنی حربیات کی طرح ہونے کا مفہوم یہ ہے وہ آزاد عورتیں فیء (بغیر مشقت حاصل کنیزیں) اپنے شوہروں کی اگر منکوحہ ہیں، مملوکہ ہیں اور مملوکہ کنیزوں کا سر اور بازو عورت اور ستر نہیں ہوتے (انہیں اجنبی دیکھ سکتا ہے) اور حضرت الفقیہ ابو بکر بلخی کا حضرت عمرؓ کے قول سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے نائحہ کی حرمت ساقط کر دی تو ان ننگے سر والی خواتین کی حرمت اجنبی لوگوں کی گزرگاہوں میں بھی ساقط ہو گی۔ کیونکہ حضرت ابو بکر بلخی کے لیے یہ ظاہر ہوا کہ یہ ننگے سر اور بازو والی خواتین اسلامی احکام کو ہلکا سمجھنے والی اور احکام کی توہین کرنے والی ہیں اور یہ ان کی حرمت کے سقوط کا سبب ہے۔ پس سمجھو۔

• یہاں تک دو قسم کی مسلم خواتین کی حرمتِ نظر کے سقوط کا ذکر کیا گیا، تیسرا قسم ان مسلم خواتین کا ہے جو کہ قصداً ستر اور حجاب کے احکام کو حقیر اور ہلکا سمجھتی ہیں۔ ایسی خواتین مرتدات ہیں اور مرتدات خواتین کا حکم حربیات کافرہ جیسا ہوتا ہے۔ حربیات کافرہ خواتین کا کوئی احترام نہیں اور ان کے لیے حرمتِ نظر ساقط ہے۔ ان کے مکشوفہ اعضاء بغیر شہوۃ دیکھنے سے حرام کا ارتکاب لازم نہیں آتا جیسا کہ حضرت ابو بکر بلخی نے فرمایا "كَأَنَّهُنَّ حَرْبِيَّاتٌ"۔

• محققین علماء کا ذکر کردہ تحقیق پر فتویٰ ہے۔ بعض علماء افراط اور تفریط کا شکار ہیں۔ بعض پرانے علماء نیم عریاں لباس خواتین کے دیکھنے کو فسق اور گناہ کبیرہ کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک آج امتِ مسلمہ شرق سے غرب تک فاسق اور فاجر ہے، کسی کی شہادۃ اور اذان اور امامت معتبر نہیں۔ اور بعض جدت پسند علماء فرماتے ہیں، مرتدات عورتوں اور حربیہ کے اعضائے مکشوفہ دیکھنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان کے ساتھ بغیر نکاح جنسی عمل بھی جائز ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ شہوۃ کے ساتھ کسی بھی عورت کو دیکھنا حرام ہے اور جنسی عمل بالکل حرام ہے۔ اگر شہوۃ نہ ہو تو مکشوفۃ الاعضاء خواتین کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ میرا خیال ہے آج عریانی کے ماحول میں شہوۃ سے کوئی نہیں دیکھتا۔ جب کسی شیء کی کثرت ہو جائے لوگ اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے چہ جائیکہ شہوۃ کی نظر سے دیکھیں۔

• حرمتِ نظر کا سقوط اس وقت ہے جب شہوۃ نہ ہو، شہوۃ سے صرف ان خواتین کو دیکھنا جائز ہے جو ملک یمین یا ملک نکاح میں داخل ہوں۔ منکوحہ بیویاں اور ذاتی مملوکہ کنیزیں مباح الانتفاع ہوتی ہیں۔ ان کے علاوہ شہوۃ کی نظر سے تو مردوں اور لڑکوں کو دیکھنا بھی حرام ہے چہ جائیکہ دوسری اجنبی خواتین کو دیکھنا۔

حربیہ عورتوں یا مرتدات کے ساتھ وطی کا حکم:

• جیسا کہ میں نے ذکر کیا وطی اور زوجیت کا عمل صرف اپنی لونڈی اور کنیز اور منکوحہ بیوی کے ساتھ جائز ہے۔ حرمتِ نظر کے سقوط سے حرمتِ وطی کا سقوط لازم نہیں آتا۔ علامہ شامی باب نکاح الکافر میں لکھتے ہیں:

"ولا يلزم من سقوط الحرمة وجواز النظر اليهن جواز تملكهن فى دارنا لانه غايته انهن صرن فيئا و لا يلزم من جواز النظر اليهن جواز الاستيلاء و التمتع بهن وطيا وغيره لانه يجوز النظر الى مملوكة الغير و لا يجوز وطؤها بلا عقد و نكاح"

(۳۶۹/۴)

علامہ شامی اعلم سے بیان کرتے ہیں کہ اسلامی ملک کی ننگے سر اور بازو والی خواتین کفر تک پہنچ گئیں اور مرتدات ہو گئیں۔ پس ان مرتدات کا حکم وہ ہے جو گزر چکا ہے کہ ظاہر الروایۃ کے مطابق جب تک وہ مرتدات دارالاسلام میں ہوں گی وہ مملوکہ نہیں بنیں گی۔ (تا) پھر فرمایا سقوطِ حرمت اور مرتدات کے طرف جوازِ نظر سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان پر ہمارے اسلامی ملک میں تملک جائز ہو۔ اس لیے کہ اس ارتداد کی غایت یہ ہے کہ وہ مرتدات فیء اور مالِ غنیمت کی طرح ہوں گی، ان کی طرف جوازِ نظر سے لازم نہیں آتا کہ ان مرتدات پر استیلاء اور غلبہ جائز ہو اور وطی اور غیر وطی کے ساتھ نفع اٹھانا جائز ہو کیونکہ غیر کی مملوکہ کی طرف نظر جائز ہے لیکن وطی جائز نہیں ہے۔

- اس کے بعد علامہ شامی نے اپنے زمانہ کے ایک جدت پسند عالم کا رد فرمایا، جس نے فتویٰ دیا تھا کہ بازارِ حسن کی فاحشہ زانیہ خواتین جو بازاروں میں بے حیائی کے ساتھ گناہ کرتی ہیں، اس نے فتویٰ دیا تھا کہ زانیہ خواتین مرتدات ہیں اگر ان پر غلبہ اور استیلاء حاصل ہو تو ان کے ساتھ وطی جائز ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:

"فانہ غلط قبیح یکاد ان یکون کفرا حیث یودی الی استباحۃ الزنا لا حول ولا قوۃ الا باللہ"

ترجمہ: یہ فتوی اور حکم غلط اور قبیح ہے، کفر کے قریب ہے کیونکہ یہ حکم زنا کے مباح ہونے تک پہنچاتا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

- اسلامی ممالک میں نرسیں، ایئر ہوسٹس، کالج اور یونیورسٹیوں کی طالبات کے ساتھ ساتھ فنکارائیں اور اداکارائیں ننگے سر اور ننگے اعضاء کے ساتھ بلا جھجھک اجنبی مردوں کے سامنے آنے جانے اور گفتگو کرنے کی وجہ سے ہو سکتا ہے اسلام

سے خارج ہو چکی ہوں۔ اسلامی احکام کا استخفاف اور استہانۃ بالاتفاق کفر ہے اور معصیۃ قطعی کا بے شرمی سے مباح کی طرح ارتکاب استخفاف اور استہانۃ ہوتا ہے۔ دیکھیے شرح عقائد اور نبراس۔ اس بنیاد پر حضرت ابو بکر بلخی کا قول کہ ان کے ایمان میں شک ہے، نہایت خوف زدہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی خواتین کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

- یہاں تک اسلامی ممالک کی ان خواتین کا ذکر کیا جو عریاں لباس پہنتی ہیں لیکن دارالحرب میں مسلم خواتین کا بھی یہی حکم ہے۔

حربیہ کافرہ خواتین کے ساتھ جنسی عمل کا حکم:

- دارالحرب اور غیر اسلامی ممالک میں مسلمان خواہ مستامن ہو یا غیر مستامن کافرہ حربیہ خواتین کے ساتھ وطی اور جنسی عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ جنسی عمل کا جواز ملک یمین اور ملک نکاح کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ ان دو امور کے علاوہ جنسی عمل کے جواز کا کوئی طریقہ نہیں۔ ملکِ نکاح کا طریقہ معروف ہے۔ مگر حربیہ کافرہ پر آدمی کا ملک اس وقت ثابت ہوتا ہے جب حرب کے بعد یا بغیر حرب حربیہ کو غیر اسلامی ملک سے نکال کر اسلامی ملک میں لایا جائے۔ جب تک حربیہ کافرہ دارالحرب میں ہو گی وہ مملوکہ نہیں ہو سکتی اور اس کے ساتھ جنسی عمل بھی جائز نہیں ہو گا۔ حربیہ کافرہ پر حصولِ ملک کے لیے چند شرطیں ہیں: اول یہ کہ حربیہ کافرہ حرب کے ذریعے غنیمت میں یا بغیر حرب فیء میں حاصل ہو۔ دوسری شرط یہ ہے، اسلامی ملک میں انہیں لایا جائے۔ تیسری شرط یہ ہے مالِ غنیمت یا فیء کی تقسیم کے بعد وہ عورت آدمی کے حصہ میں آجائے یا وقت کا اسلامی سربراہ کسی مسلمان کو وہ عورت ہبہ یا عطا کر دے۔ ان شرائط سے کسی شرط کی نفی کی صورت میں آدمی حربیہ کا مالک نہیں ہو سکتا۔ مگر چند صورتوں میں ان شرطوں کے بغیر بھی ملک حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً حربی کافر کسی مسلمان

کو اپنی بیٹی یا بہن وغیرہ ہدیہ کرے اور مسلمان اس عورت کو اسلامی ملک لے آئے یا حربی کافر خود اسلامی ملک میں کسی کافرہ حربیہ کو کسی مسلمان کے پاس گفٹ کر کے بھیج دے یا فروخت کر دے اور مسلمان اس پر قبضہ کر لے، دونوں صورتوں میں حربیہ کافرہ پر مسلمان کو ملک حاصل ہو جائے گا اور وہ عورت اس آدمی کی مملوکہ ہو گی۔ اگر وہ اہلِ کتاب ہے، اس کے ساتھ مولی کا جنسی عمل بغیر نکاح جائز ہو گا اور اگر اہلِ کتاب سے نہیں، اس کے ساتھ جنسی عمل جائز نہیں ہو گا مگر جب مسلمان ہو جائے۔ اگر وہ عورت مسلمان ہو جائے پھر بھی وہ کنیز رہے گی کیونکہ ملک کے بعد اسلام مملوکیت اور رقیت کے منافی نہیں ہوتا پھر اس کے ساتھ جنسی عمل جائز ہو گا اور اگر مسلمان ہو جانے والی کنیز کو یا اہل کتاب خاتون کو مالک آزاد کر دے اور اس کے ساتھ نکاح کر لے تو بھی اس کے ساتھ ازدواجی عمل جائز ہو گا۔

● معلوم ہوا دار الحرب اور غیر اسلامی ممالک میں حربی خواتین کے ساتھ جنسی عمل حرام ہے۔ چنانچہ در مختار میں ہے:

"بخلاف الاسیر فیباح تعرضه و ان اطلقوه طوعا لانه غیر مستامن فهو کالمتلصص فانه یجوز له اخذ المال و قتل النفس دون استباحة الفرج لانه لا یباح الا بالملك۔" (۲۷۶/۶)

ترجمہ: بخلاف اسیر اور مسلم قیدی کے، اس کے لیے حربی کفار کے مال اور خون کرنے کا تعرض مباح ہے۔ اگرچہ کفار اس مسلم کو اپنے اختیار سے رہا کر دیں کیونکہ اسیر مسلم مستامن نہیں ہے چور کی طرح اس کے لیے حربی کا مال اور نفس کا قتل جائز ہے مگر فرج یعنی عورتوں کے ساتھ جنسی فعل مباح نہیں ہے کیونکہ جنسی عمل ملک یمین یا ملک نکاح کے بغیر مباح نہیں ہوتا۔

شامی میں ہے:

"(قوله لا یباح الا بالملك) و لا ملك قبل الاحراز بدارنا۔"

(ص: ۲۷۶/۶، باب المستامن)

ترجمہ: مصنف کا قول جنسی عمل مباح نہیں کیا جاتا مگر ملک کے ساتھ اور ملک ہمارے اسلامی ملک میں لانے سے پہلے حاصل نہیں ہوتا۔

● اگر مسلمان دار الحرب میں مستامن ہو کر داخل ہوا، اس کے لیے کسی حربی کا قتل کرنا اور مال لینا اور جنسی عمل حرام ہے کیونکہ حدیث شریف ہے: "المسلمون عند شروطهم" مسلمانوں کے لیے شرطیں لازم ہیں۔ اگر حربی کافر کی رضا کے بغیر ان کا مال اسلامی ملک لے آیا، مسلمان غدر کی وجہ سے حرام مال کا مالک ہو گا۔ اس پر واجب ہے اس کو صدقہ کر دے۔ (در مختار ۲۷۵/۶)

● میرے جاننے والے ایک صاحب جرمنی میں کارڈ وغیرہ کی جعل سازی سے اہل جرمنی کافروں کا پیسہ پاکستان لے آتے تھے۔ میں نے انہیں کہا، آپ کو صدقہ کرنا واجب ہے، خود استعمال نہ کریں۔

● اور اگر دھوکے سے مال حاصل کرنے والے مستامن نے دار الحرب سے مال کو نہیں نکالا تو مالک کو واپس کر دے۔ (در مختار ۲۷۶/۶)

● اگر حربی کفار کو مستامن مسلم نے ایک درہم دو درہموں نقد یا ادھار کے ساتھ فروخت کیا تو جائز ہے اور ان کو خمر یا خنزیر یا میتہ فروخت کیا، ان کے معاوضہ میں حاصل مال مسلمان کے لیے جائز ہے۔ رد المحتار بحوالہ کافی منقول ہے:

"لا بأس بذالك لانه له ان یاخذ اموالهم برضاهم فی قولهما۔"

(۲۷۵/۶)

ترجمہ: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ مستامن کے لیے حربی کفار کے اموال ان کی رضا کے ساتھ طرفین کے نزدیک جائز ہیں۔

● حربیہ کافرہ اور مرتدات حرمت نظر اور جوازِ نظر کے احکام میں مساوی ہیں، بغیر

شہوت ان کے مکشوفہ اعضاء کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ان کافرہ خواتین اور عریانی کی وجہ سے فاسقہ خواتین کا حکم دوسرے آدمی کی لونڈی یا کسی آدمی کی محرم خواتین کے اعضاء کی طرف نظر کے جواز اور عدم جواز کا ہوتا ہے اور محرم خواتین اور دوسرے آدمی کی کنیز کے جن اعضاء کو بغیر شہوت دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ وہ اعضاء پیٹ یعنی پسلیوں سے لے کر گھٹنوں تک کے حصہ کے علاوہ باقی اعضاء میں ان کے دیکھنے میں حرج نہیں۔

- مسلمان آدمی کو بغیر شہوت اپنی ماں، بہن، بیٹی، خالہ، پھوپھی، ساس، رضاعی ماں اور بہن کے ننگے سر، گردن، بازو، پنڈلیاں اور گردن سے پستانوں کے نیچے پسلیوں کی انتہاء اور پیٹ کی ابتداء تک اور اس کے محاذی پشت کے حصہ کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آدمی کے لیے اپنی محرم (جس کے ساتھ دائمی نکاح نہیں ہو سکتا) کا پیٹ سے گھٹنوں تک کا حصہ ستر ہے، اس کے لیے اس حصہ کو دیکھنا حرام ہے مگر دیگر اعضاء کو دیکھنے میں حرج نہیں ہے بشرطیکہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو۔ اس کی علت یہ ہے کہ آدمی کا ہر وقت گھر میں آنا جانا لگا رہتا ہے اور گھر میں قیام پذیر ماں، بہن، بیٹیاں عام کام کاج کا لباس پہنے رہتی ہیں اور کام کاج کرتے ہوئے ان کے یہ اعضاء عموماً مکشوف ہوتے ہیں اس لیے حاجت کی وجہ سے شریعت نے حرج کو دفع کر دیا اور ان اعضاء کو دیکھنے میں محرم آدمی کے لیے کوئی گناہ نہیں ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"وَ يَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهٖ اِلَى الْوَجْهِ وَالرَّأْسِ وَالصَّدْرِ وَالسَّاقَيْنِ وَالْعَضُدَيْنِ وَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى ظَهْرِهَا وَ بَطْنِهَا وَ فَخِذِهَا وَالْاَصْلُ فِيْهِ قَوْلُهٗ تَعَالٰى وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ۔ الآیہ"
(۳۹/۱۰، باب الکراہیۃ)

ترجمہ: اور آدمی اپنی محرم خواتین کے چہرے اور سر اور سینہ اور پنڈلیاں

اور بازو دیکھ سکتا ہے اور اپنی محرم خواتین کی پشت اور پیٹ اور رانوں کو نہ دیکھے اور جواز کے لیے دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور خواتین اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں کے لیے۔

- قرآن مجید میں ہے:

"وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ --- الآیہ" (نور: ۳۱)

ترجمہ: خواتین اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں کے لیے یا اپنے آباء کے لیے یا اپنے شوہروں کے آباء کے لیے یا اپنے بیٹوں کے لیے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے لیے یا اپنے بھائیوں کے لیے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے لیے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے لیے۔۔۔۔ الخ۔

- جب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محارم کے اعضاء کو بغیر شہوت دیکھنے کی اجازت دی ہے اور احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام نے عریانی کی وجہ سے فاسقہ اور مرتدات اور حربیہ کافرہ کے انہی اعضاء کو بغیر شہوت دیکھنے کو جائز قرار دیا ہے تو کسی مسلمان کو اچنبا نہیں ہونا چاہیے۔ (محمد رفیق حسنی)

شہوۃ کا مفہوم:

- شہوۃ کی دو قسمیں ہیں: ایک شہوۃ حرمتِ مصاہرہ کی موجبہ ہوتی ہے، وہ یہ کہ نوجوانوں میں تحرک آلہ تولید اور بوڑھوں اور عورتوں میں ہیجانِ قلب ہے، جس کی وجہ سے کسی عورت کو مس کرنے سے حرمتِ مصاہرہ ثابت ہوتی ہے اور ایک شہوۃ نظر کے حرام ہونے کے لیے موجب ہوتی ہے، وہ یہ کہ جس کی وجہ سے بیوی اور اپنی کنیز کے علاوہ کسی عورت کے کسی عضو کو دیکھنا حرام ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ حسین اور مشتہاۃ کو دیکھ کر آدمی کے دل میں امنگ پیدا ہو کہ اس مشتہاۃ کو گلے

لگالوں یا بوسہ لے لوں یعنی دیکھنے میں لذت محسوس ہو (صرف استحسان نہ ہو کہ یہ صورت قبیح صورت سے جمیل ہے، کیونکہ یہ جائز ہے)۔ صرف حسینہ مشتہاۃ کے حسن اور جمال کو دیکھنے اور دل میں اس کی خوبصورتی کے خیال آنے کو شہوۃ نہیں کہتے یعنی غلط نیت سے کسی کی طلب اور اشتہاء کا وجود شہوۃ کہلاتا ہے جس کی وجہ سے نظر حرام ہو جاتی ہے ورنہ چھوٹے بچے جن کے اذہان شہوۃ سے پاک ہوتے ہیں وہ بھی حسین بچے کو بدصورت سے زیادہ پیار سے دیکھتے ہیں، حالانکہ ان میں شہوۃ نہیں ہوتی۔

● صاحب ردالمحتار ایک اونٹ کا واقعہ لکھتے ہیں جو حسینہ مالکن پر گردن رکھ دیتا تھا اور اس گھر میں کسی دوسرے کے ساتھ ایسا نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ باب الحظر والاباحۃ میں علامہ شامی فرماتے ہیں:

"والحاصل ان مجرد النظر و استحسانه لذالك الوجه الجميل و تفضيله على الوجه القبيح كاستحسان المتاع الجزيل لا بأس به فانه لا يخلوا عنه الطبع الانساني بل يوجد في الصغر (الى) و انما الشهوة ميله بعد هذا ميل لذة الى القرب منه او المس له .....الخ" (ص:۹/۵۲۵ مکتبہ الباز)

ترجمہ: فقہاء کی عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ محض حسین صورت کی طرف نظر اور اس کو حسین دیکھنا اور حسین چہرہ کو قبیح پر فضیلت دینا جیسے بڑے سامان کو چھوٹے سے مستحسن دیکھا جاتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے انسانی طبع خالی نہیں، یہ غیر اختیاری ہے بلکہ چھوٹے بچوں میں بھی پائی جاتی ہے۔

اور مذموم شہوۃ اس کے بعد حسین چہرے کی طرف دل کا میلان اور لذۃ کے لیے اس کے قرب یا اس کے چھونے اور مس کرنے کی طرف میلان کا ہونا ہے، یہ

مذموم ہے اور حرمتِ نظر کا سبب ہے۔

● تاتارخانیہ میں سے منقول ہے حضرت محمد بن حسن نہایت خوبصورت تھے۔ سیدنا ابو حنیفہ ان کو اپنے پیچھے درس میں جگہ دیتے تھے۔ جب ان کی داڑھی آگئی پھر امام ابو حنفیہ نے آگے بیٹھنے کی اجازت دی۔ یہ تقویٰ کا اعلیٰ معیار ہے۔ شہوۃ کے لحاظ سے ہر آدمی کا اپنا مزاج ہوتا ہے۔ یورپی ممالک میں عریان خواتین کی اتنی کثرت ہے کہ لوگوں کی ان کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی چہ جائیکہ شہوۃ پیدا ہو۔ پاکستان میں اساتذہ اور مشائخ عریان خواتین یا عریان تصاویر کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے چہ جائیکہ شہوۃ پیدا ہو۔ لہٰذا ہر شخص اور ہر جگہ کا حکم ایک نہیں ہے۔

● لہذا حرمتِ نظر کا سبب شہوۃ ہے اور محرم خواتین کو شہوۃ سے دیکھنا دوسری خواتین کو دیکھنے سے زیادہ برا ہے بلکہ شہوۃ سے مکمل لباس میں ملبوس خواتین کو بھی دیکھنا حرام ہے۔

● حدیث شریف میں ہے، جس شخص نے عورت کی پشت سے اس کے ملبوس جسم میں غور کیا اور اس کے کپڑوں کو دیکھا حتی کہ اس کے اعضاء کے حجم اور بناوٹ کو دیکھا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا۔ (ردالمحتار، ص:۹/ ۵۲۶)

● اجنبیہ عورتوں اور محرم عورتوں کو شہوۃ سے دیکھنا حرام ہے۔ ہر وہ عورت جس کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے بغیر شہوۃ کے اس کے چہرے اور گٹوں تک ہاتھوں کو اور ٹخنوں تک پیروں کو دیکھنا جائز ہے اور محرم اور فاسقہ اور کافرہ عورتوں کے ذکر کردہ اعضاء کو بغیر شہوۃ کے دیکھنا جائز ہے اور شہوۃ کے ساتھ سوائے بیوی اور اپنی کنیز کے کسی عورت کے چہرہ اور ہاتھوں اور قدموں اور کافرہ یا فاسقہ کے مذکورہ اعضاء کو دیکھنا حرام ہے۔ حرمت کی علت شہوۃ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

"مَنْ نَظَرَ اِلٰى مَحَاسِنِ امْرَءَةٍ اَجْنَبِيَّةٍ عَنْ شَهْوَةٍ صُبَّ فِيْ عَيْنَيْهِ الْاٰنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (ہدایہ باب الکراہیۃ)

ترجمہ: جس شخص نے اجنبیہ عورت کے محاسن کو شہوۃ سے دیکھا قیامت کے دن اس کی آنکھوں میں پگھلا ہوا تانبہ ڈالا جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے:

"اَلْعَیْنَانِ تَزْنِیَانِ وَ زِنَاھُمَا النَّظْرُ وَالْیَدَانِ تَزْنِیَانِ وَ زِنَاھُمَا الْبَطْشُ" (الحدیث) (ہدایہ باب الکراہیۃ)

ترجمہ: اور آنکھیں زنا کرتی ہیں ان کا زنا نظر ہے اور ہاتھ زنا کرتے ہیں، ان کا زنا پکڑنا ہے..... الخ۔

ان احادیث میں شہوۃ کی نظر مراد ہے بغیر شہوۃ نظر کے سلسلہ میں صاحب فتح القدیر نے متعدد احادیث نقل فرمائی ہیں، فتح القدیر دیکھ لی جائے۔

آج کا المیہ:

● آج ٹی وی اور انٹرنیٹ کا دور ہے۔ چینل اور ویب سائٹوں اور سائن بورڈوں پر مسافروں کو عورتوں کی نیم عریاں تصاویر دیکھنا لازم آتا ہے۔ سابقہ تحریر میں جن جن خواتین کے جو جو اعضاء بعینہا بغیر شہوۃ دیکھنے میں حرج نہیں، اسی طرح ان خواتین کے بغیر شہوۃ ان اعضاء کی تصاویر دیکھنے میں بھی حرج نہیں اور شہوۃ کے ساتھ خواتین کیا جانوروں کی تصاویر دیکھنا بھی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ عموم بلوی کے اس زمانے میں مسلمانوں پر رحم فرمائے۔ آمین

● محرم خواتین ماں بیٹی، جن کے بعض اعضاء کو بغیر شہوۃ دیکھنا جائز ہے، ان اعضاء کا چھونا اور مس کرنا بھی جائز ہے۔ در مختار میں ہے:

"ما حل نظرہ مما مر من ذکر او انثیٰ حل لمسہ اذا امن الشھوۃ علی نفسہ و علیھا لانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان یقبل رأس فاطمۃ رضی اللہ تعالی عنھا و قال علیہ السلام من قبل رجل امہ فکانما قبل عتبۃ الجنۃ و ان لم یأمن ذالك او شك فلا یحل لہ

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

النظر والمس۔" (در مختار بحوالہ کشف الحقائق وغیرہ: ص: ۹/۵۲۸)

ترجمہ: گزشتہ مذکر اور مؤنث کے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے، اس کا چھونا بھی جائز ہے جس وقت اسے اپنے نفس اور عورت پر شہوۃ کا خوف نہ ہو۔ کیونکہ سرورِ دوعالم ﷺ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے سر کا بوسہ لیتے تھے اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جس شخص نے اپنی ماں کے قدموں کا بوسہ لیا گویا اس نے جنت کی چوکھٹ کا بوسہ لیا۔

● الحاصل: محرم خواتین کے ساتھ دن رات رہنا ہوتا ہے اور سفر اور حضر میں ان کی اعانت اور خدمت کرنا ہوتی ہے اور شہوۃ کا گمان نہیں ہوتا اس لیے ماں، دادی، نانی اور دیگر محرم بیمار یا معذور خواتین کے جسم کو چھونے میں حرج نہیں ہے اور بہنوں اور بیٹیوں کی پیشانی کا بوسہ لینے میں حرج نہیں ہے۔

غیر اسلامی ملکوں میں جمعہ اور عیدین کے مسائل:

● امام اہلسنت اعلیٰحضرت اور فقہاء کے قول پر کہ غیر اسلامی ملک دار الحرب ہیں، ان میں جمعہ اور عیدین ادا نہیں ہو سکتیں کیونکہ جمعہ اور عیدین کی صحت کے لیے ایسے مصر کا ہونا شرط ہے کہ وہ مصر اسلامی ہو اور غیر اسلامی ممالک میں یہ شرط نہیں پائی جاتی اس لیے غیر اسلامی ملکوں میں رہنے والے لاکھوں مسلمانوں کی جمعہ کی نمازوں اور عیدین کی نمازوں کے بارے میں ایک سوال کیا جاسکتا ہے کہ اگر دائمی غیر اسلامی ممالک کو دار الحرب قرار دیا جائے تو لازم آئے گا وہاں رہنے والے مسلمانوں کا جمعہ اور عیدین ادا نہ ہوں کیونکہ صحت جمعہ کے لئے اسلامی شہر کا ہونا ضروری ہے۔ ہمارے بعض علماء اسی وجہ سے غیر اسلامی ملکوں کو دار الحرب قرار نہیں دیتے۔ انہوں نے اس مشکل کا حل یہ نکالا اور فتویٰ دیا کہ غیر اسلامی ممالک دار الحرب نہیں حکماً اسلامی ممالک ہیں مگر اس قول پر انہیں اقدامی جہاد کے نسخ

جائز ہے۔ امام اہلسنت اعلیٰحضرت کے زمانہ میں یہ مشکل نہ تھی۔ غیر اسلامی ممالک میں مسلمان بہت کم آباد تھے۔ اس وقت آپ نے امام ابو حنیفہ کے قول ظاہر الروایہ پر فتویٰ صادر فرمایا تھا مگر امام اہلسنت آج ہوتے توان کا فتویٰ بھی یہی ہوتا کہ غیر اسلامی ملکوں میں عیدین اور جمعہ کی نمازیں جائز ہیں کیونکہ تمام مسلمانوں کا عرف اور تعامل ہے اور اجتہادی اقوال میں علماء کے نزدیک جب عرف تعامل قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہو، پر فتویٰ دینا اور عمل کرنا جائز ہوتا ہے جس طرح امام اہلسنت نے اسلامی ملکوں میں مصر کی شرط کو لازم قرار نہیں دیا اور فرمایا جو لوگ دیہاتی بستیوں میں جمعہ پڑھتے ہیں، ان کو ہم منع نہیں کرتے، ایک روایت پر ان کا جمعہ ادا ہو جاتا ہے اگر آپ زندہ ہوتے تو حربی ملکوں میں نمازِ جمعہ اور عیدین کی صحت کا فتویٰ جاری فرماتے۔

● ثانیاً احناف کے نزدیک مصر کی تعریف میں خود آئمہ احناف میں شدید اختلاف ہے جیسا کہ احسن الفتاویٰ جلد چہارم میں مذکور ہے۔ کسی صاحب نے مصر کی پانچ تعریفیں نقل کیں اور لکھا یہ کل پانچ تعریفیں ہیں۔ مصر کی تعریف میں فقہاء نے بہت تنزل کیا حتیٰ کہ آخری تعریف تک اتر آئے اور اس تعریف پر خالص کافر حکومت کے شہر مثلاً لندن وغیرہ بھی مصر میں داخل ہو جاتے ہیں۔

(احسن الفتاوی، ص: ۱۸۳)

● اس کے جواب میں مفتی رشید احمد لدھیانوی لکھتے ہیں "اقول" حیرت ہے کہ آج کی دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کو لندن کے شہر ہونے میں شبہ ہے۔ (ص: ۱۸۷/۴)

● اس جواب سے واضح ہوتا ہے کہ "لا صلوٰۃ ولا تشریق الا فی مصرٍ جامعٍ" جس کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہونا مشہور ہے اور اسی قول سے احناف کے نزدیک جمعہ کی اداء کے لئے مصر کا شرط ہونا ثابت ہے۔ حنفی علماء دیوبند اس کی

وغیرہ کا قول کرنا پڑا مگر ہمارے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ اس مشکل کی وجہ سے کسی دار الحرب کو دار الاسلام تو نہیں کہہ سکتے تاکہ جہاد کا مسئلہ ختم ہو جائے مگر جمعہ اور عیدین کی صحت کے لیے اسلامی ریاست کی شرط جو کہ صرف امام ابو حنیفہ کے نزدیک شرط بتائی جاتی ہے، اوّلاً ہم یہ کہہ سکتے ہیں، یہ اجتہادی مسئلہ ہے، اس اجتہادی مسئلہ میں دوسرے آئمہ امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے قول پر فتویٰ ہو سکتا ہے۔ مصر شرط ہے یا نہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے اور آئمہ کا اختلاف اس کی دلیل ہے چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں:

"اَلْمِصْرُ لَيْسَ بِشَرْطٍ لِلْوُجُوْبِ وَ لَا لِصِحَّةِ الْاَدَاءِ فَكُلُّ قَرْيَةٍ يَسْكُنُهَا اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا مِنَ الْاَحْرَارِ الْمُقِيْمِيْنَ لَا يَظْعَنُوْنَ عَنْهَا شَتَاءً وَ لَا صَيْفًا تَجِبُ عَلَيْهِمُ الْجُمُعَةُ وَتَقَامَ بِهَا الْجُمُعَةُ" (بدائع: ۱۸۹/۲)

ترجمہ: مصر شرط نہیں ہے نہ وجوب کے لئے اور نہ صحت ادا کے لئے ہر وہ گاؤں جس میں چالیس آزاد آدمی مستقل رہائش پذیر ہوں۔ وہاں سے وہ (خانہ بدوشوں کی طرح) گرمیوں اور سردیوں میں کوچ نہ کریں، ان پر جمعہ واجب ہے اور ان کے ساتھ جمعہ قائم کیا جائے گا یعنی نماز قائم کی جائے گی۔

● جب امام شافعی کے نزدیک مصر شرط نہیں تو اسلامی مصر ہونا بھی شرط نہیں ہوگی اور اجتہادی مسائل میں بوقت ضرورت احناف کے نزدیک دوسرے آئمہ کے مذہب پر فتویٰ دینا اور عمل کرنا جائز ہوتا ہے جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں۔

● مفقود الخبر اور ممتدۃ الطہر جو ایک دو فرد کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے مسائل میں صدیوں سے ہمارے احناف دوسرے آئمہ کے قول پر فتویٰ دیتے آرہے ہیں۔ لٰہذا لاکھوں مسلمانوں کی ضرورت کی وجہ سے دوسرے آئمہ کے مذہب پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لٰہذا اِس زمانے میں امام شافعی کے مذہب کے مطابق غیر اسلامی حربی ممالک میں جمعہ اور عیدین کی نمازیں ادا کرنا

تاویل کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے قول میں مصر سے اسلامی شہر مراد نہیں ہے بلکہ مطلق مصر ہے۔ لہٰذا ہر مصر میں اسلامی ہو یا غیر اسلامی، ہر جگہ جمعہ اور عیدین جائز ہیں۔ لندن بھی مصر ہے اور اس میں جمعہ اور عیدین جائز ہیں۔

● دوسرے آئمہ کرام نے مصر کے شرط نہ ہونے پر جو دلائل دیے، ان میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ سے باہر پہلا جمعہ بحرین کے گاؤں (قریہ) جواثی میں پڑھا گیا اور وہ مصر نہیں تھا اور حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کے سوال کہ جواثی میں جمعہ پڑھا جائے، تو آپ نے جواب میں فرمایا تھا ''اَنْ اَجْمِعْ بِهَا وَحَيْثُ مَا كُنْتَ'' (بدائع۔ ص: ۱۸۸/۲۔ مطبوعہ مکہ مکرمہ) کہ جواثی میں جمعہ پڑھاؤ اور جس جگہ بھی تم رہو جمعہ پڑھاؤ۔ اگرچہ ان دلائل کا احناف نے جواب دیا اور شوافع اور آئمہ نے احناف کی دلیلوں کا جواب دیا ہے مگر اتنا ضرور ثابت ہوا کہ مصر کی شرط اجتہادی ہے لہٰذا اگر حنفیوں کی دلیل ''لَا صلوٰۃ و لَا تشریقَ الا فی مصرٍ جامعٍ'' میں وجوب جمعہ کی نفی مراد لے لی جائے تو مسئلہ آسان ہو جائے گا۔ اس حدیث سے غیر مصر میں وجوب جمعہ کی نفی ہو گی، جواز اور صحتِ جمعہ کی نفی نہیں ہو گی۔ غیر اسلامی حربی امصار میں بھی جمعہ کے جواز پر اشکال نہیں رہے گا۔ علماء کی جانب سے اس قسم کی تأویلات احادیث شریفہ میں کثرت سے کی گئی ہیں۔ کیونکہ لا صلوٰۃ کی حدیث اور دیگر حنفی منصوصہ دلائل میں غیر مصر میں وجوب یا جواز جمعہ کی نفی کی تصریح کہیں نہیں ملتی۔ اسی لئے بعض علماء نے مصر کو وجوب جمعہ کی شرط قرار دیا ہے۔ صحت جمعہ کی شرط قرار نہیں دیا۔ چونکہ مصر کی شرط آئمہ کے درمیان مختلف فیہ تھی اس لئے شاید شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمایا:

''وَذَالِكَ لِاَنَّهٗ لِمَا كَانَ حَقِيْقَةُ الْجُمُعَةِ اِشَاعَةُ الدِّيْنِ فِي الْبَلَدِ وَجَبَ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى تَمَدُّنٍ وَجَمَاعَةٍ اَلْاَصَحُّ عِنْدِيْ اَنَّهٗ يَكْفِيْ اَقَلَّ مَا يُقَالُ

فِيْهِ قَرْيَةٌ لِمَا رُوِيَ مِنْ طُرُقٍ شَتّٰى يُقَوِّيْ بَعْضُهَا بَعْضًا خَمْسَةٌ لَا جُمُعَةَ عَلَيْهِمْ وَعُدَّ مِنْهُمْ اَهْلُ الْبَادِيَةِ قَالَ ﷺ اَلْجُمُعَةُ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ قَرْيَةٍ وَاَقَلَّ مَا يُقَالُ فِيْهِ جَمَاعَةٌ لِحَدِيْثِ الْاِنْفِضَاضِ وَالظَّاهِرُ اِنَّهُمْ لَمْ يَرْجِعُوْا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ فَاِذَا حَصَلَ ذَالِكَ وَجَبَتِ الْجُمُعَةُ وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا فَهُوَ الْاٰثِمُ وَلَا يُشْتَرَطُ اَرْبَعُوْنَ... الخ''

ترجمہ: یہ اس لیے کہ جب جمعہ کی حقیقت شہر میں دین کی اشاعت ہے جب کہ تمدن اور جماعت کو دیکھا جائے۔ میرے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ قریہ سے مراد وہ آبادی ہے جس میں کم سے کم لوگ ہونے کا ذکر ہے۔ اس لیے جو طریقے روایت کیے گئے ہیں، جو بعض طُرق بعض کی تائید کرتے ہیں، پانچ ہیں، جن پر جمعہ واجب نہیں اور ان میں اہل البادیہ کو شمار کیا گیا ہے۔ سرورِ دوعالم ﷺ نے فرمایا، جمعہ ہر اہلِ قریہ پر واجب ہے اور کم از کم وہ ہے جس میں کہا جائے جماعت ہے انفضاض کے واقعے کی وجہ سے اور ظاہر یہ ہے کہ جمعہ چھوڑ جانے والے صحابہ کرامؓ واپس نہیں آئے تھے۔ جب یہ حاصل ہو جمعہ واجب ہے اور جو شخص جمعہ نہ پڑھے وہ گنہگار ہے اور چالیس کی شرط نہیں ہے۔

(احسن الفتاویٰ۔ ج: ۴، ص: ۱۸۰۔ بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ۔ ص: ۲ /۱۰۳)

● فتاویٰ رشیدیہ میں مذکور ہے لیکن علماء متاخرین میں سے ہندوستان میں حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور سندھ میں حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھویؒ نے جمعہ فی القریٰ کے جواز کے ساتھ نہ قائم کرنے والوں کو آثم اور گنہگار بھی کہا ہے۔ شاہ ولی اللہ کی مذکورہ عبارت کے بعد فتاویٰ رشیدیہ میں مذکور ہے: مخدوم محمد ہاشم اپنے فتویٰ میں جمعہ فی القریٰ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پس اقامت کنندگان دران قریہ ماجور ومثاب عند اللہ باشند ومانعان نماز جمعہ در قریہا آثم وبزہ گار شوند وہو سبحانہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔''

(فتاوی واحدی، ص:۲۳۸)

ترجمہ: پس ان بستیوں میں جمعہ قائم کرنے والے عند اللہ اجر و ثواب پائیں گے۔ ان بستیوں یں جمعہ سے منع کرنے والے لوگ گنہگار ہوں گے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حال کی حقیقت کو زیادہ جانتا ہے۔

- فتاوی رشیدیہ میں مذکور ہے، جب جمعہ فی القری مختلف فیہ مسئلہ بین الاحناف والشوافع ہے تو مخدوم صاحبؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے فتوی کے بعد اس پر بالا تفاق عمل کرنا صحیح ہے۔ نیز ایک سوال کے جواب میں لکھا، گاؤں میں جمعہ کا نہ ہونا مجتہدین میں مختلف فیہ ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جوازِ جمعہ کے لیے مصر ہونا شرط ہے لیکن مصر کی تعریف میں اختلافِ عظیم ہے۔۔۔۔الخ۔ (ص: ۱۸۲/۴-۱۸۱)
- معلوم ہوا جمعہ کے جواز کے لیے متاخرین حنفی علماء کے نزدیک مصر شرط نہیں ہے۔ جب مصر شرط نہیں تو مصر کا اسلامی ہونا بھی شرط نہیں۔ اگر مصر کا اسلامی ہونا جمعہ کے جواز کے لیے شرط ہو تو مصر ہونا بھی شرط ہوگا اور پاکستان اور اسلامی ممالک میں بستیوں میں قائم جمعہ کی نمازوں کا باطل ہونا لازم آئے گا جو کہ صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا غیر اسلامی ملک اگرچہ دار الحرب ہیں، ان میں قائم جمعہ کی نمازیں صحیح ہیں۔
- فتاوی رضویہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔
- صحت اور وجوبِ جمعہ کے ابواب میں اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

"ہاں اتنا ضرور ہے کہ جمعہ اسلامی حکم ہے اس کے لیے اسلامی مصر ہونا ضرور ہے لہٰذا دار الحرب میں اصلاً جمعہ جائز نہیں اگرچہ کتنے ہی بڑے امصار عظام کبار ہوں جس میں دس دس لاکھ آدمیوں کی آبادی ہو نہ اس وجہ سے کہ وہ شرعاً شہر نہیں اصلاحِ شرع میں وہ گاؤں ہے۔ حاشا یہ محض غلط ہے۔ قیامت تک کوئی ثبوت نہیں دے سکتا کہ شرع مطہر نے کفار

کے امصار کبار کو مصر و مدینہ سے خارج اور دہ اور گاؤں بتایا ہو اس بنا پر کہ وہاں اقامتِ حدود و تنفیذ احکامِ شرع نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی جب بعثت ہوئی، مکہ معظمہ بلکہ تمام دنیا میں جیسا کفر و کافرین کا تسلط و غلبہ تھا، ظاہر و عیاں ہے اور اکثر مرسلین کرام، اصحابِ شرائع جدیدہ علیہم الصلوٰۃ والسلام ایسے ہی شہروں میں پیدا ہوئے اور وہیں کے ساکن ہو کر انہیں پر مبعوث ہوئے۔ اب کیا معاذ اللہ یہ کہا جائے گا کہ شرعاً یہ مرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین دیہاتی تھے حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى" (۱۲/۱۰۹)

ترجمہ: "ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب مرد اور شہری ہی تھے، ان میں کوئی عورت نہ تھی نہ کوئی گنوار۔"

خود حضور اقدس ﷺ کو جس وقت غلبہء کفار کے سبب مکہ معظمہ سے ہجرت کی ضرورت ہوئی، اس وقت بھی قرآن عظیم نے مکہ مکرمہ کو شہر ہی فرمایا:

"وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ" (۱۳/۴۷)

ترجمہ: "بتیرے شہر تمہارے اس شہر سے جس نے تم کو نکالا زیادہ قوت والے تھے، ہم نے انہیں ہلاک کر دیا تو ان کا کوئی مددگار نہیں۔"

بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ دار الحرب کے شہر کفر کے شہر ہیں اور اقامتِ جمعہ کو اسلامی شہر درکار اسی طرف نظر کرم فرما کر کلام قدماء میں جب کہ اسلام کا دور دورہ تھا اور اسلامی شہر اسلامی احکام کے پابند تھے۔

"لَهٗ اَمِيْرٌ وَقَاضٍ يُنَفِّذُ الْاَحْكَامَ وَيُقِيْمُ الْحُدُوْدَ"

ترجمہ: وہاں کوئی امیر یا قاضی ہو جو احکام نافذ اور حدود جاری کر سکے۔

واقع ہوا اس سے مقصود وہی تھا کہ اسلامی شہر ہو کہ اس وقت اسلامی شہر ایسے ہی ہوتے تھے۔ یہ معنی نہ تھے کہ تنفیذ احکام و اقامتِ حدود سنخ حقیقت شہر میں داخل ہے، یہ نہ ہو تو شہر شرعاً ہی نہ رہے گا، گاؤں ہو جائے گا۔ حالانکہ فتنۂ بلوائیاں مصر خاص زمانہ خلافتِ راشدہ میں چند روز مدینہ منورہ میں تنفیذ احکام نہ ہوئی کیا اس وقت مدینہ طیبہ گاؤں ہو گیا تھا اور اس میں جمعہ پڑھنا حرام اور باطل ہوا تھا؟ حاشا ہرگز ایسا نہیں۔ خود یہی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ایامِ فتنہ میں اقامتِ جمعہ ہوگی اور شہر شہریت سے خارج نہ ہوگا۔

● لہٰذا ردالمحتار میں فرمایا: ''اگر والی فوت ہو گیا یا فتنہ کی وجہ سے آ نہیں سکتا اور وہاں کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو جو جمعہ کی امامت کا حقدار ہے تو پھر ضرورت کی وجہ سے لوگ خطیب مقرر کر سکتے ہیں جیسا کہ عنقریب آرہا ہے اس کے ساتھ ساتھ کہ وہاں کبھی قاضی یا امیر نہ ہو اس سے اس شخص کی جہالت بھی واضح ہو گئی جو کہتا ہے کہ فتنہ کے دنوں میں جمعہ صحیح نہیں ہوا۔ حالانکہ جمعہ ان شہروں میں درست ہے جن پر کفار کا تسلط ہو جیسا کہ عنقریب بیان کریں گے۔ پس غور کیجیے۔ت)

(ردالمحتار۔ باب الجمعہ)

● اس تعریف میں الفاظ ''ینفذ'' اور ''یقیم'' (نافذ کرے اور قائم کرے۔ت) موہم فعلیت تھے جس سے بعض کبراء کو دھوکہ ہوا۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد ''وَ یَقْدِرُ عَلَی الْاِنْصَافِ'' (وہ انصاف پر قادر ہو۔ت) نے زائل کر دیا۔ ''کَمَا بَیَّنَہٗ فِی الْقِنْیَۃِ وَ رَدِّ الْمُحْتَارِ وَ غَیْرِھِمَا مِنَ الْاَسْفَارِ'' (جیسے کہ یہ بات قنیہ اور ردالمحتار وغیرہما جیسی کتب میں ہے۔ت) اور حقیقۃً غور کیجیے تو ارشاد امام میں ''بعلمہٖ او علم غیرہ'' (اپنے علم یا غیر کے علم کی بنا پر۔ت) کہ مفید تقیید اسلام والی ہے۔ یہ بھی اسی زمانے کی حالت کے مطابق تھا۔ اس وقت میں اور اس کے بعد صدہا سال تک اس کی نظیر قائم نہ ہوئی

رفیق البرکات لاہل الزکوٰۃ

تھی کہ شہر دارالاسلام ہو اور حاکم کافر'' ولہٰذا نظر بحالۂ موجودۂ اسلامیۂ شہر و اسلام شہریاں'' میں تلازم تھا۔ ان بندگانِ خدا کے خواب میں بھی یہ خیال نہ گزرتا ہوگا جو آج آنکھوں کے سامنے ہے کہ شہر دارالاسلام ہے اور اس پر کفار حکام ورنہ حقیقۃً صرف اسی قدر درکار ہے کہ اسلامی شہر ہو اگرچہ والی کافر ہو۔ ولہٰذا جامع الرموز میں زیر قول ماتن ''شرط لادائها المصر والسلطان'' (ادائے جمعہ کے لیے شہر اور سلطان کا ہونا شرط ہے۔ت) فرمایا: ''اَلْاِطْلَاقُ مُشْعِرٌ بِاَنَّ الْاِسْلَامَ لَیْسَ بِشَرْطٍ'' (جامع الرموز فی صلوٰۃ الجمعہ)

مبسوط و معراج الدرایہ و جامع الفصولین و ہندیہ و ردالمحتار وغیرہا میں ہے (اگرچہ والیٔ شہر کافر ہو، مسلمانوں کے لیے جمعہ کا قیام جائز ہے)۔ (ردالمحتار۔ باب الجمعہ)

تو آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ صرف اسلامی شہر ہونا درکار ہے۔ تنفیذ احکام یا اقامتِ حدود یا اسلام والی کچھ شرط نہیں اور بحمد للہ ہم نے اپنے فتاوی میں دلائل قاہرہ سے ثابت کیا ہے کہ تمام ہندوستان سرحد کابل سے منتہائے بنگالہ تک سب دارالاسلام ہے تو یہاں جتنے شہر و قصبات ہیں (جن کو شہر و قصبہ کہتے ہیں اور وہ ضرور ایسے ہی ہوتے ہیں جن میں متعدد محلے متعدد دائمی بازار ہیں وہ پرگنہ ہیں ان کے متعلق دیہات ہیں، ان میں ضرور کوئی حاکم فصل مقدمات کے لیے مقرر ہوتا ہے جسے ڈگری ڈسمس کا اختیار ہے نہ فقط تھانہ دار کہ وہ کوئی حاکم نہیں صرف حفاظت اور تحقیقات یا چالان کا مختار ہے) وہ ضرور سب اسلامی شہر ہیں اور ان میں جمعہ فرض ہے اور ان میں جمعہ صحیح ہے۔

(فتاوی رضویہ، ص:۳۶۸تا۳۷۰، مکتبہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اعلیٰ حضرت کے نزدیک دیہاتوں میں جمعہ جائز ہے:

● امام اہلسنت اس فتوی کے آخر میں فرماتے ہیں: یہ تحقیق مسئلہ ہے اور بحمد للہ اہل انصاف و علم صاف جانیں گے کہ حق اس سے متجاوز نہیں۔ ہم نہ اس کے

خلاف عمل کر سکتے ہیں نہ زنہار مذہب ائمہ کو چھوڑ کر دوسری بات پر فتویٰ دے سکتے ہیں مگر دربارہ عوام فقیر کا طریق عمل یہ ہے کہ ابتداءً خود انہیں منع نہیں کرتا نہ انہیں نماز سے باز رکھنے کی کوشش پسند رکھتا ہے۔ ایک روایت پر صحت ان کے لیے بس ہے وہ جس طرح خدا اور رسول کا نام پاک لیں، غنیمت ہے۔ مشاہدہ ہے کہ اس سے روکیے تو وہ وقتی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"أَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ○ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ" (۹۶/۱۰)

ترجمہ: "کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز ادا کرتا ہے۔"

• سیدنا ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"شَيْءٌ خَيْرٌ مِنْ لَا شَيْءٍ" (کنزل العمال، ادب الصلوٰۃ، ص: ۴۷۴)

ترجمہ: کچھ ہونا بالکل نہ ہونے سے بہتر ہے۔

• جس طرح اعلیٰ حضرت نے دیہاتوں میں جمعہ کے جواز کا فتوی دیا اگر آپ زندہ ہوتے تو آج غیر اسلامی ملکوں میں بھی جوازِ جمعہ کا فتوی جاری فرماتے کیونکہ اسلامی مصر ہونا صرف احناف کے نزدیک شرط ہے، دوسرے آئمہ کے نزدیک شرط نہیں۔ یہ اجتہادی مسئلہ ہے مگر جمعہ کے جواز کی آڑ میں علامہ سعیدی کا دار الحرب کو حکمی دار الاسلام کہنا صحیح نہیں ہے۔ (رفیق حسنی)

• امام اہلسنت کے اس فتویٰ سے کافی امور معلوم ہو رہے ہیں۔ آپ کی عبارت کہ: "جمعہ اسلامی حکم ہے اس کے لیے اسلامی مصر ہونا ضروری ہے لہٰذا دار الحرب میں اصلاً جمعہ جائز نہیں۔" اس سے معلوم ہوا دار الحرب میں امصار اور قصبات اسلامی مصر اور قصبات نہیں ہوتے اگرچہ وہاں مسلمان رہتے ہوں۔ اور دار الاسلام میں موجود امصار اور قصبات اسلامی مصر اور قصبات ہوتے ہیں اگرچہ ان میں کافر رہتے ہوں۔

دنیا میں دو ہی دار ہیں: دار الحرب اور دار الاسلام:

• آپ نے لکھا "مکہ معظمہ بلکہ تمام دنیا میں جیسا کفر و کافرین کا تسلط و غلبہ تھا، ظاہر و عیاں ہے" اس عبارت سے معلوم ہوا مکہ معظمہ اور دنیا کے دیگر شہر اصلی دار الحرب تھے کیونکہ واضح ہے جب مکہ مکرمہ فتح سے پہلے دار الحرب تھا تو دیگر شہر دار الحرب کیوں نہیں ہوں گے۔ جس طرح مکہ مکرمہ فتح کے بعد دار الاسلام اور مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کا شہر بن گیا تو اسلامی مصر ہو گیا۔ اسی طرح دوسرے امصار فتح کے بعد اسلامی شہر ہو گئے۔ مگر وہ امصار اور مواضع جہاں ابھی تک کفر کی حکومتیں چلی آ رہی ہیں اور وہاں اسلامی حکومتیں قائم نہیں ہوئیں۔ آخر ایسے مواضع جو یقیناً دار الحرب تھے، دار الحرب ہونے سے انہیں کس چیز نے خارج کیا۔ جب فتحِ مکہ سے پہلے مسلمانوں کا مکہ مکرمہ میں مقیم ہونا بلکہ بانیٔ اسلام جناب رسول اللہ ﷺ کا مقیم ہونا اور کرۂ ارض پر پہلی مسجد، مسجد حرام کا ہونا مکہ مکرمہ کو دار الحرب ہونے سے خارج نہیں کر سکا تو غیر اسلامی یورپی ممالک کے امصار میں مسلمانوں کے قیام سے یورپی ممالک دار الحرب ہونے سے کیسے خارج ہو جائیں گے۔ لہٰذا جب تک یورپی ممالک فتح نہیں ہوں گے اور وہاں اسلامی حکومتیں قائم نہیں ہوں گی وہ دار الحرب ہی رہیں گے۔

صرف سفارتی تعلقات سے دار الحرب دار الاسلام نہیں ہو جاتا:

• اور جس طرح صلحِ حدیبیہ کے بعد اسلامی ریاست مدینہ منورہ کے مکہ مکرمہ کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم ہو گئے تھے پھر بھی مکہ مکرمہ دار الحرب ہونے سے خارج نہیں ہوا اسی طرح یورپی ممالک کے ساتھ اسلامی ممالک کے سفارتی تعلقات ہو جانے سے یورپی ممالک جو اصل دار الحرب ہیں، دار الحرب ہونے سے خارج نہیں ہوں گے۔ موجودہ دور کی جنگوں میں بالفعل جنگ جاری ہوتی ہے مگر سفارتی تعلقات بھی قائم ہوتے ہیں جیسا کہ افغانستان میں طالبان کے ساتھ اور

عراق میں عراقیوں کے ساتھ ایک عرصہ سے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی جنگ جاری ہے مگر سفارتی تعلقات بھی قائم ہیں لہٰذا جب سفارتی تعلقات بالفعل حرب اور قتال کے منافی نہیں ہیں تو ترک حرب کی صورت میں بھی سفارتی تعلقات دارالحرب ہونے کے منافی نہیں ہیں۔

● امام اہلسنت نے فرمایا کہ

''اس کی نظیر قائم نہیں ہوئی تھی کہ شہر دارالاسلام ہو اور حاکم کافر (تا) بندگانِ خدا کے خواب میں بھی یہ خیال نہ گزرتا ہوگا جو آج آنکھوں کے سامنے ہے کہ شہر دارالاسلام ہے اور اس پر کفار حکام۔۔۔الخ''

● اس عبارت سے آپ کا اشارہ اس طرف تھا کہ ہندوستان پر انگریز کے دورِ حکومت میں بھی ہندوستان دارالاسلام تھا کیونکہ انگریز حکومت نے مسلمانوں کی عبادتوں اور عبادت گاہوں پر پابندی نہیں لگائی تھی لہٰذا انگریز کے دور میں ہندوستان کے تمام شہر اسلامی مصر تھے کیونکہ دارالاسلام میں واقع تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''بحمد اللہ ہم نے اپنے فتاوی میں دلائل قاہرہ سے ثابت کیا ہے کہ تمام ہندوستان سرحد کابل سے لے کر منتہائے بنگالہ تک سب دارالاسلام ہے۔''

● اس فتوی کی عبارت سے ظاہر ہے کہ دارالاسلام دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جس میں مسلمانوں کی بالفعل حکومت ہو اور دوم یہ کہ کافروں کی حکومت غالب آجائے مگر اسلامی احکام پر مطلقاً پابندی نہ ہو۔ جس طرح ہندوستان جو کہ انگریز کی حکومت سے پہلے دارالاسلام تھا اور انگریز کی حکومت کے بعد بھی دارالاسلام رہا۔

● اور اس فتوی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دارالحرب کے بھی دو قسم ہیں: ایک یہ کہ اصل دارالحرب ہو دوم یہ کہ دارالاسلام پر کافر غالب آجائیں اور شرعی احکام پر

مطلقاً پابندی عائد کردیں، یہ دارالحرب غیر اصلی ہوگا۔

۲۔ امام اہلسنت فرماتے ہیں: فرضیت و صحت و جوازِ جمعہ کے لیے اسلامی شہر ہونا شرط ہے۔ جو جگہ بستی نہیں جیسے بن، سمندر، پہاڑ یا بستی ہے مگر شہر نہیں جیسے دیہات یا شہر ہے مگر اسلامی نہیں جیسے روس و فرانس کے بلاد، ان میں نہ جمعہ فرض ہے نہ صحیح نہ جائز بلکہ ممنوع و باطل و گناہ ہے۔ اس کے پڑھنے سے فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا (تا) اور شہر کے اسلامی ہونے کے لیے یہ ضرور ہے کہ یا تو فی الحال اس میں سلطنت اسلام ہو خود مختار، جیسے بحمد اللہ تعالیٰ سلطنت عالیہ عثمانیہ و دولت خداداد افغانستان حفظہما اللہ تعالیٰ عن شرور الزمان یا کسی سلطنت کفر کے تابع جیسے اب چند روز سے سلطنت بخارا و حسبنا اللہ و نعم الوکیل (ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی سب سے بہتر کارساز۔ ت)

● اگر فی الحال نہ ہو تو دو باتیں ضرور ہیں: ایک یہ کہ پہلے اس میں سلطنت اسلامی رہی ہو۔ دوسرے یہ کہ جب سے قبضہ کافر میں آئی، شعارِ اسلام مثل جمعہ و جماعت و اذان و اقامت و غیرہا کلاً یا بعضاً برابر اس میں اب تک جاری رہے ہوں۔ جہاں سلطنتِ اسلامی کبھی نہ تھی نہ اب ہے وہ اسلامی شہر نہیں ہو سکتے نہ وہاں جمعہ و عیدین جائز ہوں گے اگرچہ وہاں کے کافر سلاطین شعائر اسلام کو نہ روکتے ہوں اگرچہ وہاں مساجد بکثرت ہوں۔ اذان و اقامت و جماعت علی الاعلان ہوتی ہو۔ اگرچہ عوام اپنے جہل کے باعث جمعہ و عیدین بلا مزاحمت ادا کرتے ہوں۔ جیسے کہ روس و فرانس و جرمن و پرتگال و غیرہا اکثر بلکہ شاید کل سلطنت ہائے یورپ کا یہی حال ہے۔

● یونہی اگر پہلے سلطنت اسلامی تھی پھر کافر نے غلبہ کیا اور شعائر کفر جاری کرکے تمام شعائرِ اسلامی یکسر اٹھادیے تو اب وہ شہر بھی اسلامی نہ رہے اور جب تک پھر از سر نو ان میں سلطنت اسلامی نہ ہو وہاں جمعہ و عیدین جائز نہیں ہو سکتے اگرچہ کفار

غلبہ یافتہ ممانعت کے بعد پھر بطور خود شعائر اسلام کی اجازت دے دیں خواہ ان کافروں سے دوسرے کافر چھین کر اجرائے شعائرِ اسلام کر دیں کہ کوئی غیر اسلامی شہر مجرد جریان شعائرِ اسلام سے اسلامی نہیں ہو جاتا۔ ہاں اگر اسلامی سلطنت کے کسی کافر صوبہ نے بغاوت کر کے کسی اسلامی شہر پر تسلط کیا اور شعائر اسلام بالکل اٹھا دیئے مگر وہ صوبہ چار طرف سے سلطنتِ اسلامی میں محصور ہے تو وہ شہر شہرِ اسلامی ہی رہے گا کہ اگرچہ کافر نے شعائر اسلام بالکل اٹھا دیئے مگر چار سمت سے سلطنت اسلامیہ میں محصور ہونے کے اس کی یہ تاریک حالت عارضی ہے۔

"بحمد اللہ تعالیٰ یہ نہایت قیمتی فوائد ہیں جسے ہر صاحب فہم عزت کی نظر سے دیکھے گا اور اگر ہم ان کے دلائل اور تفاصیل میں جائیں تو مقصد سے دور چلے جائیں گے۔ علاوہ ازیں ان لوگوں پر آشکار ہیں جو کتب فقہیہ میں نظر اور اصولِ شرعیہ میں عمدہ فکر رکھتے ہیں۔ ہم یہاں چند نصوصِ فقہ کے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ت"

- جامع الفصولین و مبسوط و معراج الدرایہ و ہندیہ و رد المحتار وغیرہا معتمدات اسفار میں ہے:

"جب کوئی حکم کسی علت کی بناپر ہو تو جب تک علت رہتی ہے حکم بھی باقی رہے گا تو جب کوئی شہر احکامِ اسلامی کے اجراء سے دار الاسلام بن گیا تو جب تک احکام و آثار میں سے کچھ نہ کچھ باقی ہو گا وہ شہر دار الاسلام ہی رہے گا اور ہر وہ شہر جس میں کفار کی طرف سے مسلمان والی ہو وہاں جمعہ اور عیدین کا قیام و خراج لینا، قضا کے نفاذ اور بیوگان کا نکاح جائز ہوگا۔ کیونکہ وہاں مسلمان غالب ہیں لیکن کفار کی طاعت غلط اور دھوکہ ہے۔ وہ شہر جہاں کفار والی ہیں وہاں جمعہ اور عیدوں کا قیام مسلمانوں کے لیے جائز ہے......الخ۔ت"

- شرح نقایہ میں کافی سے ہے:

"دار الاسلام وہ ہوتا ہے جہاں امام المسلمین کا حکم جاری ہو۔ت"

- فصول عمادی میں ہے: "جب احکام اسلامی کچھ نہ کچھ باقی ہوں، دار الاسلام دار الحرب نہیں بن سکتا اگرچہ اہل اسلام کو وہاں غلبہ حاصل نہ رہے۔ت"
- اسی طرح کتب کثیرہ سے مستفاد ہے:

"الغرض دار الاسلام ابتداءً بننے کے لیے یہ شرط ہے یعنی دار الحرب کو دار الاسلام بننے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہاں سلطان اسلام کا حکم جاری ہو اور دار الاسلام کو باقی رہنے کے لیے شعائر اسلام کا باقی رہنا ضروری ہے خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں اگرچہ وہاں حکم اور سلطان باقی نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔ت"

- درر و غرر میں ہے دار الاسلام اس وقت دار الحرب بن جاتا ہے جب وہاں احکامِ شرک جاری ہو جائیں اور اس کا اتصال کسی دار الحرب سے ایسا ہو کہ ان کے درمیان مسلمانوں کا کوئی شہر نہ ہو۔(ت)
- درمنتقی میں ہے:

"البحر المالح ملحق بدار الحرب"

نمکین سمندر دار الحرب کا حکم رکھتا ہے۔(ت)

- ردالمحتار میں ہے:

نمکین سمندر دار الحرب کے ساتھ ملحق ہے اور ہر وہ جنگل بھی جس کے آگے مسلمانوں کا شہر نہ ہو۔ یہ بات بعض نے حموی کے حوالہ سے نقل کی ہے اور حاشیہ ابی السعود میں شرح النظم الہاملی کے حوالہ ہے کہ سطح سمندر کا حکم دار الحرب کا ہے۔(ت)

- اس تحقیق سے تمام مستفسرہ کا حکم واضح ہو گیا جو آبادیاں پر گنہ ہیں اور ان میں

کوئی کچہری ہے (نہ فقط تھانہ یا ڈاک خانہ یا شفاخانہ کہ فصلِ مقدمات کے لیے نہیں ہوتے۔) اور وہاں سلطنت اسلام ہے یا پہلے تھی اور جب سے غیر مسلم کا قبضہ ہوا، بعض شعائر اسلام بلامزاحمت اب تک جاری ہیں۔ جیسے تمام بلادِ ہندوستان و بنگالہ ایسے ہی ہیں وہ سب اسلامی شہر ہیں ان میں جمعہ فرض ہے..... الخ۔

(ص: ۳۸۲-۳۷۷، جلد ہشتم، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

• اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے اس فتویٰ سے ہمارا مدعی یہ ثابت کرنا ہے کہ دارالحرب کے دو اقسام ہیں اور دار الاسلام کے بھی اقسام ہیں مگر ان میں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جیسا کہ صاحب ''تبیان القرآن'' نے شاید مسلمانوں کی آسانی کے پیش نظر دو داروں کے درمیان واسطہ دارالکفر کا اضافہ فرمایا تاکہ مسلمانوں کے نمازِ جمعہ و عیدین ضائع نہ ہوں مگر یہ نفس الامر کے خلاف ہے۔

• امام اہلسنت ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''اور یہ بھی مسلم ہے کہ جمعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مکہ میں قبل از ہجرت فرض ہوا جیسا کہ امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے لیکن وہاں کفار کی وجہ سے آپ نے جمعہ قائم نہ فرمایا جب آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے مدینہ طیبہ ہجرت کی تو رسول اللہ ﷺ چودہ دن تک قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے ہاں ٹھہرے رہے مگر آپ نے وہاں جمعہ قائم نہ فرمایا۔ یہ دلیل ہے اس پر کہ دیہات میں جمعہ نہیں ورنہ رسول اللہ ﷺ وہاں جمعہ قائم فرماتے........ الخ۔''

(ص: ۸/۴۲۹، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

• جب مکہ مکرمہ میں جمعہ فرض ہو گیا تھا اور آپ ﷺ نے نہیں پڑھا یا اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے وجوب اور صحت کے لیے دارالاسلام ہونا شرط ہے کیونکہ فتحِ مکہ مکرمہ سے پہلے مکہ مکرمہ دارالحرب تھا اور صلحِ حدیبیہ کے بعد دارالصلح اور

دارالمواعدۃ بھی ہو گیا تھا۔ اور مدینہ منورہ دارالاسلام اور مکہ مکرمہ دارالحرب میں سفارتی تعلقات بھی قائم ہو گئے تھے مگر مکہ مکرمہ میں رہنے والے مسلمانوں نے بھی جمعہ نہ پڑھا کیونکہ جمعہ کی صحت کے لیے اسلامی شہر ہونا شرط ہے اور اسلامی شہر وہ ہوتا ہے جس پر اسلامی سلطنت کے احکام جاری ہوتے ہوں۔ حالانکہ دیگر پانچوں نمازیں ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد فتحِ مکہ مکرمہ تک صحابہ کرام پڑھتے تھے مگر جمعہ نہیں پڑھتے تھے، جس سے جمعہ کی نماز کی صحت کے لیے اسلامی شہر کا ہونا شرط معلوم ہوتا ہے۔

• معلوم ہوا دار کے دو ہی قسمیں ہوتی ہیں: دارالحرب اور دارالاسلام۔ فقہاء کرام کی مستند کتابوں سے صرف دو قسم معلوم ہوتی۔ ہیں تیسری قسم بنام دارالکفر حکماً دارالاسلام کا کوئی قائل نہیں تھا۔ یعنی ایسی دار کہ نہ دارالحرب ہو نہ دارالاسلام بلکہ ان کے درمیان واسطہ ہو۔

• اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے والوں کا رد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں اگر دارالاسلام کی تعریف یہ ہو کہ دارالاسلام وہ ملک یا شہر ہے جس میں سارے اسلامی احکام نافذ ہوں تو اس پر لازم آئے گا ایک ایسا دار ہو جو دارالحرب اور دار اسلام کے درمیان واسطہ ہو اور اس کا کسی نے قول نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا:

''فَعَلٰی ھٰذَا تَکُوْنُ دَارُ الَّتِیْ وَصَفْنَاھَا لَكَ وَاسِطَةً بَیْنَ الدَّارَیْنِ وَلَمْ یَقُلْ بِهٖ اَحَدٌ''

''ترجمہ: اس بنیاد پر وہ دار جس کا ہم نے ذکر کیا وہ دارین کے درمیان واسطہ ہو گی اور اس کا کسی نے قول نہیں کیا۔'' (ص: ۱۱۰، ج ۱۴، رضا فاؤنڈیشن)

معلوم ہوا روئے زمین پر احکام کے لحاظ سے دارالحرب اور دارالاسلام کے علاوہ کوئی تیسری دار الکفر وغیرہ نام کی دار نہیں ہے۔

• چنانچہ بعض علماء کی غلط فہمی کا ازالہ فرماتے ہوئے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

"اَقُوْلُ یَالَیْتَہٗ تَفَکَّرَ فِیْ مَعْنَی الثُّغُوْرِ اَوْ نَظَرَ اِلٰی فَضَائِلِ الْمُرَابِطِیْنَ فَتَأَمَّلَ فِیْ مَعْنَی الرِّبَاطِ اَوْ عَلِمَ اَنَّ مَکَّۃَ وَالشَّامَ وَالطَّائِفَ وَ اَرْضَ حُنَیْنٍ وَ بَنِی الْمُصْطَلَقِ وَ غَیْرِھَا کَانَتْ دَارَ حَرْبٍ عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ مَعَ اِتِّصَالِھَا بِدَارِ الْاِسْلَامِ قَطْعًا اَوْ فَھِمَ اَنَّ الْاِمَامَ کُلَّمَا فَتَحَ بَلْدَۃً مِنْ بِلَادِ الْکُفَّارِ وَ اَجْرٰی فِیْھَا اَحْکَامَ الْاِسْلَامِ صَارَتْ دَارَ الْاِسْلَامِ وَالَّتِیْ یَلِیْھَا مِنَ الْبِلَادِ تَحْتَ حُکْمِ الْکُفَّارِ دَارُ حَرْبٍ کَمَا کَانَتْ۔" (ص:۱۱۲/۱۴، رضا فاؤنڈیشن)

ترجمہ: "میں کہتا ہوں کاش وہ سرحدوں کی معنی پر غور کر لیتے یا اسلامی سرحدوں کی نگرانی کرنے والوں کی فضیلت دیکھ لیتے پھر رباط کے معنی میں غور کرتے یا وہ جانتے ہوتے کہ بے شک مکہ مکرمہ اور شام اور طائف اور حنین کی زمین اور بنی مصطلق کے علاقے وغیرہا سرورِ دوعالم ﷺ کے زمانہ میں دارالحرب تھے۔ حالانکہ ان سب کا یقیناً دارالاسلام (مدینہ منورہ) کے ساتھ اتصال تھا یا وہ سمجھے ہوتے کہ مسلمانوں کی حکومت کا سربراہ جب کفار کے بلاد سے کسی بلدہ کو فتح کر لے اور اس میں اسلام کے احکام جاری کر دے وہ بلدہ دارالاسلام ہو جاتا ہے اور اس بلدہ کے ساتھ متصل وہ بلاد جو کفار کی حکومت میں ہوتے ہیں، وہ اسی طرح دارالحرب رہتے ہیں جس طرح وہ پہلے تھے.....الخ"

• اعلیٰ حضرت کی اس عبارت سے واضح ہے کہ جب مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست قائم ہو گئی تھی پھر بھی آپ ﷺ کے عہد مبارک میں مکہ مکرمہ اور شام اور طائف اور حنین اور بنی مصطلق کی چھوٹی چھوٹی کفریہ ریاستیں دارالحرب تھیں کیونکہ جب کسی شہر پر اسلامی حکومت قائم ہو جائے اور اسلامی احکام جاری ہو جائیں

وہ شہر دارالاسلام ہوتا ہے اور باقی شہر سابق حیثیت کے مطابق دارالحرب رہتے ہیں۔

دارالحرب کے تحقق کے لیے بالفعل حرب ضروری نہیں:

• فتاوی رضویہ میں ہے، سب کافروں سے قتال و غلظت کا حکم ہے۔ اگرچہ محارب بالفعل نہ ہوں۔ محارب بالفعل کی تخصیص منسوخ ہو گئی:

"وَ قَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ"

ترجمہ: "ان سے قتال کرو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو جائے۔"

یہاں آپ ﷺ کو ارشاد ہوا کفار پر درشتی کرو۔ مومنین کو حکم ہوا کافروں پر سختی کرو۔ اس میں نہ کوئی تقسیم ہے نہ تردید نہ تخصیص ہے نہ تقیید (تا) اجماعِ امت ہے کہ جہاد کفار محاربین بالفعل سے مخصوص نہیں۔ مدافعانہ و جارحانہ قطعاً دونوں طرح کا حکم ہے۔ اجازت میں مدافعانہ میں حصر پہلے تھا پھر قطعاً منسوخ ہو گیا۔

• مبسوط شمس الائمہ سرخسی و کفایہ و عنایہ و تبیین و بحر الرائق و رد المحتار و غیرہا میں ہے:

"یہ ارشاد کہ اگر وہ تم سے لڑیں تو ان کو قتل کرو، منسوخ ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو ابتداء میں حکم تھا کہ مشرکوں سے درگزر کرو اور روگردانی فرمائیں......الخ (تا) پھر مطلقاً ابتداء بالقتال کا حکم ہوا۔ اللہ نے ارشاد فرمایا "قَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ" (الآیہ) ان سے لڑو یہاں کہ کہ کوئی فتنہ نہ رہے۔ اور فرمایا "وَ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" (فتاوی رضویہ: ۱۴/۴۴۹)

• کنز الدقائق میں ہے "الجہاد فرض کفایۃ ابتداء" (کتاب السیر) جہاد کی ابتداء

کرنا فرضِ کفایہ ہے۔اس کے تحت بحر الرائق میں ہے: ''مفید لافتراضه و ان لم یبدؤونا للعمومات و اما قوله تعالی فان قاتلوکم فاقتلوهم منسوخ'' (کتاب السیر)۔ یہ عبارت فائدہ دیتی ہے کہ جہاد فرض ہے اگرچہ کافر پہل نہ کریں کیونکہ آیات عام ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قول مبارک یہ کہ اگر وہ تم سے لڑیں تو انہیں قتل کرو، منسوخ ہے۔(۱۴/۴۴۹) (تا) ہر ادنیٰ خادم فقہ جانتا ہے کہ حربی مقابل ذمی ہے نہ کہ خاص محارب بالفعل۔ ہدایہ وغیرہا کی عبارات ابھی گزریں تو آیت قطعاً تمام حربیوں کو شامل خواہ بالفعل مصدر قتال ہوئے ہوں یا نہیں البتہ معاہدین کا استثناء ضروریاتِ دین سے ہے جس پر نصوص قاطعہ ناطق (تا) اتفاق ہے کہ معاہدین وذراری محل جہاد ہی نہیں۔(۱۴/۴۵۱)

امریکہ اور یورپی ممالک امام مہدی کے زمانہ میں دارالاسلام ہو جائیں گے:

• اعلیٰ حضرت آیت ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَ لْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً'' (اے ایمان والو ان کفار کے ساتھ قتال کرو جو تمہارے قریب ہیں اور ضروری ہے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں۔) نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''یہ حکم بھی جمیع کفار کو عام ہے، حکمت یہی ہے کہ پہلے پاس والوں کو زیر کیا جائے، جب وہاں اسلام کا تسلط ہو جائے تو اب جو اس کے نزدیک ہیں، وہ پاس والے ہوئے، وہ زیر ہو جائیں تو اب جو ان سے قریب ہیں۔یونہی یہ سلسلہ شرقاً غرباً منتہائے زمین تک پہنچے اور بحمد اللہ ایسا ہی ہوا اور بعونہ تعالیٰ ایسا ہی بر وجہ اتم وکمال زمانہ امام موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہونے والا ہے۔''

(۱۴/۴۴۸، رضا فاؤنڈیشن)

غیر محارب کافر بھی بالفعل محارب ہیں:

• امام اہلسنت ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں ''تمام مشرکین ہند محارب بالفعل ہیں اور محارب بالفعل کے معنی کی تحقیق، کفار زمانہ رسالت جن کی نسبت حکم ہوا

''وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ'' (۲/۱۹۱) (انہیں جہاں پاؤ قتل کرو) اور حکم ہوا ''وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً'' (۹/۳۶) (سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب تم سے لڑتے ہیں) کیا ان کا ہر فرد میدانِ جنگ میں آیا تھا؟ لڑائی دیکھی جاتی ہے اگر جو لڑے ان کی خاص کوئی ذاتی غرض ہے جس میں ساری قوم شریک نہیں تو وہ لڑائی خاص انہیں کی طرف منسوب ہوگی جو اس کے مرتکب ہوئے (تا) اور اگر لڑائی مذہبی ہے تو ان سب اہلِ مذہب کی ہے کہ باقی دامے درمے قلمے قدمے معین ہوں گے اور کچھ نہ ہو تو راضی ہوں گے اور اپنے مذہب کی فتح ہو تو خوش ہوں گے اور دوسرے کی ہو تو رنجیدہ ہوں گے۔

''قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا'' (۳/۱۲۰)

ترجمہ: اگر تمہیں بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگے اور اگر تمہیں برائی پہنچے تو اس پر شاد ہوں۔

تو وہ سب محاربین بالفعل ہیں خواہ ہاتھ سے یا زبان سے یا دل سے......الخ۔''

(ص: ۸/۴۵۳)

اقدامی جہاد سلاطین پر فرض ہے:

• اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ ایک غلط فہمی کا ازالہ فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

تنبیہ ضروری: یہ آیہ کریمہ کہ یہاں علماء وآئمہ نے بیان ناسخ کے لیے تلاوت کیں کہ مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور اس مضمون کی اور آیات نیز وہ عباراتِ ہدایہ وغیرہ قریب آنے والیاں کہ جہاد میں پہل واجب ہے۔

ان کا تعلق سلاطین اسلام اور عساکر اسلام، اصحاب خزائن واسلحہ واستطاعت سے

ہے نہ ان کے غیر سے (تا) مجتبی اور جامع الرموز اور ردالمحتار میں ہے:

"یَجِبُ عَلَی الْاِمَامِ اَنْ یَّبْعَثَ سَرِیَّۃً اِلٰی دَارِ الْحَرْبِ کُلَّ سَنَۃٍ مَرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ وَ عَلَی الرَّعِیَّۃِ اِعَانَتَہٗ اِلَّا اِذَا اَخَذَ الْخَرَاجَ فَاِنْ لَّمْ یَبْعَثْ کَانَ کُلُّ الْاِثْمِ عَلَیْہِ وَ ھٰذَا اِذَا غَلَبَ عَلٰی ظَنِّہٖ اَنَّہٗ یُکَافِیْھِمْ وَ اِلَّا فَلَا یُبَاحُ قِتَالُھُمْ۔" (جامع الرموز، کتاب الجہاد)

ترجمہ: "سلطانِ اعظم پر فرض ہے کہ ہر سال ایک یا دو بار دارالحرب پر لشکر بھیجے اور رعیت اس کی اعانت کرے مگر جب سلطان نے اس سے خراج لے لیا ہو پس اگر نہ بھیجے سارا گناہ سلطان پر ہوگا اور یہ اس وقت ہے کہ سلطان کو غالب گمان ہو کہ حربی کافروں سے کفایت کرے گا ورنہ سلطان کے لیے قتال اور جہاد مباح نہیں ہے۔" (۱۴/۷/۴۴۶)

دارالحرب کے لیے حرب بالفعل کی شرط علامہ سعیدی کی جانب سے ایک غلطی ہے:

• الحاصل سیّدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فتاوی سے واضح ہے کہ دارالحرب ہونے کے لیے بالفعل حرب کا ہونا ضروری نہیں ہے لہٰذا اسلام آجانے کے بعد روئے زمین پر کفار کے ممالک اور امصار جنہیں اسلام کی دعوت حقیقۃً یا تقدیراً اور تشہیراً پہنچی (بحر) وہ دارالحرب قرار پائے، یہ اصلی اور حقیقی دارالحرب کہلائیں گے۔ ان کے ساتھ اقدامی جہاد اور قتال بشرط استطاعت فرض ہوا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اسی پر عمل کیا۔ پہلے ان کافروں سے جہاد ہوا جو اسلامی ریاست اور دارالاسلام مدینہ منورہ کے ساتھ متصل تھے۔ خیبر تک کفار کا تعاقب کیا گیا پھر مکہ مکرمہ پھر ہوازن اور طائف اور دیگر شہروں کو اسلامی ریاست مدینہ منورہ کی حکومت کے ماتحت کیا گیا۔ بہ یک وقت سب کے ساتھ قتال نہیں کیا گیا مگر سارے کافر حربی تھے۔ علیٰ ہذا القیاس قیصر اور کسریٰ، شام اور ایران کو فتح

کیا گیا۔ واضح ہے کہ کافروں کے تمام شہروں اور ریاستوں کے ساتھ بالفعل حرب نہیں تھا۔ جب خیبر فتح کیا گیا تو مکہ مکرمہ کے کافر بالفعل حربی نہیں تھے، جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو ہوازن اور طائف کے کافر بالفعل حربی نہیں تھے مگر پھر بھی وہ حربی تھے اور ان کی ریاستیں اور سلطنتیں دارالحرب تھیں۔ یہ ریاستیں دارالحرب ہونے سے اس وقت خارج ہوئیں جب اسلامی حکومت کے ماتحت ہوئیں اور ان میں اسلامی احکام کا اجراء ہوا۔ پھر یہ ریاستیں اور سلطنتیں دارالاسلام بن گئیں۔ لہٰذا دارالحرب اور دارالاسلام کے درمیان کوئی واسطہ نہیں تھا اور نہ ہے۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت نے فرمایا، واسطے کا کوئی قائل نہیں ہے۔ لہٰذا دارالحرب اور دارالاسلام کے درمیان دارالکفر کا واسطہ نکالنا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ ایک غلطی ہے جس کی وجہ سے جہاد کا راستہ بند ہو جائے گا اور کہا جائے گا دارالکفر میں رہنے والے کافر حربی نہیں ہیں لہٰذا ان کافروں کے خلاف اقدامی جہاد فرض نہیں ہے۔ (محمد رفیق حسنی)

حربی کافر ذمی کے مقابلہ میں ہے۔ کافر کی دو قسمیں ہی ہیں: حربی اور ذمی:

• اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں، حربی کافر ذمی کافر کے مقابلہ میں ہے کہ ذمی کافر جو مسلمانوں کی سلطنت میں اسلامی حکومت کی دائمی امان میں رہتا ہے اس کے ساتھ قتال جائز نہیں ہے اور جو کافر ذمی نہیں ہے وہ حربی ہے، اس کے ساتھ قتال فرض ہے خواہ بالفعل حربی نہ ہو۔ کافر کی دو قسمیں ہیں: حربی یا ذمی۔

• اعلیٰ حضرت اسی تحقیق کی بنیاد پر فرماتے ہیں، کافروں کے وہ ممالک جہاں آج تک اسلامی حکومت نہیں آئی وہ جس طرح جناب سرورِ دوعالم ﷺ کے زمانہ میں دارالحرب تھے آج بھی وہ دارالحرب ہیں۔ انہیں دارالحرب ہونے سے کسی چیز نے خارج نہیں کیا۔ جب ان ممالک میں اسلامی حکومت اور اسلامی احکام کا اجراء نہیں ہوا تو یہ ممالک دارالحرب ہونے سے کس طرح خارج ہوں گے۔ ان ممالک میں رہنے والے کافر جب ذمی نہیں ہیں تو حربی کیوں نہیں ہوں گے۔ لہٰذا

یورپی ممالک امریکہ، برطانیہ، جرمنی، جاپان، اٹلی، چین، آسٹریلیا وغیرہا ممالک دارالحرب ہیں، انہیں علامہ سعیدی صاحب کا حکماً دارالاسلام اور حقیقتاً دارالکفر قرار دینا اور دارالحرب سے خارج کردینا صحیح نہیں ہے۔

• معلوم ہوا اہلِ حق علماء کے نزدیک زمین پر دو دار ہی ہیں: دارالاسلام اور دارالحرب۔ تیسرا دار دارالکفر کے نام سے، جس کے احکام دارالاسلام اور دارالحرب سے مختلف ہوں، ثابت نہیں ہے۔

• پھر دارالحرب ممالک دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک دارالحرب اصلی حقیقی اور دوم دارالحرب غیر اصلی حکمی۔

۱) اول اگر کافر حکومتوں کے ممالک میں کبھی اسلامی سلطنت اور اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی، وہ ملک حقیقی اور دائمی دارالحرب ہیں کیونکہ ان میں کبھی بھی اسلامی احکام کا غلبہ اور ظہور نہیں ہوا اگرچہ اس قسم کے ملکوں میں مسلمانوں کو عبادت گاہوں اور عبادتوں کی اجازت ہو اور لاکھوں کی تعداد میں مسلمان رہتے ہوں اور انہیں اپنی عبادات کے لیے ہر قسم کی آزادی ہو مگر حکومت کے قوانین کافرانہ ہوں اور مملکت کا دستور اور آئین کفریہ ہو۔ جس طرح امریکہ، برطانیہ، جاپان، اٹلی، جرمنی، چین، کوریا اور دیگر ممالک جہاں کبھی اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی، وہ دارالحرب اصلی ہیں۔

۲) دوم اگر کسی ملک میں اسلامی حکومت قائم تھی اور اسلامی احکام کا غلبہ اور ظہور تھا مگر کافروں نے اس اسلامی ملک پر قبضہ کرلیا، اسلامی آئین منسوخ کردیا، اسلامی احکام اور عبادات پر پابندی لگادی تو ایسا ملک بھی دارالحرب ہوگا مگر یہ ملک پہلے دارالاسلام تھا پھر دارالحرب ہوگیا اس لیے یہ ملک دارالحرب غیر اصلی اور حکمی دارالحرب کہلائے گا۔

• دارالاسلام چونکہ دارالحرب کی ضد ہے اس لیے دارالاسلام کہلانے والے ممالک بھی دو قسم کے ہوں گے:

۱) اول اسلامی ملک جن میں بالفعل مسلمانوں کی حکومت قائم ہے اور اس ملک کا سربراہ مسلمان ہے، اس میں اسلامی احکام کا غلبہ اور ظہور ہے یعنی ملکی آئین اسلامی ہے یا اسلامی احکام کے نفاذ پر ملکی حاکم کو قدرت حاصل ہے اگرچہ حدود اور قصاص اور دیگر قوانین کے نفاذ پر عمل نہیں کیا جارہا۔ جس طرح موجودہ دور میں اسلامی ممالک پاکستان اور سعودیہ اور انڈونیشیا اور متحدہ عرب امارات کی ریاستیں وغیرہا ہیں۔ یہ ممالک دارالاسلام حقیقی اور اصلی ہیں۔

۲) دوم وہ ممالک جہاں پہلے اسلامی سلطنت قائم تھی اور وہ ممالک دارالاسلام تھے مگر کافروں نے ان ملکوں پر قبضہ کرلیا اور ملکوں کا فعال سربراہ (ایگزیکٹو) کافر مقرر ہوا مگر اس نے اسلامی احکام اور عبادات اور درسگاہوں اور مساجد اور عبادت گاہوں، اذان اور جمعہ اور عیدین پر پابندی نہیں لگائی، ایسا ملک بھی دارالاسلام ہوگا اگرچہ وہاں حکومت کافروں کی ہوگی۔ جس طرح متحدہ ہندوستان انگریزوں کے دور میں دارالاسلام تھا اور موجودہ انڈیا بھی اس وقت دارالاسلام ہے۔

خاتمہ:

• ۲۰۱۲ء مطابق ۱۴۳۳ھ کے رمضان المبارک کے بعد ارادہ کیا کہ زکوٰۃ کے موضوع پر بعض اہم مسائل لکھ کر شائع کردیئے جائیں۔ الحمدللہ آج بروز اتوار ۲۴ فروری ۲۰۱۳ء مطابق ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ صبح تقریباً نو بجے رف تسوید سے فارغ ہوا۔

خاک پائے اہلِ ایمان

محمد رفیق حسنی عفی عنہ

جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم

گلستانِ جوہر، بلاک ۱۵، کراچی۔